وفاء الوفا
باخبار دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
جلد 1 اور 2
تألیف
الشیخ العلامة نور الدین علی بن أحمد السمهودی
المتوفی ۹۱۱ھ
مترجم
شاہ محمد چشتی
نظر ثانی
محمد محسن
ادارہ پیغام القرآن
۴۰۔ اردو بازار، لاہور Ph:042-7323241

نام کتاب	....	وفاء الوفاء (حصہ سوم اور چہارم)
مصنف	....	الشیخ علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی
مترجم	....	شاہ محمد چشتی
ترتیب ونظر ثانی	....	محمد محسن
اہتمام اشاعت	....	محسن فقری
سال اشاعت	....	اپریل 2008ء
پروف ریڈنگ	....	شاہ محمد چشتی
کمپوزنگ	....	ہجویری کمپوزرز اینڈ ڈیزائنرز (0321-4553105)
پرنٹرز	....	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز
قیمت	....	

..................ملنے کے پتے..................

شبیر برادرز 40۔ اُردو بازار لاہور

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-555820)

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-5536111)

نظامی کتب خانہ درگاہ بابا صاحب پاکپتن شریف

فہرست ﴿حصہ سوم﴾

فہرست ﴿حصہ اوّل﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پانچواں باب

عید کے دن حضور ﷺ نمازِ عید کہاں پڑھتے تھے' کونسی مسجدوں میں آپ نے کوئی نماز پڑھی' وہ مسجد کہاں اور کس طرف تھی' مدینہ میں تھی یا کہیں اردگرد' قبرستان اور اس میں دفن شدہ حضرات کا ذکر' مدینہ کے قابل زیارت مقامات نیز اُحد پہاڑ کی عظمت اور وہاں کے شہداء کا ذکر' سات فصلوں میں:

فصل نمبر ۱

آپ نے عیدیں کس کس مقام پر پڑھیں؟

اس کے کئی پہلو ہیں پہلا پہلو وہ مقامات ہیں جہاں آپ نے نمازِ عید پڑھائی۔

حضور ﷺ کی پہلی نمازِ عید کا مقام

علامہ واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو ۲ھ میں آپ نے مصلّٰے (ایک مقام) میں نمازِ عید پڑھی اور آپ کے لئے پھل لگے والا ڈنڈا اُٹھا لایا گیا' یہ وہ ڈنڈا تھا کہ کھلی جگہ میں نماز پڑھتے وقت اسے آگے گاڑا جاتا تھا' یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا' انہیں ایک نجاشی نے دیا تھا' آپ نے حضور ﷺ کو بطور عطیہ پیش کر دیا تھا' عید کا دن ہوتا تو آپ اسے سامنے رکھتے' آج کل (دورِ واقدی میں) وہ اذان دینے والوں کے پاس ہوتا ہے یعنی لوگ ان کے دور میں اسے امام کے سامنے رکھنے کے لئے لے جاتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب ہم بنو قینقاع کے ہاں سے ہو کر واپس آئے تو دسویں ذوالحجہ کی صبح کو ہم نے قربانی کی' یہ وہ پہلی قربانی جسے مسلمانوں نے ہوتے دیکھا تھا' اس موقع پر بنوسلمہ کے مالدار لوگوں نے قربانی کی تھی' یہ شمار کی گئیں تو سترہ تھیں۔

عید نماز پڑھنے کا مقام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مدینہ میں حضور ﷺ نے لوگوں کو عید کی نماز حضرت حکیم بن عداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی میں پڑھائی' وہاں بار برداری کے اونٹوں والے لوگ رہتے تھے۔ ابن شبہ نے حضرت ابو فروہ کی وساطت سے بتایا کہ آپ نے اسی مکان پر پڑھائی تھی اور ابن زبالہ کی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ

ان کے مطابق حضرت ابراہیم بن ابو امیہ نے کہا: میں نے ہودج بنانے اور بیچنے والوں کے پاس حضرت ابو یسار کے گھر کے گوشہ میں ایک طرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک مسجد دیکھی؛ اور کوئی مسجد وہاں موجود نہ تھی اور یہ وہی مسجد تھی جس میں حضور ﷺ نے قربانی کے دن نماز پڑھائی تھی آپ نے اور آپ کے صحابہ نے یہیں قربانیاں کی تھیں اور پھر جانور اُٹھالے گئے تھے۔ پھر بتاتے ہیں؛ مجھے قربانی کے جانور اُٹھانے والوں کو دیکھنے والے ایک انصاری نے بتایا اور پھر ابن ابی فروہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی تو اس وقت آپ اس ذبح خانہ کے پیچھے تھے جو حضرت عداء بن خالد کے گھر کی پچھلی طرف کھلے صحن میں تھا؛ اسے دار ابی یسار کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں؛ گذشتہ روایات یہ بتا رہی ہیں کہ نماز اسی مسجد میں پڑھی گئی تھی اور حکیم بن عداء کا گھر وہی تھا جو ان کے والد عداء بن خالد بن ھوذہ بن بکر بن ھوازن کا تھا لہٰذا کوئی اختلاف نہیں تاہم مجھے ان کے اس گھر کا کوئی علم نہیں کہ کہاں تھا البتہ ان کا قول: عند اصحاب المحامل یہ بتاتا ہے کہ یہ جگہ بازار کی بالائی جانب تھی جو مصلّے (جائے نماز عید) سے متصل تھی؛ ان روایات کی ابتداء میں یہ آچکا ہے کہ یہاں پہلی نماز پڑھی گئی تھی۔

نمازِ عید متعدد مقامات پڑھی گئی

یہ سوال کہ سب سے پہلے نماز کہاں پڑھی گئی؟ اس میں اختلاف کی روایت بھی ابن زبالہ نے ذکر کی ہے چنانچہ ایک عمر رسیدہ اور پختہ بزرگ نے بتایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلی نمازِ عید حارۃ الدوس (دوس کے چوک) میں پڑھی؛ یہ ابن ابی الجنوب کے گھر کے پاس تھا؛ دوسری نمازِ عید دارِ حکیم کے پاس پڑھی جو دارِ حفرہ کے قریب تھا اور اس حویلی میں تھا جس کے اندر مسجد تھی؛ پھر تیسری عید آئی تو دارِ عبد اللہ بن دار مزنی کے پاس پڑھی جو دارِ معاویہ اور دارِ کثیر بن صلت کے درمیان تھا اور پھر چوتھی عید مقام ''احجار'' کے قریب پڑھی جو مصلّے میں حناطین (مردوں پر خوشبو لگانے والے) کے قریب تھا؛ پھر محمد بن عبد اللہ بن کثیر بن صلت کے گھر کے اندر پڑھی اور پھر وہاں بھی پڑھی تھی جہاں آج کل (دورِ ابن زبالہ میں) لوگ پڑھا کرتے ہیں؛ یونہی ابن شبہ نے ابراہیم بن ابو امیہ کے حوالے سے لکھا: انہوں نے کہا: میں نے ابن باکیہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دار الشفاء میں نمازِ عید پڑھی؛ پھر حارہ الدوس میں اور پھر مصلّے میں پڑھی اور یہ بات ثابت ہے کہ وصال شریف تک آپ یہیں پڑھتے رہے۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ آل درہ کی جگہ میں نمازِ عید پڑھی تھی؛ یہ مزینہ کا ایک قبیلہ تھا اور پھر اس کے قریب ہی بنو زریق کے قلعہ کے بائیں کونے میں پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ ''ثمّ صلّی فی المصلّٰی فثبت یصلّی فیه حتی تو فاہ اللّٰه تعالٰی'' کی وضاحت ابن زبالہ کے پہلے اس قول میں موجود ہے کہ ''پھر آپ نے وہاں نماز پڑھی جہاں آج کل لوگ پڑھا کرتے ہیں۔'' یعنی جس کو ''مسجد مصلّے'' (عیدگاہ) کہا جاتا ہے۔

عید گاہ اور باب السلام کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا

ابن شبہ کے مطابق ابو غسان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد (جہاں دار مروان بن حکم تھا) اور عید گاہ کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں' خود میں نے پیائش کی تو اتنا ہی فاصلہ تھا' اس مسجد سے مراد وہی ہے جس کا ذکر بخاری شریف کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن اس علم (نشان) کے پاس تشریف لائے جو دار کثیر بن صلت کے پاس تھا۔الحدیث۔

لگتا ہے کہ مسجد بنانے سے پہلے انہوں نے اس نماز عید پڑھنے کی جگہ پر کوئی نشان قائم کر رکھا تھا جس سے مسجد کا پتہ چل سکے۔ اس علم سے یہی مراد ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ: دار کثیر بن صلت عید گاہ کی قبلہ والی جانب تھا' یہ مدینہ کے وسط میں بطحان الوادی پر دکھائی دیتا تھا۔انتہی۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ وہ بطحان الوادی سے متصل تھا' اس کے اور اس کے درمیان فاصلہ تھا' یہ اس سے پہلے آتا تھا اور ولید بن عقبہ کے قبضے میں تھا' پھر کثیر بن صلت کے نام سے مشہور ہو گیا' یہ تابعین میں سے تھے' حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہوئے اور پہچان کے لئے یہ مکان انہی کے نام سے مشہور ہو گیا' یہ کثیر بن صلت وہ نہیں جنہوں نے اس زمین کی حد بندی کی تھی' ہاں ابن حجر نے یہ بات نہیں مانی کیونکہ ان کا کہنا ہے: کثیر بن صلت نے حضور ﷺ کے وصال کے کچھ دیر بعد اپنا گھر بنایا تھا لیکن چونکہ یہ اس علاقے میں مشہور تھا اس لئے اسے عیدگاہ کے قریب کہا گیا۔انتہی۔

ہمارے پاس وہ قول ابن شبہ دلیل ہے جو انہوں نے بنو عبد شمس اور نوفل کے گھروں کے بیان میں کیا ہے کہ:

"ولید بن عقبہ بن ابو معیط نے اپنا وہ گھر بنایا جو حضور ﷺ کی عیدگاہ میں تھا اور جہاں حضور ﷺ عید پڑھا کرتے تھے' آج بھی وہیں نماز پڑھی جاتی ہے' یہ آل کثیر بن صلت کندی کے قبضے میں تھا' حضرت عثمان نے یہاں شراب کی وجہ سے ولید کو کوڑے لگائے تھے' انہوں نے قسم اُٹھائی تھی کہ جب تک ان دونوں کے درمیان بطنِ وادی موجود ہے' وہ یہاں رہائش نہیں کریں گے چنانچہ کثیر بن صلت نے درمیان گھر بنا دیا جو دار کثیر تک جاتا تھا جو اس بطحان میں تھا جسے دار الولید بن عقبہ کہا جاتا تھا اور جو وادی کے پہلو میں تھا یعنی عدوۂ غربیہ کی جانب سے۔

جن مقامات پر آپ نے عید پڑھی' ان کی حد بندی

وہ جگہ جہاں ہودج بنانے والوں کے قریب پہلی عید پڑھی گئی (یہ لوگ ہودج بناتے اور بیچا کرتے تھے) بظاہر یہ وہی جگہ ہے جسے آج کل "مسجد علی" کہتے ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور رہی وہ جگہ جس کا ایک اور روایت میں ذکر آتا ہے کہ دار ابن ابی الجنوب کے پاس تھی تو اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں' ہاں دار ابن ابی الصلت حرہ غربیہ میں تھا جو وادیٔ بطحان کے مغرب میں تھا اور وہ جگہ جو ان کے قول "عند دار عبد اللّٰہ بن درۃ المزنی الخ" میں مذکور ہے تو اس

کے بارے میں آ چکا کہ مزینہ کے گھر عید گاہ کے مغرب اور قبلہ میں تھے پھر یہ بھی گزر چکا کہ دار کثیر بن صلت عید گاہ کے قبلہ کی جانب تھا جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر اس کے سامنے تھا' عنقریب حضورﷺ کے قباء کو جانے کے راستے کے بیان میں آ رہا ہے کہ آپ عید گاہ کو تشریف لے جاتے پھر دونوں گھروں کے درمیان گلی میں چلے جاتے چنانچہ آج کل یہ عید گاہ والی جگہ بنتی ہے' یا تو مغرب کی جانب سے یا پھر مشرق کی جانب سے اور پہلا قول زیادہ قریب ہے البتہ باقی جگہوں کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کدھر تھیں ہاں ظاہر یہ ہے کہ یہ عید گاہ کے گرد ہی ہوں گی اور ان میں سے کچھ مدینہ کے بازار میں کیونکہ اس میں حناطین (خوشبو لگانے والوں) کا ذکر ہے اور حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کے بیان میں آئے گا کہ وہ حناطین کی طرف تھیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان مشہور جگہوں میں سے آج کل ایک مسجد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہلاتی ہے' یہ عریضیہ نامی باغ کے نام سے مشہور تھی۔

رہی حضرت براء بن عازب کا یہ بتانا کہ: حضورﷺ قربانی کے دن بقیع کی طرف نکلے اور دو رکعتیں پڑھیں' پھر چہرۂ انور ہماری طرف کر کے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ''آج پہلا کام ہم یہ کریں گے کہ نماز پڑھیں گے اور پھر واپس جا کر قربانی کریں گے۔'' الحدیث تو بظاہر اس سے مراد بقیع الغرقد ہے لیکن میرے نزدیک یہ مراد لینا بعید از قیاس ہے کیونکہ قدیم مؤرخین نے اس حدیث کے مشہور ہونے کے باوجود اس معنیٰ کا ذکر نہیں کیا' یونہی مطری اور ان کے پیروں کاروں نے بھی اسے ذکر نہیں کیا' ہاں ابنِ حجر نے عجیب بات کہی ہے' انہوں نے بخاری کے تعارف پر گفتگو کرتے ہوئے عید گاہ کے نزدیک سنگساری کے بارے میں کہا: اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کے نزدیک عید اور جنازے پڑھے جایا کرتے تھے' یہ جگہ بقیع غرقد کی جانب تھی۔

ظاہر ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہری معنیٰ کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی ہے اور جنازگاہ کے مقام کے نزدیک سنگساری کی اور روایت بھی ملتی ہے اور یہ بات گزر چکی کہ جنازگاہ مسجد کی مشرقی جانب بابِ جبریل کے پاس تھی حالانکہ وہ جگہ بقیع غرقد کا حصہ نہیں اور جہاں بھی ''مصلّٰی'' کا ذکر آئے' وہاں اس سے مراد وہ مشہور جگہ ہی ہوتی ہے جو مدینہ کے مغرب میں تھی جبکہ بقیع الغرقد اس کے مشرق میں تھا پھر ابن حجر نے ایک اور مقام پر درست بات لکھی جو دوسرے پہلو کے بیان میں آ رہی ہے اور اس شرط پر کہ گذشتہ حدیث براء سے مراد بقیع غرقد ہے تو یہ ان مقامات میں ہو گا جہاں حضورﷺ نے کسی سال نماز پڑھی تھی لیکن جب صرف ''مصلّٰی'' کا ذکر کیا جائے تو یقیناً یہ مفہوم مراد نہیں ہوتا اور میرے نزدیک حدیث براء میں بقیع سے مراد مدینہ کا باغ ہے کیونکہ ہم اس میں بتا چکے ہیں کہ اس سے مراد بقیع الخیل ہے اور وہ واقعی ان مقامات میں سے ایک تھا جن میں کبھی نماز عید پڑھی گئی تھی اور یونہی اس حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی مراد ہے جس میں ہے کہ ''میں بقیع میں درہموں کے بدلے اونٹ بیچ کر ان کی جگہ دینار لیتا ہوں اور جو کچھ ہم ابن زبالہ سے نقل کر چکے ہیں' اسے ذکر کر کے علامہ مطری لکھتے ہیں: ''جن مسجدوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں نمازِ عید پڑھی گئی' ان میں سے یہی مسجد مراد ہے جہاں آج کل نمازِ عید پڑھی جاتی ہے اور وہی مسجد مراد ہے جو عریضیہ

نامی باغ کے شمال میں عین الازرق کے قبہ سے متصل ہے اور جسے آج کل مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا ہے' شاید اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے یہاں نماز پڑھی ہوگی اور ایک بڑی مسجد جو اس باغ کی بائیں جانب' اس سے متصل تھی' اسے مسجد علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے' اور اس کا یہ مقصد نہیں کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں مدینہ میں وہاں عید کی نماز پڑھی تھی ورنہ آج کل کی یہ مسجد کی انہی جگہوں میں شمار ہوگی جہاں حضور ﷺ ہر سال اور ہر عید کی نماز پڑھی تھی کیونکہ ان میں سے ایسی کوئی مسجد نہیں جس میں حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اکیلے نماز پڑھی ہو اور وہ مسجد چھوڑ دی ہو جس میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔''انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں' یہ جو مطری نے لکھا ہے کہ ابن زبالہ کا ارادہ یہ بتانا نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نمازِ عید پڑھی تھی' یعنی اس مسجد کی طرف نسبت ظاہر نہیں ہوتی' لگتا ہے وہ اس سے واقف نہیں جو ابن شبہ نے ابن ازھر کے غلام سعد بن عبادہ سے روایت کی تھی' انہوں نے بتایا: ''میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس وقت نمازِ عید پڑھی جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محاصرے میں تھے' آپ نے نماز پڑھی اور پھر نماز کے بعد خطبہ دیا اور پھر زھری سے بھی روایت کی اور کہا: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جمعہ پڑھائی جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محاصرے میں تھے اور عید کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس مقام پر نماز پڑھی تھی کیونکہ یہ ان مقامات میں سے تھے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھائی تھی' یہ مطلب نہیں کہ یہاں نماز آپ ہی سے شروع ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

عید گاہ کھلے میدان میں ہوتی تھی

نبی کریم ﷺ کے دور کے اندر کسی مسجد میں نمازِ عید نہ پڑھی جاتی تھی بلکہ یہ بے آباد جگہ ہوتی' تعمیر والی نہ ہوتی تھی جبکہ نبی کریم ﷺ نے وہاں تعمیر کرنے سے روک رکھا تھا اور یہی وجہ ہے کہ سنگسار وہیں کیا جاتا تھا۔ کچھ علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس مصلیٰ کو مسجد کا حکم دیا جاتا ہے اگرچہ وہ مسجد کے لئے وقف نہ تھی لیکن یہ قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ جس نے حضور ﷺ کا مصلیٰ دیکھا اور وہ جانتا ہے کہ وہ مدینہ کے بازار تک پھیلا ہوا تھا اور وہاں کے گھروں اور راستوں کو جانتا ہے' اسے معلوم ہے کہ یہ قول صحیح نہیں اور حدیث پاک میں ''رجم'' (سنگساری) کا یہ مطلب لینا کہ وہ اس کے قریب کیا جاتا تھا' یہ اس کے لفظوں سے نہیں سمجھا جاتا تھا اور جو آج کل وہاں مسجد بن چکی ہے' وہ اس کے کچھ حصے میں ہے اور وہ حصہ وہی ہے جہاں حضور ﷺ کھڑا ہوتے تھے اور یونہی دوسری دونوں مسجدیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں مسجدیں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بنائی گئی تھیں جن میں سے پہلی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جسے آج کل ''مسجد مصلیٰ'' کہتے ہیں کیونکہ ابن شبہ نے نقل کیا ہے کہ ابو غسان نے یہاں سے مسجد نبوی تک پیمائش کر کے یونہی بتایا تھا۔

دوسری مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے پہچانی جاتی تھی اور جو باغ عریضیہ میں تھی جس کی بائیں اس باغ کے چوپائیوں کے چارہ رکھنے کی جگہ بھی جبکہ چوپائے اس مسجد والی جگہ سے داخل ہوتے تھے جو اس سے شامی جانب تھا' باغ والے لوگ یہاں سے مویشی گذرنے کو اچھا نہیں جانتے تھے چنانچہ کبھی ایسے بھی ہوتا کہ وہ انہیں یہاں پکڑ لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں وہاں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ کوڑا خانہ بنا ہوا تھا اور نہایت برا معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ مویشیوں کے گوبر اور پیشاب سے بھرا پڑا تھا' مجھے نماز پڑھنے کے لئے وہاں کوئی جگہ نہ مل سکی چنانچہ اس سلسلے میں میں نے شیخ الخدام امیر اینال سے بات کی جو اس باغ کے نگران تھے کہ اس چارہ رکھنے کی جگہ کا دروازہ بدل دیں اور اسے مسجد کے باہر سے دروازہ دیدیں چنانچہ انہوں نے اپنے فقیہ شہاب احمد نوسی کو اس بارے میں غور کرنے کو کہا چنانچہ انہوں نے اس مسجد کے چھتے ہوئے حصے' جس میں محراب تھی' کی شامی جانب دیوار کر دی تاکہ مویشی وہاں نہ جا سکیں اور مسجد کی غربی دیوار میں جالی والا دروازہ تھا' اسے انہوں نے اس جگہ کا دروازہ بنا دیا اور مسجد کا کھلا حصہ جو اس کی شامی جانب تھا' چوپایوں کے لئے ڈیوڑھی بن گیا چنانچہ میں نے ان سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے یہ کہا گیا ہے کہ مسجد صرف وہی حصہ ہے جو چھتا ہوا ہے حالانکہ مسجد کی دیواریں واضح طور پر اس بات کو غلط ثابت کر رہی تھیں' انہیں غور کرنا چاہئے تھا۔

تیسری مسجد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب تھی' وہ گر چکی اور اس کا نام و نشان نہ رہا' حج کے موسم میں کوئی حاجی فوت ہو جاتا تو وہیں دفن کر دیا جاتا کیونکہ وہ حاجیوں کے راستے ہی میں تھی چنانچہ امیر زین الدین ضغیم منصوری' امیر مدینہ نے اسے ۸۸۱ھ میں نئے سرے سے تعمیر کر دیا۔

رہی پہلی مسجد جو آج کل مسجد مصلّٰی کے نام پر مشہور ہے تو یہ محفوظ چلی آتی ہے' اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے چنانچہ کئی مرتبہ یہاں سے چیزیں چرا لی گئیں لہٰذا شیخ الخدام نے اسے بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آج کی یہ تعمیر کس نے کی تھی البتہ اس کے دروازے پر میں نے ایک پتھر لگا دیکھا ہے جس پر کچھ لکھائی مٹ چکی ہے' اس پر لکھا ہے:

"امر بتجدید هٰذا المسجد المنسوب للنّبیّ صلی اللّٰہ علیه وسلّم بعد ذھابه و خرابه عز الدین شیخ الحرم الشریف النّبویّ و ذٰلك فی ایّام السلطان الملك النّاصر حسن بن السّلطان محمد بن قلاوون الصالحی."

(نبی کریم ﷺ سے منسوب اس مسجد کو خرابی کے بعد عز الدین شیخ الحرم نے سلطان الملک الناصر حسین بن سلطان محمد بن قلاوون صالحی نے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔) اس کے بعد والی لکھائی مٹ چکی تھی جبکہ سلطان حسن ۷۴۸ھ میں والی بنے تھے اور ۷۶۲ھ تک امیر رہے اور اس مسجد کا دروازہ اس کی شامی دیوار میں محراب کے سامنے والی جانب تھا' اس

کے دروازے کی باہر کی جانب مسجد میں داخل ہونے والے کی دائیں جانب سیڑھی تھی جو دروازے کی دائیں طرف سے اوپر محفوظ مقام کی طرف جاتی تھی۔ اس کا جو حصہ بگڑ گیا تھا' اسے اشرف اینال کے دور میں ۸۶۱ھ کو امیر بردبک معمار نے درست کیا تھا اور اس گذشتہ جگہ کے لئے مذکورہ دروازے کی دائیں جانب ایک اور سیڑھی اندر کی جانب بنائی جہاں سے اوپر چڑھا جا سکے اور یہ وہی جگہ تھی جہاں عید کے دن خطیب کھڑا ہوتا تھا نیز امیر بردبک نے مسجد کی باہر کی جانب اس جگہ کے سامنے ایک حصہ چھت دیا تا کہ خطیب کے سامنے لوگ بیٹھ سکیں۔ عید کے دن اہلِ مدینہ کے اہل سنت اور نامور لوگ اس ''مصلّٰی'' میں جمع ہوتے' شیخ الخدام اور ان کے ساتھی بھی ہمراہ ہوتے اور چند کے سوا کوئی شخص باہر نہ رہ جاتا کیونکہ عادت بن چکی تھی کہ جمعہ اور عید کے موقع پر ان کی صف خطیب کے سامنے ہوتی کیونکہ بدر بن فرحون نے بتایا کہ اہل سنت کے سب سے پہلے قاضی امام علامہ عمر بن احمد خضر' سلطان المنصور قلاؤن صالحی کے دور میں ۶۸۲ھ کو مقرر ہوئے تھے' ان سے قبل آلِ سنان کے شیعہ قاضی ہوتے تھے' خطیب کا منصب انہی کے پاس تھا چنانچہ مذکور سلطان نے ان سے سراج کے لئے یہ منصب لے کر انہیں معزول کر دیا' وہ انہیں (سراج) سخت تکلیف دیتے رہے تھے چنانچہ ابن فرحون لکھتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ لوگ انہیں اس وقت کنکر مارا کرتے جب وہ خطبہ دیتے ہوئے' منبر پر بیٹھتے اور جب یہ سلسلہ بڑھ گیا تو خدام آگے آئے اور انہوں نے امام کے سامنے بیٹھنا شروع کر دیا چنانچہ یہی وہ وجہ تھی جس کی بناء پر خدام کی صف (لائن) خطیب کے سامنے ہوتی تھی اور ان کے پیچھے ان کے لڑکے اور غلام ہوتے تھے۔ اھ اور آج تک یہی سلسلہ جاری ہے۔ جب امام مسجد میں موجود لوگوں کو عید کی نماز پڑھا دیتے تو صفیں چیرتے ہوئے' گردنیں پھلانگتے ہوئے اس دروازے سے نکلتے اور اس سیڑھی پر چڑھ کر اوپر چلے جاتے' پیٹھ قبلہ کی طرف کر کے خطیبوں کی عادت کے مطابق چہرہ لوگوں کی طرف کر کے خطبہ دیتے' یوں مسجد میں بیٹھے تمام لوگ ان کی پیٹھ کے پیچھے ہوتے' مسجد والے لوگ قبلہ کی طرف پشت کرتے' ان کی پیٹھ کی طرف متوجہ ہو جاتے اور مسجد کے باہر نماز پڑھنے والوں میں سے اکثر لوگ بھی انہیں دیکھ نہ پاتے کیونکہ نئی چھت اس جگہ کے درمیان حائل ہو جاتی تھی حالانکہ وہ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے۔

یہ سارا سلسلہ سنت کے خلاف تھا کیونکہ حضور ﷺ کے اس موقع پر فعل سے ثابت ہے کہ آپ اس مصلّٰے پر کھڑے ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے جبکہ لوگ سامنے صفیں باندھے بیٹھے ہوتے۔ ہم آگے اس کی وضاحت کر رہے ہیں اور جس کا یہ خیال ہے کہ وہ مقامِ نبی ﷺ پر کھڑے ہو کر اس موجودہ صورت میں نماز پڑھے تو وہ سخت غلطی میں ہو گا اور بے ادب ہو گا' یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ سے منہ پھیر کر ان سب کو یا اکثر کو اپنے پیچھے کر کے خطبہ دیتے تھے اور بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رُخِ انور کو چھوڑ کر ان کا اپنی طرف پیٹھ کرنا گوارا کر لیتے درانحالیکہ آپ انہیں خطبہ دے رہے ہوتے' صحابہ کرام تو بڑے با ادب تھے اور انہیں حد درجہ شوقِ دیدار رہتا تھا اور علماءِ اسلام اس سنت کے خلاف کیسے متفق ہو سکتے تھے' اسے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ واللہ اعلم۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ حضور ﷺ منبر کے بغیر مصلّٰے میں کھڑے ہوتے اور لوگوں کی طرف متوجہ رہتے تھے۔

حضور علیہ السلام نے عید کیسے پڑھی؟

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح میں ایک باب درج کیا: باب الخروج الی المصلّٰی بغیر المنبر اور پھر اس میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لکھی' انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں مصلّٰے (عیدگاہ) تشریف لے جاتے' سب سے پہلے نماز پڑھائی جاتی پھر وہاں سے ہٹ کر آپ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے' لوگ صفیں باندھے بیٹھے ہوتے' آپ انہیں وعظ فرماتے' وصیتیں فرماتے اور حکم فرمایا کرتے پھر لشکر کہیں بھیجنا ہوتا تو ساز و سامان کا انتظام فرماتے یا کوئی حکم فرمانا ہوتا تو ارشاد فرماتے اور پھر ایک طرف ہو جاتے۔

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: لوگ اسی طرح کرتے رہے اور جب مروان حاکم مدینہ تھے تو میں ان کے ساتھ نکلا' عید الاضحیٰ یا عید الفطر کا موقع تھا ہم مصلّٰے کی طرف چلے تو دیکھا کہ منبر موجود ہے جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا' مروان اس پر چڑھنا چاہتے تھے حالانکہ ابھی انہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی چنانچہ میں نے انہیں کپڑے سے کھینچا' وہ کپڑا چھڑا کر اوپر چڑھ گئے اور نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کر دیا' میں نے کہا' بخدا تم تبدیلی کر رہے ہو' انہوں نے کہا: اے ابوسعید! جو آپ جانتے ہیں' وہ وقت گیا' میں نے کہا: بخدا جو میں جانتا ہوں وہ تمہاری لاعلمی سے بہتر ہے۔ مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد سامنے نہ ہوں گے لہٰذا میں نے اسے پہلے کر دیا ہے۔ یہ الفاظِ بخاری تھے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ: حضرت ابوسعید کے ''مصلّٰے کی طرف'' کہنے کا مطلب وہ مصلّٰے تھا جو مدینہ میں مشہور تھا' اس کے اور مسجد نبوی کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ یہ ابوغسان کا قول ہے اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ اپنے مصلّٰے کے مقام پر کھڑے لوگوں کی طرف منہ پھیر لیتے۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے بخاری شریف میں اس قول سے یہی مراد ہے' فرمایا تھا: ''آپ مڑ کر لوگوں کی طرف سامنے کھڑے ہو جاتے۔'' یعنی آپ اپنے مصلّٰے پر کھڑے قبلہ کی طرف پیٹھ کر لیتے۔ امام بخاری نے عید میں امام کے لوگوں کی طرف منہ کرنے کی وضاحت کی ہے اور پھر اس میں حضرت ابوسعید کی حدیث کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے' ائمہ کرام نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ سنت ہے۔

علامہ زین بن منیر کہتے ہیں کہ علامہ بخاری یہ وضاحت دوبارہ کر رہے ہیں حالانکہ اس کی مثال وہ جمعہ میں بیان کر چکے ہیں' آپ اس وہم کا احتمال دور کرنا چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں عید جمعہ کے خلاف ہوتی ہے' جمعہ میں تو امام کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا ہوتا ہے البتہ عید میں یوں نہیں ہوتا کیونکہ اس پر وہ پاؤں پر کھڑا ہو کر خطبہ دیا کرتا ہے جیسے ابوسعید کی مذکور حدیث سے پتہ چل رہا ہے تو امام بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لوگوں کی طرف متوجہ ہونا بہرحال سنت ہے۔

مصلاّئے عید کا منبر کس نے بنایا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔گذشتہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں آپ کے مصلّٰے کا منبر نہیں ہوتا تھا' یہ مروان کے لئے بنوایا گیا تھا چنانچہ حضرت ابوسعید کا یہ فرمان یہی کچھ بتاتا ہے: فلم یزل الناس الخ۔امام مالک کی جمع کردہ کتابوں میں یہ آچکا ہے' ابن شبہ نے اسے ذکر کیا کہ امامِ مالک نے کہا: مصلاّ میں منبر پر کھڑا ہو کر سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطاب فرمایا تھا' آپ نے مٹی سے بنے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا تھا' اسے حضرت کثیر بن صلت نے بنایا تھا لیکن اس بات میں پیچیدگی ہے جبکہ صحیحین میں صحیح لکھا ہے چنانچہ مسلم کی روایت بخاری جیسی ہے۔ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ایک ہی مرتبہ کیا ہو اور پھر یہ کام چھوڑ دیا ہو' پھر مروان نے اسے شروع کر دیا ہو اور حضرت ابوسعید کو اس کا علم ہی نہ ہو۔انتہی۔

میں کہتا ہوں' لیکن ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بارشیں نہ ہونے کی شکایت لے کر حاضر ہوئے' اس دوران آپ نے منبر کا حکم دیا جسے مصلّٰے میں رکھا گیا۔

پھر ترمذی شریف میں ہے کہ حضور ﷺ بارش کی دعا کے لئے مصلّٰے کو تشریف لے گئے اور منبر پر چڑھے۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ مصلّٰے میں بارش کی دُعا کے لئے منبر پر چڑھے تھے اور لگتا ہے کہ جس نے خطبۂ عید کے لئے منبر تیار کرایا تھا' اس کے پاس یہی دلیل تھی' انہوں نے بارش کی دُعاء کے موقع پر قیاس کیا اور بھی احتمال ہے منبر کے لئے بارش کی دُعا کا موقع خاص ہوتا تا کہ عام لوگ امام کو دیکھ سکیں اور جب وہ چادر گھمائیں تو یہ بھی انہیں دیکھ کر چادر گھما سکیں اور ان کے ہاتھ اُٹھانے کی حالت دیکھ سکیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول غیّر تم و اللہ اس بارے میں واضح ہے کہ آپ ہی نے اسے ٹوکا تھا جبکہ مسلم میں روایت ہے: ''مروان کی طرف ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ خطبہ سے پہلے نماز؟ وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے وہیں چھوڑ دیا' اس پر حضرت ابوسعید نے کہا' اس نے تو اپنا کام پورا کر دیا۔ اب احتمال یہ ہے کہ مروان کو ٹوکنے والے ابو مسعود ہوں کیونکہ عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ یہ جوان دونوں کے ساتھ ہی تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعات کئی ہوں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قاضی عیاض اور رجاء کی دونوں روایتیں مختلف ہیں چنانچہ عیاض کی روایت میں تو ہے کہ یہ منبر مصلّٰے (عیدگاہ) میں بنایا گیا تھا جبکہ رجاء کی روایت میں ہے کہ مروان اسے ساتھ لے گئے تھے اور پھر یہ کہ حضرت ابوسعید کا ٹوکنا انہی دونوں کے درمیان رہا جبکہ دوسرے شخص نے عام لوگوں کے سامنے ٹوکا۔رہا مروان کا یہ قول کہ: ''لوگ نماز کے بعد ہماری خاطر نہیں بیٹھیں گے'' تو یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔

نمازِ عید سے قبل سب سے پہلے خطبہ کس نے دیا؟

اس میں اختلاف ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ کس نے دیا تھا چنانچہ صحیحین کی ابوسعید والی روایت واضح طور پر بتا

رہی ہے کہ وہ مروان تھے جبکہ ابن المنذر' حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا: سب سے پہلے نماز سے قبل جس شخص نے خطاب کیا' وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور پھر خطاب فرمایا یعنی یہ ان کی عادت تھی پھر دیکھا کہ لوگ نماز میں شامل نہیں ہو پاتے لہٰذا آپ نے یوں کہا تھا یعنی نماز سے پہلے خطاب کرنا شروع کر دیا اور یہ دلیل وہ نہیں جو مروان کی تھی کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مصلحت جانی کہ لوگ نماز میں شامل ہو سکیں لیکن مروان کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ لوگ خطبہ سن سکیں لیکن یہ کہا گیا ہے کہ مروان کے دور میں لوگ جان بوجھ کر خطبہ نہیں سنتے تھے کیونکہ ان کے خطبہ میں انہیں برا بھلا کہا جاتا تھا جو اس لائق نہ تھے اور پھر کچھ لوگوں کی حد سے زیادہ تعریف کی جاتی تھی چنانچہ انہوں نے اپنی مصلحت پیش نظر رکھی۔ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کبھار ایسا کیا ہو لیکن مروان کا مسلسل یہ طریقہ رہا لہٰذا یہ طریقہ مروان سے منسوب ہو گیا۔

ہم نے ابن حجر وغیرہ کا بقیہ کلام' جس میں اور بھی اچھی باتیں موجود ہیں' اپنی کتاب "الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفےٰ ﷺ" میں ذکر کیا ہے اور اس میں بیان کیا ہے کہ آج کی سیڑھیاں جن پر خلیب چڑھا کرتا ہے اس مقام پر نہیں مروان کے لئے بنائی گئی تھیں کیونکہ مروان نے اگرچہ خطبہ پہلے دیا تھا لیکن اس میں ان کا ایک مقصد تھا' رہا ان کا یہ خلاف سنت منبر بنانا پھر سب لوگوں یا کچھ کو اپنی پیٹھ پیچھے کرنا تو یہ ایک بے مقصد کام تھا اور پھر یہ بعید ہے کہ ان کے بعد آنے والے اس کا اقرار کر لیں اور یہ بھی ہے کہ اگر یہ اسی مروان کا کام ہوتا تو انہیں اسی طرح ٹوکا جاتا جیسے پہلے بتایا گیا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ سیڑھیاں مروان کے منبر کی جگہ پر ہیں تو انہیں تبدیل کرنا چاہئے تھا اور اتباع اس کی کرنا چاہئے تھی جو حضور ﷺ کا صحیح فعل تھا جیسے خطبہ میں اختلاف کیا گیا اور حضور ﷺ کے فعل کی پیروی کی گئی اور اسے نماز کے بعد کر دیا گیا' اور لوگوں کے مسلسل کام کو اپنا لینا وہاں ہوتا ہے جہاں حکم شرع معلوم نہ ہو سکے اور جس کا حکم معلوم ہو جائے تو شریعت کی پیروی واجب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی برائی بیان کی ہے جو حق کا انکار کرنے میں پہلے لوگوں کے عمل اپناتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی ہوئی بات بتاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۝ (سورۂ زخرف' ۲۳)

"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے نہیں۔"

تو لازم ہے کہ جو مقام نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے' اسے ایسی بری بدعت سے پاک رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے کچھ ان سیڑھیوں کے بارے میں بتا دیا ہے جو محراب مسجد میں کھڑے ہونے والے کی دائیں طرف ہیں جیسے علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ سنت ہے اور وہ اونچی ہوتی ہیں کہ باہر کھڑا شخص اس پر کھڑے ہونے والے کو نظر آ سکے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ سیڑھیاں مبلغ کے لئے بنائی گئیں اور خطیب زمین پر کھڑا ہوتا کیونکہ حضور ﷺ سے یہی کچھ ثابت ہے تو شاید کچھ خطیب اس کے بعد ان پر کھڑے ہوئے اور یہ کام اب تک جاری ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسرا پہلو: مصلّٰی شریف کی فضیلت، وہاں دُعا کرنا، حضور ﷺ نے اسے تنگ کرنے سے منع فرمایا اور بنانے سے روکا۔

ابن شبہ نے مصلّٰی کی وضاحت کرتے ہوئے ابن نجار سے لکھا، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ بنت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ مکہ کو نکلا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ بلاط میں ہوتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہیں رہا کرو کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا، فرماتے تھے کہ: "میری اس مسجد اور میرے مصلّٰے کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری موجود ہے۔" تو حضور ﷺ کا اس حدیث میں فرمان "ما بین مسجدی هذا الخ" اس شخص کی تاویل کو دور کرتا ہے جس نے حدیث اوسط طبرانی کی ان الفاظ سے تاویل کی ہے اور یہ مطلب بتایا ہے کہ اس سے مراد ہے: "ما بين حجرتي و مصلّاي" اور اس حدیث کی بھی تاویل کی ہے جسے ابن زبالہ نے عائشہ کے ذریعے لکھا کہ انہوں نے کہا: "ما بين منبري و المصلّٰى" کہ اس سے مراد آپ کا وہ مصلّٰے تھا جہاں کھڑے ہو کر آپ مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور یہ کہنا صحیح نہیں۔ "اس مسجد اور مصلّٰے کے درمیان جو اس مسجد میں تھا۔" اور یہی وجہ تھی کہ عائشہ بنت سعد نے انہیں بلاط والے گھروں میں ٹھہرنے پر ابھارا یعنی جو باب السلام سے شروع ہو کر مصلّٰے تک جاتے تھے کیونکہ وہ مصلائے عید اور مسجد کے درمیان تھے اور جب ان مذکورہ دو مسجدوں کے درمیان کیاری ہے تو پھر یہ دونوں یقینی طور پر کیاری ہوں گے کیونکہ یہ فضیلت تو انہیں اس لئے حاصل ہوئی کہ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں آنا جانا رہا تو پھر اس مقام کا کیا مرتبہ جہاں آپ سجدے کرتے رہے اور جہاں آپ کی قبر انور ہے؟

ابن شبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: نبی کریم ﷺ جب سفر سے تشریف لاتے اور مصلّٰے کے پاس تشریف آوری ہوتی تو قبلہ کی طرف چہرۂ انور کر کے رُک کر دُعا فرماتے۔

حضرت عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: مجھے سعید بن مسیب نے کہا: اے ابو محمد! کیا تم کثیر بن صلت کے گھر کا ٹھکانہ جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ باہر نکلے اور اس مقام پر پہنچ گئے، آپ کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں درست کر لیں، آپ نے اس نجاشی کا جنازہ پڑھا جو سر زمین حبشہ میں فوت ہو گئے تھے۔ (حنفیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، یہ خصوصیت صرف نبی کریم ﷺ کو حاصل تھی۔ ۱۲ چشتی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بارش کے لئے نفل پڑھنے مصلّٰے کی طرف نکلے تو پہلے خطبہ دیا پھر نماز پڑھائی اور ایک تکبیر کہہ کر نماز شروع فرما دی پھر فرمایا: یہ مصلّٰے ہمارے جمع ہونے کی جگہ ہے، بارش کی دُعا کرنے کا مقام ہے اور دعا کرنے کی جگہ ہے، عید کے لئے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے، اسے بنانے کے لئے نہ تو اینٹ پر اینٹ رکھی جائے اور نہ ہی اس کی جہت مقرر کی جائے۔

حضرت داؤد بن ابی الفرات کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مصلّٰے کی طرف نکلے تو فرمایا: یہ ہمارے بارش کی دُعا

کرنے کی جگہ ہے' ہماری نمازِ عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھنے کی جگہ ہے' اسے نہ تو تنگ کیا جائے اور نہ ہی اس میں سے کچھ گھٹایا جائے جبکہ عنقریب آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احجار الزیت کے نزدیک زوراء کے قریب نمازِ استسقاء پڑھی۔

حضور ﷺ کے مصلّٰی کو جانے آنے کے راستے

چوتھا پہلو: اس میں یہ بیان ہے کہ حضور ﷺ اس مصلّٰی کی طرف ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے' یہاں دونوں راستوں کا بیان کیا جاتا ہے۔

بخاری شریف کے باب "من خالف الطریق اذا رجع یوم العید" میں ہمیں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ملتی ہے' بتاتے ہیں کہ عید کا دن آتا تو حضور ﷺ آنے جانے کا راستہ تبدیل فرماتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عید کے دن حضور ﷺ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عید کے لئے کسی راستے سے تشریف لے جاتے تو اس سے واپسی نہ فرماتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' نبی کریم ﷺ جب عید کے لئے نکلتے تو جس راستے سے گئے ہوتے' اس کے علاوہ کسی اور راستے سے تشریف لاتے۔

آپ ہی نے فرمایا: میرے اس گھر کے دروازے کا ایک پہلو (دروازہ) مجھے اسی وزن کے سونے سے زیادہ پسند ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ عید کے لئے جاتے وقت میرے اس گھر کے قریب سے گذرتے اور اسے اپنی بائیں طرف رکھتے' آپ میرے گھر کے اس دروازے سے دن میں صبح صبح دو مرتبہ گزرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت اور پہلی روایت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر بلاط میں عبد الرحمٰن بن حارث کی گلی کے اندر تھا اور پھر اس کے قریب ہی مصلّٰی کی طرف حضرت سعد بن ابو وقاص کا گھر تھا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیدل چل کر حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے تک آتے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کی طرف تشریف لے جاتے اور اس وقت آپ جاتے آتے وقت حضرت ابوہریرہ کے گھر کے قریب سے گذرا کرتے کیونکہ امام شافعی نے اپنی کتاب "الام" میں لکھا ہے اور میں نے وہیں سے نقل کیا ہے' حضرت مطلب بن حنطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن صبح کے وقت مصلّٰی کو جاتے وقت بڑے راستے سے جاتے اور جب واپسی کا ارادہ ہوتا تو دوسرے راستے سے تشریف لاتے اور دار عمار بن یاسر سے گذرتے۔

اسی کو ابن زبالہ نے محمد بن عمار سے روایت کیا' الفاظ یہ ہیں: "حضور ﷺ بڑے راستے سے مصلّٰی کو تشریف لے جاتے اور خیمہ والوں کے قریب سے گذرتے اور پھر دوسرے راستے سے واپسی ہوتی تو حضرت عمار بن یاسر کے ہاں سے گذرتے۔" اور پہلے ہم بتا چکے کہ حضرت عمار بن یاسر کا گھر حضرت عبد الرحمٰن بن حارث کے گھر کی گلی سے گذر کر بلاط کی طرف جاتا تھا یہ حضرت ابوہریرہ کے گھر کے قریب تھا اور اس کا دروازہ عبد الرحمٰن بن حارث کے گھر کے دروازے کے سامنے تھا' اس کا چھوٹا سا دروازہ (خوخہ) تھا جو عروہ کے مدرسے کی طرف تھا چنانچہ "آپ کا وہاں سے دو مرتبہ ایک صبح کے اندر گذرتے" صحیح ہو گیا کیونکہ آپ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے تشریف لاتے۔

پھر آپ کے قباء کی طرف جانے آنے کے راستے کے ذکر میں جو کچھ آ رہا ہے' اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ واپسی پر عروہ کی درس گاہ اور مسجد بنو زریق کے پاس سے گذرتے اور بلاط تک تشریف لے جاتے یعنی اسی مذکور گلی سے گذرتے۔

طریقِ عظمٰی (بڑا راستہ)

علامہ مطری کے مطابق یہ لوگوں کا وہ راستہ تھا جو آج کل باب مدینہ سے شروع ہوتا ہے اور مسجد مصلّٰی تک جاتا ہے اور اسے دربِ سویقہ کہتے ہیں۔ علامہ مطری نے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بیان نہیں کیا' یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بیان کرنے کی توفیق دی ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو ابنِ زبالہ کی اس روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ثابت ہے' آپ فرماتی ہیں: حضور ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے اپنی قربانی ذبح فرماتے جب مصلّٰی سے واپسی ہوتی' آپ اس راستہ کے قریب سے گذرتے جہاں سے واپس آتے' وہ راستہ یا وہ مکان جہاں آپ جانور ذبح کرتے' مغربی جگہ کے سامنے تھا اور بنو زریق والے راستے سے ملتا تھا یعنی جب آپ مصلّٰی سے واپس ہوتے تو بنو زریق کے راستے کے مغرب میں واقع جگہ پر تشریف لاتے اور ذبح فرماتے اور پھر اسی راستے پر چل پڑتے' یہ بنو زریق کی طرف جاتا تھا اور مصلّٰی کے قبلہ سے شروع ہوتا تھا اور پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گھر سے گذرتا تھا۔ اسی لئے واقدی نے حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم وغیرہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گھر کے نزدیک گلی کے کونے کے پاس ذبح فرماتے لیکن آج کل مدینہ کے گرد حفاظتی دیوار اس راستے واپس چل کر آنے سے رکاوٹ بن چکی ہے' پھر اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں راستوں میں اختلاف پورا پورا نہ تھا مگر یہ کہیں گے کہ نبی کریم ﷺ جب اس بلاط کی جگہ تشریف لے جاتے جو حضرت ابوہریرہ کے گھر کے نزدیک تھا تو پھر اس بڑے راستے پر چلتے' (یہ آج کل باب السلام تک پھیلا ہوا ہے) بلکہ بلاط کی بائیں طرف شامی راستے پر چلتے کیونکہ اکثر یہ ہے کہ یہ مقامات کھلے کھلے تھے اور پھر اس کے بعد اپنے گھر کی طرف چڑھ جاتے۔ علاوہ ازیں جو ہم نے اس راستے کے بارے میں لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جاتے وقت حضور ﷺ کا راستہ واپسی والے راستے سے مختصر ہوتا تھا جیسے پوشیدہ نہیں' ہاں اس

پر اس روایت کا اعتراض ہو گا جس میں ہے مستحب یہ ہے کہ جاتے وقت لمبا راستہ اختیار کرے اور واپسی پر مختصر راستہ استعمال کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہم دوسرے راستے کی وضاحت لکھ چکے ہیں کہ جانے والا راستہ آنے والے سے کافی زیادہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے بعد انہوں نے حضرت معاذ بن عبد الرحمٰن تیمی سے روایت کیا' انہوں نے اپنے باپ اور پھر معاذ کے دادا سے روایت کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مصلّٰے سے عید کے دن واپس لوٹے تو بازار کی نچلی جانب تمارین پر گزرے اور جب آپ مسجد اعرج کے پاس گئے جو بازار میں مقام ''برکت'' پر تھا تو کھڑے ہو گئے اور اسلم کے کھلے مقام کی طرف متوجہ ہوئے' دعا فرمائی اور واپس چلے آئے' تو اس کے بارے میں امام شافعی نے اپنی کتاب ''الام'' میں اس کے بعد لکھا ہے: مستحب یہ ہے کہ امام یونہی کرے ایک جگہ پر ٹھہر جائے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دُعا کرے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر کفارہ بھی نہیں اور نہ ہی دوبارہ اسے ایسا کرنے کی ضرورت ہے' پھر اس کی تائید یحییٰ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے محمد بن طلحہ بن طویل سے کی ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عبد الرحمٰن اور محمد بن منکدر کو دیکھا کہ عید پڑھ کر واپس آتے ہوئے ''برکت'' پر رُکتے ہیں جو بازار کی نچلی طرف تھا' یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عبد الرحمٰن سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ عید سے واپسی پر اس مکان پر ٹھہرا کرتے تھے۔

پہلے ہم ابن زبالہ سے سوق المدینہ کے بیان میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت محمد بن منکدر اور حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن اور دیگر لوگ برکۃ السوق کے صحن میں واپسی پر کھڑے ہو جاتے' حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن نے کہا ہمارے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا' ایک کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں دُعا فرمائی تھی اور دوسرے نے کہا کہ آپ عید سے واپس آتے وہاں کھڑے ہو کر دیکھتے رہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی گزشتہ روایت میں آ چکا کہ آپ عید سے واپسی پر وہاں دُعا فرمایا کرتے تھے اور اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ آپ وہاں کھڑے ہو کر عید سے واپس آنے والوں کو بھی دیکھا کرتے ہوں لہٰذا اختلاف کی گنجائش نہیں اور وہاں ہم جو بیان کر چکے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سوق التمارین سے گزرتے تھے حالانکہ یہ بازار شمال مغرب میں تھا اور ہم یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اسلم کے گھر تمارین کے بعد سوق المدینہ کے شمال مغرب میں تھے اور یہ وہاں تھا جہاں امیر مدینہ کا قلعہ تھا اور اس کے نیچے شامی جانب تھا جو سوق شامیین سے ملتی تھی نیز موسم میں حج کرنے والے شامی کے گھر کے نزدیک تھا اور پھر ہم نے برکۃ السوق کی برکت بھی بیان کر دی' یہ وہ گھاٹ تھا جس میں سیڑھیاں تھیں اور جو ثنیۃ الوداع کی طرف توجہ کرنے والے کی دائیں جانب مشہد نفسِ زکیہ کے پاس تھا اور وہاں کھڑا ہونے والا جب فج اسلم کی طرف منہ کرتا تھا تو قبلہ رُخ ہو جاتا تھا اور شاید وہ مسجد اعرج جس کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا کہ اس کے نزدیک وہی جگہ ہے جو مشہد نفسِ زکیہ کے قبلہ رُخ ہے کیونکہ وہ مسجد تھی جو ''برکت''

والی جگہ میں تھی' میں اس الاعرج میں اس عورت کو نہ پہچان سکا جس کی طرف یہ مسجد منسوب تھی۔

قاضی حرمین سیّد شریف علامہ محی الدین عبد القادر حنبلی فاسی مکی نے مذکور گھاٹ کے قریب الحاج شامی کے گھر میں مسجد بنائی جو قبلہ والی طرف تھی اور جب آپ نے اس راستہ کو جان لیا تو یہ راستہ عظیم راستے سے مصلّٰی کی طرف جانے کے لئے تقریباً دوگنا طویل تھا اور آج بھی مصلّٰی سے واپسی کے لئے اس راستے پر چلا جا سکتا ہے حالانکہ پہلے راستے میں یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کی راہ میں مدینہ کی حفاظتی دیوار آ چکی ہے۔

آج کل اہلِ مدینہ اس طریق عظمٰی (بڑے راستے) سے جاتے ہیں اور کسی بھی پہلے راستے سے واپس آ جاتے ہیں کیونکہ وہ مصلّٰی کی قبلہ والی جانب سے روانہ ہو کر مدینہ کی حفاظتی دیوار کے باہر مشرق کی طرف جاتے ہیں چنانچہ بقیع کے بڑے راستے پر جاتے ہیں اور واپسی کے لئے ان کا یہ راستہ بھی جاتے وقت کے راستے سے لمبا ہے' اگر وہ امام شافعی کے بیان کردہ دُوسرے راستے پر چلیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا' اس صورت میں پاکیزہ جگہ پر دعا بھی کی جا سکے گی جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی اور دوسرے سلف صالحین بھی وہاں دُعا کرتے رہے اور خود میں نے بھی اس سال یونہی کیا چنانچہ مصلّٰی کی طرف جاتے ہوئے طریق عظمٰی پر چلا اور بازار کی نچلی طرف سے واپس ہو کر برکۃ السوق کے سامنے کھلی جگہ میں آ کھڑا ہوا' پھر وہاں سے لوٹا اور اس طرف سے مدینہ واپس آیا جو امیر مدینہ کے قلعہ کی طرف تھا' بہتری تو پیروی کرنے اور بدعتوں سے دور رہنے کی صورت ہی میں حاصل ہوا کرتی ہے اور اس سے بڑی برکت اور کیا ہوگی کہ اس با برکت دن میں انسان مصلّٰی جانے کے لئے اس راستے سے گزرے جہاں سے رسول اللہ ﷺ گزرے تھے پھر آپ کی جائے نماز میں نماز پڑھے اور پھر اسی طریقے سے واپس ہو جہاں سے آپ واپس ہوئے تھے۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالٰی کہتے ہیں' جب ہماری بیان کردہ روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ موجودہ مصلّٰی ہی حضور ﷺ کا مصلّائے عید ہے تو اس میں نماز پڑھنا بہت بڑی فضیلت ہوگی' کوئی مصلّٰی اتنی فضیلت والا نہ ہوگا اور جو لوگ وہاں نماز پڑھ لینے میں کامیاب ہو جائیں گے تو انہیں اللہ کی خاص نعمتیں حاصل ہوں گی اور وہاں حاضر ہو جانے والوں کو وہ انعامات حاصل ہوں گے جن کا عطا کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں' مجھے بہت سے مشائخ نے خبر دی جن میں سے ہمارے شیخ کمال ابو الفضل محمد بن علامہ نجم الدین مرجانی' قابلِ سند ان کی ہمشیرہ اُم کمال کمالیہ اور قابلِ سند اُم حبیبہ زینب بنت شہابی احمد شونکی وغیرہ بھی شامل ہیں کہ علامہ مجد نے انہیں مسجد کی اجازت دی رکھی ہے' انہوں نے اپنی گذشتہ کلام کے بعد کہا کہ مجھے ابو عمرو عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم حموی نے' ابو البرکات ایمن بن محمد بن محمد بن غرناطی کے لکھے ہوئے یہ اشعار سنائے تھے:

"طیبہ میں ہوتے ہوئے عید کے دن مصلّائے رسول ﷺ میں عید اور نمازِ عید پڑھنا' وہ انعامات ہیں
کہ کوئی ان کا شکر ادا نہیں کر سکتا' یہ ہر نیک آدمی کے لئے بشارتِ جنت ہیں'
میں عرصہ تک آرزو کرتا رہا اور پھر عمر کے آخری حصے میں دور سے آ کر میری یہ تمنا پوری ہوئی'

مجھے بقیع میں جگہ مل گئی اور میں اس پاکیزہ مٹی میں اوڑھنا بچھونا بنا سکوں گا۔
لہٰذا میری ہر نیکی بدی کی اللہ کے ہاں گواہی دینا' اسی نے مجھے پیدا فرمایا اور وہی مجھے لے جائے گا۔''
اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ اس مبارک مصلّی والوں پر عظیم احسان فرمائے گا کہ وہ حضورﷺ کے منبر شریف کو ان کے طریقے پر بنا سکیں۔آمین۔

فصل نمبر۲

مسجد قباء اور اس کی فضیلت کا ذکر' مسجد ضرار کیا تھی؟

مسجد قباء کی بنیاد کیونکر رکھی گئی؟

تیسرے باب کی دسویں فصل میں حضورﷺ کے مسجد قباء کو جا کر اس کی بنیاد رکھنے کا بیان ہو چکا' ہم نے وہاں تفصیلی طور پر اسے ذکر کیا ہے لہٰذا وہاں دیکھئے اور اس میں ہم نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آپ نے اس کی تعمیر میں خود حصہ لیا تھا' آپ ہی نے بنیاد رکھی' جبریل علیہ السلام بیت اللہ شریف کی طرف سیدھ کرتے جاتے' پھر اس کے بارے میں کہا گیا کہ جہت قبلہ کے لحاظ سے یہ مسجد سب سے زیادہ صحیح رُخ میں ہے پھر یہ بھی بیان ہوا کہ قبلہ بدل جانے پر آپ نے اسے دوبارہ بنایا تھا اور پھر ہجرت کے بارے میں طویل حدیث بیان کرتے ہوئے صحیح بخاری کے اندر حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بتایا ہے کہ:

''حضورﷺ بنو عمرو بن عوف میں دس سے زیادہ راتیں ٹھہرے رہے اور تقویٰ کی خاطر اس مسجد کی بنیاد رکھی۔''

پھر عبد الرزاق میں آپ ہی کی یہ روایت موجود ہے کہ:''جن لوگوں میں اس مسجد کی تعمیر کی گئی جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی' وہ بنو عمرو بن عوف تھے۔'' یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: حضورﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین راتوں تک ٹھہرے رہے پھر وہاں مسجد بنائی جس میں نماز پڑھنا شروع کر دی' پھر اسے بنو عمرو بن عوف نے بنایا تو یہی مسجد تھی جس کی بنیاد تقویٰ (خدا خوفی) پر تھی اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ پہلی مسجد تھی جسے نبی کریمﷺ نے بنایا اور صحابہ کی جماعت کو نماز پڑھائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ آیۂ مبارکہ:
لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ۝(سورۂ توبہ ۱۰۸)
''بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم

اس میں کھڑے ہو۔"

کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے' جمہور کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے اور یہ آیت کا ظاہر بتا رہا ہے جبکہ مسجد نبوی کی فضیلت بیان کرتے وقت امام مسلم کی حدیث گذر چکی ہے جس میں بتایا گیا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسجد کے بارے میں پوچھا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ" وہ یہی تمہاری مسجد ہے" پھر احمد اور ترمذی سے حضرت ابو سعید ہی کی روایت گزری کہ دو شخصوں میں اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ وہ مسجد کونسی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی تو ایک نے کہا کہ وہ مسجد مدینہ ہے' چنانچہ دونوں نے آپ سے پوچھا تو فرمایا کہ وہ یہی ہے اور اس میں (مسجد مدینہ میں) نری بھلائی ہے۔ پھر ہم نے ان دونوں روایتوں کو جمع بھی کر دکھایا تھا اور وہ یوں کہ پہلے ہی دن سے دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور آیت میں یہی مراد ہے اور مسجد مدینہ کو خاص حیثیت دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس وہم کا ازالہ کیا جا سکے کہ شاید یہ خصوصیت صرف مسجد قباء کو حاصل ہے جیسے سائل کے سمجھنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سچی بات یہ ہے کہ دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے جبکہ آیت کا باقی حصہ: فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (ایضاً '۱۰۸) صاف طور پر بتاتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آیہ مبارکہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے تو انہی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں' اس کے جواب میں راز کی بات یہ ہے' کہ اس وہم کو دور کیا جا رہا ہے کہ یہ آیت صرف مسجد قباء کے بارے میں ہے۔

علامہ داؤدی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف کی کوئی بات نہیں کیونکہ دونوں ہی مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر تھی' سہیلی نے بھی یونہی کہا ہے اور مزید یہ لکھا کہ مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ حضور ﷺ جب دار الہجرۃ میں داخل ہوئے تو پہلے دن اسی کی بنیاد رکھی گئی۔

احمد کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: کہ میں' عبد اللہ بن عمر اور حضرت سمرہ بن جندب اس مسجد کی طرف نکلے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی چنانچہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو لوگوں نے ہمیں بتایا کہ آپ مسجد تقویٰ کی طرف تشریف لے گئے ہیں چنانچہ ہم بھی ان کے پیچھے چل نکلے چنانچہ آپ ہمیں سامنے دکھائی دیئے' دونوں ہاتھ مبارک حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے' ہم سیدھے آپ کی طرف گئے تو آپ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا' عبد اللہ بن عمر' ابوہریرہ اور سمرہ ہیں۔

ابن شبہ کی ایک روایت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اہل قباء کی طرف تشریف لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن عوف نے مسجد بنائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی پر زور دیا

ہے تو کیسے پاکیزگی کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔

حضرت ابو محمد مرجانی نے دونوں روایتوں کو جمع کیا کہ دونوں ہی کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور پھر کہا کہ حضرت عبداللہ بن بریدہ نے اللہ کے فرمان:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ کے بارے میں کہا کہ یہ گھر وہ چار مسجدیں وہ جنہیں کسی نبی کے سوا کسی نے نہیں بنایا' کعبہ کو تو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے بنایا' بیت اریحا یعنی بیت المقدس کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بنایا پھر مسجد مدینہ اور مسجد قباء' جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی' ان دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا۔

میں کہتا ہوں' یحیٰی بن حسین نے اخبار مدینہ میں لکھا کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی' وہ مسجد قباء ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فیہ رجال یحبون ان یتطھروا و اللّٰہ یحب المطھرین۔

مسجد قباء میں نماز عمرہ کے برابر ہوتی ہے

ترمذی کے مطابق حضرت اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسجد قباء میں نماز پڑھنا' عمرہ کا درجہ رکھتا ہے۔''

ابن حبان کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ میں دار سعد بن عبادہ میں ایک جنازہ پڑھنے گیا اور بنو عمرو بن عوف کے پاس پہنچا جو بنو حارث بن خزرج کے صحن میں تھے' چنانچہ مجھ سے پوچھا گیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! کہاں نماز پڑھاؤ گے؟ تو میں نے کہا کہ ان مسجد والوں میں پڑھاؤں گا (بنو عمرو بن عوف میں) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا' فرماتے تھے کہ جو اس میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز کا درجہ عمرہ کے برابر ہوگا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو حارث بن خزرج کے اوساط میں جنازہ کے لئے گئے' پھر پیدل چلتے گئے تو لوگوں نے پوچھا: اے ابو عبدالرحمٰن! کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قباء میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی طرف جا رہا ہوں کیونکہ جو بھی اس میں دو رکعت پڑھ لے گا' یہ عمرہ کے برابر ہوں گی۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر سے پاکیزہ ہو کر نکلے اور مسجد قباء میں جا کر نماز پڑھے تو اسے عمرہ جتنا ثواب ملے گا۔

حضرت یحیٰی کی ایک روایت میں ہے: جو ستھرے طریقے سے وضو کر کے مسجد قباء میں چلا آئے' دو رکعت نماز پڑھے تو اسے عمرہ جتنا ثواب ملے گا۔

حضرت سہل بتاتے ہیں: جس نے بہتر طور پر وضو کیا اور پھر مسجد قباء میں جا کر چار رکعت نفل پڑھے تو یہ ایسے ہو گا جیسے اس نے غلام آزاد کر دیا۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جس نے خوب اچھی طرح سے وضو کیا پھر مسجد قباء میں گیا اور چار رکعت نماز پڑھی تو یہ عمرہ کے برابر ہوں گی۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بھی شخص پاکیزہ ہو کر گھر سے نکلے اور صرف مسجد قباء کے ارادے سے وہاں پہنچے پھر اس میں نماز پڑھے تو یہ نماز عمرہ کے برابر ہو گی۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو وضو کرے اور خوب پانی بہاتا جائے، پھر مسجد قباء کا ارادہ لے کر نکلے، اس کے بغیر اور کوئی مقصد سامنے نہ ہو، وہاں جانے کا مقصد صرف نماز ہو، پھر وہاں چار رکعت پڑھے جن میں سے ہر رکعت میں اُمّ قرآن پڑھے تو یہ ایسے ہو گا جیسے اس نے عمرہ کر لیا۔

حضرت سوید بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں، حضرت سعید رقیش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قباء کی طرف گئے اور پھر ان ستونوں میں سے کسی کے پاس دو رکعت نفل پڑھے، پھر سلام پھیرا اور بیٹھ گئے، ہم بھی ان کے گرد بیٹھ گئے چنانچہ کہا: اس مسجد کی کتنی شان ہے، اگر یہ ماہ بھر کے سفر پر دور ہوتی تو حق بنتا تھا کہ وہاں پہنچا جائے، جو اپنے گھر سے اس طرف جانے کا ارادہ لے کر چلے پھر یہاں چار رکعت پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے عمرہ کا اجر دے گا۔

مسجد قباء میں نماز پڑھنا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے

یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا بیت المقدس میں پڑھنے سے فضیلت رکھتا ہے اور تینوں مسجدوں میں نماز پڑھنے والے کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ بنت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتی ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: مسجد قباء میں میرا دو رکعت نماز پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ بیت المقدس میں میرا دو مرتبہ آنا جانا ہو، اگر لوگوں کو قباء کے مرتبہ کا پتہ چل جائے تو لوگ اسی کی طرف سفر کریں۔

حضرت عامر اور عائشہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کہتے ہیں بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے مجھے قباء میں پڑھنا زیادہ پیارا ہے۔

حضرت عاصم کے مطابق روایت ہے کہ جو شخص چاروں مسجدوں میں نماز پڑھ لیتا ہے، اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس پر ابو ایوب نے کہا، اے بھتیجے! میں تمہیں اس سے بھی آسان کام بتاتا ہوں (جس سے بخشش ہو جائے) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے: ''جو اللہ کے حکم کے مطابق وضو کرے اور حکم ہی کے مطابق نماز پڑھ لے تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ چار مسجدیں یہ ہیں: مسجد حرام، مسجد مدینہ، مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء۔

حضور ﷺ کی مسجد قباء میں تشریف آوری

یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہاں سوار ہو کر اور پیدل تشریف لاتے' اس میں نماز پڑھتے اور پھر وہ معین دن بیان کئے ہیں جن میں آپ اور آپ کے تمام صحابہ یہاں آیا کرتے۔

صحیحین میں ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قباء کی زیارت کیا کرتے یا فرمایا قباء کی طرف تشریف لاتے' کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل' ایک اور روایت میں ہے کہ پھر دو رکعت نفل بھی پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ میں قباء کی طرف حضور ﷺ کے ساتھ چلا' آپ نے وہاں نماز پڑھی' آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس دوران انصار آنا شروع ہو گئے' انہوں نے سلام پیش کرنا شروع کیا۔ اسی دوران حضرت صہیب نظر آئے تو میں نے پوچھا' اے صہیب! حضور ﷺ سلام پیش کرنے والے کو کیسے جواب دیتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے ہیں۔

بخاری و نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ سوار ہو کر یا پیدل قباء کو تشریف لے جاتے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یونہی کیا کرتے۔

ابن حبان کی روایت ہے کہ ہر ہفتہ کے دن تشریف لے جاتے۔ اس میں اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے ہفتہ سے مراد سات دن ہیں۔

حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر ہفتے کو انجانی گدھے پر ٹاٹ وغیرہ ڈال دیا جاتا اور آپ اس پر بیٹھ کر قباء کو تشریف لے جاتے۔ ابن زبالہ نے اس میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اردگرد ہوا کرتے تھے۔

حضرت شریک بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منگل کے دن قباء کو تشریف لے جاتے۔

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سترہ رمضان کی صبح کو قباء کی طرف تشریف لے جاتے۔

حضرت ابن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا' لوگ سترہ رمضان کی صبح کو قباء کی طرف جاتے۔

ابو غزیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منگل اور جمعرات کو قباء کی طرف تشریف لے جاتے' ایک دن آپ ان دنوں میں سے ایک دن تشریف لائے تو اہلِ خانہ میں کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ابوبکر اور دیگر صحابہ کے ہمراہ دیکھا' ہم قباء کے پتھر اپنے

اپنے پیٹ پر اُٹھاتے تو آپ اپنے ہاتھوں سے انہیں لگاتے جاتے۔ جبریل بیت اللہ کی طرف سیدھ کرتے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں قسم کھایا کرتے: اگر ہماری یہ مسجد کسی بھی جانب ہوتی تو واللہ ہم اس کی طرف ضرور سفر کرتے۔ پھر فرمایا کہ مجھے کھجور کی لکڑیاں توڑ توڑ کر دیتے جاؤ اور کمزور نہ لانا یعنی جو درمیان سے کمزور ہوں چنانچہ وہ لکڑی کاٹ کر دیتے۔

علامہ رزین کی ایک روایت و جبریل یؤمّ بہ البیت کے بعد لکھتے ہیں کہ پھر حضرت عمر نے کھجور کی کئی لکڑیاں پکڑیں اور دیواروں اور چھت کی پیائش کرنے لگے۔ آپ سے کہا گیا کہ اے امیر المومنین! یہ کام ہم کردیتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ کام میں خود کروں گا' تم چاہو تو میری طرح کر سکتے ہو۔

بنو عمرو کے ایک شیخ نے کہا کہ حضرت عمر قباء میں ہمارے پاس آئے تو دروازے پر کھڑے شخص سے کہا آؤ اور کھجور کی چھڑی لے کر میرے پاس آؤ لیکن کمزور نہ ہو۔ وہ چھڑی لے کر آیا تو آپ نے اسے چھیلا اور سرا رہنے دیا' پھر مسجد کے قبلہ کی جانب پھینکا حتیٰ کہ غبار اُڑتا دکھائی دیا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کو ان کے پاس قباء میں گئے' مسجد میں داخل ہوئے پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ سبز چھڑی لائے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ: اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مسجد قباء ہمارے قریب کر دی ہے اور اگر یہ اطرافِ دنیا میں دور کہیں ہوتی تو ہم اس کی طرف اونٹنیوں پر سفر کر کے جایا کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پہلے مہاجرین کو مسجد قباء میں نمازیں پڑھایا کرتے جن میں ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے مہاجرین اور انصاری صحابۂ رسول اللہ ﷺ کو مسجد قباء میں نماز پڑھاتے جن میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت ابوسلمہ' حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہوتے۔

حضرت ابو ہاشم کہتے ہیں کہ حضرت تمیم بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قباء کی طرف گئے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرما رکھا تھا۔ وہ صبح کی نماز کے لئے آئے تو صبح روشن ہو چکی تھی اور خوب روشنی ہوگئی تھی' حضرت تمیم نے کہا: تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے رات اور دن میں آنے والے فرشتوں کو روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہم امام کی انتظار میں تھے۔ فرمایا: اگر تم میں سے کوئی نماز پڑھا دیتا تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے عرض کی: اس بارے میں آپ کا حق زیادہ ہے کہ نماز آپ پڑھائیں۔ حضرت تمیم نے کہا: تم اس پر راضی ہو گے؟ انہوں نے عرض کی' ہاں' چنانچہ انہوں نے نماز پڑھائی۔ اتنے میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے' اور حضرت تمیم سے کہا: آپ کو کیا حق تھا کہ جو ذمہ داری حضور ﷺ نے مجھ پر ڈال رکھی ہے' اس میں دخل

دیتے؟ پھر کہا کہ میں آپ کو چھوڑوں گا نہیں' رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ یہ تمیم ہیں جنہوں نے میری ذمہ داری میں دخل دیا ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: تمیم! تم کیا جواب دیتے ہو؟ انہوں نے مسجد والوں سے جو بات ہوئی تھی' سنا دی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب امام موجود نہ ہو جیسے تمیم نے کیا ہے' تم بھی یونہی کیا کرو۔

حضرت سعد بن عویم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد قباء میں نماز پڑھایا کرتے پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی پڑھاتے رہے پھر حضرت عمر نے انہیں ہٹا کر حضرت مجمع بن حارثہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور کہا: تم مسجد ضرار کے امام تھے۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں بالکل لڑکا تھا' میں نے سمجھا کہ یہ کام درست کرتے ہیں' میرا قرآن سن کر انہوں نے مجھے آگے کر دیا چنانچہ آپ نے اسے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

مسجد قباء میں وہ جگہ جہاں کھڑے ہو کر حضور ﷺ نے نماز پڑھائی

حضور ﷺ کی اس جگہ کا بیان جہاں آپ نماز پڑھاتے' جگہ کیسی تھی اور پیمائش کیا تھی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضور ﷺ نے مسجد قباء کے صحن میں تیسرے ستون کی طرف نماز پڑھی۔ حضرت واقدی کے مطابق حضرت سعید بن عبد الرحمٰن بن رقیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مسجد (سجدہ کی جگہ) اس خوشبو لگے ستون کی جگہ پر تھی جو مسجد کے صحن میں باہر تھا۔

ابن رقیش کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء بنائی اور قبلہ آگے کی طرف اس مقام کی طرف رکھا جہاں آج کل موجود ہے' فرمایا کہ جبریل مجھے بیت اللہ دکھاتے جاتے تھے۔

ابن رقیش کہتے ہیں' مجھے حضرت نافع نے بتایا کہ حضرت ابن عمر نے مسجد میں آنے کے بعد خوشبو دار ستون کی طرف نماز پڑھی' وہ یہ بتا رہے ہیں کہ ان کا مقصد پہلی مسجد نبوی تھا۔

حضرت ابو غسان کہتے ہیں' مجھے ایک قابلِ بھروسہ شخص نے اطلاع دی جو اہلِ قباء میں سے تھا کہ قبلہ تبدیل ہونے سے قبل مسجد قباء کے قبلہ کی جگہ یوں تھی کہ کھڑا ہونے والا شامی قبلہ میں کھڑا ہوتا تو وہ اس ستون کی جگہ ہوتا جو مسجد قباء کے صحن میں کھلتا تھا اور جو خوشبو لگائے گئے ستون کی صف میں تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی اس کی ایک طرف تھا۔ یہ ابو غسان کہتے ہیں۔

ابن زبالہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء میں صحن کے اندر موجود تیسرے ستون کی طرف نماز پڑھی' یہ وہ ستون تھا کہ جب تم اس دروازے میں داخل ہو جو حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر کے صحن میں تیسرا تھا تو سامنے آتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دروازہ آج کل بند کر دیا گیا ہے' مسجد کے باہر سے دیکھنے پر مغرب کی طرف اس کی کچھ

علامت نظر آتی ہے' یہ دروازہ اس برآمدے میں کھلتا تھا جو قبلہ کی طرف کے چھتے ہوئے حصے کے اندر صحن سے ملتا تھا چنانچہ صحن میں تیسرا ستون وہی ہے جس کے پاس آج کل محراب موجود ہے جو مسجد کے صحن میں ہے کیونکہ اس کی جو نشانی بیان کی گئی ہے' وہ اسی پر بیچی آتی ہے اور علامہ واقدی کے اس قول میں یہی ستون مراد ہے: ''اس مسجد میں سجدہ کی جگہ خوشبو والا وہ ستون تھا جو مسجد کے صحن میں باہر نظر آتا تھا اور یہ وہی ستون تھا جس کی طرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز پڑھتے تھے'' اور جو حضرت ابو غسان نے لکھا ہے' اس کا مقصد یہ ہے کہ اس ستون کے پاس حضور ﷺ کا پہلا مصلّٰے تھا اور یہ قبلہ تبدیل ہونے سے پہلے کی بات ہے اور قبلہ تبدیل ہونے کے بعد آپ کا مصلّٰے اس ستون کی طرف تھا جو قبلہ کی طرف اس ستون کی صف میں تھا اور یہ ستون اس صحن میں موجود ستونوں میں تیسرا ہے کیونکہ اسی کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ یہ محراب کے نزدیک مصلّٰے کی داہنی طرف تھا اور مصلّٰے اس کی مشرقی جانب محرابِ مسجد کے برابر تھا چنانچہ قبلہ والا برآمدہ مسجد میں زیادہ کیا گیا ہے اور محراب کو انہوں نے اس ستون سے مصلّٰے کے برابر بنایا لیکن ایک اور روایت میں ان کے اس قول: ''و قدم القبلة الی موضعها الیوم'' کا مطلب یہ بنتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد قبلہ کی طرف کسی نے بھی اضافہ نہیں کیا تو مناسب یہ ہے کہ محرابِ قبلہ کے پاس نماز پڑھ کر تبرک حاصل کیا جائے اور یونہی ان دونوں ستونوں کی جگہ سے تبرک حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت علامہ یحییٰ نے حضور ﷺ کے مصلّٰے کے بیان میں صرف اس ستون کا ذکر کرنا کافی سمجھا ہے جو صحن میں تھا چنانچہ انہوں نے ابن زبالہ کی روایت کا ذکر کیا اور پھر حضرت معاذ بن رفاعہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا کہ حضور ﷺ باہر والے ستون کی طرف نماز پڑھتے تھے جو خوشبو والے ستون کی لائن میں تھا اور ان دنوں اس کی جگہ عریش جیسی تھی۔ پھر ابن زبالہ نے ذکر کیا کہ موسیٰ بن سلمہ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت ابوالحسن علی بن موسیٰ رضا کو دیکھا کہ اس باہر والے ستون کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ پھر اس کے بعد یحییٰ نے کہا: میں نے اپنے بہت سے گھر والوں کو دیکھا جن میں موسیٰ بن جعفر کے دونوں لڑکے عبداللہ اور اسحاق نیز حسین بن عبداللہ بن عبداللہ بن حسین شامل تھے کہ جب بھی وہ مسجد قباء میں آتے تو اس باہر والے ستون کی طرف نماز پڑھتے اور یہ بتایا کرتے تھے کہ یہ مصلّائے رسول ﷺ ہے۔ پھر کہتے ہیں میں نے اپنے اہلِ بیت میں لائقِ اقتداء لوگوں کو دیکھا' جن کے فقہ و علم کا مقابلہ نہ تھا کہ وہ اس ستون کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ پھر اس ستون کے سامنے دائیں طرف مسجد کے صحن میں محرابوں کی صورت دکھائی دیتی ہے جن کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا اور صحن مسجد کے ساتھ برآمدے میں' محراب مسجد کے سامنے زمین سے ذرا اونچا چبوترہ ہے جس کے سامنے محراب ہے جس میں پتھر لگا ہوا ہے اس پر یہ آیت نقش کی ہوئی ہے: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ○ اور اس کے بعد یہ عبارت ہے: مقامِ نبی ﷺ یہ ہے' یہ مسجد ۶۷۱ھ میں نئے سرے سے بنائی گئی' بنانے والے کا نام دکھائی نہ دے سکا اور جس نے اسے بنایا ہے اس کا ظاہری حال یہ بتاتا ہے کہ یہ مصلّٰے شریف کی جگہ ہے جبکہ جو کچھ ہم بیان کر چکے وہ اس کا رد کرتا ہے۔

علامہ مجد کو دھوکا لگا' انہوں نے یقینی بناتے ہوئے اس چبوترے کو وہی جگہ قرار دیا ہے جہاں حضورﷺ نے نماز پڑھی تھی۔لگتا ہے کہ علامہ مجد جب اپنی کتاب لکھ رہے تھے تو مدینہ سے باہر تھے چنانچہ انہوں نے اس چبوترے کی یوں وضاحت کی ہے: ''مسجد کے صحن میں قبلہ کی جانب محراب کی شکل میں ایک جگہ ہے' یہ وہ پہلی جگہ ہے جہاں نبی کریمﷺ نے نماز پڑھی تھی۔'' گویا انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ مسجد کے صحن میں تھا تاکہ پہلے مؤرخین کی موافقت ہو سکے اور یہ بات کہنا صحیح نہیں ہوگی کہ پہلے یہ مسجد کے صحن میں تھا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ قبلہ والے چھتے مسجد کے حصے میں برآمدہ زیادہ کر دیا گیا ہو'اس لئے کہ عنقریب ہم بیان کر رہے ہیں کہ مسجد کے برآمدے اور صحن آج ہی کی صورت پر تھے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

پھر میں نے علامہ مجد کی طرف سے ابن جبیر کے سفرنامے ۵۷۸ھ کے بارے میں لکھا کہ جس چبوترے کا ذکر ابن زبیر نے کیا ہے' یہ مسجد کے صحن میں اس ستون کے پاس تھا جس کی طرف آج کل صحن مسجد میں محراب موجود ہے تاکہ اس سے موافق کیا جا سکے جس کے دوسرے لوگ قائل ہیں اور اب تو اس کے نشان بھی مٹ چکے ہیں اور پھر ذرا ہٹ کر بنائے گئے تھے' کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ صحن مسجد میں قبلہ کی طرف تھا اور مسجد کے برآمدوں کے بارے میں بھی لکھا کہ آج پہلے والے مقام پر ہیں تو وہ چبوترہ اب موجود نہیں کیونکہ یہ بعد میں بنا تھا۔

رہا مسجد کے صحن میں لگا ہوا جنگلہ تو اس کے بارے میں کسی پہلے مؤرخ نے کچھ نہیں لکھا لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضورﷺ کی اونٹنی بیٹھنے کی جگہ ہے' علامہ مجد نے ابن جبیر کے سفرنامے میں لکھے کی پیروی کی ہے' وہ کہتے ہیں: مسجد کے درمیان میں حضورﷺ کی اونٹنی بیٹھنے کی جگہ ہے جس پر چھوٹا سا روضہ بنا ہے' لوگ وہاں نفل پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔انتہی۔لیکن یہ بات احتمال پر مشتمل ہے کیونکہ دراصل قباء والی یہ جگہ کلثوم بن ہدم کا باڑا تھی' حضورﷺ یہیں تشریف لائے تھے' انہوں نے یہ جگہ حضورﷺ کو پیش کر دی جس میں آپ نے مسجد بنا دی۔

ابن زبالہ کے مطابق عاصم نے اپنے والد سوید سے روایت کی' انہوں نے کہا کہ مسجد قباء سات ستونوں پر کھڑی تھی وہاں ایک سیڑھی تھی جس پر اذان دینے کے لئے قبہ بنا تھا جسے نعامہ کہتے تھے اور بعد میں ولید بن عبد الملک بن مروان نے اس میں اضافہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل بھی مشرق و مغرب کے درمیان ہر صف میں سات سات ستون ہیں۔

علامہ زین مراغی ابن زبالہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: یہ صفہ (چبوترہ) وہی ہے جسے حضورﷺ نے بنایا تھا' اس کی تائید مؤرخین کا یہ قول ہے: دور ولید میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی تعمیر سے قبل مسجد قباء اسی حالت پر برقرار رہی جیسے حضورﷺ نے بنائی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ مطری کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس احتمال کی تائید نہیں کی جبکہ ابن شبہ نے تو ابو مسلمہ کی روایت کے ذریعے اس کی تردید کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: اس صومعہ سے قبلہ تک وہ اضافہ شدہ حصہ ہے جسے حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا۔

میں وضاحت کرتا چلوں کہ یہ صومعہ وہی منارہ ہے جو مسجد کے جنوب مغرب میں ہے اور ''غرہ'' کی وضاحت میں آرہا ہے کہ یہ جگہ بنو عمرو بن عوف کا قلعہ تھی' یہ منارہ وہیں بنایا گیا پھر ابن نجار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قباء کے مقام پر کلثوم بن ھدم کے گھر تشریف فرما ہوئے پھر ان کا یہ باڑا لیا' اسے مسجد بنایا اور پھر اس میں نماز پڑھی اور ہمیشہ اسے دیکھنے تشریف لاتے رہے' اہلِ قباء اس میں نماز پڑھتے رہے اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرام بھی زیارت کرتے اور تعظیم کرتے رہے۔

مسجد قباء کی نئی تعمیر

جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد نبوی بنوائی تو مسجد قباء بھی بنوائی اور اس میں توسیع کی' اسے پتھروں اور چونہ سے تعمیر کیا' اس میں پتھر کے ستون لگوائے جن میں لوہا اور سکہ ڈھالا گیا تھا اور پھر قیمتی پتھر لگا کر خوبصورتی سے بنایا' ایک منار بنایا اور چھت ساج کی لکڑی سے بنائی' برآمدے بھی بنوائے اور درمیان میں صحن رکھا۔ پھر عرصہ گذرنے کے بعد یہ گر گئی تو نئے سرے سے اسے جمال الدین اصفہانی نے تعمیر کیا جو موصل کے بادشاہوں بنو زنگی کے وزیر تھے۔

میں کہتا ہوں کہ مطری کے مطابق جواد نے اسے ۵۵۵ھ میں از سرِ نو تعمیر کیا تھا اور پہلے ہم صحن کے ساتھ والے برآمدے میں چبوترے کے محراب کے بیان میں ہم بتا چکے کہ ۶۷۱ھ میں اسے دوبارہ بنایا گیا تھا اور پھر مسجد میں نقش و نگار والے پتھروں سے پتہ چلتا ہے کہ ناصر بن قلاوون نے ۷۳۳ھ میں اس کے اندر کچھ تجدید کی تھی اور پھر اس کی چھت کا اکثر حصہ جو آج کل نظر آتا ہے' ۸۴۰ھ میں اسے الاشرف برسبائی نے ابن قاسم محلی کی زیر نگرانی بنوایا تھا۔ منار ۸۷۷ھ میں گر گیا تو ہمارے دور کے متولی جناب خواجگی شمسی بن زمن نے ۸۸۱ھ میں اسے مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران بنیادیں نکال کر از سرِ نو تعمیر کر دیا اور وہ ستون گرا دیا جو اس کے ساتھ تھا' وہ ستون سکہ ڈھال کر مضبوط بنایا گیا تھا لیکن دوبارہ بناتے وقت سکہ کا استعمال نہیں کیا اور منار کے پتھر مسجد نبوی میں لے جا کر حضور ﷺ کے سر انور کی طرف صندوق والے ستون میں استعمال کر لئے گئے۔

پھر متولی نے منارہ مذکورہ سے متصل مسجد کی دیوار کو بھی اس کے مغربی دروازے تک گرا دیا اور اسے دوبارہ بنایا اور چھت کا بھی کچھ حصہ نیا بنایا' پھر مغربی جانب سبیل اور برکۃ (پانی جمع ہونے کی جگہ) بنائے جو مسجد کے لئے تھے اور سراج عینی کے نام سے باغ میں موجود تھے جو ان کے رشتہ داروں کا تھا' پہلے منارہ اس سے ہلکا تھا' متولی نے اس کی لمبائی بڑھا دی کیونکہ ابن نجار کہتے ہیں: اس کا سطح زمین سے سرے تک طول بائیس ہاتھ تھا' اس کے سرے پر قبہ (گنبد) تھا جو تقریباً دس ہاتھ اونچا تھا۔ پھر بتاتے ہیں قبلہ کی طرف سے منارہ کی چوڑائی دس ہاتھ سے قدرے زائد تھی اور مغربی جانب سے آٹھ ہاتھ تھی۔

اس سے قبل وہ لکھ چکے ہیں کہ مسجد کی بلندی بیس ہاتھ تھی لہٰذا پہلے منار کی کل اونچائی' اوپر سے زمین تک باون ہاتھ ہوئی جو ابن شبہ کی بتائی اونچائی کے لگ بھگ ہے کیونکہ انہوں نے لکھا: اس کے منار کی اونچائی پچاس ہاتھ اور چوڑائی ایک طرف سے نو ہاتھ ایک انگشت اور دوسری طرف سے نو ہاتھ ہے۔ انتہی۔ اس نئے منارے کی پیمائش زمین کے باہر والے حصے سے قبہ کے اوپر کے کنارے تک اکسٹھ ہاتھ ہے جبکہ مشرقی و قبلہ والی جانب سے چوڑائی نو ہاتھ ہے اور اس کا دروازہ بھی ہے۔

ابن شبہ کے مطابق ابو غسان نے بتایا کہ مسجد قباء کی لمبائی اور چوڑائی ایک جیسی ہے جو ٦٦ ہاتھ ہے۔ پھر کہا کہ اس کی اونچائی انیس ہاتھ ہے' صحن کی لمبائی پچاس ہاتھ اور عرض چھبیس ہاتھ ہے۔ ابن نجار نے تھوڑا سا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا طول اڑسٹھ ہاتھ اور عرض اتنا ہی لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے خود اس کی پیمائش کی تو شامی جانب مشرق سے مغرب کی طرف ساڑھے اڑسٹھ ہاتھ لمبائی تھی جبکہ قبلہ سے شامی جانب ۷۹ ہاتھ تھی' مشرق و مغرب کے درمیانی قبلہ والی دیوار ستر ہاتھ سے کچھ زیادہ تھی اور زمین سے چھت تک اونچائی انیس ہاتھ تھی اور باہر سے غربی بلاط کو لیں تو کنگروں کے اوپر تک اونچائی چوبیس ہاتھ تھی' پھر مشرق سے مغرب تک صحن کی لمبائی اکاون ہاتھ تھی اور قبلہ سے شام کی طرف صحن کی چوڑائی سوا چھبیس ہاتھ تھی اور مسجد کے درمیان یہی وہ صحن ہے جسے ابو غسان نے "رحبہ" کہا ہے۔ اس سے یہ بات صحیح ہو گئی کہ آج کل یہ رحبہ اسی صورت میں ہے جیسے ابو غسان اور دیگر مورخین کے دور میں تھا اور پھر ہماری یہ بات بھی صحیح ہو گئی جو مصلائے نبی کریم ﷺ کے بیان میں ہم بتا چکے کہ وہ اس محراب کے پاس تھا جو اس ستون کی جانب تھا جو آج کل مسجد کے صحن میں ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ جو علامہ مجد نے کہا ہے کہ وہ چبوترہ مسجد کے صحن میں تھا' صحیح نہیں۔

ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ: مسجد قباء کے سات سائبان تھے جیسے ہمارے اس دور میں ہیں اور وہ یوں کہ قبلہ والے چھتے حصے میں تین' شامی جانب دو اور مغرب میں ایک تھا جو آج کل مسجد کے دروازے تک اور پھر اسی کے سامنے مشرق میں بھی ایک سائبان تھا۔ ابن نجار نے جو ان کی گنتی بتائی ہے' وہ بھی سات کے مطابق آتی ہے' وہ کہتے ہیں: مسجد میں انتالیس ستون تھے جن میں سے ہر دو کے درمیان ساتھ ہاتھ سے کچھ زیادہ فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج بھی ستونوں کی تعداد وہی ہے کیونکہ قبلہ والی جانب ان کی تین لائنیں ہیں اور مشرق و مغرب کے اندر ہر لائن میں سات ستون ہیں جبکہ شام کی جانب دو لائنیں ہیں اور ہر لائن میں سات ستون ہیں پھر مغربی جانب صحن کے ساتھ دو ستون ہیں اور اس کے ساتھ مشرق میں بھی دو ستون ہیں اور یہ سب ملا کر وہ تعداد پوری ہو جاتی ہے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ مسجد کی دیواروں میں طاق ہیں جو باہر کی طرف کھلتے ہیں' ہر جانب آٹھ طاق (باریاں) البتہ شام کی طرف آٹھویں طاق کی جگہ منارہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب انہوں نے منارہ کے گرد گرے حصے کو دوبارہ بنانا شروع کیا تو ہمارے اس دور میں انہوں نے شامی جانب والا ایک اور طاق بند کر دیا جو اسی منارہ کے ساتھ تھا اور یونہی اسی کے ساتھ مغربی جانب تین اور طاق بھی تھے جو بند کر دیئے کیونکہ انہوں نے یہ ساری دیوار ٹھوس بنا دی۔ واللہ اعلم۔

قباء شریف کے قابلِ زیارت مقامات

دارِ حضرت سعد بن خیثمہ

ان مقامات میں سے ایک دارِ سعد بن خیثمہ تھا اور یہ گذر چکا ہے کہ مسجد قباء کا مغربی بند دروازہ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف کھلتا تھا اور یہ مسجد قباء کے قبلہ کی طرف تھا اور وہ جانب جو اس بند دروازے سے ملتی تھی، لوگ زیارت کے لئے اس میں سے داخل ہوتے تھے اور اسے مسجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے اور گویا چوتھی فصل میں جو کچھ مسجد دارِ سعد بن خیثمہ کے بارے میں آ رہا ہے، اس سے یہی مراد ہے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو امامہ کے والد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قباء میں حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر میں لیٹے تھے۔ پھر حضرت ابن وقش سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قباء کے اندر موجود حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر میں داخل ہوئے اور اس میں تشریف فرما ہوئے پھر ابن زبالہ لکھتے ہیں: لوگوں کا گمان ہے کہ حضور ﷺ نے اس مہراس (پانی کی جگہ) سے وضو کیا جو قباء میں حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر کے نزدیک تھا۔

حضرتِ کلثوم بن ہدم کا گھر

انہی میں ایک حضرت کلثوم بن ہدم کا گھر تھا اور یہ بھی ان گھروں میں سے ایک تھا جو مسجد کے قبلہ والی جانب تھے، لوگ اس میں زیارت اور تبرک کے لئے داخل ہوتے تھے اور پہلے ہم بیان کر چکے کہ حضور ﷺ قباء میں تشریف لائے تو ان کے گھر میں ٹھہرے تھے، یونہی حضرت ابوبکر کے اہل وعیال بھی آپ کے اہل کی طرح یہاں ٹھہرے تھے۔

بیرا ریس (ایک کنواں)

انہی متبرک مقامات میں سے ایک بیرا ریس تھا۔ عنقریب اس کے آثار میں سے بیان ہوگا، حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ اس کنوئیں کے سامنے دارِ عمر، دارِ فاطمہ اور دارِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ شاید آپ کے بتانے کا مقصد مدینہ تشریف لے جانے سے قبل کے گھر بتانا ہے۔ واللہ اعلم۔

قباء کی طرف جانے آنے کے وہ راستے جن پر حضور ﷺ چلے تھے

حضرت ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حارث بن اسحاق نے ہمیں بتایا کہ اسحاق بن ابوبکر بن اسحاق

بتاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب سواری پر بیٹھے ہوئے قباء کو تشریف لے جاتے تو مصلّٰی کی طرف جاتے پھر دارِ کثیر بن صلت اور دارِ معاویہ کی طرف والی گلی میں جاتے جو مصلّٰی میں تھے اور پھر واپسی پر دارِ صفوان بن سلمہ کے راستے سے گذرتے جو سقیفہ محرق کے پاس تھا' پھر عروہ کی درس گاہ سے مسجد بنو زریق کی طرف تشریف لے جاتے اور بلاط کی طرف نکل جاتے۔

ابن شبہ بتاتے ہیں' اسحاق نے ولید بن عبد الملک کو دیکھا کہ وہ قباء کی طرف جاتے اور آتے وقت اسی طرح اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضور ﷺ کی راہ آتے جاتے وقت وہ کھلا راستہ تھا جسے آج کل دربِ سقیفہ کہتے ہیں کیونکہ مصلّٰی اور مسجد بنو زریق اسی طرف تھے اور مصلّٰی کے بیان میں گذر چکا کہ دارِ کثیر بن صلت مصلّٰی کی قبلہ والی جانب تھا اور پھر پہلے کی تحریر سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ دارِ معاویہ اس کے سامنے تھا۔

انہوں نے کہا کہ ''آپ بلاط کی طرف نکل جاتے تھے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ باب السلام سے شروع ہو کر دربِ سویقہ کی طرف نکلتے تھے کیونکہ مصلّٰی پر گفتگو کرتے ہوئے آ چکا ہے کہ حضور ﷺ واپسی پر عروہ کی درسگاہ سے مسجد بنو زریق کی طرف واپس ہوتے تھے اور دارِ عبد الرحمٰن کی اس گلی سے بلاط کی طرف نکل جاتے تھے' اس گھر کا ذکر ان گھروں میں موجود ہے جو اس بلاط کی دائیں جانب تھے' آج کل بہت سے لوگ قباء کی طرف جاتے ہوئے دربِ البقیع کے راستے سے جاتے ہیں کیونکہ یہ سب سے قدرے درمیانہ ہے۔

راستے کی پیمائش

اس جہت سے میں نے راستہ کی پیمائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب جبریل کی چوکھٹ سے مسجد قباء کے دروازے کی چوکھٹ تک دستی طور پر سات ہزار دو سو ہاتھ سے قدرے زیادہ فاصلہ تھا' یہ فاصلہ دو مکمل میل اور میل کے ساتویں حصے کا پانچواں حصہ تھا۔ عنقریب مسجد قباء کے ذکر میں وہ بھول آ رہی ہے جو اس پیمائش میں لوگوں کو لگی تھی اور اگر آپ باب جبریل اور بابِ دربِ بقیع کی درمیانی پیمائش اس سے نکال دیں تو مدینہ کی حفاظتی دیوار اور باب مسجد قباء کی درمیانی پیمائش دو سو تینتیس ہاتھ کم دو میل رہ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن میں مسجد ضرار کا ذکر جس سے مسجد قباء کی شان نکھر کر سامنے آتی ہے

دلائل بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف سے اس قرآنی آیت کی تفسیر مذکور ہے:

وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ۝ (سورۂ توبہ' ۱۰۷)

''وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار بنا لی۔''

آپ فرماتے ہیں کہ یہ انصار میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے مسجد بنا لی تھی' اسی دوران ابو عامر نے ان سے

کہا: تم اپنی مسجد بنا لو اور اس میں اپنی قوت اور ہتھیار جمع کر لو کیونکہ میں قیصر روم کی طرف جاتا ہوں' وہاں سے رومیوں کا لشکر لاؤں گا اور پھر محمد اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔ جب وہ مسجد سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے' ہم مسجد بنا کر فارغ ہو گئے ہیں لہٰذا آپ برکت اور دُعا کے لئے آ جائیں تو ہم خوش ہوں گے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (یعنی مسجد قباء) اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (تا) عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○

''اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا' وہ مسجد کہ پہلے دن ہی سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو' اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی' اللہ سے ڈر اور اس کی رضاء پر' وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی' ایک گراؤ گڑھے کے کنارے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔''

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد قباء کی یہ جگہ ایک عورت کی تھی جسے لیہ کہتے تھے' وہ یہاں اپنا گدھا باندھا کرتی تھی چنانچہ حضرت سعد بن خیثمہ نے مسجد بنائی' اس پر مسجد ضرار والوں نے کہا' کیا ہم بھی لیہ کے گدھا باندھے والی جگہ پر نماز پڑھیں؟ ایسا نہیں ہوگا' ہم تو اپنی مسجد بنائیں گے اور اسی میں اس وقت تک نماز پڑھیں گے جب تک ابو عامر نہیں آ جاتا' وہ ہمارا امام ہوگا۔ ابو عامر اللہ رسول سے بھاگ کر مکہ چلا گیا تھا' پھر شام کو گیا اور نصرانی ہو کر وہیں مر گیا' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا○

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بنو عمرو بن عوف نے ایک مسجد بنائی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ یہاں نماز پڑھا دیں' آپ تشریف لائے اور مسجد میں نماز پڑھائی جس سے ان کے بھائی بنو' بنو عمرو بن عوف کے بنو فلاں نے حسد شروع کر دیا (نام کے بارے میں راوی کو شک ہوا) اور کہنے لگے' ہم یہاں نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ اپنی مسجد بنائیں گے اور نبی کریم ﷺ کو یہاں نماز پڑھنے کے لئے بلائیں گے جیسے انہوں نے ہمارے بھائیوں کی مسجد میں پڑھی تھی اور شاید یہاں ابو عامر نماز پڑھے گا۔ وہ ان دنوں شام گیا ہوا تھا۔ آخر انہوں نے مسجد بنا لی اور حضور ﷺ کو وہاں نماز پڑھنے کے لئے بلا بھیجا' آپ ان کی طرف آنے کو اُٹھے تو قرآن کی یہ آیات اُتریں:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ (تا) وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ○

"وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے' ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں' اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو' اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں' تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر اور اس کی رضا پر' وہ بھلا یا جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے تو وہ اُسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا' وہ تعمیر جو چنی' ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔"

مسجد ضرار کو جلا دیا گیا

طبری کے مطابق حضرت زھری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور وادیٔ اوان میں ٹھہرے' یہ وہ شہر ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان دن کے گھنٹے بھر کا فرق تھا' مسجد ضرار والے اس وقت حضور ﷺ کے پاس آئے تھے جب آپ تبوک جانے کی تیاری میں تھے اور کہا تھا' یا رسول اللہ! ہم نے بیماری' ضرورتوں اور بارش والی راتوں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے' ہم چاہتے کہ آپ اس میں آ کر نماز پڑھیں۔آپ نے فرمایا تھا' میں سفر کی تیاری کر رہا ہوں اور اس وقت بہت مصروف ہوں لہٰذا انشاء اللہ جب ہم واپس آئیں گے تو تمہارے پاس آ کر نماز پڑھ لیں گے اور جب آپ واپس ہو کر وادیٔ اوان میں پہنچے تو آپ پر قرآن اُترا جس میں مسجد ضرار کا حال بتایا گیا تھا چنانچہ آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو یا عاصم بن عدی کے بھائی کا نام لیا اور اسے بلا بھیجا اور فرمایا: اس مسجد کی طرف چلو جس کے بنانے والے ظالم ہیں چنانچہ اسے گرا دو اور جلا دو۔وہ تیزی سے گئے اور یونہی کر کے اسے جلا دیا۔

بغوی میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنہیں مسجد گرانے اور جلانے کا حکم دیا تھا' جلدی سے حضرت سالم بن عوف کے پاس گئے' یہ مالک بن دخشم میں سے ایک قبیلہ تھا چنانچہ مالک نے کہا' مجھے تھوڑی سی مہلت دو تاکہ میں گھر والوں سے آگ لے آؤں چنانچہ وہ گھر گئے' کھجور کی ایک ٹہنی لی' اس میں آگ جلائی' جس کی شدت تکلیف سے وہ لوگ نکل کر مسجد میں جمع ہو گئے' اس میں ان کے اہل بھی تھے چنانچہ مسجد گرا کر انہیں جلا دیا' ان کے اہل اس سے الگ ہو گئے۔پھر حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے روڑی بنا دیا جائے' اس میں مردار' بدبودار چیزیں اور کوڑا کرکٹ ڈالا جائے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ اس مسجد کو منافقوں نے مسجد قباء کے سامنے بنایا تھا' یہ لوگ وہاں جمع ہوتے نبی کریم ﷺ کے عیب نکالتے اور ٹھٹھا کیا کرتے۔

مسجد ضرار بنانے والوں کے نام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مسجد بنانے والے بارہ لوگ تھے' خدام بن خالد' یہ بنوعبید بن زید بن مالک میں سے تھا۔ ثعلبہ بن حاطب' یہ بنوامیہ بن زید سے تھا یعنی بنوعمرو بن عوف میں سے ایک۔ معتب بن قشیر' یہ بنوضبیعہ بن زید سے تھا۔ ابو حبیبہ بن اذعر اور عباد بن حنیف' یہ بھی بنوعمرو بن عوف سے تھے۔ جار بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے مجمع اور زید' نبتل بن حارث' مخرج' بجاد بن عثمان اور ودیعہ بن ثابت' یہ بنوامیہ بن زید میں سے تھے۔ انتہی۔

کچھ کہتے ہیں کہ بنوغنم بن عوف اور بنوسالم بن عوف کے درمیان منافقت پیدا ہو چکی تھی' یہ لوگ اپنی قوم بنو عمرو بن عوف سے حسد کرتے تھے اور ابو عامر راہب انہی میں سے تھا (حضور ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا ہوا تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ وہ بنوضبیعہ میں سے تھا نہ اوس میں سے' بنوعمرو بن عوف ہی میں سے ایک تھا اور یہ پہلے آ چکا کہ بنوغنم بن عوف اور بنوسالم بن عوف' خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور قباء میں نہیں رہتے تھے لہٰذا یہ قول محلِ نظر ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ابو عامر نے شام سے قوم کے منافقوں کو لکھا کہ ایک مسجد بنا دو' یہ مسجد مسجد قباء کے مقابلہ میں ہو گی اور اس کو حقیر بنانے کے لئے بنے گی' میں جلد ایک لشکر لے کر آ رہا ہوں' ہم مدینہ سے محمد اور ان کے صحابہ کو نکال باہر کریں گے چنانچہ انہوں نے مسجد بنا کر کہا' ابو عامر جلد آ رہا ہے' وہ اس میں نماز پڑھے گا' ہم اسے عبادت خانہ بنا لیں گے اور یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ○ (سورۂ توبہ' ۱۰۷)

''اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا تو حضور ﷺ نے اس راستے پر چلنا ہی چھوڑ دیا جس میں وہ مسجد تھی۔ یہ بات ہمارے اس گذشتہ بیان کی تصدیق ہے کہ اللہ کے فرمان لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے مراد مسجد قباء ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس مسجد سے مراد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی' مسجد رسول اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ ○ سے مراد مسجد قباء ہے اور وہ بنیاد جو گراؤ گڑھے پر رکھی گئی' اس سے مراد بالا جماع مسجد ضرار ہے اور ان کے قول: فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ کے بارے میں ابن عطیہ کہتے ہیں تو اس سے' جو ان کی صحیح خبر ہے اس سے اور رسول اللہ ﷺ کے منافقوں کی مسجد کو گرانے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ان کی ایک مثال بیان کی جاری ہے یعنی ان کا حال اس شخص جیسا ہے جو اپنی بنیاد دوزخ میں گرنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہے اور وہ مسجد بعینہٖ دوزخ کے کنارے پر ہے اور اس میں گرتی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا' حضورﷺ کے دور میں اس جگہ سے دھواں اُٹھا کرتا تھا پھر رسول اللہﷺ نے اسے اس وقت دیکھا جب وہ دھنس گئی اور ساتویں زمین تک پہنچ گئی جس پر حضورﷺ بھی خوف کھاتے دکھائی دیئے۔

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ انہوں نے اس مسجد میں صرف تین دن نماز پڑھی تھی' چوتھے دن وہ زمین میں دھنس گئی۔

طبری کے مطابق خلف بن یامین رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے منافقوں کی وہ مسجد دیکھی اور اس میں ایسی جگہ دیکھی جس میں سے دھواں نکلتا رہتا تھا' یہ واقعہ ابو جعفر منصور کے دور کا ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگ اس جگہ کھجور کی شاخ ڈالتے تو وہ جل کر سیاہ شدہ نکلا کرتی پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ زمین میں جہنم تھی اور پھر یہ آیت پڑھی فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ۔

مسجد ضرار کہاں تھی؟ ایک اختلاف

علامہ جمال مطری کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور نہ ہی مسجد قباء کے اردگرد اس کی جگہ کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کہیں معلوم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بات یونہی ہے لیکن صرف مطری اور ہمارے زمانہ کے لحاظ سے! لیکن ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے: یہ وہ مسجد تھی کہ جسے چونکہ گرا دیا گیا اور جلا دیا گیا تھا لہٰذا اس کی وجہ سے لوگ اللہ سے پناہ مانگتے تھے' یہ قباء میں تھی اور یہودیوں نے اسے مسجد قباء کے سامنے بنایا تھا' انہیں یہود کہنے کی بجائے منافقین کہنا چاہئے تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ مسجد قباء کے قریب تھی' یہ بڑی تھی' دیواریں بلند تھیں' اس کے پتھر لے لئے گئے تھے اور خوبصورت تھی۔ انتہٰی۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن نجار کے دور کے اندر یہ اس حالت میں موجود تھی لیکن مطری کہتے ہیں کہ یہ ایک وہم ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں' مجد نے ان کی گرفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ابن نجار اس دور میں موجود ہوں اور یہ بھی لازم نہیں کہ موجود رہی ہو اور اگر ابن نجار کے پاس کوئی گواہی نہیں تو وہ کسی کی پیروی میں بات کر گئے ہیں یہ دیکھئے علامہ بشاری' وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے مسجد ضرار بھی تھی' عوام نے اس کے گرنے پر عبادت کی (نفل پڑھے) یاقوت نے ان کی پیروی میں معجم کے اندر لکھا اور ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں اس کا ذکر کیا۔ انتہٰی۔

ابن نجار نے بھی اس زمانے میں مشہور مسجدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: یاد رہے کہ مدینہ میں کچھ خراب مسجدیں بھی ہیں' ان میں کچھ محراب اور ٹوٹے پھوٹے ستون ہیں' ان سے پتھر اکھاڑے جاتے اور انہیں نقصان پہنچایا جاتا ہے'

انہی میں سے ایک مسجد قباء میں ہے جو مسجد ضرار کے قریب ہے جس میں ستون قائم ہے۔
میں کہتا ہوں کہ آج کل اس مسجد کو کوئی جانتا ہی نہیں لیکن اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں مسجد ضرار' قباء میں مشہور تھی جس کی وجہ سے مذکور مسجد کی پہچان ہوتی تھی پھر مشارق میں کلام عیاض میں ہے (اور مجد پیروی کر رہے ہیں) کہ مسجد ضرار ذی اوان میں تھی کیونکہ انہوں نے ذروان میں لکھا کہ ان کی روایت کے لفظوں سے ہونا' ایک وہم ہے۔ پھر کہتے ہیں' یہ خر نامی جگہ بھی جو مدینے سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھی اور یہ وہی جگہ تھی جس میں مسجد ضرار بنائی گئی۔

فصل نمبر۳

مدینہ منورہ اور ہمارے زمانے میں مشہور اردگرد کی مسجدیں جن کا علم ہو سکا

یاد رہے کہ مسجدوں کی تلاش بہر صورت ضروری ہے چنانچہ علامہ بغوی شافعی لکھتے ہیں کہ وہ مسجدیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے وہاں نماز پڑھی تھی' اگر ان میں نماز کے بارے میں کوئی شخص نذر مانتا ہے تو اس میں اسے پورا کرنا لازم ہو جائے گا جیسے تینوں مسجدیں متعین ہیں' سلف صالحین کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے آثار کی تلاش کرتے تھے چنانچہ جتنا ہم سے ہو سکا ہم نے بھی تلاش کی ہیں۔

مسجد جمعہ

ان میں سے ایک مسجد جمعہ ہے' اسے مسجد الوادی بھی کہا جاتا ہے اور گیارہویں فصل' تیسرے باب میں میں بتایا جا چکا کہ نبی کریم علیہ السلام قباء سے مدینہ کو چلے تو بنو سالم بن عوف کے پاس پہنچنے پر جمعہ کا وقت ہو گیا چنانچہ ''مسجد الوادی'' میں پڑھا۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جمعہ کا وقت آپ کو ''رانونا'' میں ہوا یعنی بنو سالم میں' یہ وہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے مدینہ میں پڑھا تھا۔ابن زبالہ کی ایک روایت ہے ''آپ بنو سالم کے پاس تشریف لے گئے اور ''قبیب'' میں جمعہ پڑھا' یہ وہ تھی جو بطن الوادی میں تھی۔انہی کی ایک یہ روایت بھی ہے: رسول اللہ علیہ السلام نے سب سے پہلا جمعہ ''قبیب'' کے مقام پر پڑھایا جو بنو سالم میں تھا' یہ وہی مسجد ہے جسے عبد الصمد نے بتایا۔
اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد کی جگہ کو ''قبیب'' کہتے تھے اور عنقریب مدینہ کی وادیوں میں آ رہا ہے کہ ذی صلب اور رانونا کا سیلاب مسجد جمعہ کی جگہ پر پہنچا کرتے تھے لہٰذا ان عبارتوں میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ اس جگہ کا نام رانونا مشہور ہو گیا' دوسرے نام مشہور نہ ہو سکے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں تشریف لاتے وقت بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں پہلا جمعہ پڑھا تھا۔ حضرت اسماعیل بن ابو فدیک کہتے ہیں مجھے شہر کے ایک ٹھوس شخص نے بتایا کہ حضور ﷺ نے قباء سے مدینہ کو تشریف لاتے وقت پہلا جمعہ بنو سالم کی مسجد میں پڑھایا تھا جسے مسجد عاتکہ کہا جاتا تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ اس مسجد کی شمالی جانب خراب قلعہ تھا جسے ''مزدلف'' کہتے تھے' یہ عتبان بن مالک کا تھا اور یہ مسجد بطن وادی میں تھی اور چھوٹی سی تھی' نصف انسانی قد انسانی اونچے اور پتھروں سے بنی تھی اور یہی وہ جگہ تھی کہ ندی بہتی تو اس کے اور عتبان بن مالک کے درمیان بہتی کیونکہ بنو سالم بن عوف کے گھر اس وادی کے مغرب میں حرہ کی ایک جانب تھے' اس کے نشانات اب بھی موجود ہیں چنانچہ عتبان نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کے گھر میں ایک مرتبہ نماز پڑھ لیں کہ وہ اس جگہ کو نماز کی جگہ مقرر کر لیں' آپ نے یوں کر دیا تھا۔

میں بتاتا چلوں کہ حضرت عتبان کا یہ قصہ بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ: حضرت عتبان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میری آنکھیں ضائع ہو چکیں' مجھے اپنی قوم کو نماز پڑھانا ہوتی ہے' بارش ہو جاتی ہے تو اس کے اور میرے گھر کے درمیان وادی بہنے لگتی ہے' ایسی صورت میں مجھ سے یہ نہیں ہو پاتا کہ جا کر انہیں نماز پڑھا دوں۔ الحدیث۔

آگے ان نامعلوم مسجدوں کے بیان میں آ رہا ہے جن کی جگہ کا علم نہ ہو سکا کہ بنو سالم کی ایک اور مسجد بھی تھی جو بڑی تھی اور لگتا ہے یہ وہی تھی جو حدیث عتبان میں مذکور ہے' رہی یہ مسجد تو یہ چھوٹی تھی' یہ گر گئی تھی جیسے مطری نے بتایا اور کسی عجمی شخص نے اسے موجود شکل میں رہنے دیا' اس کا اگلے حصہ چھتا ہوا تھا' اس میں دو محرابیں تھیں جن کے درمیان ستون تھا اور اس ستون کے پیچھے صحن تھا' مسجد کی لمبائی قبلہ سے شام والی جانب بیس ہاتھ تھی اور مشرقی دیوار سے غربی تک محراب کے ساتھ ساڑھے سولہ ہاتھ عرض تھا' اس کی چھت خراب ہوئی تو مرحوم خواجہ رئیس جواد مفضل شمس الدین قاوان نے اسے از سرِ نو تعمیر کر دیا اور حضور ﷺ کا مصلّٰے غسان کے گھر میں تھا' اس مذکور قلعہ میں نہ تھا بلکہ اس کے پاس تھا۔

مسجد الفضیخ

ان میں سے ایک مسجد فضیخ تھی۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ آج کل اسے مسجد شمس کہتے ہیں' یہ قباء کی مشرقی جانب وادی کے کنارے پر تھی' زمین سے قدرے اونچی جگہ پر تھی اور بڑے سیاہ پتھروں سے بنائی گئی تھی' یہ چھوٹی تھی۔

ابن شبہ' ابن زبالہ اور یحییٰ نے اس بارے میں کئی احادیث دی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد فضیخ میں نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو اپنا خیمہ مسجد فضیخ کے پاس لگایا' آپ چھ راتوں تک اس مسجد میں نماز پڑھتے رہے اور جب شراب حرام کر دی گئی تو

یہ اطلاع ابو ایوب تک پہنچی جو انصار کے ایک گروہ میں تھے جو انگور (یا کھجور) سے تیار کردہ شراب پی رہے تھے' وہ شراب کے برتنوں کے پاس پہنچے اور انہیں یہیں بہا دیا اسی وجہ سے اسے ''مسجد الفضیخ'' کہا گیا۔

علامہ زین مراغی نے بتایا کہ ابھی اس جگہ کو مسجد قرار نہیں دیا گیا تھا یا پھر شراب کے پلید ہونے کا علم انہیں بعد میں ہوا لیکن مشہور یہ ہے کہ شراب' شوال ۳ھ کو حرام کی گئی تھی' کچھ حضرات ۴ھ کو بتاتے ہیں اور عام طور پر یہی مراد ہوتا ہے کیونکہ غزوۂ بنونضیر صحیح روایت کی بناء پر ۴ھ کو واقع ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں' حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضورﷺ نے اس مقام پر بنونضیر کے محاصرے کے دوران نماز پڑھی تھی' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دنوں اسے مسجد بنا لیا ہو' یہ ممکن ہے کہ اس کی تعمیر شراب کے حرام ہونے تک مؤخر کر دی گئی ہو اور پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریمﷺ فضیخ میں مسجد فضیخ کو تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے پانی پیا تھا چنانچہ اس کا نام ''مسجد الفضیخ'' رکھ دیا گیا۔

ابو یعلیٰ کے الفاظ یہ ہیں: آپ مسجد فضیخ میں تھے۔ فضیخ میں پانی جگہ تشریف لائے جو اچھل رہا تھا چنانچہ وہاں سے پی لیا' اسی وجہ سے اسے مسجد الفضیخ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں ابن عمر کے غلام نافع کا ذکر ہے جسے جمہور نے ضعیف لکھا ہے' کچھ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور مسجد کا یہ نام رکھنے میں وہ قابلِ اعتماد ہیں کیونکہ اس سلسلے میں ابن زبالہ کمزور شمار ہوتے ہیں پھر میں نے متقدمین میں سے کسی کو اسے مسجد شمس کہتے نہیں سنا۔

علامہ مجد کہتے ہیں' نہیں معلوم کہ اس کا نام یہ کیوں رکھا گیا' شاید اس بناء پر کہ یہ مسجد قباء کی مشرقی جانب بلند مقام پر تھی اور سورج طلوع ہوتا تو پہلے دھوپ اسی جگہ پڑتی۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ کسی کو یہ گمان کرنے کا حق نہیں کہ وہ کہے' یہی وہ مقام ہے جہاں غروب ہونے کے بعد سورج کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے واپس کر دیا گیا تھا کیونکہ یہ واقعہ خیبر میں صہباء کے مقام پر ہوا تھا چنانچہ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں: حضورﷺ کا سرِ انور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا' اس دوران آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی چنانچہ سورج غروب ہو گیا اور حضرت علی نمازِ عصر ادا نہ کر سکے۔ حضورﷺ نے پوچھا: اے علی! نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کی' نہیں' اس پر نبی کریمﷺ نے فرمایا: الٰہی! علی تیری اور تیرے رسول کی فرمانبرداری میں تھے لہٰذا سورج واپس فرما دے چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں' سورج تو غروب ہو چکا تھا' میں نے دیکھا کہ پھر واپس پلٹا' پہاڑوں اور زمین پر دھوپ آ گئی' یہ واقعہ خیبر میں مقامِ صہباء پر ہوا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ طحاوی نے اسے مشکل الحدیث میں لکھا ہے' پھر کہا احمد بن صالح کہا کرتے تھے کہ اہلِ علم کے لئے یہ لائق نہیں کہ حدیث اسماء کو محفوظ نہ کرے کیونکہ یہ واقعہ نبوت کی علامتوں میں سے ایک تھا۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ مقام' مسجد شمس نام رکھنے کے لئے سب سے مناسب ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور حضرت علی کے لئے سورج لوٹا دیا جانا ایک باطل قصہ ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے' اس

کا قائل بے سمجھ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبرانی نے کئی طریقوں سے لکھا ہے چنانچہ حافظ نور الدین ھیثمی لکھتے ہیں کہ اس میں سے ایک حدیث کے راوی صحیح ہیں۔

یہ مسجد مربع شکل کی تھی' مشرق سے مغرب تک اس کی پیائش گیارہ ہاتھ تھی اور قبلہ سے شامی جانب (شمالی) بھی اتنی ہی تھی۔

مسجد بنو قریظہ

انہی قابل زیارت مقامات میں سے ایک مسجد بنو قریظہ تھی' یہ مسجد شمس کی مشرقی جانب تھی لیکن کچھ دور تھی اور مشرقی جانب والے پتھریلے مقام کے قریب تھی' ایک باغ کے دروازے کے سامنے تھی جسے "حاجزہ" کہتے تھے' یہ فقراء کے لئے وقف جگہ تھی۔ یہ تو مطری نے لکھا اور یہودیوں کے گھروں کے ذکر میں ہم پہلے بتا چکے کہ زبیر بن باطا کا قلعہ مسجد بنو قریظہ کی جگہ پر تھا اور اس کے پاس' باغ کے دروازے کی شمالی جانب بنو قریظہ کے مکان تھے اور اس کے نزدیک اہلِ عالیہ میں سے کچھ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے چنانچہ حضرت ابن شبہ کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے خضر میں سے ایک عورت کے گھر نماز پڑھی اور پھر اسے مسجد بنو قریظہ میں داخل کر لیا تھا اور وہ مقام جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی بنو قریظہ کی مشرقی جانب اس منارہ کی جگہ تھا جسے گرا دیا تھا۔ یہ الفاظ ابن شبہ کے تھے۔ اس مسجد میں بھی نوافل پڑھنے کی ضرورت ہے۔

اسے ابن زبالہ نے بھی ذکر کیا لیکن اس جگہ کی نشاندہی نہیں کی بلکہ کہا کہ ولید بن عبد الملک نے تعمیر کرتے وقت اس گھر کو مسجد بنو قریظہ میں داخل کر لیا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کے اگلے حصے میں بھی نماز پڑھی ہو ورنہ وہ منارہ کی قریب والی جگہ کو اگلا حصہ بتاتے۔

میں کہتا ہوں' بظاہر یہ مسجد وہی ہے جس کا ذکر صحیحین میں ہے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر یہاں آ ٹھہرے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کو بلا بھیجا' آپ کو گدھے پر سوار کر کے لایا گیا' جب وہ اس مسجد کے قریب ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا: اپنے سردار یا فرمایا اپنے آقا کے استقبال کے لئے اُٹھو! پھر ان سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے حکم پر آئے ہیں' حضرت سعد نے عرض کی (فیصلہ یہ ہے کہ) آپ ان کے مردوں کو قتل کرا دیں اور اولادوں کو غلام بنا لیں۔ الحدیث۔

اس حدیث میں ان کے قول "مسجد کے قریب" سے مراد مسجد مدینہ نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اس وقت وہاں موجود نہ تھے' اسی لئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: ان کے قول: "جب وہ مسجد کے قریب پہنچے" سے مراد وہ مقام ہے جسے نبی کریم ﷺ بنو قریظہ کے محاصرے کے وقت نماز پڑھنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ مسجد مدینہ کی بالائی جانب اب بھی موجود ہے اور بڑی ہے اس میں سولہ ستون تھے جن میں سے کچھ گر گئے اس پر چھت نہیں تھی دیواریں گر چکیں یہ مسجد قباء کی شکل میں بنی تھی اور اس کے گرد باغات اور قابل زراعت زمین تھی۔

پھر ابن نجار نے اس کی پیائش لکھی جو بظاہر اپنی طرف سے لکھی بہرحال لکھا کہ اس کا طول تقریباً بیس ہاتھ تھا جبکہ عرض بھی اتنا ہی تھا لیکن یہ پیائش آج کی مسجد میں نہیں پائی جاتی اور نہ ان کی بیان کردہ پہلی پیائش پر بچی آتی ہے تو شاید انہوں نے صرف اندازہ سے اس وقت لکھی جب وہاں موجود نہ تھے چنانچہ مطری لکھتے ہیں کہ اس کا طول تقریباً پینتالیس ہاتھ اور عرض بھی اتنا ہی تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ: مسجد میں ستون اور محرابیں تھیں اور مسجد قباء جیسا منارہ تھا جو عرصہ گذرنے پر گر گئیں اور منارہ بھی گر گیا لیکن آج بھی اس کا نشان ملتا ہے جو اس کی پہچان کے لئے کافی ہے لیکن اس کے سارے پتھر وہاں سے اُٹھا لئے گئے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری کے بعد پہلی دہائی میں ابھی تک اس کا نشان موجود ہے پھر نئے سرے سے نصف قد انسانی جتنی دیوار بنا دی گئی اسے بھلا دیا گیا تھا چنانچہ نئی تعمیر کی تاریخ پر اس کی جگہ کا پتہ چلا۔

میں بتا رہا ہوں کہ یہ آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے مطری نے بتایا پھر میں نے اس کی پیائش کی تو قبلہ سے شامی جانب سوا چوالیس ہاتھ تھی اور مشرق سے مغرب تک تینتالیس ہاتھ تھی اس کی نئی دیوار شجاعی شاہین جمالی شیخ حرم نبوی اور نگران نے بنوائی یہ ۸۹۳ھ کی بات ہے۔

مسجد مشربہٴ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا

انہی مقامات سے ایک ''مشربہٴ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' بھی تھا۔

ابن زبالہ وغیرہ کے مطابق حضور ﷺ نے ''مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' میں نماز پڑھی تھی۔

صدقات النبی ﷺ کے بیان میں ابن شہاب کی روایت ملتی ہے کہ یہ صدقات مخیریق کے اموال تھے ابن شبہ نے انہی میں ''مشربہٴ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' کا بھی شمار کیا ہے پھر کہتے ہیں: رہا مشربہٴ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا تو جب تم یہودیوں کے تورات پڑھنے کی جگہ مدراس والے گھر کو پیچھے چھوڑ کر ابو عبیدہ بن عبید اللہ کی زمین کی طرف آؤ تو مشربہٴ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا اس کے پہلو میں ہوگا اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہا کی والدہ نے آپ کو یہیں جنم دیا تھا اور جب وہ دردِ زہ میں مبتلا ہوئیں تو اس مشربہ کی جگہ سے ایک لکڑی کو پکڑا تھا چنانچہ وہ لکڑی آج بھی موجود ہے۔ انتہٰی۔

ابن النجار کہتے ہیں کہ آج بھی یہ جگہ نخیل کے درمیان مدینہ کی بالائی جانب موجود ہے یہ چھوٹا سا ٹیلہ ہے جس کے گرد اینٹوں سے دیوار کر دی گئی ہے۔

مشربہ باغ کو کہتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس جگہ نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی والدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ تھا۔

میں مزید بتاؤں کہ صحاح میں یہ لفظ مشربہ (میم پر زیر سے) لکھا ہے یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں پانی پیا جائے' مشربہ پڑھیں تو اس کا معنیٰ بالا خانہ ہے اور یونہی مُشربہ (میم کے پیش سے) اور مشارب' علالی یعنی پانی پینے کی جگہیں ہیں' لیکن انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ اس سے مراد باغ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس باغ میں یہ جگہ اُونچی تھی' یہ حضور ﷺ کا حصہ تھا۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب میں لکھا: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ کے بالائی حصے کی پانی والی اس جگہ جنم دیا جسے آج کل ''مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' کہتے ہیں اور یہ ''قف کے'' مقام پر ہے۔

حضرت عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث روایت کی جس میں انہوں نے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر رشک کا اظہار کیا کیونکہ وہ خوبصورت تھیں' وہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ انہیں دیکھ کر خوش ہوتے اور جب آپ انہیں لے کر تشریف لائے تو پہلے حضرت حارثہ بن نعمان کے گھر ٹھہرے' وہ ہمارے پڑوس میں تھے' رسول اللہ ﷺ شب و روز عام طور پر ان کے پاس ہوتے اور پھر ہم نے ان کے بارے میں سخت لہجہ اختیار کیا جس کی بناء پر آپ نے انہیں مدینہ کی بالائی جانب ٹھہرا دیا اور وہاں آتے جاتے رہے یہ بہت مشکل دن تھے' پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے لڑکا دے دیا اور ہم محروم رہ گئیں۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ ''مشربہ'' ایک مسجد تھی جو بنو قریظہ کی شمالی جانب ''دشت'' کے مقام پر حرۂ شرقیہ کے قریب تھی اور پھر اس باغ میں تھی جسے ''اشراف قواسم'' کہتے تھے جو قاسم بن ادریس بن جعفر (حسن عسکری کے بھائی بند) کی اولاد میں سے تھے۔ مجد کہتے ہیں' میں نے پیائش کی تو اس کی لمبائی تقریباً دس ہاتھ اور چوڑائی کوئی ایک ہاتھ کے قریب کم تھی' نہ عمارت تھی اور نہ کوئی دیوار' وہ روبیبہ کے مقام پر کھلا میدان تھا' اس کے گرد سیاہ رنگ کے پتھروں سے نشاندہی کی گئی تھی۔ پھر کہتے ہیں کہ اس مشربہ کے شمال میں گرا ہوا ایک گھر تھا جس کی دیواروں کے سوا کوئی اور شے دکھائی نہیں دیتی تھی' لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ابوسیف قبر کا مکان ہے اور جہاں تک میرا غالب خیال ہے' یہ بنو زعوراء کے قلعے کا بقایا حصہ ہے کیونکہ حضرت زبیر بن بکار واضح طور پر کہتے ہیں کہ: بنو زعوراء مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے تھے اور اس کے قریب والا قلعہ انہی کا تھا۔ یہ بنو زعوراء یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔

میں کہتا ہوں ابو یوسف قبر کا گھر وہ تھا جس میں حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ شیر مادر پیتے رہے تھے' یہ گھر دار بنو مازن بن نجار کا تھا اور وہ جو انہوں نے مسجد مذکور کے بارے میں لکھا ہے وہ تقریباً آج کی مسجد میں دکھا دیتا لیکن قبلہ سے شام کی جانب اس کی پیائش گیارہ ہاتھ ہے جبکہ مشرق سے مغرب کی طرف چودہ ہاتھ سے

ذرا زیادہ ہے' اس کی مشرقی جانب ہلکا سا ٹیلہ ہے اور مغربی جانب اس کے قریب ہی کھجور کا باغ ہے جسے ''زبیریات'' کہتے ہیں اور عنقریب آ رہا ہے کہ یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد تھی جو انہوں نے صدقہ کر دی تھی' اس میں ان کے نام سے مسجد بھی تھی۔ واللہ اعلم۔

مسجد بنو ظفر

انہی مقامات میں سے قبیلۂ اوس کے بنو ظفر کی مسجد تھی جسے آج کل ''مسجد بغلہ'' کہا جاتا ہے' یہ حرۂ شرقیہ میں تھی جو بقیع کی مشرقی جانب تھا' اس کی طرف راستہ اس قبہ کے قریب سے جاتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے مشہور تھا' یہ بقیع سے کچھ دور تھا اور جعفر بن محمود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''مسجد بنو معاویہ'' میں نماز پڑھی تھی نیز مسجد بنو ظفر میں بھی پڑھی تھی۔

ابن شبہ کے مطابق حارث بن سعید لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو حارثہ یعنی مسجد بنو ظفر میں بھی نماز پڑھی تھی۔

حضرت یونس بن محمد ظفری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس پتھر پر بیٹھے تھے جو بنو ظفر کی مسجد میں تھا' اس کے بارے میں زیاد بن عبد اللہ نے اکھاڑنے کا حکم دیا تو بنو ظفر کے بڑے بوڑھے آ گئے' انہوں نے اسے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ اس پر بیٹھے تھے تو اس نے اسے وہیں رہنے دیا۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ کوئی عورت اس پر بیٹھ جائے تو حاملہ نہ ہو جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مسجد بنو ظفر' مسجد بنو عبد الاشہل کے قریب ہی تھی۔ کہتے ہیں' میں نے مدینہ میں لوگوں کو دیکھا کہ رات کے وقت وہ اپنی بیویوں کو وہاں لے کر جاتے اور وہ اس پتھر پر بیٹھا کرتیں۔

میں کہتا ہوں کہ میں عرصہ تک اس راز کا پتہ چلاتا رہا' آخر کار طبرانی کی محمد بن فضالہ ظفری سے روایت کردہ حدیث سے یہ بات میرے سامنے کھل گئی' یہ صحابی رسول تھے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس مسجد بنو ظفر میں پہنچے تو آج کل مسجد میں رکھے اس پتھر پر بیٹھے' آپ کے ہمراہ حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ بھی موجود تھے۔ حضور ﷺ نے ایک قاری کو حکم فرمایا انہوں نے یہاں تک تلاوت کی تھی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ○ (سورۂ نساء' ۴۱)

''تو کیسی ہو گی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔''

اس پر حضور ﷺ اتنا روئے کہ ڈاڑھی مبارک بھیگ گئی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے پروردگار! میں ان کی گواہی تو دے سکوں گا جن کے اندر رہ کر میں نے زندگی گذاری ہے لیکن ان کی گواہی کیسے دوں گا جنہیں میں نے دیکھا

ہی نہیں؟

میں کہتا ہوں کہ بے اولاد عورت کو لوگ آج تک اس پتھر پر بٹھاتے چلے آئے ہیں اور صرف اسی وجہ سے اس مسجد کی طرف لے جاتے رہے ہیں تاہم میں نے وہاں ایسا کوئی پتھر نہیں دیکھا جس پر بیٹھنے کی گنجائش ہو البتہ مسجد کے دروازے کے کواڑ کی نچلی طرف' اندر داخل ہونے والے کی بائیں طرف اندر ایک پتھر ضرور موجود ہے' شاید یہی مراد ہو' لوگ مسجد کے کسی بھی پتھر کو جو غربی جانب ہیں' لیٹے اور ان پر بیٹھتے ہیں لیکن یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ پہلی روایت سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ وہ مسجد میں موجود تھا۔

علامہ مطری فرماتے ہیں کہ اس مسجد کے قریب قبلہ کی طرف سے حرہ میں نشان ہیں' کہا جاتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے گھوڑے کے سُموں کے ہیں اور پھر اس کی غربی جانب بھی پتھر پر کُھر کا نشان ہے جسے کہنی کا ہوتا ہے' کہتے ہیں کہ آپ نے اس پر سہارا لیا تھا اور اپنی کہنی مبارک اس پر رکھی تھی' پھر ایک اور پتھر پر انگلیوں کے نشان ہیں کہ دور سے آنے والے اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ مجھے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا البتہ ابن نجار نے ایک خراب حالت والی مسجد کو دیکھ کر یوں لکھا: بقیع کے نزدیک دو مسجدیں ہیں اور پھر عنقریب آ رہی مسجد الاجابہ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا: ایک اور مسجد ہے جسے مسجد البغلہ کہتے ہیں' اس میں ایک ہی ستون ہے اور وہ بھی خراب ہے' مسجد کے اردگرد بہت سے پتھر ہیں جن پر نشان ہیں' لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے خچر کے کھروں کے نشان ہیں۔ انتہی۔

ابن نجار کے بعد گرے حصے کو تعمیر کر دیا گیا' البتہ چھت نہ ڈالی گئی چنانچہ اس میں کوئی ستون موجود نہیں' میں نے اس میں مرمر کا پتھر دیکھا جو محراب کی دائیں طرف اس پر یہ تحریر تھی:

خَلَّدَ اللّٰهُ مُلْكَ الْإِمَامِ اَبِيْ جَعْفَرِ الْمَنْصُوْرِ الْمُسْتَنْصَرِ بِاللّٰهِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ' عُمَرَ سَنَةَ ثَلَاثِيْنَ وَ سِتِّمِائَةٍ۝

''اللہ تعالیٰ ابو جعفر منصور مستنصر باللہ امیر المؤمنین کی سلطنت کو دوام بخشے' انہوں نے اسے ۶۳۰ھ میں تعمیر کیا تھا۔''

پھر میں نے اس کی پیمائش کی تو وہ مربع شکل کی تھی چنانچہ قبلہ سے شامی جانب طول گیارہ ہاتھ اور مشرق سے مغرب تک بھی اتنا ہی تھا۔ واللہ اعلم۔

مسجد الاجابہ

یہ مسجد بنو معاویہ بن مالک بن عوف کی تھی جن کا تعلق قبیلۂ اوس سے تھا' ہم نے گھروں کے بیان میں اس بارے میں لکھا تھا کہ علامہ مطری اور ان کے پیروکاروں کو وہم ہوا اور انہوں نے اسے بنو مالک بن نجار کی مسجد بنا دیا جن

کا تعلق خزرج سے تھا' پھر ان کے وہم کا سبب بھی بتا دیا تھا اور مطری کے مسجد بنو جدیلہ کے ذکر میں ان کی غلطی کی نشاندہی بھی کر دی تھی' یہ وہ مسجد ہے جس کا بیان اس سے اگلی فصل میں آ رہا ہے۔

صحیح مسلم کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مدینہ کے بالائی حصے سے تشریف لائے اور جب مسجد بنو معاویہ کے قریب سے گذرے تو اس میں داخل ہو کر دو رکعت نفل پڑھے' ہم نے بھی آپ کے ہمراہ پڑھے' آپ نے بارگاہِ الٰہی میں طویل دُعا کی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے' فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے تین دعائیں کی تھیں جن میں دو قبول کر لی گئیں اور ایک روک لی گئی' میں نے یہ دُعا کی تھی کہ میری اُمت کو قحط سے ہلاک نہ فرمائے تو یہ قبول فرما لی گئی' پھر یہ دُعا کی کہ اسے غرق نہ کیا جائے' یہ بھی منظور کر لی گئی اور پھر یہ دُعا کی کہ ان میں باہم جھگڑا نہ ہو تو یہ روک لی گئی چنانچہ یہ وہ وجہ ہے جس کی بناء پر اسے مسجد الاجابہ کہا گیا۔

ابن شبہ کے مطابق مؤطا میں حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن جابر بن عتیک کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے پاس عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بنو معاویہ میں آئے' یہ انصار کی بستی کے قریب تھے' پوچھا: جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نفل پڑھے تھے؟ میں نے کہا' ہاں! اور انہیں مسجد کی ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ پھر پوچھا جانتے ہو کہ آپ نے تین دُعائیں کونسی کی تھیں؟ میں نے کہا' ہاں جانتا ہوں' انہوں نے کہا' مجھے بتاؤ تو سہی! میں نے کہا: یہ دُعا فرمائی تھی کہ ان پر کوئی غیر غالب نہ ہو سکے اور انہیں قحط سے ہلاک نہ کیا جائے چنانچہ دونوں قبول کر لی گئیں' پھر تیسری دُعا یہ کی کہ آپس میں ان کی دشمنی نہ ہو تو اس سے روک دئے گئے۔ انہوں نے کہا: سچ کہتے ہو چنانچہ قیامت تک فتنہ و فساد جاری رہے گا۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے' آپ مسجد بنو معاویہ کے قریب گئے تو جا کر اس میں دو نفل پڑھے پھر کھڑے ہو کر اللہ سے دُعائیں کر کے واپس تشریف لے آئے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ مجھے پتہ چلا' حضور ﷺ نے مسجد بنو معاویہ میں محراب کی دائیں جانب تقریباً دو ہاتھ کے فاصلے پر نفل پڑھے۔

میں کہتا ہوں' انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس مقام پر نفل پڑھے اور پھر کھڑے ہو کر دعا کرے کیونکہ گذشتہ روایت میں یونہی آیا ہے اور یہی وہ مسجد ہے جو ابن نجار کے اس قول سے مراد ہے جو انہوں نے ان دو مسجدوں کے بارے میں کہا جنہیں دیکھا تھا کہ ان کی حالت خراب ہے اور وہ بقیع کے قریب تھیں' ایک کو مسجد الاجابہ کہتے ہیں جس میں ستون کھڑے ہیں اور خوبصورت محراب بھی ہے لیکن باقی حصہ خراب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل وہاں کوئی ستون موجود نہیں' ان کے خراب حصے بوسیدہ ہو چکے ہیں' یہ عریض کی طرف جانے والے کی بائیں طرف آتی ہے اور بقیع کے شمال میں ہے' یہ ٹیلوں کے درمیان واقع ہے جو بنو معاویہ کی بستی کے آثار ہیں' میں نے مسجد کی پیمائش کی تو مشرق سے مغرب کی طرف پچیس ہاتھ سے قدرے کم تھی جبکہ قبلہ سے شامی جانب

بیس ہاتھ سے کچھ کم تھی۔

مسجد الفتح

ان میں سے ایک مسجد الفتح ہے اور اس کے نزدیک دوسری مسجدیں قبلہ کی طرف ہیں جن سب کو مساجد فتح کہا جاتا ہے' یہ پہلی مسجد جبلِ سلع کے ایک مغربی حصے پر واقع ہے جس کے مغرب میں وادیٔ بطحان ہے' اسی کا نام مسجد فتح ہے' جب بھی یہ لفظ بولا جائے تو یہی مراد ہوتی ہے' اسے مسجد الاحزاب بھی کہتے ہیں اور المسجد الاعلیٰ بھی چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں تین دن تک' پیر' منگل اور بدھ تک دُعائیں فرمائیں تو بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیان دُعا قبول ہو گئی جس سے آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار دکھائی دیئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو اسی وقت وہاں جاتا' دُعا کرتا تو قبول ہو جایا کرتی۔

حضرت جابر ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مسجد احزاب کی طرف تشریف لائے' چادر بچھائی اور اس پر کھڑے ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر احزاب کے خلاف دُعا فرمائی لیکن نفل نہیں پڑھے' پھر تشریف لائے ان کے خلاف دُعا فرمائی اور نفل بھی پڑھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد فتح کی جگہ بیٹھ گئے' حمد الٰہی کی اور احزاب کے خلاف دُعا فرمائی پھر وہیں بیٹھے اپنے صحابہ کو دکھائی دیئے۔

مہدبین کے غلام سعید کہتے ہیں کہ حضور ﷺ "جرف" سے تشریف لائے تو نمازِ عصر کا وقت ہو گیا چنانچہ مسجد اعلیٰ میں نماز پڑھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد الفتح کے قریب تشریف لائے جو پہاڑ پر تھی' اسی دوران نمازِ عصر کا وقت ہو گیا' آپ اُوپر چڑھے اور نماز پڑھی۔

ابن زبالہ کے مطابق نبی کریم ﷺ نے یوم الاحزاب کو مسجد فتح میں ان کے خلاف دُعا فرمائی' ظہر کا وقت گذرا' عصر اور مغرب کا وقت بھی گذر گیا لیکن آپ نے کوئی نماز نہیں پڑھی اور پھر مغرب کے وقت سب پڑھ لیں۔

میں کہتا ہوں' اس میں اس قدر مصروفیت کا بیان ہے جس کی بناء پر آپ نے نماز کو مؤخر فرمایا کیونکہ مشہور اسی نماز کی یا صرف نمازِ عصر کی تاخیر ہے جیسے کہ بخاری میں ہے' وہاں تاخیر کا سبب بیان نہیں کیا گیا اور یہ واقعہ نمازِ خوف کے شروع ہونے سے قبل کا ہے اور پھر حضرت جعفر کے والد محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد فتح میں داخل ہوئے' ایک قدم آگے رکھا' پھر دوسرا رکھا پھر کھڑے ہو گئے اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا دیئے' اس دوران آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی' بغلیں خاکستری سے رنگ کی تھیں' دُعا فرمائی تو چادر پیٹھ مبارک کی طرف گر گئی' آپ نے اُٹھائی نہیں' کثرت سے دُعا کرتے چلے گئے پھر خود واپس تشریف لے آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے مسجد فتح کے پیچھے سے مغرب کی طرف متوجہ ہو کر دُعاء فرمائی تھی۔ ابن شبہ نے انہی سے روایت کی جس میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریمﷺ نے اس پہاڑ پر چڑھ کر دُعا فرمائی جہاں مسجد فتح تھی' یہ مسجد اس کے مغرب میں تھی پھر مسجد کی پچھلی طرف صحن میں نماز پڑھی۔

حضرت ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کئی بااعتماد لوگوں سے سنا' انہوں نے بتایا کہ پہاڑ کی وہ جگہ جہاں حضورﷺ نے دُعا فرمائی تھی' آج کل وہ درمیانی ستون کی طرف ہے جو مسجد کے صحن کی طرف دکھائی دیتی ہے۔

میں کہتا ہوں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور دُعا کے لئے مسجد کا درمیانی حصہ' جو صحن میں چھت کی جانب ہے' پیش نظر رکھنا چاہئے جبکہ پہلی روایت میں یہ تھا کہ مغربی جہت کے قریب ہو اور جب تم اسے پہلی روایت سے ملاؤ کہ ''حضورﷺ ایک قدم چلے' پھر دوسرا قدم اُٹھایا اور کھڑے ہو کر ہاتھ اُٹھا دئے۔'' تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا راستہ شمالی درجے کی طرف سے تھا۔

حضرت یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق رسول اللہﷺ خندق کے موقع پر احزاب کے خلاف دُعا کرتے وقت مسجد فتح کے درمیانی ستون کی جگہ ٹھہرے تھے چنانچہ یحییٰ لکھتے ہیں کہ میں حسین بن عبد اللہ کے ہمراہ مسجد فتح میں داخل ہوا اور جب درمیانی ستون تک پہنچ تو کہا' یہ وہ جگہ ہے جہاں حضورﷺ نے نماز پڑھی تھی اور جہاں احزاب کے خلاف دُعا فرمائی تھی۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی مسجد فتح میں آتے' وہاں نفل پڑھتے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے اونچی مسجد میں دُعا فرمائی اور ہاتھ خوب اُوپر اُٹھائے۔

حضرت سالم بن نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' نبی کریمﷺ نے یوم خندق پر دُعا فرمائی تھی کہ: اے کتاب اتارنے والے اور بادلوں کو لانے والے پروردگار! انہیں (احزاب والوں کو) شکست دے اور ہمیں ان پر کامیابی عطا فرما۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عمر بن حکم بن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' مجھے اس شخص نے بتایا جس نے مسجد فتح میں حضورﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تھی کہ پھر آپ نے دُعا فرمائی: ''الٰہی! سب تعریفیں تجھی کے لئے ہیں' تو نے ضلالت (عشق میں حد کو پہنچے ہوئے) سے راہ دکھائی' جسے تو ذلیل فرما دے' اسے عزت دینے والا کوئی نہیں' اور جسے تو عزت دیدے' اسے ذلیل کوئی نہیں کر سکتا' جسے تو ذلیل کر دے' اسے کون عزت دے اور جسے تو عزت دے' اسے کون ذلیل کرے' جسے تو ذلیل کرنا چاہے' اس کی مدد کوئی نہیں کر سکتا (کہ اسے اس سے بچا لے) اور جس کو تو کچھ نہ دینا چاہے' اسے کون دے سکتا ہے اور جسے تو دینا چاہے' اسے کون روک سکتا ہے' جسے تو محروم رکھے' اسے کون روزی دے اور جسے تو روزی دینا چاہے' اسے محروم کون کرے' جسے تو نیچا کرے' اسے کون سر بلند کر سکتا ہے اور جسے تو سر بلند کرے' اسے کون

جھکائے، جس کی پردہ پوشی تو کرے، اس کی پردہ دری کون کر سکتا ہے اور جس کی تو پردہ دری کرے، اس کی پردہ پوشی کون کر سکتا ہے، جسے تو دور ہٹا دے، اسے کون قریب لائے اور جسے تو قریب کر لے، اسے کون دور کر لے؟"

علامہ قرطبی نے ایک اور دُعاء کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے وہ دُعا اس رات فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے احزاب پر تیز ہوا بھیجی تھی اور اسے تسلیم کرنے میں تو کوئی رکاوٹ ہی نہیں کہ اسی رات آپ نے وہاں یہ دُعا بھی فرمائی ہو، الفاظ یہ ہیں: "جب مسلمانوں پر سخت وقت آ گیا اور خندق میں قیام کو کافی دن گزر گئے تو آپ ایک رات وہاں اس ٹیلے پر چڑھ گئے جہاں مسجد فتح موجود تھی، آپ اللہ کی مدد پر اُمید لگائے ہوئے تھے، فرمایا: کون ہے جو مجھے احزاب کی خبر لا سنائے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہتھیار لگائے چل پڑے تو نبی کریم ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا فرمائی: اے مصیبت کے ماروں کی چیخ و پکار سننے والے! اے مجبوروں کی دُعا قبول فرمانے والے! اے میرا غم واندوہ اور پریشانی دور فرمانے والے! تو میرے اور میرے صحابہ کا حال خوب دیکھ رہا ہے۔

اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا سن لی ہے، وہ دشمن کی ہولناکی میں آپ کی مدد فرمائے گا۔ یہ سن کر آپ گھٹنوں کے بل گر گئے، ہاتھ اُٹھائے اور نظریں نیچے کئے دُعا کی: تو نے مجھ پر اور میرے صحابہ پر رحمت فرمائی ہے تو میں اس پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع دے دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر سخت آندھی بھیجنے والا ہے چنانچہ آپ نے اپنے صحابہ کو اس بات کی اطلاع دے رکھی تھی۔

میں کہتا ہوں، ضرورت ہے کہ یہ پوری دُعا وہاں کی جائی چنانچہ یوں کہے: اے فریاد کرنے والوں اور غمزدوں کی فریاد سننے والے! اے مدد مانگنے والوں کی مدد فرمانے والے! اے پریشان حالوں کی مصیبت دور کرنے والے! اے مجبوروں کی دُعا قبول فرمانے والے! ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ، ان کی آل اور صحابہ پر رحمتیں نازل فرما اور انہیں سلامت رکھ، میری بے چینی دور فرما دے، میرا غم، پریشانی اور اندوہ دور فرما دے جیسے تو نے یہاں اپنے محبوب اور رسول اللہ ﷺ کا غم و اندوہ اور پریشانی و بے چینی دور فرما دی تھی، یہاں میں تیری بارگاہ میں ان کی طرف سے شفاعت پیش کرتا ہوں، اے بہت احسان فرمانے والے اور اے جود و کرم فرمانے والے!

اس سے قبل صحیح بخاری میں درج ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث والی دُعا شامل کرنی چاہیے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کسی مصیبت آنے پر یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرَضِيْنَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ٥ اور یونہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ والی وہ دُعا بھی شامل کر لے جو انہوں نے مشکل وقت میں رشید خلیفہ کے پاس جاتے وقت پڑھی تھی چنانچہ ابو نعیم نے امام شافعی کے حوالے سے بتایا کہ یہ دُعا حضور ﷺ نے یوم احزاب پر کی تھی، یہ ایک لمبی دُعا تھی، الفاظ میں اختلاف ہے، میں نے سب کو جمع کر دیا ہے، وہ یوں تھی: اللہ جانتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں، فرشتے اور اہلِ علم انصاف پر چل رہے ہیں، اس کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں، وہ دانا اور غالب ہے، پھر یوں لکھا: میں بھی اس کی گواہی دیتا

ہوں جس کی اللہ نے گواہی دے ہے اور میں اپنی یہ گواہی اللہ کے پاس امانت رکھ رہا ہوں' یہ اس کے پاس محفوظ رہے گی جس کا اجر وہ مجھے قیامت کے دن عطا فرمائے گا' الٰہی! میں تیری پاکیزگی کے نور کی پناہ لینا چاہتا ہوں نیز تیری سب سے بڑھ کر پاکیزگی اور تیری بہت بڑی بزرگی کی پناہ لیتا ہوں ہر آفت' مصیبت سے خواہ وہ رات کو آنے والی ہو یا دن کو' جنوں کی طرف سے ہو یا انسانوں کی طرف سے' ہاں بھلائی کی مصیبت ہو تو اور بات ہے' الٰہی تو میری فریاد سن سکتا ہے تو میں تجھی سے فریاد کروں گا' تو میرے لئے پناہ ہے تو میں تیری ہی پناہ لوں گا' تو میری عرض سن سکتا ہے تو میں تجھی سے درخواست کروں گا' اے وہ ذات کہ جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھک جایا کرتی ہیں اور بڑے بڑے فرعونوں کے سر نیچے ہو جاتے ہیں' میں تیرے چہرۂ انور کے جمال اور تیری عظمت کے کرم کی پناہ لیتا ہوں' اس بات سے کہ تو مجھے رسوا کر دے اور میرا پردہ فاش کر دے' اپنا ذکر بھلا دے اور شکر کرنے سے روک دے' میں تو رات دن تیری حفاظت اور ذمہ داری میں جی رہا ہوں' نیند اور قرار میں' گھر بیٹھے اور سفر میں' زندگی اور موت میں' تیرا ذکر کرتے رہنا میری عادت ہے' تیری تعریف کرتے رہنا میرا اوڑھنا بچھونا ہے' تیرے بغیر کوئی بھی لائق عبادت نہیں' تو ہر برائی سے پاک اور لائق تعریف ہے' تیرا نام اور عظمت میرے لئے بہت پاکیزہ ہے اور اس میں تیرے چہرۂ انور کی عزت ہے' مجھے اپنے رسوا کرنے سے بچائے رکھ' اپنے بندوں کے شر سے محفوظ فرما' مجھ پر اپنی حفاظت کے پردے ڈال دے' اپنے بدترین عذاب سے مجھے بچا لے' مجھ پر جود و کرم فرما اور بار بار مجھ پر بھلائی فرما' اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے' اللہ عظیم' بلند اور کرم فرمانے والے کے سامنے کسی کے منہ پھیرنے کی طاقت و ہمت نہیں' درود ان پر جو چنے ہوئے نبی محمد ﷺ ہیں' پھر آپ کی آل اور صحابہ پر اور سلامتی۔

میں کہتا ہوں' ان واقعات میں سے مشہور واقعہ جو دُعا کرتے وقت بدھ کے دن قبولیت کے سلسلے میں اس مسجد میں پیش آیا اور سلف صالحین اور عورتوں تک اس مسجد میں آتے رہے' ایک وہ ہے جسے ادیب شہاب الدین ابو الثناء محمود نے اپنی کتاب ''منازل الاحباب'' میں ذکر کیا ہے' کہتے ہیں کہ عقبہ بن حباب بن منذر بن جموح رحمہ اللہ اس مسجد میں بدھ کو جاتے رہتے تھے' وہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں چنانچہ انہوں نے ایک عورت سے شادی کا واقعہ ذکر کیا۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس مسجد اعلیٰ کا نام مسجد الفتح رکھنے میں کئی احتمال ہیں' یا تو اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ یہاں حضور ﷺ کی احزاب کے خلاف دُعا قبول ہوئی تھی تو یہ اسلام کی فتح تھی یا اللہ تعالیٰ نے سورۂ الفتح یہاں نازل فرمائی تھی۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ ابن جبیر نے دوسرے احتمال کا فیصلہ اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے لیکن حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ یوم خندق پر کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے تھے' یہ اس وقت کیا جب آپ کے صحابہ بنو قریظہ کے بارے میں خبر لے کر آئے تھے پھر سر انور اُٹھایا اور فرمایا: خوشیاں مناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح اور امداد کی بشارت آ گئی ہے۔ تو شاید یہ واقعہ اس مسجد میں ہوا تھا لہٰذا فتح کی بشارت کی بناء پر اسے مسجد الفتح کہہ دیا گیا نیز علامہ قرطبی کی ایک روایت

سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت حذیفہ کو احزاب کی خبر لانے کو فرمایا تو یہ واقعہ اسی مسجد میں ہوا۔

پھر ابن عقبہ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ جب واپس آئے تو حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے' وہ آپ کی طرف گئے اور اطلاع دی چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

ابن شبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پہاڑ پر چڑھ کر دُعا فرمائی جس پر مسجد الفتح بنائی گئی تھی اور اس چھوٹی مسجد میں جو پہاڑ کے دامن میں تھی' نماز پڑھی' یہ اس راستے پر تھی جہاں سے پہاڑ کو چڑھتے تھے۔

حضرت معاذ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد الفتح میں نماز پڑھی جو پہاڑ پر تھی اور ان میں بھی پڑھی جو اردگرد تھیں۔

مسجد الفتح کی قریبی مسجدیں

ظاہر یہ ہے کہ وہاں مسجدیں کم از کم تین تھیں کیونکہ تین کا عدد جمع کا کم سے کم عدد ہے اور ابن نجار نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: مسجد فتح پہاڑ کے سرے پر ہے جس پر ایک راستہ سے جاتے ہیں' اس کی از سر نو تعمیر ہوئی یعنی ابن ابی الھیجاء نے اسے تعمیر کیا تھا کیوں کہ اس نے اسے دیکھا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ اس کی دائیں طرف کھجوروں کے بہت سے درخت ہیں' اس جگہ کو ''سیح'' کہا جاتا ہے' اس کے گرد مسجدیں ہیں اور وہ تین ہیں' پہلی کا قبلہ خراب ہو چکا ہے' وہ گر چکا اور لوگ اس کی اینٹیں اُٹھا کر لے گئے ہیں جبکہ دو دوسری پتھروں اور چونے سے بھری ہیں اور وہ کھجوروں کے پاس وادی میں ہیں۔انتہی۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ وہ دو مسجدیں جو مسجد الفتح کے نیچے قبلہ کی طرف ہیں' ان میں سے ایک مسجد سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانی جاتی ہے' یہ مسجد فتح کے قریب ہی ہے اور دوسری کو مسجد امیر المؤمنین علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام دیا جاتا ہے' یہ مسجد سلمان فارسی کے قبلہ کی طرف ہے۔پھر انہوں نے گذشتہ اس تیسری مسجد کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر ابن نجار کر چکے اور بتایا کہ اس کا نام ونشان نہیں رہا۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد امیر المؤمنین کے مشرق کی طرف مائل ہو کر اس جبل سلع کے ساتھ ہی' مساجد کے قبلہ میں' ایک بڑا پتھر ہے جہاں ہم نے لوگوں کو نماز کے ذریعے برکت حاصل کرتے دیکھا ہے' میں نے اس میں غور وفکر کیا تو اس کی ایک جانب مشرق کی طرف اس مقام کا ایک پتھر دیکھا جس سے ستون بنائے جاتے تھے اسے چونے کے ذریعے زمین میں گاڑا گیا تھا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ ستون کا نشان ہے اور یہ ہی مسجد ہے جس کی طرف ابن نجار نے اشارہ کیا ہے۔

پھر وہ جو مطری نے مسجد سلمان اور مسجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ عام لوگوں کی زبان

پر جاری ہے اور ان کے خیال میں تیسری مسجد' جس کا مطری نے ذکر کیا ہے کہ اس کا کوئی نشان باقی نہیں' وہ مسجد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جبکہ عام لوگوں میں سے کچھ مسجد سلمان ہی کو مسجد ابوبکر کہتے ہیں اور میں ان تمام کے بارے میں کچھ نہیں جان سکا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مسجد فتح کی طرف شمالی اور مشرقی جانب سے راستے جاتے ہیں' اس میں تین ستون تھے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنائے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں کہا گیا ہے: ''درمیانے ستون کی جگہ۔''

میں کہتا ہوں' مراد یہ ہے کہ مشرق و مغرب میں تین ستون تھے جن پر ایک ہی سائبان تھا جیسے آج کل ہے' مطری کہتے ہیں کہ عرصہ گذرنے کی وجہ سے یہ گر گیا تھا جسے امیر سیف الدین حسین بن ابو الھیجاء (عبیدیین شاہانِ مصر میں سے ایک) نے ۵۷۵ھ میں از سرِ نو بنایا تھا اور یونہی وہ دونوں مسجدیں بھی بنائیں جو نچلی طرف قبلہ کی طرف تھیں' انہیں ۵۷۷ھ میں بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد فتح کے قبلہ کی طرف اونچائی پر اس کا نام آج بھی لکھا دکھائی دیتا ہے اور ساتھ والی مسجد کے اوپر بھی لکھا ہوا ہے اور اس میں مذکور تاریخ ہی میں اس کی تعمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے' رہی دوسری مسجد' جو قبلہ کی طرف امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب ہے' تو اس کی عمارت گر چکی ہے جسے امیر زین الدین ضغیم بن حشرم المنصوری امیر مدینہ نے ۸۷۶ھ میں از سرِ نو تعمیر کیا' اس کی چھت محراب والی تھی' اس پر تختی تھی جس پر دو دوسری مسجدوں کی طرح ابن ابو الھیجاء کا نام لکھا ہوا تھا' اس نے ایک ہی ستون پر لکڑی کی چھت ڈلوا دی تھی اور ہر مسجد کی چھت' اور وہ جس کے قبلہ میں ایک سائبان تھا اسے مضبوطی سے جوڑا گیا تھا پھر دونوں مسجدوں میں تین تین برآمدے تھے جو مشرق سے مغرب تک جاتے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سائبان کے نیچے صحن کی قدیم حالت تبدیل نہیں ہوئی تھی پھر مسجد اعلیٰ کی طرف سے قبلہ سے شامی جانب پیمائش کچھ کم بیس ہاتھ تھی جبکہ مشرق سے مغرب کی قبلہ والی جانب میں سترہ ہاتھ تھی اور یونہی نچلی مسجد جسے حضرت سلمان کے نام سے منسوب کیا گیا' اس کی قبلہ سے شام کی طرف پیمائش تقریباً چودہ ہاتھ اور مشرق سے مغرب کو قبلہ کی جانب سترہ ہاتھ تھی پھر مسجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیمائش قبلہ سے شام کی طرف تقریباً تیرہ ہاتھ اور مشرق سے مغرب کی طرف قبلہ کی جانب تقریباً سولہ ہاتھ تھی۔

بڑی مسجد بنی حرام

جو شخص مساجد فتح کی زیارت کے لئے جائے' اس کے لئے لازم ہے کہ بڑی مسجد بنی حرام کی زیارت بھی کرے' یہ ان کے علاوہ چھوٹی مسجد ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور یہ وہ مسجد ہے جسے انہوں نے سلع کی گھاٹی میں اپنے رہنے کے لئے اس وقت بنایا تھا جب یہ وہاں گئے تھے جیسے ہم مدینہ کے گھروں کے ذکر میں بیان کر آئے ہیں کیونکہ اس سے

پتہ چلتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے وہاں گئے تھے۔

علامہ رزین کی روایت میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ انصار کے گھروں کی طرف تشریف لاتے تو ان کی مسجدوں میں نماز پڑھتے اور وہیں ہم نے ذکر کر دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس میں اضافہ کیا تھا جسے وہ پہلے بنا چکے تھے' اس کے اوپر پتھر کی اینٹوں کا ردہ لگا ہوا تھا' اس کی چھت کو درست کیا' پہلے وہ لکڑی اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنی تھی اور پھر مسجد رسول اللہ ﷺ کا تیل رکھا تو اس سے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی لیکن یہ بھی پہلے بیان ہو چکا کہ بنی حرام اس گھاٹی کی طرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں گئے تھے۔

ابن شبہ نے ان مساجد کے ذکر میں جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان میں نماز پڑھی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہیں پڑھی تھی' بتایا: حضرت حرام بن عثمان نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے بنو حرام کی بڑی مسجد میں نماز نہیں پڑھی تھی۔اس کے بعد انہوں نے وہ اختلاف ذکر کیا جو ابن حرام کے اس جگہ منتقل ہونے کے وقت کے بارے میں تھا چنانچہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ کے نماز پڑھنے میں اختلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے انہوں نے الگ طور پر ذکر نہیں کیا' مجھے اس کے مقام کا پتہ چلا کہ وہ بنو حرام کی بستی میں' جبلِ سلع کی غربی جانب گھاٹی کے اندر قبلہ کی طرف سے مساجد فتح کی طرف جانے والوں کی دائیں طرف تھی اور یونہی مدینہ کی طرف جانے والوں کی بائیں جانب تھی اور جب تم اس وادی کے درمیان سے' جس میں مساجد فتح موجود ہیں' مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ لے کر نکلو تو اس وادی سے گذر کر سلع کے دامن میں وسیع میدان دیکھو گے جس میں بستی کے آثار دکھائی دیں گے' یہی بنو حرام کی بستی تھی اور یہی ان کی گھاٹی تھی ۔اب مسجد پوری طرح گر چکی ہے' اس کی بنیاد اور ستونوں کے نشان باقی ہیں جو ٹوٹے پتھروں سے بنے ہوئے ہیں' اسی میں سکہ' لوہے کے عمود اور زمین میں ریت کے آثار موجود ہیں' ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس طرف بھیج دے جو اسے از سرِ نو بنا دے۔

کہف بنو حرام

اسی مسجد کی طرف جانے والے کو چاہیے کہ کہف بنو حرام کی زیارت بھی کرے' یہ غار ان کی اس گھاٹی کے قریب ہی تھی کیونکہ آگے حضور ﷺ کے چشموں کے ذکر میں آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس چشمے سے وضو کیا تھا جو بنو حرام کی غار کے قریب تھا۔ایک بزرگوار نے بتایا کہ حضور ﷺ اس غار میں داخل بھی ہوئے تھے' ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نکلتے تو اندھیری رات کے خوف سے اس غار بنو حرام میں داخل ہو جاتے اور رات وہیں گذارتے' صبح ہوتی تو آپ نیچے آ کر چشمہ کریدتے رہتے جو اس غار کے قریب تھا پھر ابن شبہ نے بھی ایک روایت درج کی ہے کہ آپ سلع کی غار میں بیٹھے یعنی بنو حرام کی غار میں۔

پھر طبرانی نے اوسط اور صغیر میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لی کہ حضرت معاذ بن جبل رضی

اللہ تعالیٰ عنہ باہر گئے' رسولِ اکرم ﷺ کو تلاش کیا لیکن ڈھونڈ نہ سکے' بنو حرام کے گھروں میں دیکھا تو وہاں بھی نہ تھے' ایک ایک راستہ میں تلاش کیا اور آخر انہیں بتایا گیا کہ جبلِ ثواب میں ہوں گے چنانچہ ادھر چل پڑے اور پہاڑ پر چڑھ گئے' دائیں بائیں دیکھا' اسی اثنا میں اس غار کی طرف نظر پڑی جس کی طرف مسجد فتح کو جانے کے لئے لوگوں نے راستہ بنایا ہوا تھا۔ حضرت معاذ بتاتے ہیں کہ یکایک دیکھا تو آپ سجدے میں پڑے تھے' میں پہاڑ کی چوٹی سے نیچے آیا تو ابھی آپ سجدہ میں تھے' سرِ انور نہیں اُٹھایا تھا جس سے مجھے بدگمانی ہوئی کہ شاید آپ کی روح قبض کر لی گئی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس یہاں جبریل آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے: بتاؤ تمہاری اُمت سے کیا معاملہ کروں؟ میں نے کہا' اللہ بہتر جانتا ہے۔ وہ چلے گئے اور دوبارہ پھر آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کو مایوس نہیں کرے گا تو میں سجدے میں گر گیا۔ یہاں آپ نے سجدہ کرنا افضل سمجھا۔

میں کہتا ہوں کہ جبلِ ثواب کا ذکر میں نے کہیں نہیں سنا لیکن اس غار کے بارے میں ان کے اس قول سے کہ "یہاں سے لوگوں نے مسجد فتح کی طرف جانے کا راستہ بنا رکھا ہے" یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سلع پہاڑ ہے اور مراد یہ ہے کہ لوگوں نے مسجد فتح تک جانے کے لئے کہف تک راستہ بنا رکھا ہے تو یہ بنو حرام کی غار ہے اور اس پر سابقہ قرینہ موجود ہے۔ یہ غار صحاح کے مطابق پہاڑ میں کھودے ہوئے گھر کی طرح ہے اور اس غار سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جو مدینہ سے مساجد فتح کی طرف جانے والے کے قبلہ والے راستے ہی میں ہے جب وہ اس وادی کے قریب جاتا ہے جو بنو حرام کی گھاٹی ہے اور آج کل "نقبینہ" کے نام سے مشہور ہے اور بائیں طرف ہے اور یونہی وہ قلعہ جو "حصنِ حمل" کے نام سے مشہور ہے' وہ بھی اس کی بائیں جانب ہے' وہیں ایک ندی بہنے کا راستہ ہے جو سلع سے بطحان تک جاتی ہے اور جب آدمی اس ندی میں داخل ہوتا ہے اور مشرق کو جانے کے لئے کچھ سلع پر چڑھتا ہے تو یہ غار اس کی داہنی طرف آتی ہے جس کے پاس کھدائی کا نشان ہے جو پہاڑ میں دور تک جاتا ہے' یہی وہ بہنے والی ندی ہے اور جب انسان اس گذرگاہ سے گذر کر اُوپر جاتا ہے تو وہاں ایک اور غار ہے لیکن وہ بہت چھوٹی ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ غار سے پہلی غار ہی مراد ہے اور شاید وہ کھودی ہوئی جگہ ہی اس "عیینہ" سے مراد ہے' جب سلع پر بارش ہوتی ہے تو یہ ندی بہنے لگتی ہے اور وہاں ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے پھر وہاں سے چلتا رہتا ہے۔ اس تبرک سے بھی حصہ لینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

مسجد القبلتین

انہی مقامات میں سے مسجد قبلتین ہے۔ رزین کہتے ہیں کہ یہ وہی مسجد بنو حرام ہے جو ہموار زمین پر ہے۔ علامہ مطری کہتے ہیں' یہ وہی مسجد ہے جس کے قبلہ میں حضور ﷺ نے کھنگار دیکھا تو کھجور کی چھڑی سے اسے کھرچ دیا تھا پھر خوشبو منگوائی اور اس لکڑی کے سرے پر لگا کر کھنگار والی جگہ پر لگایا تھا چنانچہ یہ پہلی مسجد تھی جس میں خوشبو کا استعمال کیا گیا لیکن ایسی کوئی بات ثابت نہیں کیونکہ ابن زبالہ نے (جیسا کہ ہم گھروں کے بیان میں بتا چکے) کہا کہ بنو سواد بن غنم بن

کعب مسجد قبلتین کے پاس ٹھہرے' ان کے لئے مسجد ذو قبلتین تھی اور بنو عمی بن عدی بن غنم بن کعب مسجد الخربہ کے پاس ٹھہرے' بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب مسجد بنو حرام میں ٹھہرے جو چھوٹی تھی اور ہموار زمین میں تھی پھر وہاں انہوں نے قلعہ بنایا جسے ''جاعص'' کہتے تھے' یہ اس ہموار اور نرم زمین میں تھا جو جابر جن عتیک والی زمین اور اس چشمے کے درمیان تھا جسے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا۔ان سب لوگوں نے اس چھوٹی مسجد سے سمجھا کہ ان کی بڑی مسجد ''مسجد القبلتین'' ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں' ان کی بڑی مسجد کے بارے میں آتا ہے کہ حضورﷺ نے اس میں نماز نہیں پڑھی تھی اور یہ وہی ہے جو سلع کی گھاٹی میں ہے اور پھر ابن زبالہ نے یہ بھی کہا ہے کہ مسجد قبلتین بنو سواد کی تھی اور پھر ہموار زمین کہنا بھی اس کے مناسب ہے کیونکہ ہم بنو حرام کے گھروں کے بارے میں بتا چکے ہیں کہ وہ مساجد فتح کے مغرب میں تھے تو مسجد بنو حرام کی اس مسجد کے بارے میں آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے' ہاں اس کی جہت معلوم ہوتی ہے پھر مسجد بنو حرام اور مسجد القبلتین کا الگ الگ ہونا اور ان دونوں کا متحد نہ ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو ابن شبہ نے بذریعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتائی کہ نبی کریمﷺ نے مسجد الخربہ' مسجد القبلتین اور مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی تھی نیز ابن زبالہ کی روایت بھی ہے کہ: آپ نے مسجد القبلتین اور مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی' انہوں نے مسجد الخربہ کا نام نہیں لیا جس سے وہ کھل کر سامنے آ گیا جو ہم نے کہا تھا اور پھر وہ جو مطری نے کہا کہ مسجد القبلتین وہ پہلی مسجد ہے جسے آپ نے خوشبو لگائی تھی تو یہ بات انہوں نے اس سے نکالی کہ یہ بنو حرام کی مسجد کے بارے میں کہا گیا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق بنو سلمہ کے بزرگوں نے کہا کہ حضورﷺ نے مسجد القبلتین میں نماز پڑھی تھی تو ہم چوتھے باب کی تیسری فصل میں وہ اختلاف بیان کر چکے ہیں کہ جہاں قبلہ تبدیل ہوا تھا وہ مسجد کہاں ہے؟ کیسے تبدیل ہوا اور کونسی نماز میں تبدیل ہوا تھا اور ان روایات میں سے ایک میں یہ بھی ہے کہ وہ مسجد القبلتین میں ہوا اور واقدی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

پھر یحییٰ کے مطابق حضرت عثمان بن محمد بن اخنس نے بتایا کہ رسول اللہﷺ ایک عورت کو ملنے بنو سلمہ میں تشریف لے گئے۔ (اُم بشر) اس نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا۔وہ کہتی ہیں کہ صحابہ کھانا کھا رہے تھے کہ اسی دوران انہوں نے رسول اللہﷺ سے ارواح کے بارے میں سوال کیا' پھر اُم بشر نے وہ حدیث بیان کی جس میں مومنوں اور کافروں کی ارواح کا ذکر تھا۔حضرت عثمان کہتے ہیں کہ اسی دوران ظہر کا وقت ہو گیا تو رسول اللہﷺ نے مسجد القبلتین میں اپنے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی اور جب دو رکعتیں پڑھ چکے تو حکم آ گیا کہ کعبہ کی طرف منہ کر لو چنانچہ گھوم کر آپ کعبہ کی طرف آ گئے اور سیدھا پرنالے کو رُخ کر لیا چنانچہ یہ وہی قبلہ تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا لہٰذا اسے مسجد القبلتین کہا جانے لگا۔

انہی کی ایک اور روایت ہے کہ جب آپ دو رکعت پڑھ چکے تو آپ کو حکم ملا کہ اپنا چہرہ کعبہ کی طرف کر لیں چنانچہ آپ کعبہ کی طرف گھوم گئے' یہ مسجد القبلتین تھی' ان دنوں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں' جن میں دو تو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی گئیں اور دو کعبہ کی طرف۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ بات ہے جس کی طرف ابن سعد نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ "کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ اُم بشر بن براء بن معرور کو ملنے بنو سلمہ میں تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانا تیار کیا اور پھر ظہر کا وقت ہو گیا' آپ نے اپنے صحابہ کو دو رکعتیں پڑھائیں تو آپ کو حکم ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں اور وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے تھے لہٰذا اس کا نام "مسجد القبلتین" رکھ دیا گیا" اور پھر جو کچھ زمخشری نے نماز ظہر کے اندر اس مسجد میں قبلہ تبدیل ہونے کے بارے میں کہا تو وہ پیچھے آ چکا کہ آپ نماز ہی میں گھوم آئے، مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ۔

پھر ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن جابر نے کہا: قبلہ اس وقت تبدیل ہوا' جب بنو سلمہ کے کچھ لوگ ظہر کی نماز اس مسجد میں پڑھ رہے تھے جسے مسجد القبلتین کہتے ہیں چنانچہ ایک شخص آیا اور انہیں اس بات کی اطلاع دی' اس وقت وہ دو رکعتیں پڑھ چکے تھے لہٰذا سب لوگ گھوم گئے اور انہوں نے اپنے چہرے کعبہ کی طرف کر لئے' یہی وجہ تھی کہ اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھ دیا گیا۔

حضرت مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس لحاظ سے تو مسجد قباء اس لائق بنتی ہے کہ اسے مسجد القبلتین کہا جائے کیونکہ صحیحین میں آیا ہے کہ اس قسم کا واقعہ مسجد قباء میں بھی گذرا تھا۔

یہاں قبلہ کی طرف خوشبو لگانے کے بیان میں حضرت مجد نے بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا وہم ہے کہ اس مسجد سے مراد مسجد القبلتین ہی ہے اور یہ صرف وہم ہی ہے جیسے ہم پہلے بتا چکے اور یہ مسجد مساجد فتح سے مغربی جانب ٹیلے پر وادیٔ عقیق کے کونے پر ہے یعنی عقیق صغیر کے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مسجد وادیٔ عقیق کے کنارے سے کافی اونچی ہے ۔اس مسجد کی نئی چھت اور مرمت شجاعی شاہین جمالی نے ۸۹۳ھ میں کی تھی جو شیخ الخدام تھے۔واللہ اعلم۔

مسجد السقیا

انہی میں سے مسجد سقیا بھی ہے یعنی سعد کا کنواں جس کا کنوؤں کے بیان میں ذکر آ رہا ہے اور یہ مذکور کنوئیں کی شامی جانب' اسی کے قریب' ذرا مغرب کی طرف' رقیقین کی طرف جانے والے کے راستے میں ہے جو عقیق کو جاتا ہے۔اس مسجد کا ذکر ابو عبد اللہ الاسدی نے اپنی "منسک" میں ان مساجد کے اندر کیا ہے جو مدینہ میں قابلِ زیارت ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بدر کو تشریف لے جاتے ہوئے مسلمانوں کو حرّہ کے مقام پر کنوئیں پر لے گئے اور وہاں نماز پڑھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کو نکلے اور جب ہم حرہ کے پاس پہنچے جسے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا' تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانی والا برتن لاؤ' پھر وضو فرمایا اور کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر یہ دُعا کی: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور خلیل تھے اور انہوں نے تجھ سے اہل مکہ کے لئے برکت کی دُعا کی تھی' میں بھی تیرا بندہ اور رسول ہوں' اہلِ مدینہ کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ تو ان کے مدّ اور صاع میں یوں برکت فرما دے' (یہ بھرے رہیں اور اناج عام ہو جائے) جیسے تو نے اہلِ مکہ کے لئے برکت فرمائی' ان کی ایک برکت کے مقابلے میں' انہیں دو برکتیں دے۔

ابن شبہ کے مطابق فرمایا: جب ہم حرہ کے مقام پر کنوئیں پر پہنچے جو حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگوایا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' پانی کا برتن لاؤ اور جب وضو فرما لیا تو کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کر تکبیر کہی اور فرمایا: اس کے آگے اگلی حدیث ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کی سرزمین حرہ پر نماز پڑھی جو سقیا کے گھروں کے نزدیک تھی' پھر یوں دُعا کی: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے دوست' بندے اور نبی تھے انہوں نے اہلِ مکہ کے لئے تجھ سے دُعا کی تھی ان کے مدّ' صاع اور پھلوں میں برکت فرما دے' اے اللہ! مدینہ ہمیں محبوب فرما دے جیسے مکہ ہمارا محبوب بنا رکھا ہے۔ وہاں کی وباء ''خم'' کی طرف لے جا' اے اللہ میں نے مدینہ میں دو پتھریلے مقامات کا درمیانی حصہ حرم قرار دیا ہے جیسے تو نے حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر حرم قرار دیا ہے۔

غزوۂ بدر کے بیان میں واقدی کہتے ہیں جب حضور ﷺ سُقیا والے گھروں کے پاس ٹھہرے تھے: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کنوئیں والے گھروں کے نزدیک نماز پڑھی اور اس دن اہلِ مدینہ کے لئے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے' دوست اور نبی تھے' الحدیث۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بدر کی طرف گئے' ہمارے پاس ستر اونٹ تھے' صحابہ کرام دو دو' تین تین اور چار چار ایک ایک اونٹ پر سوار تھے' میں رسول اللہ ﷺ کے سب صحابہ میں مالداری' پیدل چلنے اور تیر اندازی میں بڑھ کر تھا چنانچہ جاتے اور آتے وقت میں قدم بھر کے لئے بھی سواری پر نہ بیٹھا' حضور ﷺ نے یثرب سے کنوئیں کی طرف چلتے وقت دُعا کی تھی: الٰہی! یہ لوگ پیدل ہیں' انہیں سواریاں دیدے' یہ ننگے ہیں' انہیں لباس دیدے' بھوکے ہیں' انہیں پیٹ بھرنے کو عطا فرما اور کنگال ہیں تو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ جو بھی سوار ہونا چاہتا تو اسے اونٹ کی سواری ملتی' انہیں کھانا مل گیا اور پھر بہت سے قیدی کر لائے تو اللہ تعالیٰ نے ہر کنگال کو غنی فرما دیا۔

حضرت عمر بن عبد اللہ دیناری اور حضرت عمار بن حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بدری لشکر کنوئیں پر لے گئے' وہاں کی مسجد میں نماز پڑھی اور وہاں اہلِ مدینہ کے لئے دُعا کی کہ ان کے صاع اور مدّ میں

برکت فرمادے اور ہر طرف سے انہیں رزق عطا فرمادے۔وہ کہتے ہیں کہ اس کنوئیں کا نام "سقیا" تھا اور اس سرزمین کو فلحان کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد مشہور نہیں' نہ ہی اسے مطری نے ذکر کیا ہے بلکہ شک ہی رہا کہ اس کنوئیں سے مراد وہ کنواں تھا جو یہاں تھا' یا وہ جسے زمزم کہتے ہیں' مطری کا جھکاؤ یہیں والے کنوئیں کی طرف تھا چنانچہ اتفاق کی بات ہے کہ میں اس مقام پر پہنچا اور مسجد کو تلاش کرنے لگا' وہاں میں نے چھوٹا ٹیلہ سا دیکھا چنانچہ میں نے آثار سنبھالنے والوں میں سے ایک کو بلایا اور کہا کہ یہاں بنیاد کھودے' دیکھا تو محراب نظر آیا' اس کی چوکور کرسی نکلی جو چونا لگا کر پتھروں سے بنی تھی' ابھی آدھے ہاتھ سے زیادہ باقی رہ گیا تھا کہ مسجد کی سفیدی دکھائی دی جو چونے سے بنی تھی جسے دیکھنے والا دیکھ کر کہتا کہ عرصے کی ہے' پتہ چلتے ہی لوگ زیارت اور تبرک کے لئے ادھر چلے آئے اور پھر اسے اسی مقام پر بنا دیا گیا' یہ مربع شکل تھی اور ہر طرف سے سات ہاتھ تھی۔

مسجد ذباب (مسجد الرایہ)

انہی میں سے ایک مسجد ذباب تھی جسے آج کل مسجد الرایہ کہتے ہیں اور چونکہ یہ مسجد مطری کے علم میں نہیں تو انہوں نے کہا: مدینہ میں مذکور مسجدوں کے علاوہ اور کوئی مسجد نہیں' ہاں ثنیۃ الوداع کے مقام پر مدینہ کو آتے ہوئے شامی راستے پر ایک مسجد موجود ہے اور نچلے راستے پر بھی ایک مسجد ملتی ہے لیکن اس سلسلے قابل یقین کوئی روایت نہیں لکھی۔

زین مراغی نے مسجد اول کے تعارف میں بتایا کہ شائد مطری' اس سے مراد وہ مسجد لیتے ہیں جسے مسجد الرایہ کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں' مطری کی مراد یہی ہے کیونکہ یہ ان کے دور میں موجود تھی' انہوں نے اسے مساجد میں شمار نہیں کیا اور صرف ثنیۃ الوداع کا نام سے دیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب تھی' یہ پتھر سے بنی تھی اور دورِ عمر کی مسجدوں کے مطابق تھی' مگر گر چکی تھی' اسے امیر جان بک نیروزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۸۴۶ھ میں از سرِ نو بنوایا۔

اب ہمارے سامنے وہ کچھ واضح ہوگیا جو اس مسجد کے بارے میں آیا تھا کیونکہ امام ابو عبد اللہ اسدی نے (قدیم شخصیت) جب مدینہ منورہ کے قابلِ زیارت مقامات گنوائے تو لکھا تھا: ایک مسجد الفتح ہے جو پہاڑ پر ہے اور ایک مسجد ذباب' یہ بھی پہاڑ پر ہے۔انتھی اور ذباب' اس پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد بنی ہوئی ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن الاعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ذباب پر نماز پڑھی تھی اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا خیمہ ذباب پر لگایا تھا۔

حارث بن عبد الرحمٰن بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مروان کو اس وقت پیغام بھیجا' جب انہوں نے ذباب کو قتل کرکے ذباب پہاڑ پر سولی دی تھی' کہ یہاں تو حضور ﷺ ٹھہرے تھے' تم نے اسے سولی کی جگہ بنا

دیا ہے۔

حضرت ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ ذباب یمن کا رہنے والا تھا جس نے ایک انصاری پر زیادتی کی تھی' یہ یمن کے کسی علاقے پر مروان کا گورنر تھا' اس انصاری نے کسی شخص پر زیادتی کرتے ہوئے ناجائز طور پر گائے لے لی تھی چنانچہ ذباب نے انصاری کا پیچھا کیا اور مدینہ پہنچ گیا پھر اس کے لئے مسجد میں بیٹھا اور آخر اسے قتل کر دیا' اس پر مروان نے اسے کہا: تو نے کیوں اسے قتل کیا؟ اس نے کہا کہ اس نے گائے لینے کا ظلم کیا ہے' میری طبیعت میں سختی تھی تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر مروان نے اسے قتل کرنے کے لئے ذباب پہاڑ پر سولی دے دی۔

پھر مسجد میں ''مقصورہ'' بنانے کے بیان میں گذر چکا کہ جس نے ظلم کیا تھا' وہ مروان کا مقرر کردہ تھا اور اس کا نام ''دب'' تھا' اس نے مروان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس نے اسے پکڑ لیا پھر وہی پہلا سبب بتایا' اس نے اسے پہلے تو قید کیا اور پھر قتل کر دیا۔

ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پہلے سلاطین ذباب پر سولی دیا کرتے تھے چنانچہ ہشام بن عروہ نے زیاد بن عبید اللہ حارثی سے کہا' یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ وہاں سولی دیتے رہے' جہاں حضور ﷺ نے اپنا خیمہ گاڑا تھا چنانچہ زیاد اس کام سے رُک گئے اور ان کے بعد دوسرے والی بھی رُک گئے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ مطری نے خندق پر گفتگو کرتے ہوئے حضور ﷺ کے خیمہ لگانے کی جگہ کا ذکر کیا کہ وہ سلع پہاڑ پر مسجد الفتح والی جگہ تھا کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ خندق سلع کی مغربی جانب بنی تھی' لگتا ہے کہ وہ اس جگہ کے واقف نہیں اور نہ ہی اسے میں نے کسی اور کی طرف سے لکھا دیکھا ہے' ابو عبد اللہ اسدی نے مسجد الفتح اور مسجد ذباب کو الگ الگ قرار دیا ہے جیسے ہم بتا چکے پھر آگے آ رہا ہے جس سے پتہ چل جائے گا کہ وہ خندق مدینہ کی شامی جانب مشرقی اور غربی حرہ کے درمیان تھی۔

اس پہاڑ پر حضور ﷺ کے سجدہ کرنے کا ثبوت ہونے پر طبرانی کی اس تاویل کا رد ہو جاتا ہے کہ نماز سے مراد یہاں دُعا ہے' کیونکہ سہل بن سعد کی روایت سے لکھا ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذباب پر نماز پڑھی تھی۔ اس کے بعد حضرت طبرانی نے لکھا' مجھے معلوم ہوا کہ ذباب' حجاز میں ایک پہاڑ تھا اور جو انہوں نے ''صلّٰی'' لکھا ہے اس کا مطلب ہے کہ برکت کی دُعا فرمائی۔

میں کہتا ہوں' ابن الاثیر نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہ مدینہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے پھر ''الاکتفاء'' میں غزوۂ تبوک کے بیان میں ہے کہ جب حضور ﷺ چل پڑے اور اپنا لشکر ثنیۃ الوداع پر ٹھہرایا جبکہ عبد اللہ بن ابی نے پہاڑ کی نچلی طرف ذباب کے پہلو میں اپنا لشکر بٹھایا۔

پھر کمال دمیری نے لکھا: غریب کی کتاب میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو ایک پہاڑ پر سولی دی تھی جسے ذباب کہتے تھے۔ بکری کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں صحراء کے نزدیک پہاڑ ہے۔

علامہ واقدی کتاب الحرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے ''جیش الحرہ'' سے لڑائی کے لئے خندق پر صفیں بنا لیں' یزید بن ھرمز ذباب کے مقام پر تھا جہاں بکریوں کا باڑا تھا اور بہت سے غلام ساتھ تھے' اس نے جھنڈا اُٹھا رکھا تھا کیونکہ ان کا امیر تھا' اس کے ساتھی ثنیۃ الوداع کی چوٹی پر ایک دوسرے کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے۔

ان سب روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ذباب یہی مذکور پہاڑ ہے اور شاید وہاں کی مسجد کی مسجد الرایہ کے نام سے شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ یزید بن ہرمز اس جگہ پر ٹھہرا تھا اور اس کے پاس حوالی کے لئے رایہ (جھنڈا) تھا۔

پھر مدینہ میں یہودیوں کے گھروں کے ذکر میں ابن زبالہ کا یہ قول گذرا کہ: اہلِ شوط کے پاس قلعہ تھا جسے ''سرعیٰ'' کہتے تھے اور یہ وہ قلعہ تھا جو ذباب کے قریب تھا' عنقریب اس شوط کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ بنو ساعدہ کے گھروں کے قریب تھا اور خود میں نے کئی مقامات پر اس ذباب کا ذکر دیکھا ہے اور وہ سب مقام اس بات پر متفق ہیں کہ جو کچھ انہوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے اس سے مراد یہی پہاڑ ہے جس پر مسجد الرایہ موجود ہے اور یوں میرا بھی شک دور ہو گیا اور جو آگے خندق کا بیان آ رہا ہے کہ جو پتھر خندق کھودتے وقت نکلا تھا اور جس پر حضور ﷺ نے ضرب لگائی تھی' وہ اسی کے نیچے تھا لیکن اس روایت میں اسے ''ذوباب'' لکھا گیا ہے یعنی ''واوٗ'' زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد الفسیح

انہی میں سے وہ مسجد بھی ہے کہ جب تم اس گھاٹی کی طرف جا رہے ہو جو مہراس کی طرف جاتی ہے تو تمہاری دائیں طرف اُحد پہاڑ کے ساتھ آتی ہے۔ یہ چھوٹی سی ہے اور اس کی عمارت گر چکی ہے۔ علامہ زین مراغی لکھتے ہیں' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ''مسجد الفسیح'' تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ اسی نام سے مشہور ہے اور گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ ۝ (سورۂ مجادلہ: ۱۱)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے' مسجدوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔''

اسی مسجد کے بارے میں نازل ہوئی تھی تاہم مجھے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس میں یوم اُحد کے موقع پر ظہر و عصر کی نمازیں پڑھی تھیں اور وہ اسی وقت جب جنگ ختم ہو چکی تھی۔ لگتا ہے کہ علامہ مطری اس بارے میں ناواقف ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھی تھی جو اُحد میں حرار کی گھاٹی کے اندر تھی اور دائیں طرف پہاڑ سے متصل تھی۔

جبل عینین کے پہلو میں مسجد

انہی میں سے ایک مسجد جبل عینین کی مشرقی جانب پہاڑ کے ایک حصے پر تھی اور یہ وہ پہاڑ ہے کہ یوم اُحد پر

اس کے اوپر تیر انداز بیٹھے تھے اور یہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پاک کی قبلہ والی جانب تھی' اب مسجد کا اکثر حصہ گر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج بھی یہ اسی نام سے مشہور ہے۔حضرت مجد نے اس مسجد اور اس کے بعد والی کا ذکر کیا ہے' کہتے ہیں: یہاں نماز پڑھنا غنیمت جانو کیونکہ یہ دونوں صرف زیارت کرنے والوں کے نشان کا کام دیتی ہیں اور یہاں کا قصد کرنے والوں کی گواہی دیں گے اور اس شخص کے اس قول:''اوّل مسجد وہ ہے جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ مارا گیا تھا اور دوسری اس جگہ بنی تھی جہاں آپ گر پڑے تھے اور شہید ہو گئے تھے تو اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا' یہ صرف سنی سنائی باتیں ہیں۔

پھر کہتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پہلی مسجد وہاں بنی تھی جہاں حضورﷺ کے دانت مبارک ٹوٹے تھے اور پھر آپ کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو اللہ کو منظور تھا' یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا اہلِ مدینہ ذکر کرتے ہیں لیکن کسی تحریر میں اس کا ثبوت نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان کی اور کلامِ مطری میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ دونوں اس بات سے ناواقف تھے جو اس بارے میں بتائی گئی۔

عنقریب قبر سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آ رہا ہے کہ جب آپ قتل ہو گئے تو یہاں جبلِ رماۃ (تیر اندازوں والا) کے نیچے پڑے رہے اور یہ وہی مذکور پہاڑ تھا پھر حضورﷺ نے حکم فرمایا تو بطن وادی سے اُٹھا لیا گیا اور دوسری مسجد یہیں بنی اور یہ مسجد وہ ہے جس کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہﷺ نے عینین الظرب کے مقام پر ظہر کی نماز پڑھی' یہ یومِ اُحد تھا اور مسجد پل کے پاس تھی۔لگتا ہے کہ مطری اس پل سے مراد وہ پل لے رہے ہیں جو ایک چشمے پر قدیم سے چلی آتی تھی اور مطری نے اس مسجد کے ذکر کے بعد اس کی طرف اشارہ کیا ہے' اب وہاں پانی کا ایک نیا چشمہ نکال دیا گیا ہے جسے امیر بدر الدین ودی بن جماز نے بنایا تھا۔یہ چشمہ اس مسجد کے قریب ہی بہتا ہے۔انتہٰی۔

آج کل یہ چشمہ گھرا ہوا ہے اور غزوۂ اُحد میں گذر چکا ہے کہ حضورﷺ نے اُحد کی طرف جاتے وقت ''شیخان'' کے مقام پر رات بسر فرمائی تھی اور پھر سحری کے وقت اُٹھ کر پل کی جگہ تک تشریف لے گئے تھے' اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا چنانچہ آپ نے صحابہ کو ہتھیار پہنے صفوں میں کھڑے کھڑے نماز پڑھائی تو احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہی مسجد ہو اور یہ احتمال (یہ زیادہ ظاہر ہے) بھی ہے کہ اس سے مراد وہ مسجد ہو جس کا اس کے بعد ذکر آ رہا ہے کیونکہ ابن شبہ کی روایت میں نمازِ ظہر کا ذکر ہے اور وہ جگہ خود اس پہاڑ کے پل کے نزدیک تھی' اس روایت میں صبح کی نماز کا ذکر ہے اور یہ پل والی جگہ پر تھی۔واللہ اعلم۔

مسجد العسکر

انہی میں سے ایک وہ مسجد ہے جو اس مذکورہ مسجد کی شمالی جانب ہے اور یہ بھی عینین کے قریب ہے' عین وادی کے کنارے پر' اب اس کا اکثر حصہ گر چکا ہے' یہ خوبصورت پتھروں سے دور فاروقی کی طرز پر بنی ہوئی تھی اور اس میں ستونوں کے آثار موجود ہیں۔

حضرت مطری کہتے ہیں' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرنے کی جگہ تھی' آپ نیزہ لگنے کے بعد پہلی جگہ سے یہاں تک آئے تو گر گئے تھے۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ آپ دوسری جگہ پر قتل ہوئے تھے' میں نے مسجدوں میں اس کا ذکر کیا ہے (حالانکہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس بارے میں مجھے کوئی علم نہیں) کیونکہ ابن شبہ کے مطابق ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: مجھے شہر کے کئی اہلِ علم نے بتایا کہ مدینہ کی مسجدوں میں سے ہر مسجد اور اردگرد کی مسجدیں جو پتھر سے بنی ہوئی ہیں اور جن پر نقش و نگار تھا' حضورعلیہ السلام نے ان میں نماز پڑھی تھی اور وہ یوں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسجد نبوی بنائی تو بکثرت لوگوں سے ان مسجدوں کے بارے میں پوچھا تھا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی تھی چنانچہ آپ نے انہیں نقش و نگار والے پتھروں سے تعمیر کیا۔انتہٰی۔

متقدمین میں سے صرف ابو عبد اللہ اسدی ہیں جنہوں نے اس مسجد کا ذکر کیا اور اس کا نام مسجد العسکر رکھا۔چنانچہ مسجدوں کی گنتی میں کہا: مسجد العسکر اور پہاڑ کے دامن میں دائیں طرف والی مسجد۔انتہٰی۔

تو اس طرح پہلی روایت والا احتمال طاقتور ہو جاتا ہے کہ اس کا نام ''مسجد العسکر'' رکھا گیا علاوہ ازیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آئی ہے کہ حضورعلیہ السلام اس وقت حضرت حمزہ کے پاس آ کر رُکے جب آپ قتل ہو چکے تھے اور آپ کان ناک وغیرہ کاٹے جا چکے تھے' اس دن آپ کو یہ دیکھ کر جو تکلیف پہنچی' کبھی دیکھی نہ گئی چنانچہ ارشاد فرمایا: چچا جان! اللہ آپ پر رحم فرمائے' آپ رشتہ داریاں قائم رکھنے والے تھے اور بھلائیاں کرتے رہتے تھے' بخدا اللہ نے مجھے ان کے خلاف موقع دیا تو میں ان سے ستر کے مُثلے بناؤں گا' آپ یونہی فرماتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ○ (سورۂ نحل:۱۲۶)

''اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر' سب سے اچھا۔''

اس پر رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ہم صبر ہی کریں گے۔

یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضورعلیہ السلام حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ٹھہرے اور ان پر اس وقت نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں' یہ جو آیا ہے کہ وہ مذکور جگہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے قتل تھی' تو یہ اس بارے میں کافی ہے آپ کا قتل انہی مسجدوں والی جگہ پر ہوا اور پھر بقیع سے باہر کے مزارات کے بیان میں جہاں حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ انور کی بات ہوئی تو وہاں بیان ہوا کہ قبرانور پر جو پتھر رکھا ہے' وہ رکھنے والے نے صحیح نہیں رکھا' وہ پتھر اس وقت اسی مسجد سے اُٹھایا گیا تھا جب یہ گرگئی تھی' اس میں بسم اللہ کے بعد لکھا تھا: " انما یعمر مسٰجد اللّٰہ الاٰیۃ یہ حمزہ بن عبد المطلب کے گرنے کی جگہ اور حضور ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے: اسے حسین بن ابو الھیجاء نے بنایا تھا یہ ۵۸۰ھ کی بات ہے۔" لگتا ہے کہ نئے سرے سے مسجد بناتے وقت جب یہ پتھر گرا تھا تو یہ ٹکڑا اُٹھوا کر مزارِ انور پر رکھ دیا گیا جیسے عنقریب ہم بتائیں گے۔

رہی وہ مسجد سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ انور کے سامنے' مشرقی جانب' اس کے دروازے کے سامنے ہے تو یہ نئی بنی تھی' علامہ مطری وغیرہ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان مسجدوں میں اس کا ذکر ملتا ہے جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

مسجد ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہی میں سے ایک بہت ہی چھوٹی مسجد ہے جس کا طول و عرض آٹھ آٹھ ہاتھ ہے اور اسواق کے راستے سے اُحد کی طرف جاتے ہوئے جانے والے کی دائیں طرف ہے' جب انسان بقیع الاسواق سے تھوڑا سا گذر جائے تو داہنی طرف کو راستہ جاتا ہے' جب تھوڑا سا اس پر چلے تو اسے یہ مسجد مشہور باغ "بحیر" کے پاس دکھائی دے گی' یہ وہ دوسری مسجد ہے جس کا ذکر حضرت مطری نے یوں کیا ہے: مدینہ میں ایک مسجد کے علاوہ ایسی کوئی مسجد نہیں جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو' یہ ثنیۃ الوداع پر ہے نیز ایک اور مسجد ہے جو بہت ہی چھوٹی اور سابلہ کے راستے پر ہے اور یہ وہ داہنی طرف مشرقی راستہ ہے جو حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ انور کی طرف جاتا ہے' اسے مسجد ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں لیکن اس بارے کوئی ٹھوس حوالہ نہیں ملتا۔

میں کہتا ہوں' بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے غلام سے روایت کی' وہ کہتے ہیں: عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں مسجد کے صحن میں لیٹا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو قبرستان والے دروازے سے نکلتے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ میں کچھ دیر ٹھہر گیا اور آپ کے نقشِ قدم پر چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ آپ "الاسواق" کے ایک گھر میں داخل ہو گئے' وضو فرمایا' دو رکعت نفل پڑھے اور پھر خوب لمبا سجدہ کیا اور پھر' جب سلام پھیرا تو میں نے بات شروع کر دی' عرض کی' یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ جب سجدہ میں گئے تو اتنے لمبے سجدے سے مجھے ایسا لگا کہ اللہ نے آپ کو موت دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جبریل مجھے یہ بشارت دے رہے تھے کہ جو مجھ پر درود پڑھے گا' اللہ اس پر رحمت فرمائے گا اور جو سلام پڑھے گا تو اللہ اس کے سلام کا جواب دے گا۔

علامہ بیہقی فرماتے ہیں' مجھے ایک اور طریقے سے یہ روایت بذریعہ حضرت محمد بن جبیر' حضرت عبد الرحمٰن سے اور دوسرے طریقے سے بذریعہ عبد الواحد بن محمد بن عبد الرحمٰن بن عوف' حضرت عبد الرحمٰن سے پہنچی ہے جس میں انہوں نے دو رکعتوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف سجدے کا ذکر کیا ہے چنانچہ عبد الواحد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ: ''میں نے اللہ کے شکرانہ میں سجدہ کیا'' ابن زبالہ نے پہلی روایت کے مطابق لکھا البتہ فرمایا: میں نے عرض کی' میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ نے ایسا سجدہ کیا کہ مجھے خوف ہونے لگا' الحدیث۔ اسی کو ابن ابی الدنیا' ابو یعلٰی اور بزار نے روایت کیا البتہ ان کی روایت میں ہے کہ میں حاضر ہوا تو آپ چلے گئے تھے' میں پیچھے چل پڑا تو آپ ''اسواق'' کے گھروں میں سے ایک گھر میں داخل ہو گئے' وہاں آپ نے نماز پڑھی اور ایک لمبا سجدہ کیا اور میں نے دل میں سوچا کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح مبارک قبض کر لی ہوگی' اب میں آپ کو کبھی دیکھ نہ پاؤں گا' مجھے سخت غم لگا اور میں رونے لگا۔ اتنے میں آپ نے سرِ انور اُٹھایا اور مجھے بلا کر فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ یا فرمایا: تمہارے پیچھے کون ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ اتنا لمبا فرما دیا کہ میں نے سوچا' اللہ نے اپنے رسول کی روح قبض کر لی ہوگی اور اب میں کبھی بھی آپ کو دیکھ نہ پاؤں گا لہٰذا میں غمگین ہوا اور رونے لگا اس پر آپ نے فرمایا: یہ سجدہ میں نے اپنے رب کے شکرانے میں کیا ہے کیوں کہ مجھ پر اُمت کے لئے ایک انعام ہوا ہے چنانچہ فرمایا ہے: ان میں سے جو بھی کوئی ایک مرتبہ آپ پر درود پڑھے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جایا کریں گی۔ الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ ''الاسواق'' اس مسجد کے بالکل قریب ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے یہیں سجدہ کیا ہو بلکہ ظاہر تو یہی ہے' اسی لئے ہم اسی کا اعتبار کیا ہے اھ۔ حضرت عبد الرحمٰن کی اس حدیث کو امام احمد نے یوں بیان کیا ہے: رسول اللہ ﷺ نکلے اور اپنے مال کی طرف توجہ فرمائی' قبلہ رو ہوئے اور پھر مسجد میں گر گئے' طویل سجدہ فرمایا' مجھے ایسے لگا کہ اس سجدہ میں اللہ نے آپ کی روح قبض فرما لی ہے' پھر خود ہی بتایا کہ جبریل آئے تھے' مجھے ایک اچھی خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' جو آپ پر درود پڑھے گا' میں اس پر رحمت کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا' میں بھی اسے سلامتی دوں گا۔

رہا آپ کا یہ کہنا: ''اپنے مال کی طرف تشریف لے گئے۔'' تو اسے پہلی روایت کے معنٰی میں دیکھا جائے اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ الاسواق میں آپ کا مال بھی ہو اور پھر اس کے قریب ہی ایک اور جگہ بھی موجود ہے جو شروع سے اب تک صدقہ کے نام سے مشہور ہے یا پھر یہ واقعات کئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسجد ابی بن کعب (بنو جدیلہ' بقیع)

انہی متبرک مقامات میں سے ایک وہ مسجد ہے جو بقیع کے راستے سے نکل کر داہنی طرف آتی ہے' جیسے برھان نے کہا کیونکہ انہوں نے قبل ازیں پہلی مسجد کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: اس بارے میں کوئی اعتماد والی روایت نہیں ملتی

پھر کہا: یونہی وہ مسجد ہے جو بقیع کے شروع میں درب الجمعہ سے نکلنے والے کی دائیں طرف آتی ہے۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں' اس سے مراد وہ جگہ ہے جو حضرت عقیل اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کی غربی جانب ہے اور یہیں آج کل ایک ستون قائم ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہاں دو محرابیں بھی تھیں جو گر چکی ہیں اور باقی رہ جانے والے حصے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نقش و نگار والے پتھروں اور چونے سے یوں بنی تھیں جیسے دورِ عمر کی مسجدیں۔

حضرت مرجانی نے بھی بقیع میں ایک مسجد کا ذکر کیا ہے اور اپنی طرف سے بتایا ہے کہ یہ بقیع میں حضور ﷺ کا مصلاّئے عید تھا' شاید وہ یہی مسجد مراد لیتے ہیں جبکہ ہم مصلّٰے کے بیان میں جو کچھ بتا چکے ہیں' وہ اس روایت کو ردّ کرتا ہے لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے' یہ مسجد ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھی' اسی کو مسجد بنو جدیلہ کہتے ہیں کیونکہ ہم بنونجار کے گھروں کے بیان میں بتا چکے ہیں کہ بنو جدیلہ نے ایک قلعہ بنایا تھا جسے ''مشعط'' کہا جاتا تھا' وہ ان کی اس مسجد کی غربی جانب تھا جسے مسجد ابی کہتے ہیں۔یہاں قلعہ والی جگہ پر ایک گھر ہے جسے ''بیت ابی نبیہ'' کہتے ہیں اور پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور آپ کی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بقیع میں مبارک قبروں کے بارے میں ذکر کے دوران آگے جو بتایا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بقیع کی ابتداء میں اسی جانب ایک گلی تھی جسے زقاق نبیہ کہتے تھے اور ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جسے خوخہ نبیہ کہتے تھے اور ابن شبہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بقیع' بنو جدیلہ کے ساتھ تھا اور وہ لوگ اس کے قریب ہی تھے لہٰذا اوّلیت اسی بات کو ہے کہ وہ مسجد ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھی' آگے مسجد ابی کے بارے میں مطری کا بیان آرہا ہے جس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ کس جانب تھی لیکن اس کی معین جگہ معلوم نہیں ہو گی۔

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد ابی کی طرف آیا جایا کرتے تھے اور نماز پڑھا کرتے تھے' کوئی ایک دو مرتبہ نہیں پھر یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کے اس طرف رجحان کی فکر نہ ہو تو میں اکثر یہاں نماز پڑھا کروں۔

حضرت یحییٰ بن نضر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ کے گرد والی کسی مسجد میں نمازیں نہیں پڑھیں' صرف مسجد ابی بن کعب میں پڑھی تھیں۔

حضرت یوسف بن الاعرج اور ربیعہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو جدیلہ میں نماز پڑھی' یہی مسجد ابی بن کعب تھی۔

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی شامی جانب ٹیلہ کی نچلی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی طرف وہاں موجود ''ترب'' کے درمیان سے راستہ جاتا ہے' اس کی محراب ابھی موجود ہے لیکن اس کا ذکر مسجدوں میں نہیں ملتا اور نہ ہی یہ عہد عمر کی مسجدوں کی طرح ہے۔واللہ اعلم۔

مساجد المصلیٰ

انہی میں سے تینوں مساجد مصلیٰ ہیں جس کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں لہٰذا وہاں دیکھئے۔

مسجد ذی الحلیفہ

انہی میں سے مسجد ذی الحلیفہ ہے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے (جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں) اور یونہی وہ مسجد ہے جو اس کے قبلہ کی جانب ہے' عنقریب ان کا ذکر ان مسجدوں میں آ رہا ہے جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی' یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں' وہاں ان کی جگہ بتائیں گے کہ یہ بڑی وادیٔ عقیق میں کہاں ہیں۔

مسجد مقمل

انہی میں سے مسجدِ مقمل ہے' علامہ مجد نے اسے یہاں ذکر کیا ہے حالانکہ بہتر یہ تھا کہ اسے ان مسجدوں میں ذکر کرتے جو مدینہ سے باہر ہیں کیونکہ یہ تو دو دن کے فاصلے پر ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ٤

وہ مسجدیں جن کی جہت معلوم ہے لیکن معین جگہ کا پتہ نہیں اور وہ مدینہ منورہ میں ہیں

مسجد ابی بن کعب

انہی میں سے ''مسجد ابی بن کعب'' ہے جو بنو جدیلہ میں ہے' اسے مسجد بنو جدیلہ کہتے ہیں جو بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور بقیع والی مسجد کے بیان میں مطری سے گذر چکا کہ اس مسجد کی معین جگہ معلوم نہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں: بنو جدیلہ کے گھر پانی کے کنوئیں کے پاس' مدینہ کی حفاظتی دیوار کے شامی جانب تھی۔

مسجد بنی حرام

انہی میں سے ایک مسجد بنی حرام تھی جسے خزرج کی شاخ بنو سلمہ نے بنایا تھا۔ مسجد قبلتین میں یہ وہم بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے اسی مسجد کو مسجد کو سمجھ لیا اور پھر یہ بھی بتایا جا چکا کہ حضور ﷺ نے ان دونوں میں نمازیں پڑھی تھیں چنانچہ ابن زبالہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بتایا کہ حضور ﷺ نے کھلے میدان میں واقع مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی تھی اور اس کے قبلہ کی جانب کھنگار دیکھا تھا' عرجون بن طاب وہاں پہلو لگائے بیٹھا کرتے' حضور ﷺ نے اسے کھرچ کر خوشبو منگوائی اور عرجون کے سر پر لگائی اور پھر کھنگار والی جگہ لگائی چنانچہ یہ پہلی مسجد تھی جس میں خوشبو کا

استعمال کیا گیا۔ بنوحرام کے گھر کھلے میدان میں مساجد فتح کے مغرب میں تھے۔ وادیٔ بطحان جبلِ بنوعبید کے پاس تھی اور وہ چشمہ بھی یہیں تھا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری فرمایا تھا۔

مسجد الخربہ

انہی مقامات میں سے مسجد الخربہ بھی تھی جو قبیلۂ بنوسلمہ کی شاخ بنوعبید کی تھی اور پہلے بتایا جا چکا کہ ان کے گھر ان کی اسی مسجد کے پاس تھے اور اس پہاڑ تک پھیلے ہوئے تھے جسے جبلِ دو نخل یعنی جبلِ بنوعبید کہتے تھے اور یہ بنوحرام کے گھروں کی مغربی جانب قریب ہی تھا' مسجد قبلتین کی جانب جانے والا مساجد الفتح کی طرف سے جائے تو ان کے گھروں کے قریب پہنچ جائے گا اور پھر مسجد قبلتین میں گذر چکا کہ حضور علیہ السلام نے یہاں نماز پڑھی تھی اور ابن زبالہ کے مطابق رسول اللہ علیہ السلام "سلافہ" میں اُمِ براء بن معرور کے پاس تشریف لاتے تو اس مسجد میں جاتے جسے مسجد الخربہ کہتے تھے اور وہ "قرصہ" کے پیچھے تھی' آپ نے کئی مرتبہ وہاں نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں' آگے آ رہا ہے کہ وہاں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ تھا جس کا قصہ ان کے قرض ادا کرنے کے بیان میں موجود ہے۔ علامہ مطری نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

مسجد جہینہ

انہی میں سے مسجد جہینہ و بلی ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت معاذ بن عبد اللہ بن ابو مریم جہنی وغیرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے مسجد جہینہ میں نماز پڑھی تھی اور یحییٰ بن نضر انصاری سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ کے اردگرد والی مسجدوں میں سے صرف مسجد ابی میں نماز پڑھی تھی پھر مسجد جہینہ کا نام لیا۔ پھر حضرت جابر بن اسامہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام سے بازار میں ان کے صحابہ کی موجودگی میں ملا تو ان سے کہا: تمہارا اور نبی کریم علیہ السلام کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری قوم کی مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ میں واپس آیا تو میری قوم کھڑی تھی اور رسول اللہ علیہ السلام مسجد کا نشان لگا رہے تھے چنانچہ آپ نے قبلہ کی طرف لکڑی گاڑ دی اور سیدھی کھڑی کر دی پھر انہی سے ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے قبیلہ بلی کے لئے مسجد جہینہ کا نشان لگایا پھر حضرت عروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے جہینہ کی مسجد کا نشان لگایا' ان کے لئے جو بلی سے آئے تھے لیکن اس میں نماز نہیں پڑھی۔

حضرت خارجہ کے دادا کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنے ایک صحابی کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے جس کا تعلق بنو ربعہ کی شاخ جہینہ سے تھا اور اسے ابو مریم کہتے تھے چنانچہ عیادت کے لئے بنوقیس عطار اور ان کا دوسرا گھر جو دار الانصار کے ساتھ تھا' کے درمیان پہنچے اور اس جگہ نماز پڑھی۔ اس پر جہینہ کے کئی لوگوں نے ابومریم سے کہا کاش تم رسول اللہ علیہ السلام سے مل کر ہماری مسجد کا نشان لگانے کو عرض کرتے' انہوں نے کہا' مجھے اُٹھاؤ' انہوں نے اُٹھا لیا تو وہ نبی کریم علیہ السلام سے ملے۔ آپ نے پوچھا: ابو مریم کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میری قوم کے لئے مسجد کا نشان

لگا دیں تو کتنا اچھا ہو چنانچہ آپ مسجد جہینہ میں تشریف لائے تو وہاں بلی کے خیمے بھی تھے' آپ نے ایک لکڑی پکڑی اور نشان لگا کر فرمایا: گھر تو بلی کا اور نشان جہینہ کا۔

جمال مطری کہتے ہیں کہ آج کل یہ جانب' صاحب مدینہ کے قلعہ کی غربی جانب مشہور ہے اور مدینہ کی حفاظتی دیوار سلع پہاڑ اور اسی کے درمیان ہے' اس کے پاس مدینہ کے ایک خراب دروازے کے نشان ملتے ہیں' جہینہ کے راستے سے' اس کی تاریخ ۷۰۴ھ ملتی ہے اور یہ جانب حفاظتی دیوار کے اندر ہے' اس کے اور حصن صاحب مدینہ کے درمیان ہے۔

میں کہتا ہوں' اگر انہوں نے اپنے قول ''من ماخل السور'' سے مراد آج کل کی حفاظتی دیوار لی ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ جو اس دیوار میں اس کے اور صاحب مدینہ کے قلعے کے درمیان تھا وہ بازار تھا جبکہ ان کے گھر بازار کی غربی جانب عشعث کی گھاٹی کی طرف تھے' یہ گھاٹی سینے کی تھی اور اگر انہوں نے وہ جانب مراد لی ہے جو قدیم دیوار کی اندر کی جانب تھی تو صحیح ہے البتہ اس کا کچھ حصہ داخل تھا' سارا نہیں۔

مسجد بنی غفار

انہی میں سے ایک وہ مسجد ہے جو بیوتِ مطرفی کے پاس ہے چنانچہ حضرت انس بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیوتِ مطرفی نیز خیامِ بنی غفار کے پاس نماز پڑھی تھی اور یہ گھر' آلِ ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری کے گھر تھے جو حضور ﷺ کے صحابی تھے۔ مطری کہتے ہیں کہ آج کل یہ ''ناحیہ'' مشہور نہیں۔

میں کہتا ہوں' بنو غفار کے گھروں کے گذشتہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بازارِ مدینہ کی غربی جانب تھی اور جہینہ کے اس گھر کے قریب تھی جو قبلہ کی طرف سے عشعث کی گھاٹی سے ملتی تھی۔

مسجد بنو زریق

انہی میں سے ایک مسجد زریق تھی جن کا تعلق خزرج سے تھا چنانچہ ابن زبالہ نقل کرتے ہیں کہ مسجد بنو زریق وہ پہلی مسجد تھی جس میں قرآن پڑھا گیا اور یہ بھی آتا ہے کہ حضرت رافع بن مالک زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ ﷺ سے ''عقبہ'' میں ملے تو آپ نے انہیں گذشتہ دس سالوں میں اُترا ہوا قرآن دیا۔ عمر بن حنظلہ کہتے ہیں کہ حضرت رافع اسے لے کر مدینہ پہنچے اور پھر اپنی قوم کو اکٹھا کر کے اسی جگہ پڑھا' ان دنوں یہ جگہ ایک ٹیلہ تھی۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبلہ تبدیل ہونے سے خوش ہوئے۔

حضرت مروان بن عثمان بن معلیٰ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مسجد زریق میں قرآن پڑھا گیا۔ حضرت یحییٰ بن عبد اللہ بن رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں وضو فرمایا' قبلہ کی تبدیلی پر خوش ہوئے اور یہاں نماز نہیں پڑھی۔

حضرت معاذ بن رفاعہ زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد بنو زریق میں داخل ہوئے' وضو بھی فرمایا لیکن نماز نہیں پڑھی' قبلہ کی تبدیلی پر خوش ہوئے' یہ وہ پہلی مسجد تھی جس میں قرآن پڑھا گیا۔

میں کہتا ہوں' گھروں کے بیان میں گذر چکا کہ بنو زریق کی بستی' مصلّٰے کے قبلہ اور مشرقی جانب حفاظتی دیوار کے باہر اور اندر موجود تھی اور پھر بلاط کو گھیرنے والے گھروں (جو باب المدینہ یعنی درب سویقہ سے لے کر باب السلام تک پھیلے تھے) کے ذکر میں آ چکا کہ یہ مسجد ان گھروں کے قبلہ میں تھی جو ''درب سویقہ'' کے قریب سے چلنے والے کی دا ہنی طرف آتی تھی۔ عیاض کہتے ہیں کہ اس کے اور ثنیۃ الوداع کے درمیان ایک میل کے قریب فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ثنیۃ الوداع اور اس جگہ کے درمیان جس کا ہم نے ذکر کیا' تقریباً ایک میل کا فاصلہ تھا اور وہ ثنیۃ الوداع کے سامنے سے قبلہ کی طرف قریب تھی اور پھر مصلّٰے کے قبلہ میں مغربی جانب دو مسجدیں نئی بنیں جنہیں شمس الدین محمد بن احمد سلاوی نے ۸۵۰ھ کے بعد بنایا۔ ان میں سے پہلی تو وادئ بطحان کے کنارے پر اونچی مشرقی جگہ پر تھی اور دوسری اس کے بعد قبلہ میں وادی کے بلند ٹیلے پر تھی' یہ بھی مغرب میں مطریہ کے سامنے تھی' اس کی جگہ اسی ٹیلہ میں تھی' اسی میں اینٹیں پکائی جاتی تھیں۔

میں نے یہاں اس لئے خبردار کر دیا ہے کہ کہیں دور گذرنے کے ساتھ کوئی ان میں سے ایک کو مسجد زریق نہ سمجھ لے کیونکہ وہ اس مذکور جانب تھی۔ واللہ اعلم۔

بنو ساعدہ کی دو مسجدیں

انہی میں سے دو مسجدیں بنو ساعدہ کی ہیں اور ان کا سقیفہ بھی' بنو ساعدہ خزرج سے ہیں۔

حضرت مطلب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو ساعدہ میں نماز پڑھی اور دور اُن کے سقیفہ (ڈیوڑھی) میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت عباس بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو ساعدہ میں نماز پڑھی تھی' یہ مسجد مدینہ کے درمیان تھی۔ پھر حضرت سعد بن اسحاق بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو ساعدہ میں نماز پڑھی جو مدینہ کے گھروں کے باہر تھی پھر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دور بنو ساعدہ کے سقیفہ میں بیٹھے تھے اور پھر حضرت عبد المنعم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس ڈیوڑھی میں بیٹھے تھے جو بنو ساعدہ میں تھی' اور پھر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیالے میں آپ کو پانی پلایا تھا۔

یہی حدیث ابن زبالہ نے لکھی پھر حضرت عبد المہمن کے دادا سے روایت کی' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس ڈیوڑھی میں تشریف فرما ہوئے جو مسجد کے قریب تھی پھر مجھ سے پانی مانگا تو میں نے آپ کے لئے پیالہ بھرا' آپ نے پی لیا پھر فرمایا' اور دو' میں نے دوبارہ پیش کیا' آپ نے پی کر فرمایا کہ اس دوسرے سے پہلا اچھا تھا۔ میں نے

عرض کی: یا رسول اللہ! دونوں ایک ہی جگہ سے تو بھرے ہیں۔

ان کے کلام میں " فَخُضْتُ لَهٗ " کے الفاظ ابن زبالہ کی طرح ہیں' مطری نے بھی یونہی روایت کی' زین مراغی کے قلم سے لکھا بھی یونہی ہے پھر میں نے دیکھا کہ اس کی اصلاح کر کے فَمَخَضْتُ لَهٗ لکھا تھا' لگتا ہے کہ "میم" بڑھانے والے نے اس پیالے کو دودھ والا برتن سمجھا کیونکہ بلونے کا کام تبھی کیا جا سکتا ہے حالانکہ خوض (بھرنا) کا لفظ بھی "مخض" (دودھ بلونا) پر بولا جا سکتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے بنو ساعدہ کی دونوں مسجدوں میں نماز پڑھی تھی اور ان کی ڈیوڑھی میں تشریف فرما ہوئے تھے اور ان کے ڈیوڑھی میں بیٹھنا صحیح بخاری سے بھی ثابت ہے' یہ وہی ڈیوڑھی تھی جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت خلافت لی گئی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے قریب تھی' اس کا پتہ بخاری کی حدیث جو بیہ سے چلتا ہے (یعنی عائذہ) حضرت سہل بن سعد کی حدیث میں آپ کے وہاں جانے اور آنے کا ذکر ہے پھر وہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے' آپ کے صحابہ اور خود آپ بنو ساعدہ کی ڈیوڑھی میں بیٹھے اور فرمایا: سہل! ہمیں پانی پلاؤ چنانچہ میں یہی پیالہ لے گیا اور انہیں پانی پلایا۔الحدیث۔تو آپ کا ان سے پانی مانگنا حالانکہ آپ انہی کی ڈیوڑھی میں بیٹھے تھے' یہ بتاتا ہے کہ حضرت سہل کا گھر قریب ہی تھا اور پھر اس پر یہ بات بھی دلیل ہے کہ انصار سقیفہ کے دن حضرت سعد کے لئے وہیں جمع ہوئے تھے جبکہ حضرت سعد ان دنوں بیمار تھے۔پھر بنو ساعدہ کے گھروں کے ذکر میں ہم بتا آئے ہیں کہ وہ چار گھروں میں بکھر گئے تھے' ان کا پہلا گھر مدینہ کے درمیانی حصے کے مشرق میں تھا' اسی میں "بیرِ بضاعہ" تھا اور ان کے گھر میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے' یہ جگہ مدینہ کے درمیان میں تھی۔

رہی ان کی وہ مسجد جو مدینہ سے باہر تھی تو بظاہر وہ ان کے چوتھے گھر میں تھی' یہ گھر جبلِ ذباب کی شامی جانب تھا' اسی پر مسجد الرایہ تھی۔

سقیفۂ بنو ساعدہ

رہی سقیفۂ بنو ساعدہ تو بظاہر یہ ان کے تیسرے ٹھکانے میں تھی' یہی گھر بنو ابو خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف کا تھا کیونکہ وہ سعد کی قوم سے تعلق رکھتے تھے اور اس لئے کہ ان کا وہ برتن جس میں وہ اپنی ماں کے بعد پانی پلاتے تھے' انہی کا تھا' وہ ان کے چوتھے گھر کے قریب تھا اور یہ جگہ بازارِ مدینہ کی شامی جانب ذباب کے قریب تھی۔

اب میرے سامنے وہ خطا آ گئی جو وہاں میں نے یہ احتمال ذکر کیا کہ سعد کا کنواں اس جگہ کے قریب ہے جو سقیفۂ بنو ساعدہ کے نام سے مشہور ہے' پہلے ہم حضرت مطری کا قول بتا چکے کہ بنو ساعدہ کی بستی بیر بضاعہ کے پاس تھی اور یہ کنواں ان کے گھروں کے درمیان تھا۔وہ کہتے ہیں کہ آج کنوئیں کی شمالی جانب مغرب کی طرف مدینہ کے قلعوں میں

سے ایک قلعہ ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ابو دجانہ کے اس چھوٹے گھر کے اندر تھا جو بضاعہ کنوئیں کے پاس تھا اور یہ ابو دجانہ بنو ساعدہ میں سے تھے' انہوں نے بنو ساعدہ کی مسجد اور سقیفہ کے بارے میں اس کا ذکر کرتے ہوئے صرف ایک ہی مسجد کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں' یہ بنو ساعدہ کی مسجد ہے جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے' وہ حضرت سعد کے قبیلے کا گھر نہیں ہے۔

علامہ رزین عبدری نے عجیب وغریب بات کی ہے' ان کا خیال ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ قباء کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ ان کا صرف وہم ہی ہے۔

حضرت ہند بنت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں' جو حضرت سہل بن سعد ساعدی کی زوجہ ہیں کہ جب سہل میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ مسجد گھر کے اندر تھی' میں نے کہا کہ اسے جھونپڑی یا دیوار کے ساتھ کیوں نہیں بنا دیا؟ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ یہاں تشریف فرما ہوئے تھے۔ یہ گھر ابن حمران کا ہو گیا تھا۔

مسجد بنو خدارہ

انہی میں سے مسجد بنو خدارہ بھی ہے' یہ لوگ بنو خدرہ کے بھائی اور خزرج سے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق انصار کے ایک بزرگ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خدارہ میں نماز پڑھی تھی اور یہیں سر انور بھی مونڈھا تھا۔ ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ حضرت عمرو بن شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس پتھر پر ہاتھ مبارک رکھا جو حضرت سعد کے گھر میں ان کے کنوئیں کے پاس تھا اور بنو خدارہ کی مسجد میں نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس کنوئیں کا ذکر بنو ساعدہ کی تیسری منزل کے بیان میں آ چکا ہے اور یہ بیان بھی آ چکا ہے کہ یہ شام کی طرف سے ثنیۃ الوداع کے قریب مدینہ کے بازار کی حد تھا اور یہ کہ بنو خدارہ کے گھر جرار سعد میں تھے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ گھر دار بنو ساعدہ اور بیر بضاعہ کی طرف بازار مدینہ کے ساتھ تھے اور جب تم اس میں سوچ بچار کرو جو ہم نے بنو ساعدہ کے گھروں کے بیان میں بتا دیا تو پتہ چلے گا کہ یہ ان کا تیسرا گھر تھا جس میں حضرت سعد کا قبیلہ رہتا تھا اور سقیفہ اسی کے پاس تھا اور وہاں بنو ساعدہ کی کوئی مسجد نہ تھی۔

یاد رہے' اس بارے میں غفلت نہ کی جائے جو ہم پہلے بیان کر چکے کہ الحاج شامی کے گھر میں' گھاٹ کے پہلو میں نفس زکیہ کے مزار کے پاس ایک نئی مسجد بنی ہے اسے قاضی الحرمین العلامہ محی الدین حنبلی نے وہاں بنایا ہے تو اس کے بارے میں وہم نہ کیا جائے کہ وہ بھی انہی مسجدوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد راتج

انہی میں سے مسجد راتج ہے' علامہ مطری اور ان کے پیروکاروں نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا البتہ ابن شبہ کے

مطابق حضرت خالد بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضورﷺ نے اس میں نماز پڑھی تھی اور جاسوم نامی وہاں کے کنوئیں سے پانی پیا تھا' عنقریب آگے آرہا ہے کہ یہ جاسوم ابو الہیثم بن تیہان کا کنواں تھا اور نبی کریمﷺ نے ان کے باغ میں نماز پڑھی تھی اور راتج کے بارے میں گھروں کا ذکر کرتے وقت بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ٹیلہ تھا جس کی وجہ سے اس جانب کا یہ نام ہو گیا اور بنو الشطیہ' راتج ہی کے تین قبائل میں سے ایک تھا اور جو بنو زعوراء وہاں رہتے تھے وہ بنو عبد الاشہل کے بھائی بند تھے اور ابو الہیثم بن تیہان انہیں میں سے تھے' یہی وجہ ہے کہ علامہ اقشہری نے محب طبری سے یہ روایت کی کہ انہوں نے ان مسجدوں کا ذکر کیا جن میں اذان بلال پر وہ نماز پڑھتے تھے چنانچہ انہوں نے کہا: مسجد بنو راتج' یہ بنو عبد الاشہل میں سے تھے۔

میں کہتا ہوں' اس کی درست عبارت مسجد راتج ہے (بنو راتج غلط ہے) اور راتج کا ذکر پہلے مزینہ کے گھروں کے بیان میں گذر چکا جو مہاجرین تھے چنانچہ وہاں کہتے ہیں: بنو سلیم میں سے بنو ذکوان اہل راتج یہودیوں کے ہمراہ دارِ قدامہ سے دارِ حسن بن زید کے حصے میں آٹھہرے' یہ مقام جبانہ تھا' عنقریب جبانہ کا ذکر' ذباب کی وضاحت میں آرہا ہے اور آگے خندق کے بیان میں بھی راتج کا ذکر ہوگا اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ ذباب پہاڑ کی مشرقی جانب تھے جس پہاڑ پر مسجد الرایہ ہے جو شامی جانب مائل ہے اور اس کے بعد مشرق میں بنو عبد الاشہل کے گھر تھے اور مطری کہتے ہیں کہ وادیٔ بطحان میں مساجد الفتح کی طرف دو چھوٹے پہاڑ ہیں' ایک کو راتج کہتے ہیں اور جو اس کے پہلو میں ہے' اسے جبل ابو عبید کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں' جو انہوں نے ذکر کیا ہے' اگر صحیح ہے تو یہ یہاں مراد نہیں کیوں کہ وہ جانب بنو عبد الاشہل اور ان کے مذکور بھائیوں کے گھروں میں شمار نہیں اور جو ابن زبالہ وغیرہ نے واضح طور پر لکھا ہے' وہ یہ ہے کہ یہ ایک ٹیلے کا نام ہے اور یہی بات قابلِ بھروسہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد واقم

انہی میں سے ایک مسجد بنو عبد الاشہل ہے۔ یہ لوگ اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے' اسی کو مسجد واقم کہتے ہیں چنانچہ ابو داؤد اور نسائی کے مطابق حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریمﷺ مسجد بنو عبد الاشہل میں تشریف لائے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی' جب وہ نماز مکمل کر چکے تو آپ نے دیکھا کہ وہ اس کے بعد سجدہ کر رہے تھے' آپ نے فرمایا کہ یہ گھروں کی نماز ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے مسجد بنو عبد الاشہل میں نمازِ مغرب پڑھی اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا' یہ دو رکعتیں اپنے گھروں میں پڑھو۔ یہ محمود بن لبید صحابہ میں سے چھوٹے تھے لیکن ان کی روایت صحابہ سے بھی عظمت والی تھی۔

احمد روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہماری مسجد میں تشریف لائے اور ہمیں نمازِ مغرب پڑھائی' سلام پھیرا تو فرمایا' یہ دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھو۔

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور بنو عبد الاشہل میں ہمیں نماز پڑھائی' میں نے دیکھا کہ سجدہ کرتے وقت آپ اپنے ہاتھ مبارک اپنے کپڑے پر رکھتے تھے۔ یہ صحابی نہیں ہیں۔

ابن ماجہ کے مطابق حضرت عبد اللہ کے دادا ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عبد الاشہل میں نماز پڑھی' اوپر چادر مبارک لپٹی ہوتی تھی' آپ کنکروں کی ٹھنڈک سے بچنے کے لئے ہاتھ اس پر رکھ لیتے تھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' نبی کریم ﷺ مسجد میں تھے کہ بنو عبد الاشہل کی مسجد کے اندر نماز پڑھی' اوپر برتکان (گلیم' گوڈری) اوڑھی تھی' آپ اس میں سے ہاتھ نکال کر زمین پر نہیں لاتے تھے۔

اُم عامر کہتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرق لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے اسے استعمال فرمایا' اس وقت آپ مسجدِ بنو عبد الاشہل میں تھے' پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہیں فرمایا۔

حضرت محمد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: کہتے ہیں کہ مدینہ میں نو مسجدیں تھیں' لوگ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آذان سن کر اپنی اپنی مسجدوں میں نماز پڑھ لیتے اور مسجد نبوی میں نہ آتے' صرف جمعہ کو آتے کہ جمعہ وہاں پڑھنا ہوتا تھا اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد بنو عبد الاشہل میں تشریف لے جاتے اور وہیں عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھ لیتے پھر حضرت سعد بن معاذ کے وصال سے قبل اور بعد کوئی ایسا گھر نہ تھا کہ دار عبد الاشہل کے علاوہ اس پر اکثر پردہ دیکھتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسجد میں نماز کے بارے میں بہت سی روایتیں موجود ہیں لیکن آج کل یہ مشہور نہیں' اور پہلے گذر چکا ہے: علامہ مطری نے کہا کہ دار بنو عبد الاشہل دار بنو ظفر کی ایک جانب تھا اور حرۂ واقم بھی ایک طرف تھا' شاید انہوں نے یہ بات یحییٰ سے لے کر کہی ہے جو انہوں نے مسجد بنو ظفر کے بارے میں کہا: ''یہ مسجد بنو عبد الاشہل کے قریب ہے جبکہ اس پر کوئی دلیل بھی نہیں اور درست وہی ہے جو ہم پہلے ان کے گھروں کے بیان میں بتا چکے کہ وہ حرۂ مذکور میں بنو ظفر کی شامی جانب تھی اور خندق کے بیان میں اس کی وضاحت آ رہی ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو مسجد قرصہ کے بیان میں آ رہا ہے کہ وہ حضرت سعد بن معاذ کا مال تھا اور قرصہ اس جانب میں مشہور ہے جس کا ہم ذکر کر چکے اور بنو عبد الاشہل حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قبیلہ تھا۔ میں نے قرصہ کے قریب کئی گھروں کے نشان دیکھے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ انہی کے گھر تھے اور اس کی تائید اس خط سے ہوتی ہے جو مسرف بن عقبہ

نے واقعہ حرّہ کے بعد یزید کی طرف لکھا تھا کہ: میں نے اپنے ساتھی ان کی خندقوں کے راہوں پر پھیلا دئے ہیں چنانچہ حصین بن نمیر کو میں نے ذباب اور اس کے قرب و جوار کی ذمہ داری دی ہے' حبیش بن دجلہ کو بقیع الغرقد سنبھالنے کو کہا ہے' خود میں اور امیر المؤمنین (یعنی تمہارے) کے قائدین اپنے ساتھیوں کو لے کر بنو حارثہ کے سامنے ڈٹ گئے چنانچہ جب دن چڑھ گیا تو بنو عبد الاشہل کی جانب سے ہم نے ان پر گھوڑے دوڑا دئے' میں نے ظہر انہی کی مسجد میں جا کر پڑھی' ہم نے ان پر تلوار چلائی اور جو بھی ہمارے سامنے آیا' اسے قتل کر دیا اور جو بھاگا' اس کا پیچھا کیا اور ان کے زخمیوں پر فوج کشی کی اور تین دن تک خوب لوٹا۔ انتہی۔

پھر دوسرے باب کی پندرہویں فصل میں گذر چکا کہ کچھ بنو حارثہ نے اہلِ شام کے لئے اپنی طرف سے راستہ کھول دیا' وہ بنو حارثہ کی طرف سے آئے۔

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی اوّلاً دارِ بنو عبد الاشہل لُوٹا گیا یعنی اس لئے کہ یہی گھر بنو حارثہ کی طرف سے داخلے کے بعد ان کے سامنے تھا۔ واللہ اعلم۔

مسجد القرصہ

انہی میں سے مسجد قرصہ ہے چنانچہ رزین کے مطابق نبی کریم ﷺ انصار کے گھروں کی طرف تشریف لے جاتے اور ان کی مسجدوں میں نماز پڑھتے چنانچہ مسجد قرصہ میں نماز پڑھی۔ یہ قرصہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال تھا۔ حضرت زین مراغی لکھتے ہیں کہ شاید یہی وہ قرصہ ہے جو آج کل شمالی جانب سے حرّہ شرقیہ کی طرف مشہور ہے کیونکہ یہ بنو عبد الاشہل کے گھروں کے قریب تھا جو حضرت سعد کا قبیلہ تھا۔ البتہ مسجد کے بارے میں آج کل کچھ معلوم نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ وہاں میں نے کنوئیں کے نزدیک ٹیلے پر مسجد کا نشان دیکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد بنو حارثہ

انہی میں سے مسجد بنو حارثہ ہے' یہ اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت حارث بن سعد بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو حارثہ میں نماز پڑھی تھی۔

پھر ابن زبالہ کے مطابق حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو حارثہ میں نماز پڑھی تھی اور عبد الرحمٰن بن سہل کے بارے میں ایک فیصلہ کیا تھا جو خیبر میں قتل ہو گئے تھے' یہ عبد اللہ بن سہل کے بھائی بند تھے اور بنو حویصہ و محیصہ کے چچا زاد تھے اور پھر گھروں کے ذکر میں آ چکا کہ بنو حارثہ اسلام آنے سے پہلے دار بنو عبد الاشہل سے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔

مسجد الشیخین (البدائع)

انہی برکت والے مقامات میں سے مسجد شیخین بھی ہے' اسے مسجد البدائع کہا جاتا ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت مطلب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو شیخین کے قریب ہے اور رات کو وہاں ٹھہرے' پھر اُحد کے دن اس میں صبح کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے اُحد کو تشریف لے گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو بدائع کے نزدیک اور پھر شیخین کے پاس تھی اور صبح ہونے تک رات وہیں ٹھہرے۔ شیخین سے مراد دو ٹیلے ہیں۔

حضرت اُم مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بھنا ہوا گوشت لے کر مسجد البدائع میں پہنچی' آپ نے کھایا' لیٹ گئے اور صبح کو اُحد کی طرف تشریف لے گئے۔

یحییٰ کے مطابق ان کے بیٹے حضرت طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ آج کل اسے مسجد العدوہ کہتے ہیں۔

حضرت یحییٰ کے مطابق حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مسجد جس میں حضور ﷺ نے اُحد کو جاتے ہوئے جمعہ کی نماز پڑھی تھی' وہ وہی مسجد ہے کہ تم قناۃ کو جاؤ تو دائیں ہاتھ آتی ہے' قناۃ سے مراد وادی شظاۃ ہے' نبی کریم ﷺ نے اس میں عصر' عشاء اور صبح کی نماز پڑھی تھی اور پھر ہفتہ کو اُحد کی طرف تشریف لے گئے۔

شیخین کی وضاحت میں عنقریب مطری کا یہ قول آ رہا ہے: یہ جگہ مدینہ اور جبلِ اُحد کے درمیان' حرہ کے ساتھ جبل اُحد کی طرف جاتے وقت مشرقی راستے پر ہے پھر ابن زبالہ کا قول گذر چکا ہے: وہاں کے کچھ یہودیوں کے وہ دو ٹیلے ہیں جنہیں شیخین کہا جاتا ہے جن کے سامنے وہ مسجد ہے جس میں اُحد کو جاتے وقت حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

مسجد بنو دینار

انہی میں سے مسجد دینار بن نجار ہے جن کا تعلق خزرج سے تھا چنانچہ یحییٰ کے مطابق یحییٰ بن نضر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو دینار میں نماز پڑھی تھی۔ پھر حضرت عقبہ بن عبد الملک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اکثر اوقات مسجد بنو دینار میں غسالین (دھوبی) کے پاس نماز پڑھا کرتے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ایوب بن صالح دیناری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ایک عورت سے شادی کی تھی کہ بخار آ گیا' حضور ﷺ ان کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے' انہوں نے درخواست کی انہیں ان کی نماز کی جگہ نماز پڑھائیں چنانچہ آپ نے اس مسجد میں نماز پڑھائی جو غسالین کے قریب حضرت دینار بنا رہے تھے پھر گھروں کے ذکر میں گذر چکا کہ مطری کے مطابق ان کے گھر دارِ بنو جدیلہ (بیرحاء کے پاس) اور دارِ معاویہ کے درمیان تھے (یہ مسجد الاجابہ والے تھے) لیکن ابن نجار ان کے خلاف گئے ہیں کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: وہ اپنے اس گھر میں ٹھہرے جو بطحان کے پیچھے تھا۔

میں کہتا ہوں' اس کی تائید خندق کے بیان میں آ رہی ہے کہ انہوں نے مسجد قبلتین سے حرہ میں دارِ ابن ابی الجنوب تک خندق کھودی اور یہ اس لئے کہ ان کے گھر اسی جانب تھے اور اس لئے بھی کہ ابن زبالہ نے کہا: بنو سواد' بنو سلمہ سے تھے' یہ مسجد قبلتین سے ابن عبید دیناری کی سرزمین کی طرف آئے اور آگے آ رہا ہے کہ بنو دینار کا راستہ عقیق ہی کا راستہ تھا جو غربی حرہ میں تھا اور وہیں سقیاء (ندی یا کنواں) بھی تھا جیسے واقدی نے کہا' کیونکہ وہ حرۂ غربیہ میں تھے اور علامہ اسدی نے ان کی مسجد کا نام مسجد الغسالین رکھا ہے کیونکہ بیان ہو چکا کہ وہ غسالین کے پاس تھی اور وادیٔ بطحان کے مغرب میں حرہ کے مقام پر ایک جگہ ہے جسے "المغسلہ" کہتے ہیں۔ حضرت مجد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ اس میں غسل فرما لیا کرتے اور آج کل یہ مدینہ منورہ کے قریبی باغوں میں سب سے زیادہ کھجوروں والا باغ ہے۔ انتہی اور شاید وہ یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں میں نے ایک پتھر دیکھا جس پر کوفی خط میں یہ الفاظ ہیں: "مسجد رسول اللہ ﷺ" اور اس کے پاس کچھ ایسی علامات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجد کی نشانیاں ہیں۔ وہاں غسل خانہ (مغسلہ) بنانے والے نے ایک مسجد بنائی تھی جس میں یہ پتھر لگا دیا ہوگا۔

مسجد بنو عدنان و مسجد دار النابغہ

انہی تبرکات میں سے مسجد بنو عدی بن نجار اور مسجد دار النابغہ بھی ہے جو بنو عدی میں تھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت یحییٰ بن عمارہ مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد دار النابغہ میں نماز پڑھی جبکہ مسجد بنو عدی میں غسل فرمایا تھا پھر حضرت یحییٰ بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسجد دار النابغہ اور مسجد بنو عدی میں نماز پڑھی تھی پھر حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو عدی میں نماز پڑھی اور بیت صرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی پڑھی جو بنو عدی میں سے تھے نیز ابن زبالہ نے یہ الفاظ لئے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دار النابغہ اور مسجد بنو عدی میں نماز پڑھی اور پھر حضرت مطری سے گذر چکا کہ بنو عدی کے مکانات مسجد نبوی کے قریب تھے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ کسی اور نے مطری کی نہ تو موافقت کی ہے اور نہ ہی مخالفت البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد' انہی میں سے تھے جو خادم رسول ﷺ تھے اور ان کے کنوئیں کے بیان میں جو کچھ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی کی شامی جانب بنو جدیلہ کے قریب ہی تھا۔

دار النابغہ

وہ جو ابن شبہ نے حضرت ابو زید بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی رسول اللہ ﷺ کے والد کی قبر مبارک دار نابغہ میں تھی تو اس سے یہی مراد ہے چنانچہ عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: محمد بن عبد اللہ بن کریم نے قبر مبارک کی پہچان کراتے ہوئے کہا کہ جو شخص دار النابغہ

میں داخل ہوتا ہے تو یہ قبر دوسرے گھر کے کواڑ کی بائیں طرف نیچے موجود ہے۔

حضرت ابن عبد البر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور آپ کی قبر مبارک عدی بن نجار کے گھروں میں سے ایک گھر میں تھی چنانچہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہی دار النابغہ ہے۔

مسجد بنو مازن

انہی تبرکات میں مسجد بنو مازن بن نجار بھی تھی' ابن زبالہ کے مطابق حضرت یعقوب بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو مازن کی نشاندہی فرمائی لیکن وہاں نماز نہیں پڑھی' انہی سے ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد بنو مازن کی بنیاد اپنے دستِ اقدس سے رکھی اور پھر بنو مازن میں سے اُم بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر نماز پڑھی۔

میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہی اُمِ بردہ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا اور وہ انہی کے پاس فوت ہوئے تھے اور ان کے انتقال پر حضور ﷺ انہی کے گھر تشریف لے گئے تھے اور بقیع ابن زبیر میں ابن شبہ کا جو قول آ رہا ہے کہ ان کا گھر بنو مازن کی طرف جاتے ہوئے بائیں طرف آتا ہے اور یونہی جو مزینہ اور ان کے ہمراہ رہنے والوں کے گھروں کے بارے میں بیان آتا ہے' بظاہر اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو مازن کے مکانات' بنو زریق کے مکانات کے قریب تھے جو جنوب مشرق میں تھے کیونکہ انہوں نے بنو زریق کے گھروں کے ذکر کے بعد لکھا ہے: الی ان یلتقی بنی مازن بن عدی بن النّجار' لیکن ان کا ابن عدی کہنا اس نسخہ میں غلطی بنتا ہے کیونکہ یہ مازن خود ہی ابن النجار تھے جبکہ عدی تو ان کے بھائی تھے اور علامہ مطری سے گذر چکا کہ بنو مازن کے گھر بیر بضّہ کی طرف اس جانب تھے جسے آج کل ابو مازن کہا جاتا ہے۔ مطری کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن نبی کریم ﷺ کو اسی جگہ ابو سیف القین کی بیوی کے ہاں دودھ پلایا گیا تھا۔

مسجد بنو عمرو

انہی میں سے مسجد بنو عمرو بن مبذول بن مالک بن نجار بھی تھی چنانچہ ابن زبالہ و ابن شبہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عمرو و بن مبذول کی مسجد میں نماز پڑھی تھی' یحییٰ بن نضر سے بھی ان کی روایت ایسی ہے لیکن حضرت مطری اور ان کے بعد والوں نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے بنو مبذول کو بنو النجار کی شاخ شمار کیا ہے اور گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ ان کے گھر بقیع زبیر کے پاس تھے چنانچہ ان کی جانب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسجد بقیع الزبیر

انہی میں سے مسجد بقیع الزبیر بھی تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع زبیر میں ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھی تھیں تو اس پر آپ کے صحابہ نے عرض کیا کہ آپ یہ دو رکعتیں تو نہیں پڑھا کرتے (آج کیوں پڑھی ہیں) آپ نے فرمایا: یہ شوق و رغبت اور رعب کا کام دیتی ہیں لہٰذا انہیں نہ چھوڑا کرو۔

بقیع الزبیر کے بارے میں آگے آ رہا ہے کہ یہ بنو زریق کی مشرقی جانب تھی اور بقال کی جانب بنوغنم کے گھروں کے ساتھ ہی تھی۔

مسجد صدقۃ الزبیر

انہی میں سے ایک مسجد صدقۃ الزبیر تھی جو بنوحُم میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جسے زبیر نے بنوحُم میں بنایا تھا' انہی سے ابن شبہ نے ان الفاظ میں بتایا ہے: صدقۃ الزبیر میں بنائی جو قبیلۂ بنوحُم میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جگہ اس موڑ پر تھی جسے ''الزبیریات'' کہا جاتا تھا اور اُمِ ابراہیم رضی اللہ عنہا کی قبر کے مغرب میں تھی' اس کا قبلۂ خنافہ اور الاعواف کے قریب تھا اور یہ دونوں بنوحُم کی جائیداد تھے۔

امامِ شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی رفاہی زمین ہمارے پاس ہے جبکہ حضرت زبیر والی اسی کے قریب تھی۔

ابن شبہ کے مطابق ابوغسان کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر کو وہ مال (زمین) دیا تھا جسے بنوحُم کہتے تھے' یہ بنونضیر کی زمین تھی' اسی سے انہوں نے بنوحُم کی زمین میں سے خرید کر اپنی اولاد کو دے دی۔

سنن ابو داؤد میں آتا ہے: حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو کھجور کا باغ بطور جاگیر عنایت فرمایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضرت زبیر کو گھوڑے کی لگام دی' انہوں نے گھوڑا دوڑایا اور کھڑے ہو گئے پھر اپنا ڈنڈا پھینکا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک یہ ڈنڈا پہنچا ہے' یہ جاگیر انہیں دیدو۔

صحیح بخاری میں اس شخص کا قصہ موجود ہے جو حرہ کی کھلی جگہ پر حضرت زبیر سے پانی کے بارے میں جھگڑا تھا۔ہم ابھی بتائیں گے کہ یہ حرۂ بنوقریظہ تھا' پھر طبرانی بتاتے ہیں کہ یہ شخص بنواُمیہ بن زید میں سے تھا' ان کے مکانات اور جائیداد اسی حرہ کے پاس تھی اور جب حضرت اسماء نے حضرت زبیر کی زمین سے گٹھلی اُٹھائی تھی تو اس قصے میں ان کی حدیث ہے کہ یہ زمین مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔یہ سب روایتیں بتاتی ہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جو آج کل

''زبیریات'' کے نام سے مشہور ہے اور پھر یہ بات بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ اس جائیداد میں سے بہت سا حصہ آج بھی حضرت زبیر بن عوام کی کافی اولاد کے قبضے میں ہے جنہیں ''کماۃ'' کہتے ہیں۔

مسجد بنو خدرہ

انہی میں سے ایک مسجد بنو خدرہ ہے' یہ لوگ خزرج کے قبیلہ بنو خدارہ کے بھائی بندوں میں سے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو خدرہ کی مسجد میں نماز پڑھی تھی پھر حضرت یعقوب بن محمد بن ابو صعصعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو خدرہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں نماز پڑھی تھی اور وہ یہی چھوٹی سی مسجد بنو خدرہ ہے جو بیت الحیہ کے سامنے تھی اور پھر ابن شبہ کے مطابق حضرت ربیع بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گھر میں نماز پڑھی جو مسجد بنو خدرہ کے پہلو میں تھا۔

ابن شبہ اور ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خدرہ میں نماز نہیں پڑھی تھی اور پھر گھروں کے بیان میں گذر چکا کہ بنو خدرہ نے اپنے گھر میں قلعہ بنایا جسے ''اجرد'' کہتے تھے' ان کے کنوئیں کا نام ''بصّہ'' تھا اور یہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا کا تھا۔ مطری کہتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ ابھی تک باقی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہی ہے جس پر زکوی بن صالح نے اپنا وہ گھر بنایا تھا جو بئر بصّہ کے پاس تھا اور یہ جو انہوں نے ''مقابل بیت الحیّۃ'' کہا ہے تو شاید وہ اس کے ذریعے اس گھر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں سانپ (حیہ) کا واقعہ ہوا چنانچہ حضرت مسلم کے مطابق حضرت ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر انہیں ملنے گیا' دیکھا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے' میں انتظار کرنے لگا کہ ابھی فارغ ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں میں نے گھر کی ایک جانب کھجور کی لکڑی ہلتے دیکھی' دیکھا تو سانپ تھا چنانچہ میں اسے مارنے کے لئے دوڑا لیکن انہوں نے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا۔ سانپ چلا گیا تو انہوں نے گھر میں ایک اور گھر کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس گھر کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا' ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک کی ابھی ابھی شادی ہوئی' ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خندق کی طرف روانہ ہوئے' وہ نوجوان دوپہر کے وقت حضور ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگتا تھا' ایک دن اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: اپنے ہتھیار لے لو کیونکہ میں قریظہ کے بارے میں تم پر خوف کھاتا ہوں۔ اس نے اپنے ہتھیار لے لئے اور پھر لوٹ گیا۔ اس کی بیوی دونوں دروازوں میں کھڑی تھی' اس نے نیزہ اس کی طرف بڑھایا کہ اسے زخمی کر دے' اسے غیرت کھائے جا رہی تھی۔ وہ کہنے لگی رُک جاؤ اور اپنا نیزہ پیچھے کر لو' اندر آ جاؤ اور دیکھو کہ میں کیوں باہر کھڑی ہوں؟ وہ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بڑا سانپ فرش پر پلٹا پڑا تھا' یہ نیزہ لے کر اس کی طرف بڑھا اور پار کر دیا پھر وہ نیزہ گاڑ کر باہر آیا تو سانپ اس پر جھپٹا اور یہ معلوم نہ ہو سکا

کہ سانپ پہلے مرا یا وہ جوان۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سنایا پھر عرض کی' دُعا فرمائیے کہ اللہ اسے زندہ فرما دے۔ فرمایا: اپنے ساتھی کی بخشش کی دُعا کرو! پھر فرمایا کہ مدینہ میں جن موجود ہیں جو اسلام لے آئے ہیں' اگر تم ان کی طرف سے کوئی ایسی شے دیکھو تو تین دن کی انہیں مہلت دو اور اگر پھر بھی دکھائی دیں تو پھر قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ہوگا۔

مسجد بنو حارث

انہی میں سے مسجد بنو حارث بن خزرج تھی اور مسجد سنح بھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خدارہ' حبلی اور حارث بن خزرج اور مسجد سنح میں نماز پڑھی۔ ابن زبالہ نے مسجد بنو حارث بن خزرج اور مسجد سنح کا نام لیا ہے۔

میں کہتا ہوں' پہلے بتا دیا گیا کہ بنو حارث کے گھر' بطحان اور تربت صعیب کی مشرقی جانب تھے اور آج کل ''بنو'' کا لفظ اُتار کر انہیں صرف حارث کہہ دیتے ہیں' ان کے قریب ہی سنح تھا جو مسجد نبوی سے میل بھر کے فاصلے پر تھا' یہ گھر جشم اور زید کے تھے جو حارث بن خزرج کے لڑکے تھے اور وہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا جہاں آپ اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس ہوتے تھے۔

مسجد بنو الحبلیٰ

انہی میں سے مسجد ابو الحبلیٰ' یہ عبداللہ بن ابی بن سلول کا قبیلہ تھا جس کا تعلق خزرج سے تھا چنانچہ ابن زبالہ و ابن شبہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو الحبلیٰ میں نماز پڑھی۔ مطری کا بیان گزر چکا کہ ان کے گھر قباء اور بنو حارث کے اس گھر کے درمیان تھے جو بطحان کے مشرق میں تھا۔

مسجد بنو بیاضہ

انہی میں سے مسجد بنو بیاضہ تھی' یہ لوگ خزرج میں سے تھے چنانچہ ابن شبہ و یحییٰ کے مطابق حضرت سعید بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو بیاضہ کی مسجد میں نماز پڑھی' یونہی ابن زبالہ نے بھی روایت کی اور پھر عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میرے والد نابینا ہو گئے' ایک دن میں انہیں انگلی سے پکڑے جمعہ کے دن مسجد کو لے جا رہا تھا تو راستے میں اذان سنائی دی' انہوں نے سنتے ہی کہا: اللہ تعالیٰ اسعد بن زرارہ پر رحم فرمائے' یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس بستی میں ہمیں جمعہ پڑھایا تھا' ان دنوں ہم چالیس افراد تھے جو حرۂ بنو بیاضہ کی پست زمین میں ٹھہرے تھے۔

ابن زبالہ کے مطابق بھی ربیعہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھلے میدان میں

پتھریلی جگہ پر نماز پڑھی تھی اور بنو بیاضہ کے گھروں کے بیان میں بتایا چکا کہ یہ "رحابہ" زرعی زمین تھی جس کی شامی جانب "عقرب" نامی قلعہ تھا جو آلِ عاصم بن عطیہ بن عامر بن بیاضہ کا تھا البتہ ابن زبالہ نے ایک اور قلعے کا بھی ذکر کیا ہے جو رحابہ اور حیرہ دونوں زرعی زمینوں کے درمیان تھا اور یہ گذر بھی چکا ہے کہ دارِ بنو بیاضہ دارِ بنو سالم کی شامی جانب تھا (یہ اہلِ مسجد جمعہ تھے) سے لے کر وادیٔ بطحان تک جاتا تھا جو دارِ بنو مازن بن نجار کی طرف تھا اور یہ اس حرہ تک پھیلا ہوا تھا' اس کا کچھ حصہ شور زمین میں تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق ابراہیم کے دادا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات بنو سالم اور بنو بیاضہ کے درمیان "رحمت" واقع ہوئی ہے؟ اس پر دونوں نے عرض کی کہ کیا ہم ادھر منتقل ہو جائیں گے؟ فرمایا نہیں بلکہ اس میں قبریں بناؤ۔

مسجد بنو خطمہ

انہی میں سے مسجد بنو خطمہ بھی تھی جو اوس سے تعلق رکھتے تھے اور پھر مسجد العجوز بھی تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حارث بن فضل اور ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خطمہ میں نماز پڑھی۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت مسلمہ بن عبد اللہ خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد عجوز میں نماز پڑھی جو بنو خطمہ میں قبر کے نزدیک تھی اور وہ مسجد العجوز وہ تھی جو براء بن معمرور کی قبر کے پاس تھی۔ حضرت براء بیعت عقبہ میں موجود تھے اور ہجرت سے پہلے فوت ہو گئے' انہوں نے اپنے مال کا تیسرا حصہ نبی کریم ﷺ کو پیش کرنے کی وصیت کی تھی اور اپنی قبر کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کعبہ رُخ بنایا جائے۔

ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت افلح بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد العجوز میں نماز پڑھی جو بنو خطمہ میں تھی' یہ وہ عورت تھی جس کا تعلق بنو سلیم اور پھر بنو ظفر بن حارث سے تھا اور پھر کنوؤں کے بیان میں حضرت عبد اللہ بن حارث کی روایت آ رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بئر بنی خطمہ کے پانی سے وضو فرمایا جو ان کی مسجد کے صحن میں تھا اور پھر ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔

علامہ مطری سے گذر چکا کہ ان کے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ان کے گھر بالائی حصے میں مسجد شمس کی مشرقی جانب تھے اور ہمارے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ وہ لوگ ماجشونیہ کے قریب تھے کیونکہ بطحان کے سیلاب کے ذکر میں ابن شبہ کا یہ قول ملتا ہے: وہ سیلاب "جفاف" میں گرتا تھا اور وہاں سے بنو خطمہ اور اغرس کے کھلے علاقے میں گذرتا تھا اور مذینب میں ان کا یہ قول ہے: یہ اور بنو قریظہ کا سیلاب "مشارف" میں جا ملتا تھا جو بنو خطمہ کا میدانی علاقہ تھا اور آگے آ رہا ہے کہ چونے کی بھٹی کے پاس تھا جو ماجشونیہ کی شامی جانب تھی' میں نے وہاں بستی اور قلعوں کے نشان دیکھے ہیں۔

مسجد بنو امیہ اوسی

انہی میں سے مسجد بنی امیہ بن زید تھی' یہ اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی تھی جن کا تعلق انصار میں سے بنو امیہ سے تھا اور پھر ''کبابین'' کی جگہ پر دو ویران مقام تھے اور وہ نہیک کی جائیداد کے ساتھ تھے۔

حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ویران جگہ پر نماز پڑھی' یہ مصلائے نبی ﷺ کے پاس تھی' وہاں جھونپڑی تھی' وہ گر گئی اور اس مکان پر گری جو اس میں تھا' اس نے اسے چھوڑ دیا' اس پر مٹی ڈالی تو وہ ٹیلہ سا بن گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سعید بن عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ میں ٹیلے کی جگہ پر نماز پڑھی' یہ جگہ نہیک بن ابو نہیک کے قبضے میں تھی۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ ان کا گھر بنو حارث بن خزرج کے گھر کے مشرقی جانب تھا' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی انصاری بیوی کے ہمراہ ان میں اسی وقت قیام کیے ہوئے تھے جب آپ اور ایک انصاری پڑوسی باری باری مدینہ میں ٹھہرا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ گھروں کے بیان سے مجھے دکھائی دیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نواعم اور بزعھن کے پاس تھے کیونکہ یہ ان کی جائیداد تھی اور مذینب کا پانی ان کے گھروں سے گزر کر ان کی جائیداد تک پہنچتا تھا اور حرہ شرقیہ میں ان جگہوں کے نزدیک ایک بستی کے آثار ملتے ہیں جہاں سے مذینب کا سیلاب گذرتا تھا اور بظاہر یہ انہی کی بستی تھی۔ اس کی گواہی یہ چیز بھی دیتی ہے کہ ابن اسحاق نے کعب بن اشرف کے مقتل میں ذکر کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ اور اس کے ساتھی چاندنی رات میں ان کے قلعہ تک پہنچے تو ابو نائلہ نے اسے آواز دی۔ پھر اس کے قتل کا ذکر کیا اور پھر محمد بن مسلمہ نے کہا' ہم نکل پڑے اور چلتے چلاتے بنو امیہ بن زید اور پھر بنو قریظہ کے پاس پہنچے اور پھر بعاث کے پاس گئے اور حرۃ العریض میں ٹھہرے۔

مسجد بنو وائل اوسی

انہی میں سے ایک مسجد بنو وائل تھی جو اوس سے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حارث بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو وائل میں نماز پڑھی تھی اور ابن شبہ کے مطابق حضرت سلمہ بن عبد اللہ خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے بیت القعدہ میں نماز پڑھی جو مسجد بنو وائل کے نزدیک تھا' انہی سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد وائل میں نماز پڑھی اور آپ ان دو اگلے ستونوں کے پاس تھے جو امام کے پیچھے تھے' یہ فاصلہ تقریباً پانچ ہاتھ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہاں ہم نے میخ گاڑ دی۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ بظاہر ان کے گھر مسجد شمس کے

شرق میں تھے۔

میں کہتا ہوں' بظاہر یہ جگہ قباء میں ہے اور یہی وہ مسجد ہے جو ابن نجار کے اس قول میں مراد ہے کہ:
''مدینہ میں کئی پرانی مسجدیں ہیں جن میں محراب تھے اور جن میں بچے کھچے ستون تھے' انہیں توڑ دیا گیا اور ان کے پتھروں سے لوگوں نے گھر بنا لئے' ایک ان میں سے مسجد تھی جو قباء میں مسجد ضرار کے سامنے تھی' اس میں ایک ستون کھڑا تھا۔انتہٰی
تو لگتا ہے کہ مطری کے دور اور ان کے درمیانی عرصے میں باقی حصہ ٹوٹ گیا ہوگا جس کی وجہ سے مطری کو ان کا کوئی نشان نہیں مل سکا۔''

مسجد بنی واقف

انہی میں سے مسجد بنو واقف تھی جو اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت حارث بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو واقف میں نماز پڑھی تھی' مطری نے کہا کہ مسجد بنو واقف مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک جگہ تھی جس میں بنو واقف اوسی کے گھر تھے' یہ ہلال بن امیہ کا قبیلہ تھا اور یہ ان تین میں سے ایک تھے جن کی اللہ نے اس موقع پر توبہ قبول فرمائی تھی جب یہ لوگ غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے۔آج کل ان کے گھر کا کسی کو علم نہیں' صرف اتنا معلوم ہے یہ مدینہ کی بالائی جانب تھا۔

میں کہتا ہوں' ایسی بات نہیں بلکہ ان کے گھروں میں سے میں ایک کو پہچانتا ہوں کیونکہ ان کے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ وہ مسجد فضیخ کے پاس ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس کے قریب ہی قلعہ بنایا تھا اور ان گھروں کے ذکر میں یہی فائدہ ہے کہ اس گھر کا پتہ چل جائے گا لیکن مطری نے اس بات کا خیال نہیں کیا البتہ علامہ مجد پر تعجب ہے کہ انہوں نے وہی بیان کیا جس کا ذکر ہم گھروں میں کر آئے لیکن پھر مسجدوں کے ذکر میں وہ مطری کے پیچھے لگ گئے۔

مسجد بنو انیف

انہی متبرک مقامات سے ایک مسجد بنو انیف تھی' یہ بنو بلی کا قبیلہ تھا اور کہا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ عمالقہ کے بچے کھچے لوگ تھے جیسے یہودیوں کے گھروں میں آ چکا اور پھر بنو عمرو بن عوف اوسی کے گھروں کے بیان میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہ لوگ ان کے حلیف تھے اور ابن زبالہ کے مطابق حضرت عاصم کے والد سوید نے بتایا کہ میں نے بنو انیف کے بزرگوں سے سنا' وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں طلحہ بن براء لوٹ آئے تھے' وہ ان کے قلعہ کے قریب تھی۔عاصم کہتے ہیں کہ میرے والد نے بتایا' میں نے انہیں دیکھا تو وہ وہاں چھڑکاؤ کر رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے وہاں تعمیر کر دی چنانچہ یہی مسجد بنو انیف تھی جو قباء میں تھی۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت طلحہ بن براء انہی میں شامل تھے اور صحابہ کے بارے میں گفتگو کرنے والے بتاتے ہیں

کہ براء قبیلہ بلی سے تھے اور اوس کے حلیف تھے چنانچہ یہی وہ سبب ہے جس کی بناء پر مطری اور ان کے بعد والوں کو غلطی لگی اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ کہا: ان کا گھر بنو عمرو بن عوف اور عصبہ کے درمیان قباء میں تھا۔

میں کہتا ہوں' قابلِ بھروسہ بات ہماری ہے اور ان کا گھر قباء میں ''قائم'' نامی زمین میں تھا جو مسجد قباء کے جنوب مغربی جانب تھا اور پھر ''بیرِ عذق'' کے پاس تھا۔

مسجد دارِ سعد بن خیثمہ

انہی میں سے ایک' قباء میں مسجد دارِ سعد بن خیثمہ تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق مطری نے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو قباء کے اندر دارِ سعد بن خیثمہ میں تھی اور پھر وہاں بیٹھے بھی رہے۔ حضرت مطری کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن خیثمہ کا گھر ان گھروں میں سے ایک تھا جو مسجد قباء کی قبلہ والی جانب تھے' لوگ جب مسجد قباء میں زیارت کرنے آتے اور اس میں نماز پڑھتے تو یہیں سے گذرتے۔

پھر اسی جگہ میں کلثوم بن ہدم کا مکان بھی تھا اور مدینہ کی طرف جانے سے قبل حضور ﷺ یہیں اُترے تھے اور یونہی آپ کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ بھی اسی جگہ رُکے تھے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے بعد انہیں مکہ سے لے کر نکلے تھے' وہ لوگ یہ تھے: حضرت سیّدہ سودہ' حضرت سیّدہ عائشہ اور ان کی والدہ' ان کی ہمشیرہ سیّدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہن' سیّدہ اسماء کے پیٹ مبارک میں اس وقت حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے چنانچہ انہوں نے مدینہ جانے سے قبل انہیں قباء میں جنم دیا' مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ میں پیدا ہونے والے آپ ہی تھے۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں' یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ: ''حضرت علی آئے تو ان کے ساتھ یہ لوگ تھے۔'' تو یہ محلِ نظر بات ہے کیونکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کو قباء میں ملے تھے پھر وہاں سے حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس کے بعد مکہ بھیجا تھا جو ان حضرات کو لے کر آئے' ان کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن ابوبکر کے کچھ افراد کو لے کر گئے تھے جبکہ اس حدیث پر سب کا اتفاق ہے جس میں ان کے عبد اللہ بن زبیر کو جنم دینے کا ذکر ہے اور پھر اس میں یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی دور میں مدینہ میں پیدا ہونے والے پہلے فرد تھے جس پر وہ خوش ہوئے تھے کیونکہ انہیں کہا گیا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کر دیا ہے لہٰذا تمہارے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا اور پھر اسی میں یہ دلیل بھی ہے کہ ان کی ولادت حضور ﷺ کے قباء میں پہنچے کے کچھ عرصہ بعد ہوئی تھی۔

علامہ ذہبی نے واقدی کی پیروی میں کہا کہ وہ ۲ھ کو پیدا ہوئے تھے جبکہ ابن حجر لکھتے ہیں قابل بھروسہ بات یہ ہے کہ وہ ۱ھ کو پیدا ہوئے کیوں کہ حدیث پیدائش پر سب کا اتفاق ہے۔ مسجد قباء کے ذکر میں آ چکا ہے کہ حضرت سعد بن

خیثمہ کا گھر وہی تھا جو قبلہ والی جانب سے مسجد کے ساتھ تھا۔

مسجد التوبہ

انہی میں سے ''عصبہ'' کے مقام پر مسجد توبہ بھی تھی' یہ بنو جحجبا کے گھروں میں تھی جو بنو عمرو بن عوف اوسی سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت افلح بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عصبہ کے مقام پر بئر حجیم کے پاس مسجد توبہ میں نماز پڑھی تھی۔اس بارے میں مطری کہتے ہیں کہ آج اس کنوئیں کا علم نہیں اور ''عصبہ'' مسجد قباء کی غربی جانب تھا جس میں بہت سے کھیت اور کنوئیں تھے۔

میں کہتا ہوں' یہ جو گھروں کے بارے میں لکھا جا چکا کہ انہوں نے حجیم نامی قلعہ بنایا' یہ اس مسجد کے قریب تھا جس میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی' اس سے پتہ چلتا ہے کہ بئر حجیم اس قلعہ کی طرف منسوب تھا لہٰذا مسجد بھی وہیں تلاش کرنی چاہئے البتہ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسے مسجد التوبہ کا نام دینے کا سبب کیا تھا۔

مسجد النور

انہی میں سے ایک مسجد النور تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد کے والد فضالہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد النور میں نماز پڑھی تھی لیکن مطری کہتے ہیں کہ آج اس کی جگہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں' اس مسجد کا نام مسجد النور رکھنے کی وجہ میں نہیں جان سکا البتہ اسدی نے اپنے ''منسک'' میں ان مسجدوں کا ذکر کیا ہے جو مسجد قباء کے نزدیک قابلِ زیارت ہیں' ان میں اس کا ذکر بھی کیا ہے پھر انہوں نے ان مساجد میں بھی اس کا ذکر کیا ہے جو مدینہ کے قریبی علاقے اور اردگرد میں قابلِ زیارت ہیں اور شاید یہ مسجد وہی جگہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر۔اور عباد بن بشر (دونوں بنو عبد الاشہل سے ہیں) اس تاریک رات میں جہاں پہنچے تھے' وہ حضور ﷺ کے ہاں تھے' رات تاریک تھی' انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی اور جب وہاں سے روانہ ہوئے تو ان میں سے ایک کی چھڑی روشن ہو گئی چنانچہ وہ اس کی روشنی میں چلتے رہے اور جب راستے جدا ہونے کا مقام آیا تو دونوں کی چھڑیاں روشن ہو گئیں اور وہ ان کی روشنی میں چلتے گئے۔اس لحاظ سے یہ مسجد بنو عبد الاشہل کے گھروں میں قرار پاتی ہے پھر احمد نے حضرت قتادہ بن نعمان ظفری کی حدیث لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تاریک رات میں کھجور کی چھڑی دی تھی جو ان کے آگے اور پیچھے دس دس ہاتھ تک روشنی کرتی جاتی تھی۔الحدیث اور ابو نعیم کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس باتیں کرتے جاگتے رہے کہ اسی اثناء میں رات کا تہائی حصہ گذر گیا' پھر وہ وہاں سے نکلے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ ہو لئے' رات تاریک تھی اور دونوں صحابہ میں سے ایک کے پاس لکڑی تھی' وہ ان کے ہاتھ میں روشن ہو گئی جبکہ ان کے اوپر بھی روشنی ہوئی اور وہ اپنی اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔

مسجد عتبان بن مالک

انہی میں مسجد عتبان بن مالک بھی تھی جس کا اصل قلعہ "مزدلف" میں موجود ہے، یہ دارِ بنو سالم بن خزرج میں تھی۔ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے اور مسجد کے درمیان سیلاب آ جایا کرتا ہے چنانچہ حضور ﷺ نے ان کے گھر میں نماز پڑھی اور یہ وہی مسجد ہے جو "مزدلف" میں ہے۔ اسے یحییٰ نے روایت کرتے ہوئے کہا: یہ وہی مسجد ہے جہاں اس کے نزدیک ہی مالک بن عجلان کا قلعہ ہے۔

میں کہتا ہوں، مسجد جمعہ کے بیان میں گزر چکا کہ "مزدلف" وہی خراب شدہ قلعہ تھا جو مسجد جمعہ کی شامی جانب تھا جو مشرقی وادی کی اونچی جگہ پر واقع تھا اور حضور ﷺ کا دارِ عتبان میں نماز پڑھنا بخاری شریف میں موجود ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی قوم کی مسجد (جس کے اور ان کے درمیان سیلاب آ جاتا تھا) بڑی تھی جو ان کے گھروں میں حرہ کے مقام پر غربی وادی کی اونچی جگہ پر موجود تھی۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں دوپہر کو نفل پڑھے چنانچہ وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نفل پڑھے۔

حضرت سعد بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو سالم کی بڑی مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔

مسجد میثب (صدقۃ النبی ﷺ)

انہی میں سے مسجد میثب تھی جو صدقۃ النبی ﷺ تھی چنانچہ ابن زبالہ، ابن شبہ اور یحییٰ کے مطابق حضرت محمد بن عقبہ بن ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی رفاہی جگہ پر موجود مسجد میثب میں نماز پڑھی اور صدقات کے بیان میں آ رہا ہے کہ یہ میثب "برقہ" وغیرہ رفاہی زمینوں کے ساتھ ہی تھی۔

مسجد المنارتین

انہی میں سے مسجد المنارتین تھی چنانچہ ابن زبالہ و یحییٰ کے مطابق حضرت حرام بن سعد بن محیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو عقیق کبیر کے راستے میں منارتین کے نیچے تھی۔ مطری کہتے ہیں کہ اس مسجد کا کوئی پتہ نہیں، بس اتنا معلوم ہے کہ عقیق کے راستے کے ساتھ ہی تھی۔

میں کہتا ہوں ابن زبالہ کے مطابق عبد اللہ بن بولا کہتے ہیں کہ ابتدائی مہاجرین میں سے چار قبیلے وہ ہیں جن میں سے ہر ایک بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس سرخ پتھر کی طرف چلے جو منارتین کے درمیان تھا، یکا یک دیکھا تو ایک مردہ بکری پڑی تھی جس سے بدبو آ رہی تھی، انہوں نے ناک پر کپڑے ڈال لئے جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس بکری کا اپنے مالک پر کیا اثر دیکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ کیا اثر دکھا سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ

دنیا اللہ کے سامنے اس سے بھی ہلکی ہے جتنا یہ بکری اپنے مالک کے لئے ہلکی ہے۔

حضرت ابراہیم کے والد محمد کہتے ہیں کہ اس پہاڑ کا نام "النعم" تھا۔

میں کہتا ہوں' یہ وہی سرخ پہاڑ ہے کہ تم عقیق کی طرف چلتے ہوئے "زغیقین" سے گذرو تو تمہاری بائیں جانب آتا ہے کیونکہ جو کچھ لکھا گیا ہے' اسی پر سچا آتا ہے اور یوں بھی کہ میں خود اس کے پاس پہنچا اور اس پر چڑھا تو دیکھا کہ اس پر وہ بنیاد موجود تھی جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ منارتین اس کے قریب ہی "زغیقین" کے پاس ہیں اور وہیں اس مسجد کی جگہ ہے۔

مسجد فیفاء الخُبار

انہی میں سے مسجد فیفاء الخبار تھی چنانچہ ابن اسحاق غزوۂ العشیرہ میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو النجار میں سے بنو دینار کے راستے پر چلے' پھر فیفاء الخبار کی جانب تشریف لے گئے اور بطحاء بن ازھر کے قریب ایک درخت کے نیچے اُترے جسے "ذات الساق" کہتے تھے' وہیں نماز پڑھی چنانچہ وہیں مسجد ہے' وہیں آپ کے لئے کھانا تیار کیا گیا جس میں سے آپ نے بھی کھایا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ مل کر کھایا چنانچہ "برمہ" میں اس کے نشانات دیکھے جا سکتے ہیں اور پھر آپ کے لئے مشیرب سے پانی لایا گیا۔ انتہیٰ۔

یہ مشیرب کا لفظ "مشرب" کی تصغیر ہے' یہ ذات الجیش کی شمالی جانب پہاڑوں کے درمیان تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ فیفاء الخبار جماوات کی غربی جانب ہے اور یہ جماوات وہ پہاڑیاں ہیں جو وادیٔ عقیق کی غربی جانب ہیں۔ یہ علامہ مجد کا وہم ہے کہ انہوں نے' ان کے قول "وَهِيَ" والی ضمیر فیفاء الخبار کی جانب لوٹتے سمجھی ہے چنانچہ کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ وہ پہاڑیاں ہیں جو وادیٔ عقیق کے مغرب میں ہیں۔ انتہیٰ اور آگے ساتویں باب کی چوتھی فصل میں علامہ ہجری سے آ رہا ہے کہ اُم خالد کی ہموار زمین' تضارع کی زمین سے شمالی ہواؤں کی جگہ پر ہے اور یہ فیفاء الخبار اُم خالد کی زمین تھی۔

ابن سعد نقل کرتے ہیں' ابن عقبہ نے کہا کہ فیفاء الخبار جماء کی پچھلی طرف ہے۔ الخبار کے لفظ میں خاء پر زبر اور باء پر بھی زبر ہے' سَحَاب کے وزن پر ہے' یہ نرم اور ڈھیلی زمین پر بولا جاتا ہے اور اس پر بھی جو پتھروں اور گڑھوں والی ہو اور فیفاء سخت پتھر کو کہتے ہیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں' یہاں صدقے کے اونٹ (راہِ خدا میں استعمال ہونے والے) اور حضور ﷺ کی اونٹنی چرا کرتی تھی اور پھر عرنیین کا وہ قصہ لکھا جسے ہم اپنے موقع پر پہلے بتا چکے ہیں اور جو اس طرف جانے کا ارادہ کریں انہیں چاہئے کہ جماوات کی زیارت کریں اور عظیم پہاڑ کی بھی کیونکہ ان کی عظمت کے بارے میں آگے آ رہا ہے۔

وہ مسجد جو جُثجاثہ اور بئر شداد کے درمیان ہے

انہی میں سے وہ مسجد بھی ہے جو جُثجاثہ اور شداد کے کنوئیں کے درمیان ہے اور بقیع سے ملنے والی وادی کی ایک جانب ہے چنانچہ ابن زبالہ نے اسی کے ضمن میں عمر بن قاسم اور عبد الملک بن عمر کی روایت لکھی ہے چنانچہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جُثجاثہ اور شداد کے کنوئیں کے درمیان وہاں موجود ٹیلے پر نماز پڑھی تھی۔

علامہ ہجری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جُثجاثہ' حضرت عباد بن حمزہ بن عبد اللہ بن زبیر کا صدقہ تھا (رفاہی اور لوگوں پر خرچ کی جانے والی زمین) وہاں محلات وغیرہ تھے اور ہجری کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ شرید کی پہاڑی اور حلیفہ کے درمیان تھا۔

نوٹ:

یہاں ان مساجد مدینہ کے بیان کا اختتام ہو رہا ہے جن کی ہمارے زمانے میں اصل صورت موجود نہیں اللہ کی توفیق سے جو کچھ معلوم ہوا' درج کر دیا ہے اور ان کی تعداد تقریباً چالیس ہے۔

وہ گھر جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی

تتمہ

کچھ ان گھروں کے بارے میں بتایا جا چکا ہے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی یا صرف بیٹھے تھے اور قیام نہیں فرمایا' بات پوری کرنے کے لئے ہم اللہ کی توفیق سے بقایا مقامات کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ ہر جگہ کی واقفیت کرائی جا سکے چنانچہ یحییٰ کے مطابق حضرت طلحہ بن طویل کہتے ہیں' میں نے اپنے ملنے والے بہت سے لوگوں سے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے باڑے کی طرف تشریف لاتے (وہ حکم بن ابو العاص کا تھا) جب وہاں سے نکلتے تو اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر دُعا فرماتے۔

دار الشفاء

حضرت محمد بن طلحہ کے مطابق' محمد بن سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دار الشفاء میں اس گھر کے اندر نماز پڑھی جو گھر میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھا۔

دار الضمری

حضرت محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں بھی نماز پڑھی تھی جو گھر میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھا۔

دار بسرہ

حضرت محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے بسرہ بنت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں نماز پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں' رہا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تو پہلے دار السوق وغیرہ میں آ چکا ہے کہ وہ کس جہت میں تھا۔

رہا دار الشفاء تو ابن شبہ نے بنو عدی بن کعب کے گھروں کے بیان میں کہا ہے کہ "شفاء بنت عبد اللہ نے اپنا وہ گھر تعمیر کیا جو حکاکین میں تھا اور خط میں کھلتا تھا چنانچہ اس کے لڑکے کے قبضے کچھ لوگ نکل گئے اور فضل کے پاس چلے گئے اور ان کے قبضے میں چند ایک رہ گئے۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ ان شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور قیلولہ (دوپہر کو سونا) فرماتے پھر مصلاًئے عید میں آ چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دار الشفاء کے پاس عید پڑھی تو ظاہر ہے کہ یہ گھر مدینہ کے بازار اور مصلّٰے کے قریب تھا لیکن دارِ بسرہ کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی مذکور باڑے کے بارے میں علم ہے اور پھر بلاط کے ذکر میں دارِ بنت الحارث کے بارے میں لکھا چکا ہے۔

ابو داؤد و نسائی کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن کے والد حضرت طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دارِ یعلٰی سے آگے گذرتے تو قبلہ رو ہو کر دُعاء مانگا کرتے تاہم دارِ یعلٰی کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔

دار اُم سلیم

صحیح بخاری شریف میں حضرت ثمامہ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' کہتے ہیں حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے لئے صاف چمڑا بچھا دیا کرتیں جہاں حضور ﷺ قیلولہ فرماتے اور جب حضور ﷺ اُٹھ بیٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ اور بالِ مبارک شیشی میں محفوظ کر لیا کرتیں۔ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں یہی خوشبو لگائی جائے چنانچہ آپ کو خوشبو کے طور پر یہی لگایا گیا پھر اسی میں ایک حدیث کھانا بڑھانے کے بارے میں ہے' الفاظ یہ ہیں: ابوطلحہ نے اُم سلیم سے کہا: میں نے حضور ﷺ کی آواز ایسی کمزور سنی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھوک لگی ہے تو کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں اور پھر جو کی کچھ روٹیاں نکال لائیں' انہیں ایک کپڑے کے کنارے میں لپیٹا اور مجھے پکڑا دیں اور باقی کپڑا میرے اوپر لپیٹ دیا اور پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں گیا' میں نے دیکھا تو آپ مسجد میں تھے اور لوگ اردگرد بیٹھے تھے' میں جا کر کھڑا ہو گیا' دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کی' ہاں! آپ نے قریبی صحابی سے کچھ فرمایا' وہ اُٹھ چلے تو میں بھی ان کے آگے آگے چل پڑا اور ہم حضرت ابوطلحہ کے پاس پہنچے' میں نے ساری بات

انہیں بتائی۔اس پر ابوطلحہ نے اُم سلیم سے کہا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو لے کر تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس تو کھانے کو کچھ ہے ہی نہیں۔وہ کہنے لگیں' اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں' ابوطلحہ گئے' حضور ﷺ سے ملے چنانچہ آپ تشریف لائے تو ابوطلحہ ساتھ ہی تھے۔آپ نے فرمایا: اے اُم سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے' لے آؤ! وہ وہی روٹیاں لے آئیں' رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا' روٹیاں چورا کر دی گئیں اور چمڑے کی تھیلی سے کچھ نکال کر ان پر ڈال دیا گیا' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی سے اس پر کچھ پڑھا' پھر فرمایا کہ دس افراد کو بلا لو۔الحدیث اور حدیث کے آخر میں ہے کہ سب لوگوں نے کھانا کھا لیا اور سیر ہو گئے' وہ لوگ ستر یا اسی تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت اُم سلیم حضرت انس کی والدہ اور ابوطلحہ کی زوجہ تھیں اور یہ واقعہ یا تو حضرت انس کے گھر میں ہوا یا پھر ابوطلحہ کے گھر اور دونوں گھر ہی بنو جدیلہ کی طرف تھے۔

دارِ اُم حرام

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ قباء کی طرف تشریف لے جاتے تو اُم حرام بنت ملحان کے پاس جاتے جہاں وہ آپ کو کھانا کھلاتیں' وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔ایک دن آپ تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانا کھلایا' آپ سو گئے اور جاگے تو مسکرا رہے تھے۔الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ اُم حرام حضرت انس کی خالہ اور اُم سلیم کی بہن تھیں' حضرت عبادہ بن صامت ان کے شوہر تھے جو بنو سالم میں رہتے تھے' وہ بنونوفل میں سے تھے جو بنو سالم کے بھائی تھے اور **اذا ذھب الی قباء** (جب آپ قباء کی طرف جاتے) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کیونکہ بنو سالم قباء ہی کے راستے میں تھے لہٰذا وہ وہم ختم ہو جاتا ہے جو کچھ لوگ کرتے ہیں کہ حضرت اُم سلیم اور اُم حرام کا گھر ایک ہی تھا کیونکہ وہ دونوں بہنیں تھیں۔واللہ اعلم۔

فصل نمبرہ

مدینہ کے قبرستان کی فضیلت' بقیع میں حضور ﷺ کی تشریف آوری' انہیں سلام کہنا اور دُعائے بخشش کرنا

رات کو بقیع میں تشریف لے جانا

صحیح مسلم اور نسائی کے مطابق سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات حضور ﷺ کی میرے پاس ٹھہرنے کی باری تھی تو الگ ہو کر آپ نے اپنی چادر مبارک رکھی اور جوتا اُتار کر پاؤں ہی کے پاس رکھ لیا' چادر کا ایک پہلو زمین پر پھیلایا اور اس پر لیٹ گئے پھر کچھ ہی دیر ٹھہرے اور خیال فرمایا کہ میں سو چکی ہونگی تو آہستہ سے چادر پکڑی'

جوتے پہنے، دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے، دروازہ آہستہ سے بند کر دیا، میں نے قمیص گلے میں ڈالی، چادر اوپر لی اور اسے لپیٹ لیا اور آپ کے پیچھے ہو لی۔ آپ بقیع پہنچے اور کھڑے ہو گئے اور کافی دیر تک ٹھہرے، اسی دوران تین مرتبہ ہاتھ اُٹھائے اور پھر پیچھے مڑے تو میں بھی مڑ گئی، آپ تیز چلتے تو میں بھی تیز چلتی، آہستہ چلتے تو میں بھی آہستہ چلتی اور آپ گھر کے قریب پہنچے تو میں پہلے داخل ہو گئی، ابھی میں لیٹی بھی نہ تھی کہ آپ اندر تشریف لے آئے، فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی، میرے ماں باپ آپ پر قربان! پھر ساری بات بتا دی۔ فرمایا: وہ سایہ سا جو میرے آگے آگے تھا، تم ہی تھیں؟ میں نے عرض کی، ہاں، آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، مجھے دردسی ہوئی پھر فرمایا: کیا تم یہ گمان کرتی ہو کہ اللہ و رسول تم پر زیادتی کریں گے؟ فرمایا جب نے دیکھا تو جبریل آئے تھے، انہوں نے چھپا کر مجھ سے بات کی تو میں نے بھی تم سے چھپا لی، وہ اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ تم نے کپڑے اُتارے ہوئے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ تم سوئی ہوئی ہو لہٰذا جگانا اچھا معلوم نہ ہوا، میں نے سمجھا کہ کہیں خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان کے لئے استغفار کیجئے۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہاں کیا کہوں؟ فرمایا، ان سے جا کر کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ وَ الْمُسْتَأْخِرِيْنَ○

انہی کی ایک اور روایت ہے، حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جب میرے ہاں ٹھہرنے کی باری ہوتی تو رات کے آخری حصے میں بقیع کی طرف نکل جاتے اور یوں فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ○

اسی روایت کو مؤطا میں یوں دیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ کھڑے ہوئے، کپڑے پہنے اور باہر نکل گئے، میں نے اپنی لونڈی جاریہ سے کہا کہ آپ کے پیچھے جاؤ، وہ پیچھے چلی، آپ بقیع پہنچے اور جتنا اللہ کو منظور تھا، اس کے پاس کھڑے رہے پھر واپس ہوئے تو وہ پہلے آ گئی اور آ کر مجھے ساری بات بتا دی لیکن صبح ہونے تک میں نے کوئی بات نہ کی پھر بات کی تو آپ نے فرمایا: مجھے اہل بقیع کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ ان کے لئے دُعا کروں۔

نسائی کی روایت میں یہ دُعا لکھی ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِنَّا وَ اِيَّاكُمْ مُّتَوَاعِدُوْنَ غَدًا وَ مُوَاكِلُوْنَ○

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ میرے ہاں سے باہر نکلے تو میں نے سمجھا کہ آپ کسی بیوی کی طرف تشریف لے چلے ہیں چنانچہ میں پیچھے چل پڑی، آپ بقیع پہنچ گئے، وہاں سلام کہا، دُعا فرمائی اور واپس تشریف لے آئے، میں نے پوچھا، آپ کہاں تھے؟ فرمایا: مجھے حکم ملا تھا کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان

کے لئے دُعا کروں۔ابن شبہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَ لَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ٥

بیہقی کی روایت میں ملتا ہے کہ آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو دونوں کپڑے اُتار کر رکھنے لگے' ابھی اُتارے نہ تھے کہ کھڑے ہو کر پھر پہن لئے' مجھے شدید غیرت آئی کیونکہ میرے خیال میں آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے چلے تھے۔میں آپ کے پیچھے چلی اور دیکھا تو آپ بقیع الغرقد پہنچ گئے تھے' مؤمنین اور شہداء کے لئے دُعا فرما رہے تھے۔الحدیث پھر حدیث میں بتایا کہ یہ نصف یہ شعبان کی رات تھی۔

جامع ترمذی کے مطابق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اہلِ مدینہ کی قبروں کے قریب سے گذرے تو اس طرف توجہ فرما کر کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ وَ اَنْتُمْ سَلَفٌ وَّ نَحْنُ بِالْاَثَرِ٥

ابن شبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو موھبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آدھی رات کے وقت مجھے بیدار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع کے لئے استغفار کروں لہٰذا میرے ساتھ چلو' میں ساتھ چلا۔جب آپ اہلِ بقیع کے پاس پہنچے تو فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْمَقَابِرِ لِيَهْنَ لَكُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِيْهِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِيْهِ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يَتْبَعُ اٰخِرُهَا اَوَّلَهَا الْاٰخِرَةُ شَرٌّ مِّنَ الْاُوْلٰى٥

اور اس دُعا کے بعد پھر دیر تک استغفار فرماتے رہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے لئے استغفار کیا پھر فرمایا: اے ابو موھبہ! مجھے دنیا اور جنت کی چابیاں دے دی گئی ہیں' مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے یہ لے لوں اور چاہے اللہ اور جنت لے لوں' میں نے عرض کی' میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ دنیا کے خزانوں کی چابیاں اور ہمیشہ جنت میں رہنا مانگ لیں۔آپ نے فرمایا' ابو موھبہ! یوں نہیں بلکہ میں نے تو اللہ کے پاس جانا اور جنت مانگ لی ہے۔اس کے بعد آپ واپس تشریف لائے اور اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کا وصال ہو گیا تھا۔

عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بقیع کو تشریف لے گئے اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَوْمٌ مُّؤَجَّلُوْنَ اَتَانَا وَ اَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ٥

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بقیع الغرقد کے پاس تشریف لائے اور تین مرتبہ یوں فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا الَّذِىْ نَجَاكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ مِمَّا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ٥

پھر توجہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ تم سے بہتر ہیں۔میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ ہمارے بھائی ہیں' یہ ویسے ہی

ایمان لائے جیسے ہم ایمان لائے تھے' انہوں نے ویسے ہی خرچ کیا جیسے ہم کرتے رہے اور جیسے انہوں نے جہاد کیا' ہم بھی کرتے رہے' انہیں موت آ گئی جبکہ ہم انتظار میں ہیں۔فرمایا یہ لوگ تو چلے گئے' اپنا حصہ نہیں کھایا اور تم ابھی تک کھا رہے ہو اور نہیں معلوم کہ میرے بعد کیا کرو گے؟

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: حضور ﷺ قبرستان کی طرف نکلے اور کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ○

اور فرمایا:

میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا: تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں پہنچے' میں حوض پر ان کی انتظار میں ہوں گا۔صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ انہیں کیسے پہچانیں گے جو آپ کی اُمت میں سے بعد میں آئیں گے۔فرمایا دیکھو' کیا کسی شخص کے پاس خوبصورت چمکتی پیشانی والا گھوڑا ہو اور وہ بہت سارے گھوڑوں میں ہو تو کیا وہ اپنا گھوڑا پہچان نہ سکے گا؟ انہوں نے عرض کی' کیوں نہیں' فرمایا: قیامت کے دن وضو کی وجہ سے یہ چمکتی پیشانیوں میں دکھائی دیں گے جبکہ میں حوض پر ان کی انتظار میں ہونگا' میرے اس حوض سے لوگوں کو یوں ہٹایا جا رہا ہو گا جیسے سرکش اونٹ کو ہٹایا جاتا ہے چنانچہ میں انہیں آواز دوں گا کہ ادھر آؤ' ادھر آؤ' ادھر آؤ۔مجھے بتایا جائے گا کہ یہ بدل گئے تھے تو میں کہوں گا انہیں دور لے جاؤ۔

بقیع کی فضیلت

حضرت عکاشہ کی بہن اُم قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے ہمراہ بقیع کی طرف گئیں تو آپ نے وہاں فرمایا: اس قبرستان سے ستر ہزار ایسے لوگ اُٹھائے جائیں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے' سب کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند۔اسی دوران ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اور میری کیا صورت ہو گی؟ فرمایا تم بھی ایسے ہی ہو گے' اتنے میں ایک اور شخص نے یہی بات کی تو فرمایا' عکاشہ تم سے پہلے یہ مرتبہ لے گئے ہیں۔میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہی بشارت دوسرے شخص کو کیوں نہ دی؟ وہ کہنے لگیں' میرے خیال میں وہ منافق تھا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ ستر ہزار لوگ بے حساب جنت میں جائیں تو یہ بشارت صرف بقیع سے خاص نہیں بلکہ بخاری شریف ہی میں اوروں کے لئے بھی ثابت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی بشارت موجود ہے چنانچہ احمد اور بیہقی سے بذریعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرفوع حدیث کے الفاظ یوں ہیں: میں نے اپنے پروردگار سے پوچھا تو اس نے میری اُمت کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور پھر بخاری کی طرح روایت کی لیکن اتنا اور زیادہ کیا: میں نے اپنے ربّ سے زیادہ بھیجنے کی عرض کی (تو اللہ تعالیٰ نے ہر ہزار کے ہمراہ ستر ہزار داخل کرنے کا وعدہ فرمایا۔

پھر اور احادیث میں آتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ بھیجنے کی بشارت دی چنانچہ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس اُمت سے ستر ہزار لوگ داخل کروں گا جن میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں گے' ایسے کہ نہ تو ان کا حساب ہوگا اور نہ ہی عذاب کے لائق ہوں گے' یہ لوگ اللہ کی تین لَپ بھر میں سے ایک لَپ بھر ہوں گے پھر حافظ ابن حجر کی روایت میں اس سے بھی زیادتی سمجھ آتی ہے اور انہوں نے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کی بات کی ہے' اسی سے بقیع والی ستر ہزار کی روایت کو بھی قوت ملتی ہے جن کا حساب نہ ہوگا۔ یہ اللہ کا عام کرم ہے اور عظیم مرتبہ ہے پھر ابن شبہ کے مطابق ابن المنکدر مرفوع حدیث بتاتے ہیں: بقیع سے ستر ہزار لوگوں کو نکالے گا جن کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی' وہ نہ تو جسم میں پچھنے لگوانے والے ہوں گے اور نہ بد فالی لیں گے اور ان کا بھروسہ صرف اللہ پر ہوگا۔ ابن المنکدر کہتے ہیں کہ میرے والد بتاتے تھے: حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں گئے راستہ بقیع والا تھا' ان کے ساتھ ابن جاموت تھا' مصعب ان کے پیچھے تھے' انہوں نے سنا کہ اس نے قبرستان کو دیکھ کر کہا هِیَ هِیَ (یہی ہے' یہی ہے) حضرت مصعب نے پیچھے سے کہا: کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس قبرستان کا ذکر تورات میں دیکھتے ہیں کہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان (حرتین) میں ہوگا' کھجور کے درختوں میں گھرا ہوگا اور اس کا نام "کفتہ" ہوگا، اللہ تعالیٰ اس میں سے ستر ہزار بندے ایسے اُٹھائے گا جن کے چہرے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت جابر کی مرفوع حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ اس قبرستان سے (کفتہ) ایک لاکھ لوگوں کو نکالے گا جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے' جو نہ تو دم کرنے والے' نہ جسم پر کھدائی کرانے والے اور نہ ہی تداوی کرتے ہوں گے' اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہوں گے پھر مطلب بن حطب مرفوع روایت دیتے ہیں کہ مدینہ کے قبرستان بقیع سے ستر ہزار لوگ نکالے جائیں گے جن کے چہرے یمنی تلواروں کے نیاموں کی طرح چمکتے ہوں گے۔

ایک ایسی روایت بھی ملتی ہے' جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی تعداد بنوسلمہ کے قبرستان سے بھی اُٹھائی جائے گی اور یہ بنوحرام کے گھروں کے قریب تھا چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ابوسعید مقبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: ہم توراۃ میں لکھا دیکھتے تھے کہ مدینہ کے مغربی حصے میں سیلاب والی جگہ کے کنارے ایک قبرستان ہوگا جس میں سے ستر ہزار لوگوں کو اُٹھایا جائے گا' ان کا حساب نہیں ہوگا۔

حضرت ابوسعید مقبری نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں جب فوت ہو جاؤں تو مجھے بنوسلمہ کے اس قبرستان میں دفن کرنا جس کا ذکر تم نے کعب سے سنا ہے' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مدینہ کی مغربی جانب ایک قبرستان ہے جس کی بائیں طرف سیلاب کی گذرگاہ ہے' اس میں سے ایسے بہت سے لوگوں کو اُٹھایا جائے گا جن کا حساب نہیں ہوگا' پھر بنوحرام کے ایک بزرگ شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قبرستان ہے جو غربی جانب دو سیلابوں کی جگہ کے درمیان ہے' قیامت کے دن اس کا نور اس قدر ہوگا کہ آسمان و زمین کے

درمیانی حصے کو نورانی کر دے گا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سہل کے دادا کہتے ہیں کہ بنو سلمہ کے قبرستان میں شہدائے اُحد دفن ہیں پھر حضرت یحییٰ بن عبد اللہ بن ابو قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عمرہ بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُحد کے دن شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں اُٹھا کر لے آؤ چنانچہ یہ پہلے شخص تھے جنہیں اس قبرستان بنو حرام میں دفن کیا گیا۔

حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ جیسے بنو سالم اور بنو بیاضہ کے درمیان رحمت نازل ہو رہی ہے' عرض کی گئی' یا رسول اللہ! کیا ہم وہاں منتقل ہو جائیں' فرمایا، نہیں لیکن تم اس میں دفنا سکتے ہو چنانچہ انہوں نے اس میں اپنے فوت ہونے والے لوگوں کو دفنانا شروع کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس قبرستان کا آج کچھ علم نہیں اور نہ ہی بنو سلمہ کے قبرستان کا پتہ چلتا ہے لیکن صرف ان کے رُخ کا پتہ چلتا ہے اور یہ گھروں کے بیان سے معلوم ہو سکتا ہے۔

پھر مدینہ میں مرنے کے شوق دلانے کے لئے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ: زمین بھر میں مجھے مدینہ کے خطے سے کوئی ایسی اچھی جگہ دکھائی نہیں دیتی جہاں میں اپنا مقبرہ بنانا پسند کروں۔آپ نے مسلسل تین مرتبہ یونہی فرمایا' پھر یہ حدیث بھی ہے: جو مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے' اسے یہیں مرنا چاہیے کیونکہ میں یہاں مرنے والے کی شفاعت کروں گا۔ایک روایت میں ہے کہ قیامت کو میں اس کی شہادتِ ایمان دونگا۔ایک اور روایت میں ہے کہ جو یہاں مرے گا' میں قیامت میں اس کی شہادتِ ایمان دوں گا یا فرمایا کہ اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ رزین نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے' ایک اضافہ بھی کیا کہ آپ نے فرمایا: میں پہلا شخص ہونگا جو زمین سے نکلوں گا پھر حضرت ابوبکر اور پھر عمر نکلیں گے پھر میں بقیع کی طرف آؤں گا تو ان کا حشر ہو گا پھر میں اہلِ مکہ کی انتظار کروں گا اور پھر دونوں حرموں کے درمیان میرا حشر ہو گا (باقی سب ساتھ ہوں گے)۔

ابن نجار کی روایت یوں ہے: میں' ابوبکر اور عمر بقیع کی طرف جائیں گے تو وہ اُٹھائے جائیں گے اور پھر اہل مکہ اُٹھائے جائیں گے۔

ابن شبہ اور زبالہ کے مطابق حضرت ابن کعب قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بھی ہمارے اس قبرستان میں دفن ہو گا' ہم اس کی شفاعت کریں گے یا فرمایا کہ اس کی شہادت دیں گے۔پھر آٹھویں باب کی پہلی فصل میں آ رہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: دونوں حرموں میں جو بھی فوت ہو گا وہ قیامت کے دن ہر مشکل سے امن میں ہو گا۔

ابن زبالہ کے مطابق یہ مرفوع حدیث ملتی ہے: دو قبرستان ایسے ہیں جن کی روشنی اہلِ آسمان کو یوں دکھائی دیتی ہے جیسے سورج اور چاند کی روشنی اہلِ دنیا کو' ایک تو ہمارا یہ قبرستان بقیع جو مدینہ میں ہے اور دوسرا قبرستان عسقلان میں ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع کے متعلق ہم نے توراۃ میں دیکھا ہے' اس کا نام ''کفتۃ'' ہے جو کھجور کے درختوں میں گھرا ہوا ہے اور فرشتے اس کی نگرانی کرتے ہیں' یہ جب بھی بھر جاتا ہے تو فرشتے اس کو دونوں طرفوں سے اُٹھا کر جنت میں پھینک دیتے ہیں۔ ابن نجار کے مطابق اس سے مراد بقیع ہے۔

حضرت مقبری کہتے ہیں کہ حضرت مصعب بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے آئے تو ان کے ساتھ ابن راس الجالوت بھی تھے' وہ بقیع کی طرف سے مدینہ میں آئے اور قبرستان کے پاس آئے تو ابن راس الجالوت نے کہا: ''وہ یہی ہے۔'' حضرت مصعب نے پوچھا' کیا کہا؟ انہوں نے کہا' ہم اپنی کتاب (توراۃ) میں ایک ایسے قبرستان کا ذکر دیکھا ہے جس کی مشرقی جانب کھجور کے درخت اور غربی جانب گھر ہوں گے' اس میں سے ستر ہزار لوگ اُٹھائے جائیں گے جن میں سے ہر ایک کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا' میں نے ہر طرف گھوم کر اس قبرستان کی ٹوہ لگائی لیکن اس قبرستان کے علاوہ ایسا کوئی قبرستان نظر نہیں آ سکا۔

حضرت عبد الحمید کے والد جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابن راس الجالوت آئے اور جب وہ بقیع کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: یہی وہ ''کفتۃ'' ہے جس کے متعلق ہم اللہ کی کتاب میں پڑھتے آئے ہیں' میں اسے لتاڑوں گا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بقیع کی عظمت کی وجہ سے وہیں سے واپس چلے گئے۔

واقدی کی کتاب الحرہ کے مطابق حضرت عثمان بن صفوان کہتے ہیں کہ جب حضرت مصعب بن جبیر حج کرنے آئے تو ان کے ہمراہ ابن راس الجالوت بھی تھے' جب بنو عبد الاشہل کے حرہ کے پاس پہنچے تو رُک گئے اور کہنے لگے: اس حرہ (پتھریلی جگہ) میں کوئی قبرستان موجود ہے؟ لوگوں نے کہا' ہاں موجود ہے۔ اس نے پوچھا' تو اس کی پچھلی طرف ایک اور حرہ بھی ہے جو اس کے علاوہ ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں! انہوں نے کہا: ہم اللہ کی کتاب (توراۃ) میں اس کا نام ''کفتۃ'' پڑھ چکے ہیں۔ واقدی کہتے ہیں: اس کا مطلب ہے کہ وہ بیماریاں دور کرنے والا ہوگا اور یہی نجات کے لئے کافی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے ستر ہزار لوگوں کو اُٹھائے گا جن میں سے ہر ایک کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت خالد بن عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں دار عقیل بن ابو طالب کے دروازے کے کونے پر دُعا کر رہا تھا کہ میرے قریب سے جعفر بن محمد' عریض کی طرف جاتے ہوئے گذرے' ان کی بیوی ہمراہ تھی' مجھ سے کہنے لگے' کیا تم یہاں کے بارے میں کسی روایت سے واقف ہو؟ میں نے کہا' نہیں' انہوں نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ رات کو اہل بقیع کے لئے استغفار کرنے ٹھہرا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ دار عقیل میں وہ جگہ ان کی قبر کے نام سے جانی جاتی ہے' وہاں ان کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر کی قبر موجود ہے اور پھر یہ اطلاع دینے کے بعد لکھا کہ دار عقیل وہ جگہ ہے جہاں وہ دفن ہیں۔ حضرت زین مراغی لکھتے ہیں کہ یہاں بھی دُعا کرنی چاہئے' وہ کہتے ہیں: مجھے بہت سے لوگوں نے کہا ہے کہ وہاں دُعا قبول ہوتی ہے اور شاید اسی وجہ

سے اس کی شہرت ہے یا اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر بڑے سخی تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو حاجات پوری ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے' مجھے ایسے شخص نے بتایا جس کے بارے میں میں خوب جانتا ہوں کہ وہ پختہ دینی شخص ہے' کہ اس نے یہاں دُعا کی اور پھر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کی تو ایک ورقہ دیکھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا' اس نے نیک فال کے لئے اسے دیکھا تو اس پر یہ آیت لکھی تھی: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ' یہ تحریر کاغذ کی دونوں جانب لکھی تھی۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ متقدمین میں میں نے کسی کی ایسی تحریر نہیں دیکھی جس میں لکھا ہو کہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر وہاں تھی بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ مدینہ میں دفن ہوئے یا ابواء میں' اور دُعا کی قبولیت کے سبب میں قابلِ بھروسہ شے وہی ہے جو پہلے ذکر کر دی گئی لہٰذا مستحب یہ ہے کہ انسان ہر اس مقام پر دُعا کرے جہاں حضور ﷺ نے دُعا فرمائی اور وہ سب جگہیں قبولیت کا مقام ہیں۔

فصل نمبر ٦

بقیع میں دفن شدہ کچھ صحابہ کرام اور اہلِ بیت کے مزارات کہاں ہیں' جگہ کا تعین اور پھر مدینہ میں دوسرے مزارات کا ذکر

حضور ﷺ کے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

یہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا ذکر ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قبر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے نزدیک تھی' ان دونوں حضرات کا ذکر اور ان کے نزدیک کون دفن ہوا چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا وصال سولہ ماہ کی عمر میں ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں بقیع میں دفن کر دو کیونکہ اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے' وہ ان کی دودھ پلانے کی مدت پوری کر دے گی۔

حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے' جب انہیں لحد میں ڈال دیا گیا

اور اینٹیں لگا دی گئیں تو حضورﷺ نے اینٹوں کے خلاء میں سے انہیں دیکھا تھا' پھر ایک ڈھیلا پکڑ کر ایک شخص کو پکڑایا اور فرمایا کہ اسے اس خالی جگہ میں رکھ دو۔

حضرت محمد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی قبر پر چھڑکاؤ کیا اور سب سے پہلے انہی کی قبر پر چھڑکاؤ ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کی قبر پر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی اور قبر میں دفن سے فارغ ہو کر سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا: السّلام علیکم۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حضرت جعفر کے والد حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضورﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کی قبر پر چھڑکاؤ کیا اور اُوپر کنکر ڈالے۔

ابو داؤد کے مطابق محمد بن عمر بن علی کی روایت میں کچھ اور زیادہ کہا کہ "یہ پہلی قبر تھی جس پر چھڑکاؤ کیا گیا اور فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا تھا: السلام علیکم۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت قدامہ بن موسےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے بقیع میں دفن ہونے والے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور جب حضورﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! ہم ان کی قبر کہاں بنائیں؟ فرمایا عثمان بن مظعون کے پاس جو آخرت کا سرمایہ ہیں۔

حضرت ابو سلمہ کے والد کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہﷺ کا وصال ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اسے عثمان بن مظعون کے پاس دفن کر دو' اس کے بعد لوگوں کا رجحان بقیع کی طرف ہو گیا' درخت کاٹ دیئے اور ہر قبیلے نے اپنے لئے جگہ مقرر کر لی چنانچہ اسی وجہ سے ہر قبیلہ جانتا تھا کہ ان کی قبریں کہاں تھیں۔

حضرت قدامہ بن موسےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ عثمان بن مظعون کو بقیع میں دفن کر دو کیونکہ یہ سب سے پہلی قبر شمار ہو گی اور عثمان بن مظعون بہتر سلف ثابت ہوں گے۔

وہی بتاتے ہیں کہ بقیع میں ایک درخت تھا اور جب حضرت عثمان بن مظعون فوت ہو گئے تو انہیں بقیع میں دفن کر دیا گیا اور وہ درخت کاٹ دیا گیا اور جہاں حضرت عثمان بن مظعون دفن ہوئے تو آپ نے اس جگہ کا نام "روحاء" رکھا اور یہ جگہ دار محمد بن زید سے دار عقیل کے یمانی کونے تک تھی' پھر آپ نے دوسری جانب والی جگہ کے بارے "روحاء" کا لفظ استعمال فرمایا اور یہ دار محمد بن زید سے ان دنوں بقیع کی آخری حد تک کا علاقہ تھا۔

میں کہتا ہوں' واضح ہو گیا کہ دار عقیل اسی جگہ تھا جہاں آپ کی قبر معروف تھی اور دار محمد بن زید اس کی اور مزار ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشرقی جانب تھا چنانچہ پہلا "روحاء" دونوں قبروں کے درمیان تھا جو سیّدنا ابراہیم کی قبر کی مشرقی جانب تک پھیلا ہوا تھا اور روحاء کا دوسرا حصہ پہلے کی مشرقی جانب دور بقیع تک تھا اور اسعد بن زرارہ کی قبر کے بارے میں جو قول ابو غسان میں آ رہا ہے' اس سے یہی مراد ہے اور "روحاء" وہ مقبرہ ہے جو بقیع کے درمیان میں تھا جس

کی طرف بقیع میں رات کو آنے کے لئے راستے تھے اور گویا اسی کی وجہ سے اسے روحاء کہتے ہیں' دوسرے حصے کی وجہ سے نہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبید اللہ بن ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو پتہ چلا کہ لوگوں نے کہا تھا' یا رسول اللہ! ہم انہیں کہاں دفن کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے آخرت کے سرمایہ عثمان بن مظعون کے پاس چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون حضرت عمرو بن عثمان کی درس گاہ کے قریب دفن کئے گئے۔

ابن شبہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ زوراء میں دفن ہوئے' یہ پانی پلانے کی وہ جگہ تھی جو بقیع سے چڑھ کر دارِ محمد بن زید بن علی کی طرف جانے والے کی بائیں طرف تھی۔

حضرت سعید بن محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر زوراء کے پاس دیکھی تھی۔ اسی زوراء کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کا نام زوراء کیوں رکھا گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سعید بن محمد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک زوراء میں دیکھی۔ حضرت عبد العزیز بن محمد کہتے ہیں کہ یہ وہی گھر ہے جو محمد بن زید بن علی کے قبضے میں آ گیا تھا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی قبر مبارک حضرت سعید بن عثمان کے اس گھر کے سامنے تھی جسے زوراء کہتے ہیں اور یہ بقیع میں تھی چنانچہ یہ گھر راستہ میں ہونے کی وجہ سے گر گیا تھا۔

حضرت قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن فرمایا' ان کی قبر مبارک حضرت عقیل بن ابو طالبؓ کے گھر کے کونے کے برابر' دارِ محمد بن زید کی جانب تھی۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

ابن شبہ کے مطابق حضرت سعد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ میں نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک دیکھی تو وہ محمد بن علی بن حنفیہ کے گھر کے نزدیک تھی۔

حضرت محمد بن قدامہ کے دادا کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو دفن کیا تو ایک پتھر منگوا کر ان کے سر کی طرف رکھ دیا۔ حضرت قدامہ کہتے ہیں کہ جب بقیع میں خرابی ہوئی تو ہم نے وہ پتھر وہیں دیکھا جس سے ہم نے پہچان لیا کہ وہ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر ہے۔

عبد العزیز بن عمران کہتے ہیں کسی کو میں نے کہتے سنا کہ حضرت عثمان بن مظعون کے سر اور پاؤں کی جانب

دو پتھر رکھے ہوئے تھے۔

بنومخزوم کے ایک شیخ عمر نے کہا حضرت عثمان بن مظعون مہاجرین میں سب سے پہلے فوت ہوئے تھے' صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! ہم انہیں کہاں دفن کریں؟ فرمایا: بقیع میں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے لحد کھو دی' اس لحد سے ایک پتھر بچ گیا' رسول اللہ ﷺ نے اسے اُٹھا کر ان کے قدموں کی طرف رکھ دیا اور جب مروان والئی مدینہ بنا تو اسنے حکم دیا کہ اسے پھینک دو اور کہا: بخدا عثمان بن مظعون کی قبر پر وہ پتھر نہیں رہنے دوں گا جس سے قبر کی پہچان ہو سکے' اس پر بنو امیہ' ابی کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تم نے برا کیا' تم نے وہ پتھر اُٹھوا پھینکا ہے جسے رسول اللہ ﷺ رکھا تھا' یہ تم نے بہت برا کام کیا' بہتر یہ ہے کہ اسے وہیں رکھوا دو لیکن اس نے کہا' اب جبکہ میں نے اسے پھینک دیا ہے تو دوبارہ نہیں رکھوں گا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے بیان میں آ رہا ہے کہ مروان نے وہ پتھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر رکھوا دیا تھا۔

ابو داؤد میں ایک صحابی کا ذکر ہے کہ انہوں نے کہا: جب حضرت عثمان بن مظعون فوت ہوئے تو ان کا جنازہ لے جا کر دفن کر دیا گیا پھر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ پتھر لایا جائے لیکن اُٹھایا نہ جا سکا' حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھوں کی آستینیں چڑھائیں' مطلب کہتے ہیں' جس نے مجھے خبر دی' اس نے بتایا: میں حضور ﷺ کے دونوں ہاتھوں کی سفیدی دیکھ رہا تھا پھر آپ نے پتھر اُٹھایا اور ان کے سر کی جانب رکھ دیا اور فرمایا: اس سے میرے بھائی کی قبر کا پتہ چل جائے گا اور میرے اہل میں سے جو بھی فوت ہوگا' اسے یہیں دفن کروں گا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ کھڑا ہونے والا حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک کھڑا ہوتا تو حضور ﷺ کا گھر دکھائی دیا کرتا' درمیان میں پردہ نہ ہوتا۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول ﷺ کی قبر مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول ﷺ کا وصال ہوا تو آپ نے فرمایا: ان کی قبر پہلے دفن شدہ عثمان بن مظعون کے قریب بنا دو۔

ابن شبہ کے الفاظ یہ ہیں: جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ نے فرمایا ہمارے پہلے دفن شدہ صحابی کے پاس دفن کر دو۔ کہتے ہیں کہ عورتیں رونے لگیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عصا سے انہیں مارنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: عمر! رہنے دو' (پھر عورتوں سے فرمایا) شیطانی رونے سے بچو کیونکہ جب یہ رونا آنکھ اور دل سے ہوتا ہے تو رحمت ہوتا ہے اور جب زبان اور ہاتھ شامل ہوتے ہیں تو شیطانی بن جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں جس پر حضور ﷺ نے اپنے کپڑے کے پلو سے ان کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے تھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگہداشت کے لئے وہیں چھوڑ دیا تھا' وہ بیمار تھیں اور بدر کا دن تھا۔

پھر حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت یزید بن حارثہ فتح بدر کی خوشخبری لے کر آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رقیہ کو دفن کرنے کے لئے قبر پر کھڑے تھے۔

میں کہتا ہوں' یہ تو مشہور بات ہے لیکن صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اپنی بیٹی اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجۂ عثمان کے دفن کے وقت موجود تھے تو شاید پہلی خبر انہی کے بارے میں تھی یا ان کی بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں تھی کیونکہ وہ ۸ھ کو مدینہ میں فوت ہوئی تھیں اور ظاہر یہ ہے کہ تمام کی قبریں حضرت عثمان بن مظعون کے پاس تھیں کیونکہ آپ نے فرمایا تھا: میرے اہلِ خانہ میں سے جو بھی فوت ہوگا' میں اسے عثمان کے پاس دفن کروں گا اور شاید ان میں سے ایک یہ بھی ہوں (اس کہ ستون کی کھدائی کے وقت جو مصلّٰے کے سامنے تھا) جن کی قبر کا پتہ چلا تھا جیسے عنقریب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک کے بیان میں آ رہا ہے اور اس کے حضرت فاطمہ کی طرف نسبت کرنے میں وہم پیدا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت فاطمہ بنت اسد والدۂ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود دفن فرمایا تھا' انہوں نے ہجرت کی تھی اور رَوحاء میں بیعت کی تھی جو ابو قطیفہ کے حمام کے سامنے تھا۔ کہتے ہیں کہ وہیں حضرت ابراہیم اور عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں تھیں اور ابن شبہ کے مطابق آگے آ رہا ہے کہ عبد العزیز بن عمران کے کہنے کے مطابق حضرت عباس کی قبر حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے پاس تھی اور بنو ہاشم کی ان قبروں میں سے پہلی تھی جو دارِ عقیل میں بنی تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس بات کی مخالفت میں آیا ہے جس کی بابت لوگ آج کل کہتے ہیں یعنی یہ کہ ان کی قبر اس جگہ ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے اور سب سے پہلے قبر کے آئندہ مقام پر ہونے کا ذکر ابن نجار نے کیا تھا اور بعد والے ان کی پیروی میں کہہ گئے حالانکہ مجھے اس بارے میں کوئی دلیل نہیں مل سکی میرے خیال میں تو قبر یہیں ہے کیونکہ یہ بعید از قیاس ہے کہ نبی کریم ﷺ انہیں اتنی دور دفن فرماتے اور حضرت عثمان بن مظعون کے پاس نہ دفناتے حالانکہ آپ نے تو فرما دیا تھا کہ: ''حضرت عثمان بن مظعون کے پاس میں اپنے اہلِ خانہ میں سے فوت ہو جانے والوں کو دفن کروں گا۔'' اور پھر یہ بھی ہے کہ یوں قبر کی اس مشہور جگہ کا بقیع سے ہونا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عثمان کا مزار بقیع میں شامل نہیں اور یہ قبر مشرقی جانب اس کے شمال میں گلی کے ایک جانب ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کھجوریں جو اس قبر کے سامنے ہیں تو ابن نجار کے مطابق انہیں "حمام" کہا جاتا ہے حالانکہ پہلی روایت میں ابوقطیفہ کے حمام کے سامنے لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ بات ہے جس سے انہیں وہم ہوا اور جو کچھ ابن شبہ نے ذکر کیا ہے' وہ اس کا ازالہ کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو حمامِ ابوقطیفہ کے نام سے مشہور تھی اور حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی جانب تھی۔ لگتا ہے کہ ابن نجار اس پہلی روایت کے صرف ابتدائی حصے ہی سے واقف ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں: قبر فاطمہ بنت اسد: اس پر گنبد ہے اور بقیع کے آخر میں ہے' اور پھر پہلی روایت کا ابتدائی حصہ یہاں تک ذکر کیا: "ابوقطیفہ کے حمام کے سامنے" اور پھر کہا: "اور آج اس کے سامنے کھجور ہے جس کا نام "حمام" ہے۔ انتہٰی' اور پھر کھجور کا وہ درخت جو اس قبر کے قریب تھا یہ وہی تھا جو مشرق وشام کی طرف سے اس کے سامنے تھا جسے قبل ازیں اور آج کل "خضاری" کا نام دیتے ہیں جبکہ "حمام" کے نام سے وہ درخت مشہور ہے جو ٹیلہ کے پاس حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی شامی جانب تھا اور وہ تو سیّدہ فاطمہ کی مشہور قبر سے دور تھا اگرچہ مغربی جانب تھا اور جو اس میں ذرا سا بھی غور کرتا ہے' اسے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی شہرت کا سبب مزار سیّدنا ابراہیم کے بہت قریب ہونا ہے اور یہی بات ہماری دلیل ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ "حمام" کا لفظ مدینہ کی بہت سی جگہوں پر بولا جاتا ہے' اسی وجہ سے اسے ابو قطیفہ کی طرف منسوب کیا ہے پھر ابن زبالہ نے بھی روایت لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ عبید اللہ بن حسین کے اس حمام کی جگہ سے گذرے جسے محمد بن زید نے خرید لیا تھا پھر تھوڑا سا بقیع کی طرف آگے بتاتے ہوئے کہا کہ ہاں حمام کی جگہ تھا۔

وہ قبریں جن کے اندر خود رسول اللہ ﷺ اُترے

ابن شبہ نے عبد العزیز بن عمران کی جو روایت نقل کی ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پانچ قبروں کے علاوہ کسی اور قبر میں داخل نہیں ہوئے جن میں تین تو عورتوں کی تھیں جبکہ دو مردوں کی تھیں' ان میں سے ایک قبر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو مکہ میں تھی اور باقی چار مدینہ میں' ایک قبر حضرت خدیجہ کے بیٹے کی تھی جو نبی کریم ﷺ کی نگرانی اور تربیت میں تھے' ان کی قبر عبد الدار کی گلی اور بقیع میں بنو ہاشم کے دفن کی جگہ کے درمیان راستے کے بالائی حصے میں تھی۔ پھر عبد اللہ مزنی کی قبر جنہیں ذوالبجادین کہتے تھے پھر اُمِ رومان کی قبر جو سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھیں اور پھر حضرت علی کی والدہ سیّدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر۔

رہے ذوالبجادین تو رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کرتے ہوئے تشریف لائے اور ثنیۃ الغابر پر چلے تو راستہ میں رکاوٹ ہوئی' حضرت ذوالبجادین نے دیکھ لیا تو اپنے والد سے کہا: مجھے جانے دیجئے' میں انہیں راستہ بتا دوں' اس نے انکار کر دیا اور ان کے کپڑے چھین کر ننگا کر دیا' عبد اللہ نے بالوں سے بنا دھاری دار کپڑا شرمگاہ پر ڈالا اور دوڑ کر آپ کی طرف گئے' رسولِ اکرم ﷺ کی سواری کی لگام پکڑی۔ اس کے بعد انہوں نے ذوالبجادین کے حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ

آ نے' ان کے وصال اور دفن کا ذکر کیا اور پھر کہا: رہی حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کی قبر تو حضرت عبد العزیز کے مطابق حضرت محمد بن علی کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ کا آخری وقت ہوا اور حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: جب یہ فوت ہو جائیں تو مجھے اطلاع دے دینا اور پھر جب وہ فوت ہو گئیں تو حضور ﷺ تشریف لے گئے اور قبر تیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ مسجد میں اس جگہ قبر بنائی گئی جو آج کل قبر فاطمہ کے نام سے مشہور ہے پھر لحد تیار کی گئی' بغلی لحد نہیں بنا' جب قبر تیار کر لی گئی تو آپ قبر میں اُترے اور لیٹ گئے اور قرآن کی تلاوت فرمائی پھر اپنی قمیص اُتاری اور فرمایا کہ یہ انہیں پہنا دو' پھر ان کی قبر کے قریب ہی ان کا جنازہ پڑھایا اور نو تکبیریں کہیں اور پھر فرمایا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے علاوہ کوئی اور قبر کی تنگی سے نہیں بچ سکا' پوچھا گیا' یا رسول اللہ! قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں بچ سکے؟ فرمایا' قاسم تو کجا' ابراہیم بھی نہیں بچے حالانکہ حضرت ابراہیم ان سے چھوٹے تھے۔

میں کہتا ہوں' ان کے قول ''فی موضع المسجد '' سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی قبر پر مسجد تھی جو اس زمانے میں سب کو معلوم تھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: عین اس وقت جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے' ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی' یا رسول اللہ! حضرت علی' جعفر اور عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی والدہ فوت ہو گئیں' آپ نے فرمایا: میری ماں کا معاملہ سنبھالو' اس وقت آپ کے صحابہ کی حالت یہ تھی کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہوں۔ پھر جب ہم دروازے پر پہنچے تو آپ نے قمیص اُتاری اور فرمایا: جب انہیں غسل دے لو تو کفن کے نیچے انہیں یہ قمیص پہنا دو اور پھر جب ان کا جنازہ اُٹھا کر چلے تو حضور ﷺ کبھی کبھی کندھا دیتے جاتے' کبھی اگلی طرف اور کبھی پچھلی طرف اور یوں ہم قبر کی جگہ پہنچ گئے' آپ قبر میں لیٹے اور پھر نکل آئے اور فرمایا' اللہ کے نام کی برکت اور اس کے آسرے' پر دفن کر دو اور وہ دفنا چکے تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے میری پالنے والی ماں' اللہ آپ کو بہتر جزاء دے' آپ میری پیاری ماں تھیں اور مجھے خوب پالا تھا۔'' راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا آپ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ ! آپ نے دو ایسے کام کئے ہیں جو اس سے قبل کبھی نہیں کئے تھے۔ فرمایا' کون سے؟ عرض کی: ایک تو آپ نے ان کے لئے قمیص اُتاری اور دوسرے ان کی قبر میں لیٹے! فرمایا: قمیص دینے کا مقصد تو یہ تھا کہ انہیں انشاء اللہ تعالیٰ آگ کبھی نہ چھو سکے گی اور رہا لحد میں میرا لیٹنا تو اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو وسیع فرما دے۔

ابن عبد البر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ جب حضرت علی کی والدہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص انہیں پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے' صحابہ نے عرض کی کہ آج آپ نے وہ کام کیا جو کبھی نہیں کیا' فرمایا: حضرت علی کے بعد ان کے علاوہ مجھ پر اس قدر بھلائی کسی اور کی نہ تھی' میں نے اس لئے انہیں قمیص پہنائی کہ انہیں جنتی پوشاک پہنائی جائے اور ان کے ساتھ لیٹا اس لئے کہ ان سے آسانی برتی جائے۔

کبیر اور اوسط کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد

کا وصال ہوا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سرہانے بیٹھ گئے' پھر فرمایا: میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ پھر انہوں نے آپ کی تعریف کا ذکر کیا اور اپنی چادر میں کفن دینے کا بتایا' حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اُسامہ بن زید' ابو ایوب انصاری' عمر بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر قبر تیار کرنے کا حکم فرمایا اور وہ لحد تک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے خود کھدائی کی اور اپنے ہاتھ سے مٹی نکالی اور جب اس سے فارغ ہو گئے تو آپ قبر میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا: اللہ وہ ذات ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے' خود زندہ ہے' اسے موت نہیں آئے گی' الٰہی! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی بخشش فرما' اپنے نبی اور پہلے انبیاء کے صدقے میں ان کی قبر کو کشادہ فرما کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے' پھر جنازہ میں چار تکبیر کہیں اور پھر حضرت عباس' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لے کر آپ نے انہیں لحد میں داخل کیا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابن زبالہ کے مطابق حضرت حمید بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف قریب المرگ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ اور اپنی دونوں ساتھیوں کے قریب دفن ہونے کے لئے تیاری کرو' انہوں نے کہا کہ میں آپ کا گھر تنگ نہیں کرنا چاہتا' میں نے حضرت ابن مظعون سے عہد کر رکھا تھا کہ ہم میں جو بھی پہلے فوت ہو تو دوسرا اپنے ساتھی کے پہلو میں دفن ہو گا۔ آپ فرماتی ہیں: انہیں میرے پاس لے آؤ چنانچہ لایا گیا تو آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ اگر وہ مدینہ میں فوت ہو جائیں تو انہیں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا جائے اور جب وہ فوت ہو گئے تو دارِ عقیل کے مشرقی کونے پر ان کی قبر بنائی گئی اور وہاں دفن کر دیے گئے' ان پر ایک چادر ڈالی گئی' مجھے یہ شک رہا کہ اس میں سونے کی تار تھی یا نہیں۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابن شبہ کے مطابق ابن دھقان کہتے ہیں' مجھے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلایا تو میں ان کے ساتھ بقیع کی طرف گیا' وہ میخ لے کر نکلے تھے اور جب عقیل کے شمال مشرقی کونے کی جگہ پہنچے تو مجھے قبر کھودنے کو کہا' میں نے شروع کر دی اور زمین کی گہرائی تک کھود دی۔ پھر جب میں زمین کے نچلے حصے تک پہنچا تو انہوں نے وہاں میخیں گاڑ دیں اور کہا: اگر میں فوت ہو جاؤں تو انہیں بتا دینا کہ مجھے یہاں دفن کریں چنانچہ جب وہ فوت ہو گئے تو میں نے یہ بات ان کے لڑکے سے کہی چنانچہ ہم نکلے تو میں نے انہیں اس جگہ کی نشاندہی کر دی' انہوں نے وہ میخیں دیکھیں تو وہیں قبر تیار کر کے انہیں دفن کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابن سعد کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ مجھے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے پاس دفن کر دینا۔

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے' سال وصال ۳۲ھ تھا۔

حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

رسول اللہ ﷺ سے قبل یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے' اولین مہاجرین میں سے دو ہجرتوں والے تھے' انہیں اُحد کے دن زخم لگا اور اسی کی وجہ سے مدینہ میں فوت ہوئے۔

ابو عبد اللہ محمد بن یوسف زرندی مدنی اپنی ''سیرت'' میں لکھتے ہیں کہ آپ ہجرت کے تیسرے سال فوت ہوئے اور حضرت عثمان بن مظعون کے قریب دفن ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے قبل اسی سال شعبان میں فوت ہو چکے تھے اور ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان ۲ھ میں فوت ہوئے تھے اور جو ہم نے حضرت خنیس کے بارے میں لکھا ہے کہ اُحد کے بعد وہ اُحد میں زخم لگنے کی وجہ سے فوت ہوئے تھے' اس پر ابن عبد البر کا یقین ہے' علامہ ذہبی نے بھی انہی کی پیروی کی تاہم جو کچھ تیسرے باب کی بارہویں فصل میں گذرا کہ واقعہ اُحد بالاتفاق ۳ھ کو ہوا تھا' کچھ ۴ھ کہتے ہیں اور حضور ﷺ نے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیح روایت کی بناء پر ۳ھ میں نکاح کیا تھا اور بعض کہتے ہیں ۲ھ میں کیا تھا' یہ ابن عبد البر پر اعتراض بنتا ہے لہٰذا جو کچھ ابن عبد البر نے یقین سے کہا ہے' صحیح نہیں ہاں اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ خنیس نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی ہو' جیسے ذہبی کہتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ابن عبد البر کو وہم ہوا ہے کیونکہ انہوں نے لکھا: ''خنیس اسی زخم کی وجہ سے اُحد میں شہید ہوئے۔'' حالانکہ وہ اس سے قبل مدینہ میں فوت ہو چکے تھے چنانچہ ابن سیّد الناس لکھتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ وہ اپنی عمر کے پچیس سال کے آخر میں مدینہ کے اندر فوت ہوئے اور یہ واقعہ بدر سے واپسی پر گذرا تھا۔

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

آپ بیعت عقبہ کے دونوں موقعوں پر موجود تھے' آپ کی ولادت ہجرت کے پہلے سال اس وقت ہوئی جب مسجد بنائی جا رہی تھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے بتایا: میں عرصہ سے سنتا آیا ہوں کہ حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت اسعد بن زرارہ کی قبر بقیع میں روحاء کے مقام پر ہے' روحاء بقیع کے درمیان میں ایک قبر تھی۔ جس کی طرف ہر جانب سے راستے تھے۔

میں کہتا ہوں' مناسب یہ ہے کہ بقیع میں حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کے

دوران ان سب پر سلام پڑھے۔

حضرتِ سیّدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک

یہاں سیّدہ فاطمہ بنت رسول ﷺ، ان کے دونوں بیٹوں اور بنو ہاشم میں سے جن کی قبروں کے رُخ کا پتہ چل سکا اور آپ کی والدہ وغیرہ کی قبروں کا بیان ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن علی بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر دارِ عقیل کے یمنی کونے میں بقیع کی طرف تھی پھر معوذ بن حویطب اور فضل بن ابی رافع کہتے ہیں کہ ان کی قبر نبیہ کی گلی کے سامنے تھی اور یہ دارِ عقیل کے کونے کے قریب تھی پھر حضرت عمر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ ان کی قبر اس گلی کے سامنے تھی جو دارِ عقیل کے کونے سے ملتا تھا۔غسان بن معاویہ بن ابو مزاد کہتے ہیں کہ انہوں نے وہاں سے پیائش کی جہاں کا اشارہ عمر بن علی نے کیا تھا تو وہ ''قناۃ'' کی طرف پندرہ ہاتھ تھی۔علاوہ ازیں عفرہ کے غلام عمر بن عبد اللہ نے کہا کہ ان کی قبر دارِ عقیل کے کونے کے برابر اس طرف تھی جو دارِ ابی نبیہ سے ملتا تھا۔پھر حضرت عبد اللہ بن ابو رافع سے روایت ہے کہ ان کی قبر دارِ عقیل اور دار ابی نبیہ کی درمیانی گلی کے موڑ پر تھی۔پھر اسماعیل نے اس کے راوی کے بارے میں کہا کہ انہوں نے وہاں سے پیائش کی جہاں کی ان کے والد نے نشاندہی کی تھی تو قبر اور اس قناۃ کے درمیان جو دارِ عقیل میں تھا' تیئیس (۲۳) ہاتھ کا فاصلہ تھا اور دوسرے قناۃ کے درمیان سینتیس (۳۷) ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

ابو غسان کے مطابق کسی پختہ شخص نے کہا: وہ مسجد جس کی مشرقی جانب بچوں کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں' ایک سیاہ رنگ کی عورت کا خیمہ تھا جسے رقیہ کہتے تھے' اسے وہاں نشانی کے طور پر حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بنایا تھا کہ قبر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پتہ چل سکے' اس مسجد کے علاوہ اس کی اور کوئی علامت نہ تھی۔

حضرت جعفر کے والد محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انہی کے اس گھر میں دفن کر دیا تھا جو مسجد میں داخل کر لیا گیا تھا چنانچہ ان کی قبر مسجد کے اس دروازے کے سامنے تھی جو دارِ اسماء بنت حسین بن عبد اللہ کے سامنے تھا یعنی یہ وہی دروازہ تھا جو باب النساء کے شمال مشرق میں تھا' ابن شبہ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو غلط قرار دیتا ہوں کہ کیونکہ اس کی سند اور جگہ ملتی ہے اور پھر عبادل کے غلام فائد نے روایت کی (یہ سچ بولنے والے تھے) کہ عبید اللہ بن علی نے اپنے اہل بیت میں سے کسی سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا تھا' مجھے قبرستان میں میری والدہ کے پہلو میں دفن کر دینا' چنانچہ قبرستان ہی میں انہیں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں اس خوخہ (چھوٹا سا دروازہ) کے سامنے دفن کیا گیا جو دارِ نبیہ بن وھب کے سامنے تھا' ان کی قبر اور خوخۂ نبیہ کے درمیان لوگوں کے گذرنے کا راستہ تھا اور میرے خیال میں وہ سات ہاتھ چوڑا تھا۔

فائد کہتے ہیں' مجھے معتقد حفار (قبریں کھودنے والا) نے بتایا کہ قبرستان کے اندر دو برابر قبریں تھیں جو پتھر سے

بنی تھیں، ایک حسن بن علی کی اور دوسری سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی، ہم اسے حرکت نہ دیتے تھے اور جب امیر مدینہ حسن بن زید کا دور آیا تو بنو محمد بن عمر بن علی ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آل عقیل کے مقابلے میں ان کی اس قناۃ کے بارے میں مدد مانگی جو قبرستان میں ان کے گھروں سے باہر تھی، وہ کہنے لگے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر اس قناۃ کے قریب ہے چنانچہ وہ یہ جھگڑا لے کر حضرت حسن کے پاس پہنچے، حسن نے مجھے بلایا اور مجھ سے اس بارے میں پوچھا جس پر میں نے عبید اللہ بن ابی رافع کے اور اپنے باقی اہل اور پھر حسن بن علی کے بارے میں بتایا اور ان کا یہ قول بتایا کہ ''انہیں ان کی والدہ کے پہلو میں دفن کرنا'' پھر میں نے منقد حفار سے حضرت حسن کی قبر کے بارے میں بتایا کہ اسے دیکھا تھا جو مطابق تھی، اس پر حسن بن زید نے کہا، میرا خیال بھی وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو اور پھر آل عقیل کے قناۃ کا بھی اقرار کیا پھر ابن شبہ کے مطابق حضرت جعفر بن محمد کہتے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر ان کے اس گھر میں تھی جسے عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں داخل کر لیا تھا، وہ کہتے ہیں، مجھے ایک کتاب ملی جس میں ابو غسان کی طرف سے لکھا گیا تھا کہ حضرت عبد العزیز بن عمران کہتے تھے کہ انہیں ان کے گھر میں دفن کیا گیا اور ان سے وہی معاملہ کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تھا یعنی انہیں ان کی چارپائی کی جگہ دفن کیا گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہیں رات کے اندھیرے میں دفن کیا گیا لہٰذا کسی کو پتہ نہ چل سکا۔

فوت شدہ کو اُٹھانے کے لئے تختہ کا رواج کب پڑا؟

پھر ابن شبہ نے اسے رد کرنے کا اشارہ دیا کہ انہیں ابو عاصم نبیل نے بتایا: کھمس بن حسن نے کہا، مجھے یزید نے بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد کے بعد غمزدہ رہنے لگیں اور ستر رات دن یونہی گذر گئے، پھر فرمایا کہ میں اپنے جسم کی خدا داد عظمت کے پیش نظر کل مردوں کے کندھوں پر جانے سے حیاء کرتی ہوں کیونکہ لوگ مردوں کو بھی یونہی اُٹھاتے تھے جیسے عورتوں کو اُٹھاتے تھے چنانچہ اسماء بنت عمیس یا اُم سلمہ نے کہا، میں نے حبشہ میں ایک کام ہوتے دیکھا ہے چنانچہ فوت شدہ لوگوں کے لئے تختہ بنایا گیا جس کا بعد میں رواج ہو گیا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو رافع کی بیوی سلمٰی کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ کو بخار آ گیا چنانچہ ان کی حالت تبدیل ہونے لگی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو وہ کہنے لگیں، اے ماں! مجھ پر پانی ڈالتی جاؤ، پھر کھڑی ہوئیں اور خوب اچھی طرح غسل کیا اور کہا کہ اچھے اچھے کپڑے لے آؤ، انہوں نے کپڑے دے دئے تو انہوں نے پہن لئے اور پھر اس گھر میں آ گئیں جس میں رہتی تھیں اور کہا: مجھے گھر کے درمیان چارپائی پر لٹا دو، انہوں نے چارپائی درمیان میں کر دی۔ وہ لیٹ گئیں اور چہرہ کعبے کو کر لیا، اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور کہا: اے میری ماں! اب میری روح نکل رہی ہے، میں نے غسل کر لیا ہے لہٰذا کوئی مجھ سے کپڑا نہ ہٹائے۔ کہتے ہیں کہ وہیں آپ کی روح نکل گئی، اتنے میں حضرت علی آ گئے تو حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں بتایا، اس پر انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں، کپڑا کوئی

نہ ہٹا سکے گا چنانچہ انہوں نے اسی غسل میں انہیں اُٹھایا اور دفن کر دیا۔ پھر اس کے بعد ابن شبہ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ میں نے اور حضرت علی بن ابو طالب نے بنت رسول ﷺ کو غسل دیا تھا۔ بیہقی کے مطابق حضرت اسماء بنت عمیس کہتی ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کی تھی کہ انہیں میں اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل دیں چنانچہ ان دونوں ہی نے دیا تھا پھر اس کے بعد لکھا کہ یہ محل نظر ہے کیونکہ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت فاطمہ کے وصال کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ حدیث بخاری میں آ چکا کہ حضرت علی نے انہیں رات ہی میں دفن کیا تھا اور حضرت ابوبکر کو اطلاع نہیں دی تھی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے علم کے بغیر ان کی بیوی انہیں غسل دیتی۔

خلافیات میں انہوں نے اس کا جواب یہ دیا' ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو پتہ چل گیا ہو اور انہوں نے یہ بات پسند نہ کی ہو کہ جو بات حضرت علی چھپا رہے ہیں' اسے ردّ کر دیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں' ان دونوں روایات کو یوں اکٹھا کیا جا سکتا ہے: ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر کو وفات کا علم ہو گیا ہو لیکن انہوں نے خیال یہ کیا ہو کہ ابھی حضرت علی انہیں رات ہی میں دفن کے لئے بلائیں گے اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ بن بلائے وہ خود آ جائیں گے۔

بنت عمیس کی اس حدیث کو احمد اور ابن منذر نے بطور دلیل پیش کیا ہے اور ان دونوں کے اسے ٹھوس جاننے میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لہٰذا وہ بات باطل ٹھہرے گی جس میں انہوں نے روایت کیا کہ انہوں نے خود غسل کر لیا تھا اور یہ وصیت کر دی تھی کہ دوبارہ انہیں غسل نہ دیا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ بہرصورت حدیث بنت عمیس کو اوّلیت حاصل ہے کیونکہ ایسی دلیلیں موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ میت کو بہرصورت غسل دینا واجب ہے اور حدیث میں یہ نہیں ملتا کہ حضرت ابوبکر کو آپ کی وفات کا علم نہ ہو سکا بلکہ حضرت علی نے انہیں بتائے بغیر ہی آپ کو دفن کر دیا تھا۔

ابن عبد البر نے حدیث اسماء پورے طور پر بیان کی ہے جس میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر کو سیّدہ کی وفات کا علم تھا۔ پھر عمارہ بن مہاجر کے مطابق حضرت اُمِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہا تھا: اے اسماء میں اسے برا جانتی ہوں جو عورتوں سے کیا جاتا ہے' عورتوں پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے اور اسے صفہ پر لے جاتے ہیں۔ اس پر حضرت اسماء نے کہا: اے بنت رسول اللہ! کیا میں آپ کو ایک ایسی شے نہ دکھاؤں جسے میں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا ہے؟ پھر انہوں نے کھجور کی کچی تازہ ٹہنیاں منگوائیں اور انہیں موڑ کر ان پر کپڑا رکھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ تو بہت عمدہ ہے' اس کی بناء پر مردوں سے عورت کا امتیاز دکھائی دیتا ہے چنانچہ جب میں فوت ہو جاؤں تو آپ اور علی مجھے غسل دیجئے گا' کوئی اور اندر نہ آنے پائے اور جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں' حضرت اسماء نے کہا: آپ اندر نہ آئیں' انہوں نے حضرت ابوبکر سے شکایت کی کہ یہ خثعمی خاتون ہمارے اور بنت رسول ﷺ کے درمیان آ رہی ہیں حالانکہ میں ان کے لئے ایک دلہن

جیسا ھودج بنا چکی ہوں۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے' کہنے لگے: اے اسماء! تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بنتِ رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روک رہی ہو؟ اور پھر انہوں نے تو ان کے لئے دُلہن جیسا ھودج تیار کر رکھا ہے۔ انہوں نے کہا: آپ ہی نے تو مجھے کہا تھا کہ کسی کو ان کے پاس آنے نہ دینا۔ میں نے حضرت فاطمہ کی زندگی میں انہیں یہ دکھایا تھا جو انہوں نے تیار کیا ہے' اس پر انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کے لئے ایسا بنا دوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا' تم وہی کرو جس کے بارے میں میں تمہیں کہہ رہا ہوں اور یہ کہہ کر واپس آ گئے' اس کے بعد حضرت اسماء اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں غسل دیا۔ علامہ دولابی نے مختصر طور پر اس کا معنیٰ بیان کیا ہے' اس میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ خوبصورت تختۂ میت دکھایا تو خوش ہوئیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اس دن کے علاوہ کبھی بھی مسکرائی نہ تھیں پھر انہوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ نے حضرت علی کو وصیت کی تھی کہ آپ اور اسماء مجھے غسل دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ وصیت کی ہو۔

ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلامی دور میں سب سے پہلی وہ خاتون ہیں کہ جن کی نعش کو صفہ پر ڈھانپا گیا تھا' ان کے بعد حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا۔

وصالِ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ رمضان منگل کی شب ۱۱ھ کو وصال فرما گئی تھیں اور انہوں نے اپنے شوہر کو اشارہ کر دیا تھا کہ انہیں رات کی تاریکی میں دفن کریں۔

میں کہتا ہوں' شاید ان کا مقصد انتہائی پردہ داری تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اطلاع نہیں دی گئی تھی اور اسی کے ساتھ ان کے بقیع میں دفن ہونے کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہی وہ مقصد ہے جس کی بناء پر ابن زبالہ نے ایسی روایات اکٹھی کی ہیں جو یہ بات بتا سکیں۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے کچھ بیٹوں کی قبریں

علامہ مسعودی ''مروج الذھب'' میں لکھتے ہیں کہ ابو عبد اللہ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وفات ۱۴۸ھ کو ہوئی اور بقیع میں وہ تنہا اپنے والد کے ساتھ دفن ہوئے۔ مسعودی کہتے ہیں کہ یہاں بقیع میں ان کی قبروں پر پتھر کی تختی لگی ہوئی تھی جس پر یہ لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ مبید الأمم و محی الرمم ھذا قبر فاطمۃ بنت

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سیّدۃ نساء العالمین و قبر الحسن بن علی و علیؑ بن الحسین بن علی و قبر محمد بن علی و جعفر بن محمد علیہم السلام۔

انتہی۔ پھر ان کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ جب انہوں نے مزارات کی زیارت کی تو ۳۳۲ھ تھا۔

خلیفہ متوکل باللہ نے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک کو گرانے کا حکم دیا

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر سلف صالحین کی قبروں کی معین جگہ سے لاعلمی کی اصل وجہ یہ رہی کہ وہ قبروں پر اینٹیں وغیرہ لگاتے تھے اور نہ ہی اس پر چونا سے پلستر کرتے تھے اور مزید یہ کہ اہل بیت کے ساتھ شروع سے آج تک امیر اور حکمران دشمنی رکھتے چلے آئے ہیں چنانچہ مسعودی نے لکھا ہے کہ خلیفہ متوکل نے ۲۳۶ھ میں نوبرج کے نام سے مشہور شخص کو حکم دیا کہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف جائے' اسے گرائے اور زمین کھود کر اس کا نشان تک مٹا دے اور جو وہاں موجود ہو' اسے سزا دے اور جو یہ کام کریں' انہیں بہت سے تحفے دے لیکن سب سزائے الٰہی سے ڈر گئے اور اس کام سے رُک گئے۔ اس پر زبرج نے کدال لیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک قبر کا اوپر والا حصہ گرا دیا اور پھر یہ عادت بنا لی گئی' وہ قبر مبارک کی لحد تک گئے لیکن وہاں انہیں ہڈی وغیرہ تک بھی نظر نہ آئی۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا کہ اسی دوران خلیفہ مستنصر باللہ کا دور آ گیا۔ انتہی۔

اس پچھلے مضمون سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ قابلِ بھروسہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک قبر کا بقیع میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ہونا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ ان کے گھر میں ہے' اس کے پیش نظر دو باتیں سامنے آتی ہیں' ایک تو یہ کہ مسجد سے اس کی جگہ وہ ہے جو دارِ اسماء بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے ہے یعنی باب النساء کی شامی (شمالی) جانب اور یہ بات بہت بعید ہے اور دوسری وہ جسے عز بن جماعہ نے ذکر کیا اور کہا: سب سے ظاہر قول یہ ہے کہ قبر مبارک ان کے گھر میں ہے اور وہ لکڑی کے محراب کی جگہ تھی جو حجرۂ مقدسہ کی پچھلی طرف لوہے کی جالی (مقصورہ) کے اندر ہے چنانچہ میں نے حجرۂ مبارکہ پر مقرر خادموں کو دیکھا ہے کہ وہ محراب اور حجرۂ مبارکہ کے قابلِ زیارت تکونی حصے میں قدم رکھنے سے سخت پرہیز کرتے ہیں' ان کا گمان یہی ہے کہ یہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک ہے۔

پھر چوتھے باب کی انیسویں فصل میں گذر چکا ہے کہ جب انہوں نے بڑے گنبد کے ستونوں کی بنیاد رکھی تو وہاں ایک زائد ستون کی بھی بنیاد رکھی جو حجرۂ مبارکہ کی پچھلی طرف مثلث جیسے حصے کے مشرقی پہلو کے نزدیک بنایا گیا چنانچہ وہاں ایک ایک قبر کی لحد دکھائی دی اور کچھ ہڈیاں بھی ملیں اور اس دن لوگوں نے ایک بھیانک وقت دیکھا جس کے بارے میں مجھے شیخ الخدام سیفی قائم وغیرہ نے اطلاع دی۔ علاوہ ازیں ابن جماعہ نے قبر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں دو اور قول بھی لکھے ہیں' ایک یہ کہ اس جگہ وہ صندوق ہے جو ریاض الجنہ میں امام کے مصلّے کے سامنے ہے' وہ

کہتے ہیں کہ یہ بات تو بعید از قیاس ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اُن کی اس بات کا اصل میں معلوم نہیں کر سکا تو شائد اس کے قائل کو اس محراب کا شبہ پڑ گیا ہے جو ان کے گھر کی جگہ ہے کیونکہ وہاں بھی حوض کی طرح کا ویسا ہی مصلّٰی ہے جیسے ریاض الجنہ میں ہے اور اس کے سامنے صندوق ہے اور وہی مذکور محراب ہے لیکن چوتھے باب کی تیسری فصل میں گذر چکا کہ جب انہوں نے چلے ہوئے صندوق کی جگہ اس ستون کی بنیاد رکھی جہاں مصلاّئے نبوی کا محراب تھا اور وہ امام کا مصلّٰے تھا تو وہاں انہوں نے قبر دیکھی جس کی لحد اینٹوں سے بند کی گئی تھی' انہوں نے وہاں سے کچھ ہڈیاں نکالیں جبکہ پہلے لوگوں نے اس کے نزدیکی ستون کی بنیاد ختم کر دی تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بقیع میں موجود مسجد میں ہے جو آپ کے نام سے منسوب ہے یعنی جو حضرت عباس کے گنبد کے قریب ہے اور قبلہ کی طرف سے مشرق کی طرف مائل جگہ پر ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''زیارۃ البقیع'' کے بیان میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا: ''مستحب یہ ہے کہ روزانہ رسول اللہ ﷺ پر سلام پیش کر کے بقیع کی طرف جائے۔'' اور پھر قابلِ زیارت قبروں کا ذکر کیا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: مسجدِ فاطمہ میں نفل پڑھے۔ان کے علاوہ اوروں نے بھی یہ بات لکھی ہے اور کہا ہے کہ: یہی جگہ ''بیت الحزن'' کہلاتی ہے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد گرامی کے غم میں یہاں کچھ دنوں تک ٹھہری تھیں۔تاہم انہوں نے سیّدہ کے یہاں دفن کے بارے میں کچھ نہیں لکھا حالانکہ ان کا یہ قول' ان کے بقیع میں دفن ہونے کے قول کی گویا ایک شاخ ہے لیکن پہلی روایتوں سے بعید ہے کیونکہ یہ جگہ دارِ عقیل اور قبرِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بہت دور ہے۔

حضرت محبّ طبری ''ذخائر العقبیٰ فی فضائل ذوی القربیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ مجھے ایک دینی بھائی نے بتایا کہ حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ جب بقیع کی زیارت کو جاتے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گنبد کے قبلہ میں سامنے کھڑے ہو کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام پیش کرتے اور بتاتے کہ انہیں اس جگہ قبر مبارکہ سے کشف کا موقع ملا ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں کہ میرا یہی عقیدہ رہا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میرے شیخ سچ کہتے ہیں' اسی دوران مجھے اس بات کا پتہ چل گیا جو ابن عبد البر نے کہی تھی کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فوت ہوئے تو اپنی والدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن ہوئے تھے چنانچہ میرے یقین میں اضافہ ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول سب اقوال سے اوّلیت رکھتا ہے۔واللہ اعلم۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان سے قریبی قبریں

یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے بقیع کو لے جانے کا بیان ہوگا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبادل کے غلام فائد نے بتایا کہ انہیں عبیداللہ بن علی نے گذرے ہوئے گھر والوں کی خبر دی کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیٹ کی تکلیف ہوئی اور پورے طور پر اثر ہوگیا اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ فوت ہو جائیں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام بھیجا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن ہونے کی اجازت دیں' انہوں نے فرمایا' ٹھیک ہے' صرف ایک قبر ہی کی جگہ باقی ہے۔ جب بنو امیہ نے یہ بات سنی تو وہ اور بنو ہاشم زرہیں پہن کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے' بنو امیہ نے کہا: بخدا یہاں کبھی بھی دفن نہ ہو سکیں گے۔

یہ بات حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے اہل خانہ کو کہلا بھیجا کہ اگر ایسی صورت ہے تو مجھے یہاں دفن ہونے کی کوئی ضرورت نہیں' مجھے میری والدہ کے پاس ہی قبرستان میں دفن کر دینا چنانچہ انہیں ان کی والدہ کے پہلو ہی میں قبرستان کے اندر دفن کیا گیا۔

نوفل بن فرات کی روایت بھی یونہی ہے البتہ اس میں ہے کہ حضرت امام حسن نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا' شاید یہ لوگ یہاں دفن کرتے وقت تمہیں ویسے ہی روکیں گے جیسے ہم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں دفن ہونے سے روک دیا تھا' مروان بن حکم ان دنوں امیر مدینہ تھے' انہوں نے حضرت عثمان کو گھر دفن کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے روک دیا اور اگر وہ ایسا کریں تو جھگڑنے کی ضرورت نہیں' مجھے بقیع الغرقد میں دفن کر دینا پھر انہوں نے مروان کے منع کرنے کا ذکر کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جب یہ بات پہنچی تو انہوں ہتھیار لگا لئے اور مروان نے بھی ہتھیار لگا لئے' اسی دوران ایک شخص حضرت امام حسین کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبداللہ! کیا آپ اپنے بھائی کو دفن کرنے سے پہلے ان کی بے فرمانی کرو گے؟ کہتے ہیں کہ آپ نے ہتھیار اُتار دئے اور انہیں بقیع الغرقد میں دفن کر دیا۔

ابن عبد البر کی ایک روایت یہ ہے کہ جب انہوں نے ہتھیار لگا لئے تو یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئی' انہوں نے کہا' بخدا یہ تو ظلم ہے کہ حضرت امام حسن کو ان کے بابا کے پاس دفن ہونے سے منع کیا گیا ہے' بخدا وہ تو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں' پھر آپ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے' ان سے بات کی' انہیں قسم دی اور کہا: کیا آپ کے بھائی نے نہیں کہا تھا کہ اگر آپ کو کوئی خوف ہو کہ قتل و غارت ہو گی تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا؟ سلسلہ چلتا رہا اور آخر انہوں نے وہی کچھ کر دیا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفن ہونے والوں کے نام

ابن نجار نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی قبر میں ان کے بھتیجے امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' ابو جعفر الباقر محمد بن زین العابدین تھے اور حضرت جعفر الصادق بن باقر تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور غزالی نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بقیع میں دفن ہونا

حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو روق کی روایت لی ہے' کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم اطہر اُٹھایا اور بقیع میں دفن کر دیا۔

میں کہتا ہوں' یہ اتفاق کی بات ہے کہ آٹھ سو ساٹھ سے کچھ اوپر سال تھے کہ حضرت حسن اور عباس کے مزارات کے قبلہ والی جانب سامنے قبر تیار کی گئی تو انہوں نے اس دوران ایک حوض سا دیکھا جس میں لکڑی کا تابوت تھا جسے کسی سرخ شے میں ڈھانپا گیا تھا اور اس میں کیل لگے تھے جو سفید اور چمکدار تھے' انہیں زنگ بھی نہیں لگا تھا' لوگوں نے تعجب کیا کہ انہیں زنگ بھی نہیں لگا تھا اور وہ پردہ بھی بوسیدہ نہیں ہوا تھا۔

مجھے بہت سے ایسے لوگوں نے بتایا جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اس حوض میں داخل ہونے کی جگہ پر پرانے پتھر تھے۔شاید اس تابوت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم ہو۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سر کا دفن کرنا

حضرت محمد بن سعید کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے حضرت امام حسین کا سر انور عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا' یہ اس وقت ان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا چنانچہ اس نے اسے کفن دیا اور بقیع میں ان کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس دفن کر دیا لیکن ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور یزید کے خزانے میں دیکھا تو اسے کفن دے کر باب الفرادیس کے پاس دمشق میں دفن کر دیا' کچھ حضرات نے اور بھی لکھا ہے تاہم ان میں سے جہاں بھی جائے' سلام کرنے میں حرج نہیں۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک

ابن شبہ کے مطابق عبد العزیز کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب کو حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے پاس بنو ہاشم کی ان قبروں کی ابتداء ہی میں دفن کیا گیا جو دارِ عقیل میں تھیں۔عبد العزیز کہتے ہیں' میں نے کسی سے سنا' کہ انہیں بقیع کے مقام پر قبرستان کے درمیان میں دفن کیا گیا تھا۔

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر

ابن شبہ کے مطابق حضرت صفیہ فوت ہوئیں تو انہیں اس گلی کے آخر میں دفن کیا گیا جو بقیع کی طرف جاتی تھی' انہیں دار مغیرہ بن شعبہ کے دروازے کے پاس دفن کیا گیا تھی جو انہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور جاگیر دیا تھا اور وہ اس دروازے سے متصل تھا۔ حضرت عبد العزیز کہتے ہیں: مجھے پتہ چلا کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے اس وقت گذرے جب وہ اپنا گھر تعمیر کر رہے تھے' انہوں نے کہا: اے مغیرہ! میری ماں کی قبر سے دھاگا (سوتر) اُٹھا لو' چنانچہ انہوں نے وہاں سے اپنی دیوار اندر کی طرف کر لی اور وہ دیوار اب تک ان کے گھر کے دروازے اور اس جگہ کے درمیان سے مڑی ہوئی ہے۔

حضرت عبد العزیز کہتے ہیں' میں نے ایک شخص سے سنا' وہ کہہ رہا تھا کہ حضرت مغیرہ نے دھاگا اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ حضرت عثمان کے ہاں ان کی حیثیت تھی چنانچہ حضرت زبیر نے تلوار اُٹھا لی اور عمارت کے پاس کھڑے ہو گئے' یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئی' انہوں نے حضرت مغیرہ کو پیغام بھیجا کہ وہی کچھ کریں جو حضرت زبیر کہہ رہے چنانچہ انہوں نے ان کی بات مان لی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن موسےٰ بن ابی عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حضرت مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر حضرت مغیرہ کے گھر کے کونے پر تھی اور جب انہوں نے اپنا گھر تعمیر کیا تو ارادہ کیا کہ دھاگا اس پر رکھ کر سیدھی کر لیں' اس پر حضرت زبیر نے کہا' یہ نہیں ہو سکتا' آپ میری ماں کی قبر پر عمارت نہیں بنا سکتے چنانچہ وہ اس کام سے رُک گئے۔

میں کہتا ہوں' مشہور یہ ہے کہ یہ وہی شہادت گاہ تھی جس کا ذکر بقیع کے دروازے کے باہر آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوسفیان بن عبد المطلب کی قبر

یہاں ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب کی قبر کا ذکر ہے اور حضرت عقیل اور ان کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں کے بارے میں بتایا جائے گا چنانچہ ابن شبہ کے مطابق عبد العزیز کہتے ہیں: مجھے پتہ چلا کہ حضرت عقیل بن ابو طالب نے ابوسفیان بن حارث کو قبروں میں پھرتے دیکھا تو کہا' اے چچا زاد بھائی! کیا بات ہے کہ میں یہاں آپ کو ایسے پھرتا دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ میں قبر کے لئے جگہ تلاش کرتا پھر رہا ہوں' انہوں نے انہیں اپنے گھر میں داخل کیا اور گھر کے صحن میں قبر کھودنے کو کہا' ابوسفیان کچھ دیر کے لئے قبر کے پاس بیٹھے اور پھر واپس چلے آئے۔ ابھی دو دن بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ فوت ہو گئے اور اسی قبر میں دفن کر دئے گئے۔

موفق بن قدامہ کہتے ہیں' حضرت ابوسفیان کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے اپنی موت سے تین دن پہلے خود اپنے ہاتھ سے اپنے لئے قبر کھود دی۔ کہتے ہیں' ان کی موت کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے حج کیا اور جب حجام نے

حجامت کی تو سر پر موجود مَسّہ (موہکا) کاٹ دیا' وہ زخم ختم نہ ہوا اور وہ ۲۰ھ میں حج سے واپسی پر فوت ہو گئے اور دارِ عقیل میں دفن ہو گئے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ ان کی قبر اسی شہادت گاہ کی جگہ پر ہے جو آج کل عقیل کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ابن زبالہ اور ابن شبہ نے حضرت عقیل کی قبر بقیع میں تسلیم نہیں کی اور یونہی امام غزالی نے بھی نہیں مانی کیونکہ انہوں نے ''الاحیاء'' میں جہاں بقیع کی زیارتوں کا ذکر کیا ہے' ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ جیسے ابن قدامہ وغیرہ نے بتایا ہے' وہ شام میں فوت ہوئے تھے' تب دورِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا' شہادت گاہ کی شہرت اس بناء پر تھی کہ یہ اس جگہ رہتے تھے' ہاں یہ ایک بعید احتمال بھی ہے کہ وہ شام میں فوت ہوئے ہوں اور انہیں یہاں لایا گیا ہو۔ یہاں ان کی شہادت گاہ کا ذکر سب سے پہلے ابن النجار نے کیا تھا چنانچہ کہا: عقیل بن ابو طالب برادرِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر بقیع کے شروع میں ایک گنبد کے نیچے ہے اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر طیار بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر ہے جو جواد کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابو الیقظان کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر جوادِ عرب کے ایک مشہور سخی تھے' وہ خاصی عمر کو پہنچ کر مدینہ میں فوت ہوئے لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ وہ فوت ہوئے تو ۹۰ھ کے اندر ''ابواء'' میں دفن ہوئے۔ کہتے ہیں' یہ دس سال کے تھے کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن عبید اللہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات خوخۂ نبیہ سے اس گلی تک بکھرے ہوئے ہیں جو سبزی منڈی کی طرف جاتی تھی۔ ابن شبہ نے حضرت سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کا ذکر کیا اور حضرت زید بن سائب سے یہ روایت بتائی کہ میرے دادا نے مجھے بتایا کہ جب حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر میں کنواں کھودا تو ایک پتھر نکلا جس پر لکھا تھا: ''قبرام حبیبہ بنت صخر بن حرب'' چنانچہ انہوں نے وہ کنواں اسی وقت بند کر دیا اور اس پر گھر بنا دیا۔ ابن السائب کہتے ہیں' میں اس گھر میں داخل ہوا تو وہ مزار دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں' یہ اور اس سے قبل کی روایت اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے مزارات اس مشہد میں ہیں جو ان کے نام سے مشہور ہے اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور کے قبہ میں ہیں اور بظاہر خوخۂ نبیہ اس مشہد کے مغرب میں ہے اور یونہی وہ گلی بھی جو سبز منڈی کی طرف جاتی تھی اور یوں ان میں سے کچھ مزارات حضرت حسن اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات کے قریب ہیں' اسی بناء پر ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن یحییٰ نے کہا' میں نے سنا کہ حضرت

اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار بقیع میں اس جگہ تھا جہاں محمد بن زید دفن ہیں اور یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب تھا' اسے کھودا گیا تو وہاں آٹھ ہاتھ گہرائی میں پتھر نکلا جو ٹوٹا ہوا تھا اور اس کے کچھ حصے پر یہ لکھا تھا' "ام سلمة زوج النبی ﷺ" چنانچہ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ ان کا مزار تھا۔ حضرت محمد بن زید نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ انہیں عین اسی جگہ دفن کریں اور آٹھ ہاتھ گہری قبر کھودیں چنانچہ اسی قدر کھود کر انہیں وہیں دفن کیا گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن علی بن حسن رافعی کہتے ہیں کہ محمد بن علی کے غلام سالم بانکی کے لئے قبر کھودی گئی تو ایک لمبا پتھر نکلا جس پر یوں لکھا تھا: "هٰذا قبر ام سلمة زوج النبی ﷺ" اور یہ مزار خوخۂ آل نبیہ بن وھب کے سامنے تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں مٹی ڈال دی گئی اور حضرت سالم کے لئے کسی دوسری جگہ قبر تیار کی گئی۔

حضرت حسن بن علی بن عبید اللہ بن محمد بن عمر بن علی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی منزل گرائی جو دارِ علی بن ابو طالب میں تھی تو وہاں سے ہم نے ایک پتھر نکالا جس پر یہ لکھا تھا: "هٰذا قبر رملة بنت صخر" وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عبادل کے غلام فائد سے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت حضرت اُمِ حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار تھا۔ یہ بات اس کے مخالف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کی قبر دارِ عقیل میں تھی' شائد انہیں "علی" کے نام سے غلطی لگی۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وصیت کی تھی کہ مجھے نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کے پاس دفن نہ کرنا بلکہ میری ساتھی دوسری اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔

عبادل کے غلام فائد بتاتے ہیں: مجھے منقد حفار نے کہا: قبرستان میں دو قبریں ہیں جو پتھر سے ایک جیسی بنی ہوئی ہیں اور وہ حضرت حسن اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہیں لہٰذا ہم انہیں ہلا نہیں سکتے۔

میں کہتا ہوں کہ اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن سب کی سب مدینہ میں دفن ہیں' صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "سرف" میں دفن ہیں۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

ابن شبہ کے مطابق حضرت زھری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت اُمِ حبیبہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئیں اور مسجد کے دروازے پر کھڑی ہوئیں' فرمایا' انہیں یہاں سے لے جاؤ ورنہ مجھے زبان سے کچھ نکالنا ہوگا' انہوں نے وہاں سے اُٹھا لیا اور جب شام ہوئی تو جبیر بن مطعم' حکیم بن حزام' عبد اللہ بن زبیر' ابوالجہم بن حذیفہ اور عبد اللہ بن حسل رضی اللہ تعالیٰ عنھم آئے' انہوں نے جنازہ اُٹھایا اور بقیع میں لے گئے' وہاں انہیں ابن بحرہ نے دفن کرنے سے روکا' یہ بھی کہتے ہیں کہ ابن نحرہ ساعدی نے روکا تھا چنانچہ انہیں حش کوکب والے قبرستان میں لے جایا گیا' یہ مدینہ میں ایک

باغ تھا' حضرت جبیر نے ان کی نماز جنازہ پڑھی' انہیں دفن کیا اور واپس چلے آئے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ انہیں بقیع میں دفن کرنے سے اسلم بن اوس بن بجرہ ساعدی نے روکا تھا چنانچہ وہ انہیں حش کوکب کی طرف لے گئے' حکیم بن حزام نے جنازہ پڑھایا تھا۔ بنو امیہ نے حش کوکب کو بقیع میں شامل کر لیا۔

حضرت اُمِ حکیمہ کہتی ہیں کہ میں ان چار لوگوں کے ہمراہ تھی جنہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا تھا' جبیر بن مطعم' حکیم بن حزام' ابوجہم بن حذیفہ اور نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہوں نے دروازے پر انہیں اُٹھایا اور میں ان کا سر دروازے پر لگنے کی آواز سن رہی تھی اور لے کر انہیں حش کوکب پہنچے جہاں دفن کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ''حش کوکب'' باغ میں ایک جگہ تھی جو بقیع کی مشرقی جانب تھا' اسے خضراء ابان کہتے تھے۔ یہ ابان بن عثمان تھے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے اس جانب کو آج کل ''حضاری'' کہا جاتا ہے۔

ابن سعد کے مطابق حضرت مالک بن ابو عامر کہتے ہیں کہ لوگ حش کوکب میں اپنے فوت شدہ لوگوں کو دفن کرنے سے گریز کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: عنقریب ایک نیک شخص ہلاک ہوگا اور یہاں دفن ہوگا تو لوگوں کو یہاں دفن کرنے میں تسلی ملے گی۔ کہتے ہیں چنانچہ حضرت عثمان ہی وہ پہلے شخص تھے جو یہاں دفن ہوئے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبد اللہ بن خروج کہتے ہیں' ہم طلحہ کے ساتھ تھے' مجھے اور اپنے بھتیجے عبد الرحمٰن بن عثمان بن عبید اللہ سے انہوں نے کہا جاؤ اور دیکھو کہ اس شخص (عثمان) کا کیا حال ہے۔ ہم اندر گئے تو دیکھا کہ ان پر سفید کپڑا پڑا تھا۔ ہم نے واپس آ کر انہیں صورتِ حال بتائی۔ انہوں نے کہا' اُٹھو اور انہیں دفن کر دو' ہم گئے تو شہید کی طرح ان پر وہی کپڑے لپیٹ دئے پھر جنازہ کے لئے لے چلے' مصریوں نے کہا' ان کا جنازہ نہیں پڑھنے دیں گے اس پر ابو الجہم بن حذیفہ نے کہا: تم نہیں پڑھتے تو نہ پڑھو' اللہ ان پر رحمت فرما چکا پھر انہوں نے آپ کو تلوار کی نوک لگائی تو میں سمجھا کہ انہیں قتل کر دیں گے پھر نبی کریم ﷺ کے پاس دفن کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہاں انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی قبر کے لئے جگہ محفوظ کرا لی تھی' تاہم ان لوگوں نے دفن کرنے نہیں دیا چنانچہ ان کی خرید کردہ زمین میں انہیں دفن کر دیا گیا جسے بعد میں قبرستان کے اندر شامل کر لیا گیا چنانچہ سب سے پہلے وہاں آپ ہی دفن ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس دن حضرت عمرو بن عثمان نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔

ابن شہاب وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بقیع میں دفن ہونے سے روک دیا گیا تو انہیں حش کوکب میں دفن کیا گیا۔ بقیع میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہوئے تھے اور حضور ﷺ نے ان کی قبر پر بطور علامت پتھر رکھ دیا تھا اور فرمایا: ہم تمہیں تقویٰ والوں کا امام بنا رہے ہیں اور جب حضرت

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان بن حکم کو مدینہ کی حکومت دی تو انہوں نے اس حش کوکب کو بقیع میں داخل کر دیا' اور وہ پتھر اُٹھا لیا اور اسے عثمان بن مظعون کی قبر پر رکھ دیا پھر کہا' وہ بھی عثمان' یہ بھی عثمان چنانچہ لوگ حضرت عثمان کے اردگرد دفنائے جانے لگے۔

حضرت سعد بن معاذ الاشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

حضرت عبد العزیز کہتے ہیں کہ حضرت سعد' خندق کے دن زخمی ہو گئے' انہوں نے دُعا کی تو خون رُک گیا اور انہوں بنو قریظہ کا فیصلہ کیا پھر وہ سارا زخم پھٹ گیا چنانچہ بنو عبد الاشہل کے ہاں اپنے گھر میں فوت ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا اور گلی کے اس پہلو میں انہیں دفن کر دیا جو دار مقداد بن اسود سے متصل تھی اور یہ وہی مقداد بن عمرو تھے' جنہیں اسود بن عبد یغوث زہری نے تو متبنّٰی بنا رکھا تھا اور یہ وہی گھر تھا جسے دار ابن افلح کہتے تھے' یہ دور بقیع میں واقع تھا۔ انتہی اور یہ بات تو حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار پر سچی آتی ہے کیونکہ دور بقیع میں گلی کی ایک جانب یہی موجود ہے' اس کی مشرقی جانب بنو ظفر اور بنو عبد الاشہل رہتے تھے اور شاید یہی ان کی قبر تھی لیکن فاطمہ کے نام سے اشتباہ پڑ گیا جیسا کہ ہم ان کی قبر کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

حضرت عبد الرحمٰن بن ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے کہا: اے بیٹے! میں بوڑھا ہو چکا ہوں' میرے ساتھی چلے گئے' میرا وقت بھی قریب ہے' میرا ہاتھ پکڑو۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور بقیع کے پاس لے آیا' میں بقیع میں وہاں دور لے پہنچا جہاں کسی کو دفن نہیں کیا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا اے بیٹے! میں فوت ہو جاؤں تو میری قبر یہاں بنانا' کوئی بھی مجھ پر نہ روئے اور نہ ہی مجھ پر قبہ بنایا جائے میرے فوت ہونے کی کسی کو اطلاع نہ دینا' مجھے تنگ گلی سے گزارنا اور تیزی سے لے جانا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ پھر میرے سہارے بقیع میں وہاں آئے جہاں کوئی بھی دفن نہ کیا جاتا تھا اور کہا' میں فوت ہو جاؤں تو مجھے یہاں دفن کرنا۔ مجھے تنگ گلی سے گذارنا۔ مزید فرمایا: مجھ پر کوئی نہ روئے' تیزی سے لے جانا' کسی کو میری وجہ سے تکلیف نہ دینا۔ عبد الرحمٰن کہتے ہیں لوگ مجھ سے پوچھتے کہ انہیں کب لے چلیں گے تو میں بتانے سے گریز کرتا کیونکہ انہوں نے مجھے روک رکھا تھا چنانچہ دوپہر کو انہیں باہر نکالا لیکن جب بقیع میں پہنچے تو وہ لوگوں سے بھر چکا تھا۔

بقیع اور مدینہ میں آج کل مشہور مزارات

یاد رکھئے کہ جو صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے دور اور بعد میں فوت ہوئے' ان میں بہت سے بقیع میں دفن ہوئے یونہی اہل بیت نبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سادات یہیں دفن ہوئے چنانچہ عیاض کی ''مدارک'' کے مطابق حضرت مالک بتاتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وصال مبارک ہوا اور دوسرے حضرت

مختلف شہروں کی طرف چلے گئے۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اس میں شبہ نہیں کہ بقیع کا قبرستان سردار قسم کے امتیوں سے بھرا ہوا ہے تاہم چونکہ سلف صالحین قبروں کی ضرورت سے زائد تعظیم اور قبروں کو چونے سے بنانے سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کے اکثر مزارات کے نشان ختم ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ چند کے سوا کسی معین قبر کا پتہ نہ چل سکتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں چند مزارات بنائے گئے جن میں سے ایک مزار تو وہاں موجود ہے جہاں آپ بقیع کے دروازے سے نکلیں تو حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب مزار سے پہلے آتا ہے' امہات المؤمنین کے مزارات بھی وہیں ہیں' وہیں حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارت ہیں اور وہ بھی ہیں جن کا ذکر ان کے ساتھ پہلے گذر چکا' ان پر بلند اور عظیم گنبد بنا ہوا ہے۔

چنانچہ ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ گنبد بہت بڑا ہے' یہ ایک قدیم عمارت ہے' اس کے دو دروازے ہیں جن میں سے روزانہ ایک کھولا جاتا ہے۔ ابن نجار نے اسے بنانے والے کا ذکر نہیں کیا لیکن حضرت مطری کہتے ہیں کہ اسے خلیفہ الناصر احمد بن مستضیئ نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات قابل غور ہے کیونکہ یہ خلیفہ ناصر ابن نجار کا ہم عصر تھا کیونکہ وہ ۶۲۲ھ میں فوت ہوا تھا جبکہ ابن النجار کی وفات ۶۴۳ھ کو ہوئی تھی جبکہ ابن نجار کہتے ہیں: اس گنبد کی عمارت قدیم ہے اور پھر انہوں نے اس کی موجودہ حالت کا ذکر کیا پھر میں نے اس مزار کے محراب پر اونچائی میں لکھا دیکھا ہے کہ "امر بعمله المنصور المستنصر باللہ" لیکن اس کا نام نہیں لکھا اور نہ ہی تعمیر کی تاریخ لکھی ہے تو شاید یہ وہ منصور تھا جو خلفاءِ بنو عباس میں سے دوسرا تھا لیکن اس کا لقب مستنصر باللہ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے دیکھا کہ کسی نے یہ دونوں لقب جمع کئے ہوں اور پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور کے ایک گوشے میں لکھا ہے کہ: "الامر بعمله المسعور شد باللہ سنة تسع عشرة و خمسمائة" لیکن شاید اس گنبد کی تعمیر اس سے قبل ہوئی تھی۔ یہاں حضرت عباس اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں زمین سے قدرے بلند ہیں' وسیع ہیں جن پر تختیاں خوب ملا کر جوڑی گئی ہیں' چوڑے زرد پتھر کیلوں اور میخوں سے نہایت ہی خوبصورت طریقے پر لگائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ان دونوں مزارات کی زیارت کرنے والوں کو چاہئے کہ ان کے اور حضرت فاطمہ وحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب ان مزارات پر بھی سلام کہے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں مدینہ پر حکومت کرنے والوں کے بھی بہت سے مزارات ہیں اور ان کے رشتہ دار بھی یہیں دفن ہیں۔

اسی کے مغربی حصے میں حضرت ابن الہیجاء کی قبر ہے جو عبیدیوں کے وزیر تھے' اس پر عمارت کھڑی ہے نیز ایک اور قبر بھی ہے جو ابن ابی النصر کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر بھی عمارت بنی ہوئی ہے۔ اسی مزار کے مشرق میں' اس سے ذرا دور دو چوکھنڈیاں ہیں جن میں سے ایک میں امیر جوبان کی قبر ہے جو مدرسہ جوبانیہ کے بانی تھے اور دوسری میں کچھ

اور اہم لوگ ہیں جو مدینہ میں آ گئے تھے۔ میں ان کے بارے میں اس لئے خبر دار کر رہا ہوں کہ وقت کے ساتھ ساتھ کہیں یہ مل جل نہ جائیں۔

انہی میں سے ایک مشہد اور ہے جو حضرت عقیل سے منسوب مشہد کے بالکل متصل ہے چنانچہ حضرت مطری کہتے ہیں کہ اس میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات ہیں۔

ابن نجار اپنے دور کی مشہور قبروں کے بارے میں لکھتے ہیں: یہاں چار ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی قبریں ہیں جو واضح دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان میں کون کون سی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن آرام فرما رہی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مزارات کی اس چوکھنڈی میں زمین بالکل برابر ہے' کوئی قبر دکھائی نہیں دیتی' یہ چوکھنڈی پتھر سے بنائی گئی تھی جیسے مطری نے لکھا ہے اور پھر امیر بردبک معمار نے ۸۵۳ھ میں اس پر گنبد بنا دیا۔

ان مزارات میں سے حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے جس کا ذکر ابن النجار نے کیا اور بعد کے مؤرخین ان کی پیروی میں چلے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کے بھتیجے عبد اللہ جواد بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر ہے جیسے ہم قبر ابوسفیان بن حارث میں بتا چکے ہیں اور وہاں یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مزار دارِ عقیل سے ہے اور جن کا دفن یہاں کیا گیا تھا وہ ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب تھے' یہ بھی بتایا تھا کہ حضرت عقیل شام میں فوت ہوئے جس میں مطری کی مخالفت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا مزار ان کے گھر میں بنا اور پھر ہم نے یہ بھی جائز مانا کہ آپ کو شام سے یہاں لایا گیا ہو لہٰذا ان تینوں مزارات پر سلام پیش کرنا لازم ہے اور پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس چوکھنڈی کے کونے پر دُعا قبول ہوتی ہے۔

انہی مزارات میں سے ایک مشہد عقیل کے پاس ایک روضہ بنا ہوا ہے' کہا یہ جاتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی تین اولادیں ہیں۔ علامہ مجد نے یونہی بتایا ہے اور اپنے زمانے میں اسے بقیع کا حصہ بتایا ہے لیکن میں نے کہیں اور یہ بات نہیں دیکھی اور اگر علامہ مجد حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے مزار کا ذکر نہ کرتے تو ہم ان کا مزار نہیں سمجھتے۔ حضرت عقیل کے مزار کے پاس ایک گرا ہوا گنبد ہے جو اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات کی غربی جانب ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان میں کون دفن ہیں اور شاید مجد کی یہی مراد ہے یا وہ گنبد ہے جس کا ذکر حضرت امامِ مالک کے مزار کے بیان میں آ رہا ہے کہ وہ اس کے شمال مشرق میں ہے کیونکہ دونوں ہی کو حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب کہنا درست ہے پھر واضح ہو گا کہ ان کی مراد وہ پہلی قبریں ہیں جو اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات کے مغرب میں ہیں کیونکہ حضرت ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کا ذکر کیا ہے پھر اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے روضہ کا ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا روضہ ہے جس میں حضور ﷺ کی تین اولادیں دفن ہیں اور انہی کے ساتھ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کا روضہ ہے الخ تو یہ ہے علامہ مجد کا ماخذ جس سے لے کر انہوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے۔

انہی میں سے ایک حضرت سیّدنا ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا مزار ہے' ان کی قبر حضرت حسن اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی ہے اور وہ قبلہ والی چوکھنڈی کی دیوار سے متصل ہے۔اس دیوار میں ایک شگاف ہے چنانچہ حضرت مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: ان کی تربت شریف ''بیت الحزن'' کے نام سے مشہور ہے کیونکہ کہا یہ جاتا ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد سیّد المرسلین ﷺ کے وصال کے بعد یہاں اظہار غم کرتے ہوئے ٹھکانا کیا تھا جبکہ مشہور بیت الحزن وہ ہے جو مسجد فاطمہ کے نام کے نام سے شہرت رکھتا ہے جو حضرت حسن اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات کے قبلہ میں ہے اور حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: عباسی گنبد کے ساتھ ہی بیت فاطمہ بنت رسول ﷺ ہے جو ''بیت الحزن'' کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے غم میں آپ یہاں ٹھہری تھیں۔انتہٰی۔اور پھر ایک قول کے مطابق اسی میں آپ کی قبر مبارک بھی ہے جبکہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس گھر میں دفن ہیں جو انہوں نے بقیع میں بنایا تھا اور اس میں قبروں کے نشان معلوم ہوتے ہیں اور پھر سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی شامی جانب اسی چوکھنڈی میں دو نئی قبریں دکھائی دیتی ہیں' ابن نجار نے ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے بعد والوں نے کچھ بتایا ہے۔انہوں نے وہی کچھ ذکر کیا ہے جو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ قبر مبارک حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے اور پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے لہٰذا ان کے ساتھ ان کی زیارت بھی کرنی چاہئے۔

میں کہتا ہوں کہ یونہی ان کی زیارت بھی کرنی چاہئے جن کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہاں دفن ہیں۔پھر انہی میں سے حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار پاک ہے جو حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں' یہ اس مقام پر ہے کہ آپ بقیع کے دروازے سے نکلیں تو آپ کی داہنی طرف ہے۔یہ پتھر سے بنی عمارت ہے جس پر گنبد نہیں چنانچہ علامہ مطری کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس پر چھوٹا سا گنبد بنانے کا ارادہ کیا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

انہی مزارات میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار انور بھی ہے جس پر عظیم گنبد بنا ہوا ہے جسے سلطان سعید صلاح الدین یوسف بن ایوب کے ایک امیر اسامہ بن سنان صالحی نے ۶۰۱ھ میں تعمیر کیا تھا۔یہ تو مطری نے لکھا ہے لیکن زین مراغی نے لکھا ہے: ابو شامہ نے نقل کیا کہ اسے عز الدین سلمہ نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن النجار نے اس گنبد کا ذکر نہیں کیا حالانکہ حضرت حسن' حضرت عباس اور حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کیا ہے جو ان کے دور میں موجود تھے حالانکہ جس تاریخ کا ذکر مطری نے کیا ہے' اس میں یہ موجود تھے بلکہ اس کے بعد بھی بڑا عرصہ زندہ رہے۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوکھنڈی کی پچھلی طرف ایک قبر ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اس عمارت کے متولی کی قبر ہے۔اور ہمارے اس زمانے میں انہی کی قبر مبارک کے

مغرب میں ایک چوکور نئی عمارت نظر آتی ہے جس میں ایک عورت کی قبر ہے جو بنو جیعان میں سے کسی کی اُمِ ولد تھی اور مدینہ منورہ میں فوت ہو گئی تھی' اس کے ایک جانب ایک احاطہ ہے جس میں کسی ترک کی عورت دفن ہے پھر اس عمارت اور مشہد کے درمیان ایک اور احاطہ ہے جس میں ہمارے ساتھی حرمین کے قاضی علامہ محی الدین حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہمشیرہ دفن ہیں۔

پھر انہی میں سے ایک حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار بھی ہے جو بقیع میں دور دکھائی دیتا ہے' مناسب یہ ہے کہ سلام پیش کرتے وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی سلام پیش کریں۔

حضرت مالک بن انس اصبحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار

ان میں سے ایک مزار حضرت امام دار الہجرت ابوعبد اللہ مالک بن انس اصبحی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے' جب آپ بقیع کے دروازے سے نکلتے ہیں تو یہ آپ کے سامنے آتا ہے' اس پر چھوٹا سا گنبد ہے پھر اس کے پہلو میں شمال مشرقی جانب بھی ایک ہلکا سا قبہ ہے' امام مطری اور ان کے بعد کے مؤرخین نے اس کا ذکر نہیں کیا' ہوسکتا ہے کہ یہ نیا ہو اور کہتے ہیں کہ اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غلام نافع دفن ہیں۔

ابن جبیر نے جہاں اپنے زمانے کے مشہور مزارات کا ذکر کیا ہے' اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مشہد مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک تربت موجود ہے جو مشہد ابراہیم کی داہنی طرف ہے' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تربت شریف ہے' انہیں عبد الرحمٰن اوسط کہتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ یہ ابوشحمہ کے نام سے معروف ہیں' انہی کو ان کے والد نے حد (کوڑے) لگائی تھی چنانچہ وہ بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے' وہ اسی گنبد پر سچا آتا ہے۔

حضرت اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار

انہی میں سے ایک مشہد اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے' یہ کافی بڑا ہے اور مشہد عباس کے سامنے مغربی جانب واقع ہے اور آج کل یہ حفاظتی دیوار کا قبلہ سے مشرق تک حصہ ہے' یہ حفاظتی دیوار سے پہلے کا بنا ہوا ہے چنانچہ فصیل (حفاظتی دیوار) اس کے ساتھ آ ملی تھی اور اس کا دروازہ مدینہ کے اندر داخلہ کے لئے ہو گیا۔حضرت مطری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسے شاہانِ مصر میں سے عبیدی شاہ نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ درمیانی قبر کے دروازے پر' جس کے سامنے صحن ہے اور جس میں متبرک کنواں بھی ہے' ایک پتھر رکھا ہے' اس میں ہے کہ اسے حسین بن ابوالہیجاء نے ۵۴۶ھ میں بنایا تھا اور شاید مطری نے اسی کو کسی عبیدی بادشاہ کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ ابوالہیجاء ان کے پیچھے تھے چنانچہ مطری کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اس مشہد کا کھلا حصہ اور شمال سے دروازے تک کا حصہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا اور مشہد غربی کی جانب ایک چھوٹی سی

ویران مسجد ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسجد زین العابدین ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مشہد کی طرف داخل ہونے والے کی داہنی طرف درمیانے دروازے اور آخری دروازے کے درمیان ایک پتھر ہے جس پر لکھا ہے کہ وہ باغ جو مشہد کی مغرب میں ہے' مشہد پر وقف ہے جسے ابو الہیجاء نے وقف کیا اور اس باغ کی نسبت امام زین العابدین کی طرف کی جاتی ہے جو باغ کے پہلو میں مشہد کی جانب میں واقع ہے' اس مشہد کا کھلا حصہ ان کا گھر ہے اور وہاں کے پانی کو دواء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے جعفر باقر چھوٹی عمر میں اس کے اندر گر گئے تھے' چونکہ اس وقت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے' اس لئے نماز نہیں توڑی تھی۔

ابن شبہ کی کلام سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ کھلا میدان حضرت امام زین العابدین کا تھا کیونکہ ابن شبہ نے ایسے گھر کا ذکر کیا ہے جس میں یہ صفت موجود ہے اور اسے ان کے لڑکے کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں: حضرت صفیہ بنت حیی نے حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گھر لیا' وہ دو گھر تھے چنانچہ ایک ہو گئے' حضرت زید بن علی نے اس کے مشرقی پہلو میں جو بقیع سے ملتا تھا' گھر بنا لیا اور آلِ ابو سوید ثقفی نے اس کے مغربی پہلو میں گھر بنا لیا جو حضرت زید بن ثابت کے غلام سائب کے گھر سے ملتا تھا تو احتمال یہ ہے کہ اس گھر کی آپ کے بیٹے کی طرف نسبت اس وجہ سے تھی کہ ا[illegible] سے بنایا تھا حالانکہ یہ ان کے والد علی بن حسین کا تھا۔

پھر یہ بھی کہا: حضرت ج[illegible] بو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے غلام ابو رافع کے بقیع والے گھر اور حضرت اسماء بنت عمیس ر[illegible] للہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے درمیان' گھر بنایا جو دار ابو رافع کی شامی جانب حضرت محمد بن زید بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جھونپڑی کی نچلی طرف تھا اور پھر ابن شبہ نے واضح کیا کہ دار ابو رافع کے ساتھ حضرت سعد بن ابو وقاص نے تبادلہ کیا اور انہیں اپنا وہ گھر دے دیا جو سبزی فروش کے پاس تھا' اور اس راستہ کا ذکر تو ہو ہی چکا جو سبزی فروش کی طرف جاتا تھا اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی قبروں میں سے گذرتا تھا اور یہ راستہ مشہد کے مغرب میں اُمہات المؤمنین کے نام سے منسوب ہے کیونکہ اس کا ذکر سبزی فروش کے بیان میں آ رہا ہے۔

مسجد زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۸۸۰ھ میں نئے سرے سے بنایا گیا۔

بقیع کے علاوہ مدینہ منورہ میں تین مشہور مزارات

مدینہ منورہ میں یہ مزارات تین مشہور ہیں:

مشہد حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان تین میں سے ایک مشہد حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو سیّد الشہداء ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔ ان کا ذکر اگلی فصل میں شہدائے اُحد کے ساتھ آ رہا ہے' اس کے اوپر خوبصورت بلند اور مضبوط گنبد موجود ہے'

اس کا دروازہ لوہے سے بنا ہوا ہے۔ حضرت حمزہ کی بیٹی خلیفہ ناصر دین اللہ ابو العباس احمد بن المستضیئ کی والدہ تھیں جیسے ابن نجار نے بتایا۔ یہ ۵۹۰ھ کی بات ہے۔ قبر شریف پر ساج کی لکڑی سے بنا چوکھٹا ہے جس کے اردگرد کنکر بچھے ہوئے ہیں۔ اس شہادت گاہ کا دروازہ لوہے کا ہے جو ہر جمعرات کو کھولا جاتا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک مسجد ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ آپ کی جائے قتل تھی۔ انتہٰی۔

بعد کے مؤرخین نے ابن نجار کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے قبر کی وضاحت میں کہا ہے کہ اس پر لکڑی کا چوکھٹا ہے یعنی یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک جیسا ہے کیونکہ ان کی قبر کے بارے میں بھی انہوں نے یہی کچھ کہا ہے اور ان کی قبر آج بھی اسی صورت میں موجود ہے' یونہی حضرت حسن اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں' رہی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک قبر تو آج کل وہ چونے سے بنی دکھائی دیتی ہے جس پر لکڑی موجود نہیں۔ قبر مبارک کے سرہانے کی طرف اوپر ایک پتھر ہے جس پر بسم اللہ شریف کے بعد یہ الفاظ آیت لکھے ہوئے ہیں:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ هٰذَا مَصْرَعُ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَرَهُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ اِلٰى رَحْمَةِ رَبِّهِ حُسَيْنُ بْنُ الْهَيْجَاءِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَلِوَالِدَيْهِ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَخَمْسَمِائَةٍ۝ انتہٰی۔

یہ بات اُمِ ناصر کی تعمیر سے دس سال پہلے کی ہے اور ابن نجار اس کے بعد مدینہ منورہ میں آئے کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب یہاں قیام کے دوران لکھی جبکہ ان کی پیدائش ۵۷۸ھ کو ہوئی جس کا حاصل یہ بنتا ہے کہ انہوں نے یہ قبر مبارک اسی طرح تحریر والی دیکھی ہو گی لیکن اس کے خلاف لکھ رہے ہیں اور پھر یہ بات بھی ہے کہ آپ کے مقامِ شہادت کو اس لکھائی کے ذریعے بتانا اور اوپر آیت لکھنا اس پتھر کے غلط لگنے کی دلیل ہے اور درست یہ ہے کہ وہ پتھر اس مسجد میں لگا ہوا تھا جو آپ کی شہادت سے منسوب ہے' لگتا ہے کہ جب یہ مسجد گر گئی تو پتھر قریب ہونے کی وجہ سے مزار پر لایا گیا اور پھر جب وہ لکڑی ٹوٹ گئی جس کا ابن نجار نے ذکر کیا ہے کہ وہ قبر پر لگی تھی تو انہوں نے قبر مبارک کو آج کل کی شکل دیدی اور انہوں نے گمان کیا کہ چونکہ یہ پتھر قبر مبارک پر لگا ہوا ہے تو اسی سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ قبر پر رہنے دیا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی تاریخ میں خلیفہ کی ماں کی طرف گنبد بنانے نسبت کوفی خط میں لکھی ہوئی قبر مبارک کی چونے سے بنی دیوار میں آج بھی دکھائی دیتی ہے اور پھر شجاعی شاہین نے (جو شیخ الحرم تھے) اس پتھر کو یہاں سے اکھاڑا اور پھر آپ کی شہادت گاہ پر لگا دیا اور جو کچھ ابن نجار اور بعد والوں نے لکھا' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ خلیفہ الناصر لدین اللہ کی ماں وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزار کو بنایا تھا اور پھر اس سے اگلی فصل میں قبر سیّدنا حمزہ کے ذکر میں بحوالہ عبد العزیز بن عمران آ رہا ہے کہ قدیم دور میں حضرت حمزہ کے مزار پر مسجد موجود تھی اور یہ دوسری صدی کی بات ہے' خلیفہ کی والدہ نے اسے وسیع کیا اور موجودہ صورت میں بنا دیا اور پھر ہمارے دور کے سلطان الاشرف قائیتبائی نے مغربی جانب میں اضافہ کیا اور اس میں وہ کنواں بھی شامل کر لیا جو مغربی

جانب باہر تھا اور پھر طہارت کرنے والوں کے لئے طہارت خانے بنائے جن میں سے کچھ اوپر تھے جو بہت فائدہ مند ثابت ہوئے پھر اس کے باہر ایک کنواں بھی کھودا تھا کہ گذرنے والے پانی پی سکیں۔ یہ کام شجاعی شاہین جمالی' شیخ الحرم کے ہاتھوں جمادی الاولیٰ ۸۹۰ھ کو انجام پایا۔

یاد رہے کہ وہ قبر جو حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک قدموں کی جانب ہے وہ ایک ترکی شخص کی ہے جس کا نام "مستقر" تھا' اسی نے یہ مزار شریف بنایا تھا اور جو مسجد کے صحن میں قبر ہے وہ اشراف میں سے ایک امیر مدینہ کی ہے لہٰذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ دونوں قبریں شہیدوں کی ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کے بارے میں آگے آ رہا ہے کہ ان پر سلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی سلام پیش کرنا چاہئے۔

حضرت مالک بن سنان خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

دوسری قبر مبارک حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد تھے' یہ مزار مدینہ منورہ کے مغرب میں حفاظتی دیوار کے ساتھ تھا' آئندہ فصل میں اس کا بیان آئے گا' اس پر قدیم گنبد ہے جس میں محراب موجود ہے۔ اس کی دائیں طرف چھوٹے خزانے کا دروازہ ہے جن میں چھوٹی سی عمارت ہے جیسے قبریں ہوتی ہیں' لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ اسی قبر کی جگہ ہے اور ظاہر ہے کہ قبر تو مذکور گنبد میں ہے کیونکہ آگے ان لوگوں کے ذکر میں آ رہا ہے جن کے بارے میں آیا ہے کہ اُحد سے یہاں لائے گئے تھے کہ وہ قبر اس مسجد میں ہے جو عباء والوں کے پاس اور حناطین (خوشبو بیچنے والے) کے پہلو میں ہے لیکن ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ وہ چوغے بیچنے والوں کی مسجد کے پاس ہے اور وہ جگہ مدینہ کے قدیم بازار کی ہے۔

مشہد نفس زکیہ

تیسری قبر وہ ہے جو "نفس زکیہ" کے نام سے مشہور ہے اور اس سے مراد سیّد شریف ہیں جن کا لقب مہدی محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا' یہ ابو جعفر منصور کے عہد میں قتل ہوئے تھے' یہ قبر سلع پہاڑ کی مشرقی جانب ہے' اس پر سیاہ پتھروں کی بڑی عمارت تعمیر ہوئی' ان کا ارادہ تھا کہ اس پر گنبد تعمیر کریں لیکن ایسا نہ ہو سکا' یہ بڑی اور ویران مسجد میں داخل ہے اور مسجد کی قبلہ والی جانب ایک گھاٹ ہے جو ارزق چشمے کا ہے جس کی مشرقی وغربی جانب سے سیڑھیاں اُترتی ہیں اور یہ چشمہ اس کے اندر بہتا ہے اور مدینہ کے بازار کے بیان میں گذر چکا کہ ابن زبالہ نے اسے برکۃ السوق کا نام دیا اور شاید یہی مسجد حضرت اعرج کی طرف منسوب ہے اور وہ جو ہم نے ذکر کیا کہ کہ نفس زکیہ اس قبر میں ہے تو اسے مطری اور ان کے پیروکاروں نے ذکر کیا ہے اور یہی بات اہل مدینہ میں مشہور ہے لیکن یہ ابن جوزی کے نواسے کے اس بیان کے خلاف ہے جو انہوں نے "ریاض الافہام" میں ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں

نے المنصور کے خلاف اس وقت اعلانِ جنگ کیا جب اس نے ان کے باپ اور رشتہ داروں کو قید کر لیا تھا چنانچہ بہت لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ وہ کہتے ہیں' انہوں نے المنصور عیسٰی بن موسےٰ (المنصور کے چچا) کو چار ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا چنانچہ وہ آئے' سلع پہاڑ پر ٹھہر گئے اور کہا: اے محمد! امان آپ کے لئے ہے چنانچہ وہ چلائے کہ بخدا تم کامیاب نہیں ہو گے' عزت کی موت مر جانا ذلت کی موت سے بہت بہتر ہے چنانچہ خود انہوں نے اور ان کے باقی ساتھیوں نے غسل کیا' خوشبو لگائی' یہ لوگ تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے اور پھر عیسٰی اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور تین لوگوں کو بھگا دیا' پھر مل کر حملہ کیا اور پھر ان لوگوں نے بھرپور حملہ اور عیسٰی بن موسےٰ کے پاس حضرت محمد کا سر لے آئے' ان کی بہن زینب اور بیٹی فاطمہ نے ان کا جسم بقیع میں دفن کر دیا۔ انہیں ''احجارزیت'' کے پاس قتل کیا گیا' ان کے ہاتھ میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ذوالفقار تھی' عیسٰی بن موسےٰ وہ تلوار لے کر رشید کے پاس لے گیا۔ حضرت اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے وہ تلوار دیکھی تھی جس میں اٹھارہ فقار (ایک طرح کے منکے)۔

حضرت محمد یعنی نفس زکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے لڑائی کے دن عبد اللہ بن عامر سلمی سے کہا کہ ہمیں ایک بادل ڈھانپ لے گا' اگر وہ برس پڑا تو ہم کامیاب ہوں گے اور اگر آگے گزر گیا تو میرا خون احجارزیت کے پاس تلاش کرنا۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ بخدا' ہمیں ایک بادل نے ڈھانپ لیا لیکن برسا نہیں بلکہ عیسےٰ بن موسےٰ اور اس کے ساتھیوں تک جا پہنچا چنانچہ وہ کامیاب ہو گئے اور انہوں نے حضرت محمد کو قتل کر دیا اور میں نے دیکھا تو ان کا خون احجارزیت کے پاس پڑا تھا اور انہی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے عیسےٰ بن موسےٰ نے حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ کو مارا تھا۔ (مقریزی)۔

فصل نمبر۷

اُحد پہاڑ کی فضیلت اور وہاں کے شہداء

اُحد کی فضیلت میں احادیث مبارکہ

صحیحین کے علاوہ اور حدیثیں بھی ملتی ہیں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیں' فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اُحد کو دیکھ کر فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے اور بخاری شریف میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ واقعہ اس دن پیش آیا جب آپ فتح خیبر کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے۔ ابن شبہ کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ میں خیبر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا' جب اُحد پہاڑ دکھائی دیا تو آپ نے فرمایا' الحدیث۔

بخاری شریف ہی میں حضرت سوید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ

خیبر سے واپس آئے تو اُحد دکھائی دینے پر آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے۔

فضائلِ مدینہ میں حضرت جندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ اُحد پر چڑھ گئے اور فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''اُحد ہمیں دکھائی دیا'' بخاری ہی کی ایک اور روایت ہے کہ یہ واقعہ آپ کے حج سے واپس آتے وقت پیش آیا تھا۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک سے واپس آئے' جب مدینہ دکھائی دیا تو فرمایا کہ یہ ''طابہ ہے اور یہ اُحد' جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمیں بھی اس سے پیار ہے۔''

آپ ہی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ گھر سے چلے تو ہم بھی ہمراہ تھے' غرابات میں پہنچے تو اُحد کو دیکھ کر اللہ اکبر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے' یہ چلتا پھرتا ہے' زمینی پہاڑوں جیسا نہیں۔

آپ ہی کے مطابق حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے اور اُحد دکھائی دیتا تو فرماتے: یہ وہ پہاڑ ہے کہ جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں اور پھر فرمایا:' اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔

انہی کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ فتح خیبر سے واپس آئے تو اُحد دکھائی دیا' دیکھتے ہی آپ نے فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں' یہ پہاڑ ایسا ہے کہ جنت کے دروازے پر موجود ہے۔

طبرانی کے مطابق ابوعبس بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے بارے میں فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے' ہمیں بھی اس سے محبت ہے' یہ جنت کے دروازے پر موجود ہے' یہ وہ نہیں جو ہم سے بغض کرے اور ہم بھی اسے سے بغض رکھیں اور جو دوزخ کے دروازے پر ہو۔

اوسط کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے: اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں' اس کے قریب سے گذر ہو تو اردگرد کے درختوں سے کچھ کھاؤ خواہ کانٹے دار ہی کیوں نہ ہوں اور ابن شبہ نے لکھا کہ اُحد جنت کے دروازے پر موجود ہے اور جب تمہارا یہاں سے گذر ہو تو اس کے گرداگرد درخت سے کچھ نہ کچھ کھا لیا کرو خواہ کانٹے دار ہی کیوں نہ ہو۔

اسی میں یہ روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت زینب بنت حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچیوں کو بھیجتیں اور کہتیں کہ اُحد کے پاس جاؤ اور وہاں سے کوئی بوٹی لے آؤ اور اگر کانٹے دار درخت کے علاوہ کچھ اور نہ مل سکے تو اسی سے کچھ لے آنا کیونکہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سن رکھا ہے' کہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا تھا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زینب نے فرمایا کہ اس کے جڑی بوٹی کھاؤ' اگر کانٹے دار درخت کے علاوہ کچھ اور نہ مل سکے تو اسی سے کچھ لے آنا کیونکہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سن رکھا ہے' کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زینب نے فرمایا کہ اس کے جڑی بوٹی کھاؤ خواہ کانٹے درخت ہی کی کیوں نہ ہو۔ حضرت انس بتاتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی تھوڑی تھوڑی شے دیدیتیں تو ہم اسے چبا کر کھاتے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھار کے علاوہ روزانہ اس سے بوٹی لینے سے منع فرمایا۔

حضرت داؤد بن حصین سے مرفوع حدیث ہے کہ اُحد جنت کے پایوں میں سے ایک پائے پر ہے جبکہ عیر پہاڑ دوزخ کے ایک پائے پر ہے۔

حضرت اسحاق بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اُحد' ورقان' قدس اور رضویٰ' جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں۔ ابو یعلیٰ اور طبرانی بھی کبیر میں بتاتے ہیں کہ حضرت سعد بن سہل نے کہا: اُحد جنت کا ایک پایہ یا حصہ ہے۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار پہاڑ جنت کے ہیں اور چار نہریں بھی جنت کی ہیں اور چار گھمسان کی جنگوں کا تعلق بھی جنت ہی سے ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ پہاڑ کون کون سے ہیں؟ تو فرمایا: اُحد ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمیں اس سے محبت ہے' یہ جنت کا ایک پہاڑ ہے' ورقان جنت کا پہاڑ ہے' طور بھی جنت کا اور لبنان بھی جنت ہی کا پہاڑ ہے' چار نہریں یہ ہیں: نیل' فرات' سیحان اور جیحان اور جنگیں: بدر' اُحد' خندق اور حنین ہیں پھر ابن شبہ کے مطابق آپ جنگوں کے بارے میں سوال پر خاموش ہو گئے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سب سے بہتر پہاڑ اُحد' اشعر اور ورقان ہیں۔

خانہ کعبہ میں لگے پتھروں میں اختلاف روایات کہ کس کس پہاڑ سے لئے گئے؟

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے بارے میں' جن سے خانہ کعبہ بنا' مختلف روایات لکھی ہیں' کچھ روایات میں ہے کہ یہ چھ پہاڑوں کے پتھروں سے بنایا گیا: ابوقیس' طور' قدس' ورقان' رضویٰ اور اُحد۔

تجلی طور کے موقع پر چھ پہاڑ اُڑ گئے

ابن شبہ کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طور پر تجلی فرمائی تو اس کی عظمت کی بنا پر اس میں سے چھ پہاڑ اڑے' تین تو مدینہ میں آ پڑے جو اُحد' ورقان اور رضویٰ تھے' تین ہی مکہ میں جا پڑے جو حراء' ثبیر اور ثور تھے۔

مدینہ منورہ میں اُحد کے گرنے کی جگہ

حضرت ابوغسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رہا اُحد تو یہ مدینہ کی ایک جانب شام کی طرف مدینہ سے تین میل (ساڑھے چار کلومیٹر) کے فاصلے پر موجود ہے اور ورقان تو مدینہ سے تقریباً اڑتالیس میل کے فاصلے پر روحاء میں واقع ہے اور پھر رضوی تو یہ مدینہ سے چار راتوں کی مسافت پر ینبع میں موجود ہے اور رہا ثبیر تو یہ بئر میمون کے سامنے ہے' ثور' مکہ کی نشیبی یعنی نچلی جگہ پر واقع ہے اور یہ وہی ہے جس کی غار میں رسول اللہ ﷺ جا چھپے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابوغسان نے ''ثبیر'' کا ذکر نہیں کیا اور جو مسافت انہوں نے لکھی ہے' وہ تقریباً وہی ہے جو ہم نے بتائی ہے کیونکہ میں نے مسجد نبوی کے دروازے کی چوکھٹ سے (جسے باب جبریل کہتے ہیں) لے کر جبلِ اُحد کے متصل مسجد الفتح نامی مسجد تک پیائش کی تو تین میل سے پینتیس ہاتھ زیادہ تھی لیکن باب البقیع اور جبلِ اُحد کے ابتدائی حصے تک دو میل اور میل کے سات حصوں میں سے چار حصوں سے قدرے زیادہ مسافت تھی اور پھر باب البقیع سے حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار تک دو میل' میل کا ۷/۵ اور میل کے ساتویں حصہ کا ۷/۵ نیز چند ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اسی سے علامہ نووی کے اپنی ''تہذیب'' میں بیان کی گئی مسافت کی غلطی کا پتہ چلتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ: اُحد' مدینہ کے ایک پہلو میں دو میل کے فاصلے پر ہے اور یونہی مطری اور ان کے پیروکاروں کے قول کی کوتاہی معلوم ہوتی ہے' یہ کہتے ہیں: حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور اور مدینہ کے درمیان تقریباً ساڑھے تین میل اور کا فاصلہ ہے اور جبلِ اُحد کی طرف چار میل کا فاصلہ ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ فرسخ (ساڑھے تین میل) کے قریب ہوتا ہے۔ انتہٰی۔

اُحد نام رکھنے کی وجہ اور اس کی محبت کا بیان

حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسے اُحد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہاں کے پہاڑوں سے الگ تھلگ ہے یا اس لئے کہ اس کے اہل (اہل مدینہ) نے توحید کی مدد کی۔

علماءِ کرام نے ''یحبّنا و نحبّہ'' فرمان کے معنٰی میں چار اقوال ذکر کئے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ یہاں حذفِ مضاف ہے یعنی اہل اُحد مراد ہے اور وہ انصارِ مدینہ ہیں کیونکہ وہ اس پہاڑ کے ہمسائے ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ زبانِ حال سے خوشی کا اظہار کرتا ہے کیونکہ جب آپ اہل مدینہ کے قریب آتے تو یہ گویا اظہار خوشی کرتا تھا اور ایک محبّ کا یہی کام ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ حقیقی محبت دونوں طرف سے ہوتی ہے اور اس میں بھی محبت پیدا کی گئی ہے جیسے ان پہاڑوں میں رکھی گئی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور جیسے ان پتھروں میں خوف رکھا گیا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۝ (سورۂ بقرہ:۷۴)

''اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔''

اور خصوصاً ملاحظہ کیجئے کہ کچھ پہاڑ اللہ کی تجلی کی وجہ اُڑ گئے تھے جیسے بیان ہو چکا۔اس تیسرے قول کو علامہ نووی نے صحیح قرار دیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ وصف اس بناء پر تھی کہ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ہے جیسے حدیث ابوعبسی بن جبر میں ہے: ''جبل اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے اور یہ جنت کا پہاڑ ہے۔'' اور پہاڑ کے اندر محبت پیدا ہو جانے میں کوئی روکاوٹ نہیں کیونکہ یہ تسبیح بھی تو کرتے ہیں اور پھر یہ کہ آپ نے اس سے یوں بات کی جسے عقل والوں سے کی جاتی ہے چنانچہ جب ہلنے لگا تو فرمایا: ''اُحد! سکون کرو۔'' الحدیث۔

حافظ منذری لکھتے ہیں' بغوی نے کہا: بہتر یہ ہوتا ہے کہ حدیث کا ظاہری معنٰی مراد لیا جائے اور کوئی بھی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جمادات کو انبیاء علیہم السلام اور عبادت گذاروں سے محبت ہوتی ہے جیسے حضور ﷺ کی جدائی پر کھجور کا ستون رویا تو سب لوگوں نے اس کی آواز سنی تھی اور پھر حدیث میں آتا ہے کہ وحی اُترنے سے قبل کے دور میں ایک پتھر آپ پر سلام بھیجا کرتا تھا لہٰذا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُحد اور مدینہ کی ہر شے آپ سے محبت کرتی اور ملاقات کا شوق رکھتی ہے۔علامہ منذری نے اس پر لکھا کہ یہ بہترین دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں حضور ﷺ کا قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے' فرمایا: ''جب تم اس کے پاس آؤ تو اس کے درختوں سے کچھ کھاؤ۔'' کیونکہ عیر پہاڑ کے پڑوس میں اہل قباء رہتے تھے اور یہ مکہ سے آنے والوں کے سامنے اُحد سے پہلے آتا ہے' یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' جسے چاہے عطا فرما دے۔

حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اچھی فال کو پسند فرماتے اور اچھا نام سراہتے تھے اور پھر کوئی نام اس نام سے اچھا نہیں جو اللہ کی احدیت سے بنا ہو اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس پر پیش کی حرکتیں ہیں' جن سے پتہ چلتا ہے کہ دین الہٰ بلند مرتبہ ہے' یہی وجہ ہے کہ اس سے لفظی اور معنوی طور پر حضور ﷺ کی محبت کا تعلق تھا لہٰذا محبت میں اسے خاص حیثیت حاصل ہے اور پھر اس میں یہ بھی اضافہ کر لیں کہ جب محبت کا تعلق دونوں طرف سے ہو تو آدمی اسی شے کے ساتھ ہوتا ہے' جس سے محبت ہو تو یہ پہاڑ بھی جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوگا جبکہ دوسرے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

مزید برآں جب اہل مدینہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے' ایک تو اللہ سے محبت کرنے والے اور اسے ایک ماننے والے یہ مؤمن تھے اور دوسرا طبقہ منافق اور بغض رکھنے والے جو جاہل اور انکار کرنے والے تھے جیسے ابو عامر راہب وغیرہ منافقین لوگ اور یہ اُحد کے دن لوگوں میں دو تہائی تھے جو ابن ابی کے ہمراہ واپس چلے گئے اور جنگ اُحد میں شریک نہ ہوئے تو مدینہ کی زمین بھی یونہی تقسیم ہو گئی چنانچہ اللہ نے اس پہاڑ کو ویسے ہی حبیب اور محبوب بنا دیا جیسے صحابہ کرام تھے

اور اسے جنت میں حضورﷺ کا ساتھی بنا دیا پھر اسے یہ نام دے دیا جبکہ "عمیر" کو اپنا ناپسندیدہ قرار دیا بشرطیکہ اس کے بارے میں حدیث غضب صحیح ثابت ہو جائے اور پھر اسے مسجد ضرار والے منافقوں کی طرف جگہ دی چنانچہ وہ ان منافقوں کے ساتھ جہنم میں ہو گا اور خصوصی طور پر اس کا نام عیر رکھا جس کا معنیٰ گدھا ہوتا ہے جو اپنی عادتوں اور جاہل ہونے کی وجہ سے ذلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ابن شبہ کے مطابق' جیسے کہ یہودِ مدینہ کے گھروں میں بیان ہوا' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرفوع حدیث میں بتایا کہ حضرت موسےٰ و ہارون علیہما السلام حج یا عمرہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور جب مدینہ پہنچے تو یہودیوں سے ڈر گئے اور اُحد پر جا ٹھہرے' ان دنوں حضرت ہارون بیمار تھے' حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان کے لئے اُحد ہی میں قبر کھودی اور ان سے کہا: اے بھائی! اس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم فوت ہو رہے ہو' وہ اس میں داخل ہو گئے اور جب وہاں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جان قبض کر لی چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان پر مٹی ڈال دی۔

لوگوں کا یہ خیال کہ حضرت ہارون علیہ السلام اُحد میں دفن ہیں

میں کہتا ہوں' اُحد میں ایک گھاٹی ہے جسے ہارون علیہ السلام کی گھاٹی کہتے ہیں' ان کا خیال ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر اس کے اُوپر ہے حالانکہ یہ بات نہ تو محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی معنیٰ و مقصد ہے کیونکہ وہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جسے کھودا جا سکے اور نہ ہی مٹی نکالنے کی کوئی صورت ہے۔ ہاں اوپر ایک عمارت ہے جسے قریب ہی کسی فقیر نے بنا دیا ہے' لوگ چڑھ کر اس کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ اور ابن شبہ نے اس جگہ کی نشاندہی نہیں کی جہاں اُحد پر حضورﷺ چڑھے تھے ہاں پہاڑ کے ساتھ والی مسجد میں آپ کے نماز پڑھنے کا ذکر آتا ہے' اسے مسجد الفتح کہتے ہیں جیسے مسجدوں کے ذکر میں گذر چکا۔

اُحد کے وہ مقام جن کے بارے میں غیر یقینی باتیں مشہور ہیں

ابن نجار کہتے ہیں' جبلِ اُحد میں ایک غار ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ اس میں چھپے تھے' ایک مسجد ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضورﷺ اس میں ٹھہرے تھے' پھر پہاڑی میں ایسی جگہ ہے جہاں ایک پتھر میں انسانی سر کی مقدار جگہ کھودی گئی ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ اس کے نیچے والے پتھر پر بیٹھے تھے اور اس جگہ اپنا سر مبارک ڈالا تھا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کا کوئی حوالہ نہیں ملتا تو ان پر بھروسہ کیوں کیا جائے؟

میں کہتا ہوں' رہی وہ مسجد تو اس کا حوالہ ملتا ہے جسے ابن شبہ نقل کر چکے ہیں لیکن ابن نجار کے علم میں نہیں ہے۔

رہی غار تو اس کے بارے میں علامہ مطری لکھتے ہیں کہ وہ اس مسجد کے شمال میں ہے اور کھدائی والی جگہ نیز نچلا پتھر مسجد کے قریب ہی ہیں۔ ابن شبہ کے مطابق حضرت مطلب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ

اُحد پہاڑ پر کسی غار میں داخل نہیں ہوئے تھے اور پھر لفظ مہراس کی وضاحت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان آ رہا ہے کہ: جہاں لوگ غار کا ذکر کرتے ہیں' وہاں حضور ﷺ پہنچے ہی نہیں تھے' وہ جگہ مہراس (گڑھا جس میں پانی جمع ہو) کے نیچے تھی جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ غار مہراس کے بعد آتی ہے اور اُحد کی گھاٹی کے بیان میں آگے آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اُحد کے دن گھاٹی کے دہانے تک پہنچے تھے اور وہاں سہارا لگایا تھا۔

ابن ہشام کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ گھاٹی میں بنی سیڑھی تک نہیں پہنچے تھے۔ انتھٰی تو لگتا یہ ہے کہ جس نے اسے بنایا تھا' اس کا خیال تھا کہ وہ پتھر جس طرف حضور ﷺ اُٹھے تھے کہ اوپر ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے حضرت طلحہ بن عبید اللہ نیچے بیٹھے تھے' وہ وہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابن ہشام نے اسے ذکر کرتے وقت اسے بیان کیا ہے۔

شہداءِ اُحد کے لئے حضور ﷺ کی گواہی

حضرت یحیٰی کہتے ہیں کہ جب اُحد کے دن لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے تو حضور ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں کھڑے ہوئے اور فرمایا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ (الیٰ) وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اس کے بعد یہ دُعا فرمائی: الٰہی! تیرا بندہ اور نبی گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں لہٰذا تم لوگ ان کے پاس آ کر سلام کیا کرنا کیونکہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں' جو بھی ان پر سلام پڑھے گا' یہ اسے جواب دیں گے۔

اس کے بعد آپ ایک اور جگہ جا ٹھہرے اور فرمایا: یہ میرے وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں میں قیامت کے دن گواہی دوں گا۔ اس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی' تو کیا ہم آپ کے صحابی نہیں ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں لیکن تمہارے بارے میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے بعد کیسے ہو جاؤ گے البتہ یہ لوگ دُنیا سے پاک ہو کر چلے گئے۔

اسے ثعلبی نے بھی ذکر فرمایا البتہ یہ کہا: جب رسول اللہ ﷺ اُحد سے واپس ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے گذرے' وہاں ٹھہرے اور ان کے لئے دُعا کی' پھر آیت پڑھی اور اس کا ذکر کیا اور باقی بات بتائی۔

ابو داؤد اور حاکم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی: جب اُحد میں تمہارے بھائی قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ڈال دیں جو جنت کی نہروں پر آتی اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور پھر ان سونے کی قندیلوں کی طرف آتی ہیں جو عرش کے سائے تلے لٹکی ہوئی ہیں اور جب وہ وہاں کا اچھا کھانا' پینا اور سونا دیکھتی اور بہتی ہیں تو کہتی ہیں: اب ہمارے بھائیوں تک یہ بات کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ اور کھاتے پیتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان تک یہ بات پہنچا دیتا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۝ (سورۂ آل عمران: ۱۶۹)

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ شہدائے اُحد کے مقبروں پر آٹھ سال کے بعد یوں تشریف لے گئے جیسے زندہ یا فوت شدہ کے لئے دُعائے خیر کرتے ہیں اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے سرمایہ ہوں گا اور تم پر گواہی دوں گا اور پھر حوض پر تم سے ملاقات کروں گا۔''

ابن شبہ اور ابو داؤد کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلے' ارادہ شہداء کی قبروں پر جانے کا تھا اور جب حرۂ واقم پر پہنچے اور نچلی طرف چلے تو ''محنیہ'' کی قبریں تھیں' ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں' فرمایا: ہمارے ساتھیوں کی قبریں ہیں اور جب ہم شہداء کی قبروں پر آئے تو فرمایا کہ یہ ہیں ہمارے بھائیوں کی قبریں۔

حضور ﷺ اور آپ کے خلفاء ہر سال ان شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے جاتے

ابن شبہ کے مطابق حضرت عباد بن ابو صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ان شہداء کی قبروں کے پاس تشریف لاتے اور یوں فرماتے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

'' تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلام ہو' آخرت کا گھر کتنا اچھا ہے۔''

حضرت عباد کہتے ہیں کہ یونہی حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سالانہ آتے رہے اور جب حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے پہنچے تو وہ بھی ان کی قبروں پر پہنچے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب آپ گھاٹی کے سامنے تشریف لاتے تو فرماتے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ۝

حضرت ابو جعفر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک قبر کی زیارت کو تشریف لے جاتیں' اس کی مرمت فرماتیں اور اس کی اصلاح کرتیں اس پر پتھر کا نشان رکھا ہوا تھا۔

حضرت یحییٰ کے مطابق حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کچھ اور زیادہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں: ''وہاں نفل پڑھتیں' دُعائیں کرتیں اور روتی رہتیں' وصال مبارک تک یہی طریقہ رہا۔''

حاکم کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت قبر کے لئے ہر جمعہ کو جاتیں' وہاں نفل بھی پڑھتیں اور روتیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ قیامت تک جو بھی شخص ان شہداءِ اُحد کی قبروں پر جا کر انہیں سلام پیش کرے گا' وہ انہیں سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

یحییٰ کے مطابق حضرت عطاف بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ (جو عبادت گذار تھیں) کہتی ہیں کہ میں ایک دن سوار ہو کر چلی' غلام ساتھ تھا' میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پہنچی' جتنا ممکن ہوا' نوافل

پڑھے' وادی میں نہ تو کوئی آواز دینے والا تھا اور نہ ہی جواب دینے والا' غلام میری سواری کی لگام تھامے کھڑا تھا' میں نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے ان سے السلام علیکم کہا اور ہاتھ کا اشارہ بھی کیا' چنانچہ زمین کے نیچے سے اپنے سلام کا جواب سنا' میں یہ سلام ایسے ہی پہچان رہی تھی جیسے یہ جانتی ہوں کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے' میرا روؤاں روؤاں کھڑا ہو گیا' میں نے غلام کو آواز دی کہ سواری لاؤ پھر میں سواری پر سوار ہو گئی۔

بیہقی نے یہی روایت حضرت عبد اللہ بن فروہ سے بیان کی کہ نبی کریم علیہ السلام نے اُحد میں شہداء کی زیارت فرمائی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ! تیرا بندہ اور نبی علیہ السلام اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کو آئے گا' یہ ان کا جواب دیا کریں گے۔

عطاف کہتے ہیں' میری خالہ نے بتایا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی اور انہیں سلام عرض کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور یہ بھی کہا کہ ہم تمہیں یونہی پہچانتے ہیں جیسے ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔وہ کہتی تھیں کہ اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

حضرت واقدی کہتے ہیں' حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا' میری بہن میرے ہمراہ تھی' ہم شہداءِ اُحد کی قبروں کے پاس تھے' میں نے اپنی بہن سے کہا' آؤ ہم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر سلام عرض کریں چنانچہ مزار پر جا ٹھہریں اور کہا: السلام علیکم اے رسول اللہ علیہ السلام کے چچا! چنانچہ ہم نے اس کا جواب سنا: **وعلیکم السّلام و رحمة اللّٰه**۔وہ کہتی ہیں کہ اس وقت کوئی شخص قریب نہ تھا۔

ہاشم بن محمد عمری کہتے ہیں کہ مدینہ میں میرے والد نے جمعہ کے دن نماز فجر اور سورج نکلنے کے درمیانی وقت میں مجھے شہداء کی قبریں دکھانے کے لئے اپنے ہمراہ لیا' میں ان کے پیچھے چلا جا رہا تھا' وہ جب مزارات کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے کہا **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** ' وہ کہتے ہیں: جواب آیا: **و علیك السلام یا ابا عبد اللّٰه** ۔میرے والد نے میری طرف دیکھا اور کہا' یہ جواب تم نے دیا ہے؟ میں نے کہا' نہیں۔انہوں نے مجھے اپنی داہنی طرف کھڑا کر لیا اور دوبارہ سلام عرض کیا اور پھر جیسے جیسے سلام عرض کرتے گئے' جواب آتا گیا' ایسا تین مرتبہ ہوا چنانچہ شکر الٰہی بجا لانے کے لئے وہ سجدے میں گر گئے۔

شہدائے اُحد کے مبارک نام

غزوۂ اُحد کے بیان میں گذر چکا ہے کہ شہادت کا مرتبہ پانے والے حضرات کل ستر تھے' کچھ زیادہ بھی بتاتے ہیں اور کچھ اس سے کم' ابن نجار نے ان کے نام گنائے ہیں چنانچہ میں نے انہی سے لئے ہیں کہ انہیں سلام پیش کرنے والے نام لے کر پیش کر سکیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت حمزہ بن عبد المطلب

۲۔ حضرت عبداللہ بن جحش
۳۔ حضرت مصعب بن عمیر
۴۔ حضرت شماس بن عثمان

یہ چاروں حضرات مہاجرین میں سے تھے اور انصار میں سے یہ حضرات تھے:

۵۔ حضرت عمرو بن معاذ بن نعمان
۶۔ حضرت حارث بن انس بن رافع
۷۔ حضرت عمارہ بن زیاد بن سکن
۸۔ حضرت سلمہ بن ثابت بن وقش
۹۔ حضرت عمرو بن ثابت بن وقش
۱۰۔ حضرت ثابت بن وقش
۱۱۔ حضرت رفاعہ بن وقش
۱۲۔ حضرت حسیل بن جابر' یہی یمان ابوحنیفہ تھے
۱۳۔ حضرت صیفی بن قیظی بن عمرو
۱۴۔ حضرت حباب بن قیظی
۱۵۔ حضرت عباد بن سہل
۱۶۔ حضرت حارث بن اوس بن معاذ
۱۷۔ حضرت ایاس بن اوس بن عتیک
۱۸۔ حضرت عبید بن تیہان اور عتیک بھی کہتے ہیں
۱۹۔ حضرت حبیب بن زید بن تیم
۲۰۔ حضرت یزید بن حاطب بن امیہ بن رافع
۲۱۔ حضرت ابوسفیان بن حارث بن قیس بن زید
۲۲۔ حضرت انیس بن قتادہ
۲۳۔ حضرت حنظلہ غسیل بن ابو عامر
۲۴۔ حضرت ابوحبہ بن عمرو بن ثابت' حضرت سعد بن خیثمہ کے ماں کی طرف سے بھائی
۲۵۔ حضرت عبداللہ بن سلمہ
۲۶۔ حضرت عبیداللہ بن جبیر بن نعمان

۲۷۔ حضرت خیثمہ ابو سعد بن خیثمہ
۲۸۔ حضرت عبداللہ بن مسلمہ
۲۹۔ حضرت سبیعین حاطب بن حارث
۳۰۔ حضرت عمرو بن قیس بن زید
۳۱۔ ان کے بیٹے حضرت قیس بن عمرو
۳۲۔ حضرت ثابت بن عمرو بن زید
۳۳۔ حضرت عامر بن مخلد
۳۴۔ حضرت ابوھبیرہ بن حارث بن علقمہ
۳۵۔ حضرت عمرو بن مطرف بن علقمہ
۳۶۔ حضرت اوس بن ثابت بن منذر' حضرت حسان کے بھائی تھے
۳۷۔ حضرت انس بن نضر
۳۸۔ حضرت قیس بن مخلد
۳۹۔ بنونجار کے غلام حضرت کیسان
۴۰۔ حضرت سلیم بن حارث
۴۱۔ حضرت نعمان بن عبد عمرو
۴۲۔ حضرت خارجہ بن زید
۴۳۔ حضرت سعد بن ربیع
۴۴۔ حضرت اوس بن الارقم بن زید
۴۵۔ حضرت مالک بن سنان' یہ حضرت ابوسعید خدری کے والد تھے
۴۶۔ حضرت سعد بن سوید بن قیس
۴۷۔ حضرت علبہ بن ربیع بن رافع
۴۸۔ حضرت ثعلبہ بن سعد بن مالک
۴۹۔ حضرت نقیب بن فروہ بن بدن
۵۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن وھب
۵۱۔ حضرت ضمرہ جہنی' یہ بنوطریف کے حلیف تھے
۵۲۔ حضرت نوفل بن عبداللہ

۵۳۔ حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ
۵۴۔ حضرت نعمان بن مالک بن ثعلبہ
۵۵۔ حضرت مجذر بن زیاد
۵۶۔ حضرت عبادہ بن حسحاس
۵۷۔ حضرت رفاعہ بن عمرو
۵۸۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام
۵۹۔ حضرت عمرو بن جموح
۶۰۔ حضرت خلّاد
۶۱۔ ان کے غلام حضرت ابو ایمن
۶۲۔ حضرت عبیدہ بن عمرو بن حدیدہ
۶۳۔ ان کے غلام حضرت عنترہ
۶۴۔ حضرت سہل بن قیس بن ابی کعب
۶۵۔ حضرت ذکوان بن عبد قیس
۶۶۔ حضرت عبید بن معلّی بن لوذان
۶۷۔ حضرت مالک بن نمیلہ
۶۸۔ حضرت حارث بن عدی بن خرشہ
۶۹۔ حضرت مالک بن ایاس
۷۰۔ حضرت ایاس بن عدی
۷۱۔ حضرت عمرو بن ایاس

یہ وہ نیک بخت شہید تھے جنہوں نے صدقِ دل سے حضورﷺ کے سامنے جہاد کیا، لڑے اور قتل کئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اب ہم ان کے ان مزارات کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں پتہ چل سکا اور ان کی معین جگہ معلوم ہو سکی۔

حضرت سیّد الشہداء سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار جو حضورﷺ کے چچا تھے اور ان کے ساتھ دیگر مزارات۔

بخاری شریف میں آتا ہے: ایک وحشی بتاتا ہے کہ لوگ جب عینین (اُحد کے قریب ایک پہاڑ اس کے اور اُحد

کے درمیان وادی ہے۔) کی طرف نکلے تو میں بھی جنگ کے لئے ان کے ہمراہ نکل کھڑا ہوا' جب انہوں نے صفیں درست کر لیں تو سباع سامنے آیا اور کہا: کوئی ہے جو مقابلے پہ آئے؟ اس پر حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے آئے اور فرمایا: اے سباع! اے فتنہ کرنے والی اُم انمار کے بیٹے! کیا تم اللہ و رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھتے ہو؟ پھر اس پر شدید وار کیا اور اس کے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ وحشی کہتا ہے کہ میں ان کے لئے ایک پتھر کے نیچے چھپا ہوا تھا' وہ جب میرے پاس آئے تو میں نے اُن کے سینے میں برچھا مارا اور سرین تک پار کر دیا' یہ ان کا آخری موقع تھا۔

پھر بخاری نے بتایا کہ جب وہ وحشی مسلمان ہو گئے تو انہوں نے حضور ﷺ کے پاس حاضری دی اور حضور ﷺ کا یہ فرمان بتایا کہ آپ نے پوچھا تھا: کیا تمہی ہو جس نے سیّدنا حمزہ کو قتل کیا تھا؟ اس نے عرض کی' ہاں' جو آپ کے ہاں پہنچی ہے وہ بات یونہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھ سے اپنا چہرہ چھپائے رکھو؟

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو انہیں مثلہ بنایا جا چکا تھا' آپ کا ناک اور کان کاٹے گئے تھے اور جگر تک پیٹ چیر دیا گیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: اگر صفیہ (بنت عبد المطلب) کی ناراضگی اور رواج پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں وہیں چھوڑ دیتا' درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے سینوں میں سے ان کا حشر ہوتا' آج کے بعد تم جیسی تکلیف مجھے کوئی نہیں پہنچا سکے گا' اس سے زیادہ ناراضگی کا مقام میرے لئے اور کوئی نہیں ہے۔''

پھر فرمایا: جبریل میرے پاس آئے اور بتایا کہ حضرت حمزہ کو ساتوں آسمانوں کی یوں لکھا گیا ہے: ''حمزہ بن عبد المطلب' اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں'' پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تو آپ کو چادر میں ڈھانپ دیا گیا پھر نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ نے ستر تکبیر پڑھیں اور انہیں دفن کر دیا۔

شہداءِ اُحد کی نمازِ جنازہ کے بارے میں احادیث کا اختلاف بہت مشہور بات ہے چنانچہ صحیح بخاری کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُحد میں ہونے والے شہیدوں کو دو دو کر کے ایک ہی چادر میں لپیٹ کر دفن کرتے وقت یہ دیکھتے کہ قرآن کا زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟ اور جب کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو پہلے لحد میں اسی کو اتارتے' پھر حکم فرمایا کہ انہی لتھڑے کپڑوں میں انہیں دفن کر دو' نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی اور نہ ہی انہیں غسل دیا گیا۔

شہداءِ اُحد کے دفن کی تفصیل

حضرت اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کر دیئے گئے تو جبلِ رماۃ کے نیچے انہیں رکھا' یہ ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جو وادیٔ احمر میں تھا' پھر حکم فرمایا کہ انہیں اُٹھا کر وادی میں اونچی جگہ لے چلو جہاں آپ آج کل دفن ہیں' ایک چادر میں انہیں کفن دیا گیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسری چادر

میں لپیٹ کر دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا لیکن حضرت عبد العزیزؒ کہتے ہیں' میں نے کسی سے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن جحش بن رئاب ان دونوں کے ہمراہ قتل ہوئے اور یہ بھی انہی کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن ہوئے تھے' یہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ امیمہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکے تھے' آپ یہ بھی بتاتے ہیں' ہمارا غالب خیال یہ ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسجد کے نیچے دفن ہوئے جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر بنائی گئی تھی لیکن حضرت حمزہ کے ساتھ ان کی قبر میں اور کوئی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں' بہتر یہی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی ان دونوں پر بھی سلام پیش کرے کیونکہ اگرچہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں لیکن قریب تو ہیں ہی۔ آج کل مزارات کی جگہ اس مسجد سے وسیع کر دی گئی ہے اور مسجدوں کے ذکر میں اس مسجد کا ذکر گذر چکا ہے جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت گاہ میں بنی اور اس مسجد کا ذکر بھی گذر چکا جو اس کے قبلہ کی جانب جبل رماۃ کے پہلو میں بنی پھر وہ بیان بھی گذرا جو ان دونوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہاں حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام (حضرت جابر بن عبد اللہ کے والد) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ کچھ اور ذکر بھی ہے۔

حضرت مالک بن انس کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ کہتے ہیں' انہیں پتہ چلا کہ حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام (دونوں انصاری اور پھر بنوسلم میں سے تھے) دونوں ایک قبر میں تھے اور دونوں ہی اُحد میں شہید ہوئے' ان کی قبر سیلابی جگہ پر تھی' وہاں سے جگہ بدلنے کے لئے قبر کھودی گئی تو دونوں کی رنگت تبدیل نہ ہوئی' لگتا تھا کہ جیسے کل ہی فوت ہوئے ہیں' ان میں سے ایک کے زخم لگا تھا جس پر انہوں نے ہاتھ رکھا تھا اور وہ ویسے ہی دفن کر دیئے گئے تھے' زخم سے ان کا ہاتھ ہٹایا گیا اور پھر چھوڑنے پر وہیں چلا گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اُحد کے دن اور قبر بنانے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

حضرت مالک کہتے ہیں' حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک ہی کفن میں اور ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا' اسے ابن شبہ نے روایت کیا پھر حضرت مالک کہتے ہیں' حضرت جابر نے بتایا کہ اُحد کے دن میرے والد کے ہمراہ ایک اور صحابی کو دفنایا گیا' مجھے اطمینان نہیں ہوا تو میں نے انہیں الگ کر کے اپنے والد کو علیحدہ دفنایا۔

میں کہتا ہوں' احتمال یہ ہے کہ سیلاب کی وجہ سے انہیں نکالا ہوگا اور اس وقت حضرت جابر کو یہ خیال آ گیا ہوگا لہٰذا یہ واقعہ ایک ہی ہوا لیکن بخاری شریف میں یہ طویل قصہ مذکور ہے' اس میں لکھا ہے کہ میں نے انہیں ایک اور شخص کے ساتھ دفن کیا لیکن مجھے اطمینان نہ ہوا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ایک اور کو رہنے دوں لہٰذا چھ ماہ بعد میں نے انہیں

وہاں سے نکال لیا' دیکھا تو وہ ایسے ہی تھے جیسے والدہ نے انہیں آج ہی جنا ہو' صرف کان کے پاس معمولی خراش تھی۔

اس میں ان کے قول: ''چھ ماہ بعد'' سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سیلاب والا قصہ نہیں کیونکہ چھیالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بتاتے ہیں کہ شہدائے اُحد کے بارے میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے نہر نکال رہے تھے تو اعلان سنا کہ اپنے دفن شدہ لوگوں کو نکال لو تو ہم وہاں پہنچے' انہیں نکالا تو جسم تر بہ تر اور آپس میں لپٹے ہوئے تھے' ایک راوی سعید کہتے ہیں کہ دونوں وقتوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

ابنِ اسحاق کے مطابق بنوسلمہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (جب عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُحد کے دن شہید ہو گئے) فرمایا کہ ان دونوں کو اکٹھے دفن کر دو کیونکہ دنیا میں یہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔ میرے والد نے کہا' مجھے انصار کے کئی بزرگوں نے بتایا کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہداء کی قبروں پر سے گذرنے والی نالی بنائی تو ہمیں بلایا گیا' وہ نالی ان دونوں کی جگہ سے گذرنا تھی لہٰذا ہم آئے اور ان کو نکالا تو دیکھا کہ دونوں پر چادریں تھیں اور ان کے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے اور قدموں کی جانب زمین پر جڑی بوٹیاں اُگی ہوئی تھیں' ہم نے دونوں کو نکالا تو وہ لپٹے ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ ابھی کل ہی دفنائے گئے ہیں۔

(دلائل النبوہ)۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے' فرماتے ہیں' میں دیکھ رہا تھا کہ میری والدہ اور خالہ میرے والد کو لا رہی تھیں' وہ لے کر مدینہ پہنچیں کہ انہیں ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں کہ اسی دوران ایک آدمی نے آواز دی کہ ان شہیدوں کو واپس لے جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ انہیں وہیں لے جا کر دفن کرو جہاں یہ شہید ہوئے ہیں چنانچہ ہم واپس سے مڑے اور وہیں دفن کیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت معاویہ کے مقرر کردہ لوگ تمہارے والد کو باہر نکال رہے ہیں' میں وہاں پہنچا تو انہیں یونہی دیکھا جیسے انہیں دفن کیا تھا' صرف کچھ تبدیلی آئی تھی جو شہید ہونے والے میں آ جایا کرتی ہے چنانچہ میں نے انہیں دفن کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ تیسرا ہے' اس سارے معاملے سے سمجھ یہ آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کی قبر تین مرتبہ کھولی تھی۔

۱۔ ایک تو اس لئے کہ آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ ان کے والد کسی اور کے ساتھ دفن ہوں' شاید اس سلسلے میں انہوں نے حضور ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ آپ نے اس لئے اجازت دے دی تھی تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور ان کے بدن سلامت رہتے ہیں جبکہ اس وقت انہیں ضرورت کی بناء پر اکٹھے دفنایا گیا تھا' وقت کم تھا اور شائد انہوں نے جب وہاں سے نکال لیا تھا تو انہیں ان کے ساتھی اور داماد کے سامنے دفنا دیا

تا کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اس جگہ کے قریب ہی دفن کر سکیں جہاں شہید ہوئے تھے۔

۲۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چشمہ جاری کیا (ایک نہر سی کھودی) (اس میں بھی حیات شہداء کے معجزہ کا اظہار تھا) تو ابن جوزی نے اپنی ''مشکل'' میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی' انہوں نے بتایا: اُحد کے دن ہمارے قتل شدہ لوگوں کے بارے میں ہمارے لئے اعلان کرایا گیا' یہ اعلان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چشمہ جاری کرتے وقت کرایا تھا۔ چنانچہ چالیس سال بعد ہم نے انہیں نکالا تو ان کے جسم نرم تھے۔ ایک اور سند سے انہوں نے لکھا کہ: ''یوں لگتا تھا جیسے سوئے ہوئے ہیں اور پھر حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں کدال لگا تو وہاں سے خون رس آیا۔''

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ سیلاب والی جگہ سے اپنے والد اور ساتھی کو دور لے جانا چاہتے تھے چنانچہ حضرت واقدی لکھتے ہیں کہ ان کی قبر مبارک سیلابی نالے کے اوپر تھی' وہ قبروں میں دکھائی دئے تو ان پر دو چادریں تھیں' حضرت عبد اللہ کے ہاتھ میں زخم لگا تھا' اس پر آپ نے ہاتھ رکھا تھا اور جب وہاں سے ہاتھ اُٹھایا گیا تو وہاں سے خون رسنے لگا' ہاتھ دوبارہ وہیں رکھا تو خون بند ہو گیا۔ حضرت جابر کہتے ہیں' میں نے اپنے والد کو دیکھا تو یوں لگتے تھے جیسے سوئے ہوئے ہیں حالانکہ اس واقعہ کو چھیالیس سال گذر چکے تھے۔

واقدی بتاتے ہیں: کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب زمین کے اندر والی نالی کو رواں کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی طرف سے منادی نے مدینہ میں اعلان کیا: اُحد میں جن جن کے مقتول دفن ہیں وہ وہاں پہنچ جائیں' لوگ اپنے اپنے مقتولوں کی طرف نکلے تو دیکھا کہ وہ آپس میں لپٹے اور تروتازہ تھے' ایک شخص کو کدال لگ گیا تھا تو پاؤں سے خون رس آیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی قبر میں تھے' انہیں وہاں سے نکال لیا گیا کیونکہ وہ بنائی جانے والی نالی ان کے اوپر سے گذرنا تھی۔ وہ مٹی ہٹا رہے تھے کہ کستوری جیسی خوشبو مہک اُٹھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس روایت کی مخالفت ہے جو بخاری میں بیان ہوئی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے کہ اسی دوران نالی جاری کر دی گئی۔ اس سارے روایات سے معجزہ ظاہر ہو رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار ان کی قبر مبارک کھودی گئی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی' یا رسول اللہ! ایک بات تو بتایئے کہ بھلا اگر میں راہِ خدا میں لڑ لڑ کر قتل ہو جاؤں تو کیا جنت کو میں اپنے پاؤں سے جا سکوں گا؟ (آپ لنگڑے تھے) آپ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ آپ اور آپ کے بھتیجے دونوں شہید ہو گئے' حضور ﷺ وہاں سے گذرے تو فرمایا: میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے صحیح سالم پاؤں سے چل کر جنت میں چل پھر رہے ہو۔ حضور ﷺ نے انہیں اور دونوں کے غلاموں کو ایک قبر میں ڈال دیا۔ حضرت واقدی کہتے ہیں کہ قبر میں

حضرت عمرو کے ساتھ حضرت خارجہ بن زید' سعد بن ربیع' نعمان بن مالک اور عبد اللہ بن حسحاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دفن تھے۔رہی وہ قبریں جو آج کل دکھائی دیتی ہیں تو وہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک' جو پہاڑ کے دامن میں وادی کے اندر ہے' حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن حرام اور ان کے ساتھ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں جو اسی مقام پر ہیں پھر حضرت سہل بن قیس بن ابی کعب بن قین بن کعب بن سواد کی قبر شریف ہے جو بنوسلمہ سے تھے۔یہ قبر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک اور پہاڑ کے درمیان شامی جانب واقع ہے۔

وہ کہتے ہیں' رہی وہ قبریں جو حضرت حمزہ اور پہاڑ کے درمیان پتھروں سے بنی ہیں تو وہ عرب کے دیہاتی تھے جو حضرت خالد کے حاکم مدینہ ہونے کے دور میں یہاں آئے اور یہیں فوت ہو گئے ہیں آپ نے انہیں دفن کرا دیا۔

حضرت واقدی کہتے ہیں کہ وہ لوگ ''عام الرمادہ'' کو یہاں فوت ہوئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ''الرمادہ'' والا سال مشہور قحط کا تھا اور یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور تھا اور ''زمانہ خالد'' کا مطلب خالد بن عبد الملک بن حارث سے ہے' یہ ہشام بن عبد الملک کا مقرر کردہ گورنر تھا' اس کے دور میں سات سال تک بارش نہ ہو سکی چنانچہ حجاز کے جنگلی لوگ شام کی طرف جلا وطن ہو گئے تھے۔

آج کل صرف حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر دکھائی دیتی ہے جیسے نجار کہتے ہیں۔وہ کہتے ہیں: رہی باقی شہداء کی قبریں تو وہاں پتھر جوڑے گئے ہیں' کہتے ہیں کہ یہاں ان کی قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں' مناسب یہی ہے کہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھڑے ہو کر باقی دائیں بائیں شہداء کو بھی سلام عرض کرے جیسے پہلے گذرا۔

علامہ مطری اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی شمالی جانب کچھ پتھر گڑے دکھائی دیتے ہیں' کہتے ہیں کہ یہ شہیدوں کی قبریں ہیں لیکن یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی البتہ مغازی کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی قبریں ہیں جو قحط سالی کے دنوں میں فوت ہوئے تھے اور اس میں شک نہیں کہ باقی شہداء کی قبریں حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اردگرد ہی ہیں اور ایسی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ انہیں آپ سے دور رکھا جاتا۔انتہی۔

میں کہتا ہوں' پہلے گذر چکا ہے کہ ان میں سے کچھ کی قبریں پانچ سو ہاتھ کے فاصلے پر مغرب میں موجود ہیں اور اصل وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ سے دور اسی جگہ پر شہید ہوئے تھے اور وہ قبریں جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ شہداء کی نہیں تو وہ وہی قبریں ہیں جن کے گرد پہاڑ کے نزدیک پتھروں سے چھوٹی سی دیوار بنی ہے۔

شہداءِ اُحد میں سے کون سے حضرات مدینہ میں دفن ہوئے

ان شہداءِ اُحد کا بیان جنہیں اُحد سے لا کر اپنی قبروں میں دفن کیا گیا۔

حضرت ابن اسحاق کہتے ہیں' مسلمانوں میں سے کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے قتل شدہ لوگوں کو مدینہ میں لا کر دفن کرنا چاہا تو حضورﷺ نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ انہیں وہیں دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ پھر بنوسلمہ کے قبرستان کے بیان میں گذر چکا کہ شہداءِ اُحد میں سے کچھ لوگ وہاں دفن کیئے گئے جن میں سے حضرت ابوعمرو بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے نیز یہ بھی آ چکا کہ حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیث سے فوت ہوئے تو وہ مدینہ میں فوت ہوئے اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفنائے گئے پھر حضرت عبدالرحمٰن کے والد عمران کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن سلمہ اور مجذر بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُحد سے اُٹھا کر قباء میں دفن کیا۔ پھر حضرت عبدالعزیز کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن مالک زرقی اُحد میں قتل ہوئے اور بنو زریق میں دفن کئے گئے۔ وہ کہتے ہیں' لوگ بتاتے ہیں کہ ان کی قبر آل نوفل بن مساحق کے گھر میں بنی تھی جو بنو زریق میں تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' رسول اللہﷺ نے شہداءِ اُحد کو مدینہ میں جہاں جگہ ملے' لا کر دفن کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ میرے والد مالک بن سنان کو اصحاب عباء کے پاس جگہ ملی تو وہ وہاں دفن کئے گئے۔ پھر ابن ابی فدیک کہتے ہیں کہ ان کی قبر اس مسجد میں ہے جو اصحاب عباء کے نزدیک تھی جو حناطین کی ایک جانب میں تھی۔ ایسی ہی روایت ابن زبالہ نے لکھی البتہ یہ کہا کہ انہیں بازار میں لے گئے چنانچہ وہ اصحاب العباء کے پاس دفن ہوئے۔

میں کہتا ہوں' ہم ان کی قبر کا بیان پچھلی بیان کردہ قبروں میں کر چکے ہیں لیکن حضرت ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بتائی' انہوں نے کہا: ہم نے اُحد کے دن اپنے شہداء کو اُٹھایا تو رسول اللہﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے آواز دی کہ انہیں وہیں دفن کرو جہاں شہید ہوئے ہیں لہٰذا ہم پیچھے لے گئے۔ واللہ اعلم۔

چھٹا باب

مدینہ کے مبارک کنوئیں' چشمے' درخت اور زمین کے وہ قطعے جو حضورﷺ کی طرف منسوب تھے' پھر وہ مسجدیں جو آپ کی طرف منسوب تھیں اور پھر ان مقامات کا ذکر جہاں سفر اور غزوات کے دوران حضورﷺ نے نمازیں پڑھیں۔اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر۱

مدینہ پاک کے مبارک کنوئیں

ان کنوؤں کا ذکر کرتے وقت میں نے اُن ناموں کا ترتیب وار لحاظ رکھا ہے جن کی طرف یہ کنوئیں منسوب تھے اور پھر آخر میں اس تتمہ کا ذکر کرتے ہوئے اس چشمے کا بیان کیا ہے جو حضورﷺ کی طرف منسوب تھا پھر موجود کنوؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔

بیر اُرِیس

یہ کنواں ایک یہودیؔ کے نام منسوب تھا جسے اریس کہتے تھے۔شامی لغات میں اریس' کسان کو کہتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہمیں حضرت ابوموسےٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ روایت ملتی ہے' فرماتے ہیں کہ انہوں نے گھر میں وضو کیا اور یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے کہ میں حضورﷺ کی خدمت میں رہوں گا چنانچہ مسجد پہنچے اور آپ کے بارے میں پوچھا۔انہیں بتایا گیا کہ اُدھر باہر تشریف لے گئے ہیں' میں پوچھتے پچھاتے آپ کی تلاش میں نکل پڑا' دیکھا تو آپ بیر اریس پر تشریف فرما تھے۔ میں دروازے پر بیٹھ گیا جو کھجور سے بنا تھا' آپ نے ضروری حاجت سے فارغ ہو کر وضو فرمایا تو میں اُٹھ کر خدمت اقدس میں چلا' دیکھا تو آپ کنوئیں کی منڈیر پر تشریف فرما تھے' مبارک پنڈلیاں دکھائی دے رہی تھیں جو کنوئیں میں لٹکی تھیں۔میں نے سلام عرض کیا اور واپس آ کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا اور سوچا کہ آج میں آپ کی دربانی کروں گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور دستک دی۔میں نے پوچھا: کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ابوبکر' میں نے کہا' ذرا ٹھہریئے' میں حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ابوبکر آئے ہیں اور داخلے کی اجازت مانگتے ہیں۔آپ نے فرمایا' آنے دو' ہاں انہیں کہہ دینا کہ تم جنتی ہو! میں نے حضرت ابوبکر سے آ کر کہا' اندر آ جایئے' رسول اللہﷺ فرماتے ہیں کہ آپ جنتی ہیں چنانچہ وہ اندر آئے اور منڈیر پر آپ کی بائیں جانب پنڈلیاں ننگی کئے یوں پاؤں لٹکائے جیسے حضورﷺ نے لٹکائے تھے۔

میں پھر واپس جا بیٹھا' میں اپنے بھائی کو وضو کرتے چھوڑ آیا تھا کہ میرے پاس آ جائیں گے اور میں چاہتا تھا

کہ وہ کسی طرح آ جائیں۔ اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی' میں نے پوچھا' کون ہیں؟ انہوں نے کہا: عمر بن خطاب! میں نے کہا ٹھہریئے' پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور سلام عرض کر کے عرض کی' عمر اجازت چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انہیں آنے دو اور کہہ دو کہ وہ جنتی ہیں۔ میں نے حضرت عمر سے کہا' رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ وہ آئے اور کنوئیں کی منڈیر پر پنڈلیاں ننگی کئے' پاؤں لٹکا کر آپ کی بائیں طرف بیٹھ گئے۔ میں نے کہا۔ خدا بھلا کرے' میرے بھائی آ جاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔

اتنے میں پھر دروازہ کھٹکا تو میں نے پوچھا' کون ہو؟ انہوں نے کہا: عثمان بن عفان ہوں' میں نے کہا ذرا ٹھہریئے' پھر میں نے آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی' عثمان حاضری کی درخواست کرتے ہیں۔ فرمایا: انہیں آنے دو اور کہہ دو تمہیں آزمائش سے گذرنا ہو گا تاہم جنت ملے گی۔ میں نے حضرت عثمان سے آ کر کہا' آیئے! رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ آپ جنتی ہیں' تاہم تکلیف پہنچے گی۔ وہ اندر آئے تو دیکھا کہ منڈیر پر بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی چنانچہ وہ سامنے والی جانب جا بیٹھے۔

حضرت شریک کہتے ہیں' میں نے ان کے یوں بیٹھنے سے یہ سمجھا کہ ان کی قبریں یونہی بنیں گی۔

میں کہتا ہوں کہ آئندہ بازاروں کے ذکر میں ایسا ہی واقعہ اور آ رہا ہے جس میں دربان حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتائے گئے ہیں چنانچہ احمد وطبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرو کا روایت کردہ ایسا ہی واقعہ آ رہا ہے جس میں وہی دربان تھے اور یہ واقعہ مدینہ کے ایک باغ کا تھا۔

حضرت رزین نے بیر اریس اور وہ کنواں جدا جدا بتائے ہیں جس کی منڈیر پر آپ تشریف فرما تھے چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مشہور کنوؤں کے ذکر میں کہا: بیر اریس وہ تھا جس میں حضور ﷺ کی انگوٹھی مبارک گری تھی اور بیر قف وہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے اور پھر باقی کنوئیں ذکر کئے۔

بخاری شریف میں ہمیں ایک حدیث ملتی ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کی انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہی پھر حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں اور پھر ان کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ میں رہی پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو آپ بیر اریس پر بیٹھے اسے ہلا جلا رہے تھے کہ وہ اس میں گر گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان کے ساتھ آتے رہے' کنوئیں کا سارا پانی بھی نکال کر دیکھا لیکن وہ نہ مل سکی۔ مسند حمیدی میں ہے کہ اس وقت معیقیب بھی ساتھ تھے چنانچہ ابن زبالہ نے شک میں بتایا ہے' کہتے ہیں: یہ وہی انگوٹھی تھی جو حضرت عثمان یا حضرت معیقیب کے ہاتھ سے گری تھی۔

حضرتِ نسائی نے حضور ﷺ کے چاندی کی انگوٹھی بنانے اور اس میں "محمد رسول اللہ" نقش کرانے اور پھر حضرتِ عثمان کے دورِ خلافت میں کئی سال تک ان کے ہاتھ میں پہننے رہنے کا ذکر کیا ہے' پھر اس میں ذکر کیا کہ جب

آپ کی طرف بہت سے خطوط آئے تو انہوں نے ایک انصاری کو پکڑا دی جنہوں نے ہاتھ میں پہنے رکھی' وہ حضرت عثمان کے ایک کنوئیں کی طرف گئے تو وہ اس میں گر گئی' ڈھونڈا گیا لیکن نہ مل سکی چنانچہ چاندی کی ایک اور انگوٹھی بنوانے کا حکم دیا اور اس میں محمد رسول اللہ کندہ کرایا۔

یہ معیقیب قبیلہ اوس سے تھے اور ان میں شامل تھے جنہوں نے دو ہجرتیں کیں لیکن عمومی طور پر انہیں انصار میں سے مہاجری کہا جاتا تھا۔

یہ انگوٹھی آپ کے دورِ خلافت کے آٹھویں سال میں گم ہوئی تھی اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح ایک راز کی بات تھی کیونکہ جب وہ گم ہوئی تو ان کی سلطنت ختم ہو گئی تھی اور جب حضرت عثمان نے گم کی تو ان کا معاملہ بگڑ گیا' لوگ ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ قیامت تک جانے والے فتنے کی ابتداء تھی۔

حضرت ابن کعب قرظی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی اس بیر خریف میں گری جو جو بیر اریس میں تھا۔ اسے نکالنے کی بہتیری کوشش کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انگوٹھی اسی بیر اریس میں نہیں گری تھی۔ اسی لئے ابن شبہ نے ابن غسان سے انگوٹھی گرنے کی روایت پر کہا: وہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ وہ ایک عام لوگوں کے استعمال کے اس کنوئیں میں گری تھی جسے بیر خریف کہتے تھے یعنی بیر اریس نامی کنوئیں کی سرزمین میں سے ایک کنوئیں میں گری تھی کیونکہ ابن شبہ ہی کے مطابق ابو غسان نے کہا' حضرت عثمان نے بیر اریس خریدا' اس میں جو مال تھا' اسے دومہ کہتے تھے' آپ نے اسے انصار کے ایک قبیلہ سے خریدا تھا' اسی میں آپ کا وہ حصہ تھا جو حضور ﷺ نے انہیں دیا تھا' وہ بنو نضیر کا مال تھا' اس میں کیدمہ تھا جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا مال تھا۔

پھر ابن کعب نے کہا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان سے یہ کیدمہ چالیس ہزار درہم میں خریدا اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح کو حکم دیا تو انہوں نے دے دیا' انہوں نے اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن وغیرہ کے لئے چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن نے اُمہات المؤمنین کے لئے کیدمہ کی وصیت کر رکھی تھی جنہوں نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح کے ہاتھ بیچ دیا۔

پھر کہا' ابو غسان نے کہا: رہا وہ اریس جس کی طرف وہ زمین منسوب تھی تو عبد العزیز نے مجھے عنبس عقبی سے روایت کی کہ یہ اریس ایک یہودی تھا جو بنو محمم سے تعلق رکھتا تھا' یہ مال (جائیداد) اسی کا تھا' حضرت عثمان نے یہ ساری جائیداد ایک جگہ اکٹھی کر دی' یہ سات حصوں میں تھی' اسے صدقہ کر دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن کے دادا نے بتایا کہ حضرت عثمان بیر اریس کی زمین میں ہمارے پاس آئے تو ہم نے کچھ کھجور کے درخت اس کے ساتھ ملا دیں' انہوں نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا' اے امیر المؤمنین! یہ ہم آپ کو دیتے ہیں' انہوں نے کہا کہ میں رشتہ داروں' فقیروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے رہنے دیتا ہوں حتیٰ کہ پرندے اور درندے بھی اسی سے کھاتے رہیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے اس مال کا ذکر ایک پتھر پر لکھا تھا جو بیر اریس کے ایک دروازے پر رکھا گیا تھا جسے کسی امیر مدینہ نے ان کنوؤں میں سے ایک کنوئیں میں شامل کر دیا تھا۔ انتہٰی۔

عنقریب کیدمہ کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ یہ بنونضیر میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا حصہ تھا اور مشہور جگہ "حسینات" کے قریب ایک جگہ تھی جو "کیا دم" کے نام سے مشہور تھی اور دومہ کو آج کل "عالیہ" کہتے ہیں جو بنوقریظہ کے پاس تھی اور پھر اس کے قریب ہی ایک اور جگہ ہے' اسے بھی "دویمہ" کہتے تھے لیکن جو آج کل مشہور ہے وہ اس پر اعتراض بنتا ہے' اسی کی تصریح ابن نجار نے کی ہے جیسے غزالی نے لکھا اور بعد والوں نے ان کی پیروی کی اور وہ یہ کہ بیر اریس ہی مغربی جانب مسجد قباء کے مقابلے میں تھا پھر اس اشکال میں اس وجہ سے اور قوت آ جاتی ہے کہ بنونضیر اور بنوجحم قباء میں نہیں ہوتے تھے بلکہ اسی دومہ نامی جگہ پر تھے یا اس کے اردگرد تھے۔

میں نے اس کا جواب یہ دیا ہے: ہوسکتا ہے کہ ان کی کچھ جائیداد قباء میں ہو جس کے کچھ حصے کو اس طرف دومہ اور کیدمہ کہتے ہوں اور بعد میں یہ نام بھلا دیے گئے ہوں۔

بیر اریس کی فضیلت

حضرت مجد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ان چیزوں میں سے جنہیں ہم نے حضرت زید بن حارثہ سے روایت کیا اور ان سے اریس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے' یہ بھی ہے کہ اس سے اس کنوئیں کی فضیلت دکھائی دیتی ہے' انہوں نے حضرت نعمان بن بشیر سے خبر دیتے ہوئے کہا کہ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا' انہوں نے کہا: السلام علیکم! حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا' میں نے کہا سبحان اللہ! حضرت زید نے کہا: چپ رہو چپ رہو: محمد اللہ کے رسول ہیں' یہ پہلی کتاب (تورات) میں لکھا ہے یہ سچ ہے' سچ ہے' سچ ہے' ابوبکر صدیق جسمانی طور پر کمزور لیکن اللہ کے معاملے میں سخت ہیں' یہ بھی پہلی کتاب میں لکھا ہے اور یہ سچ ہے' سچ ہے' سچ ہے' عمر بن خطاب اللہ کے معاملے میں سخت ہیں' یہ بھی پہلی کتاب میں لکھا ہے اور یہ بات سچی ہے' سچی ہے' سچی ہے' عثمان کے دو گذر گئے' چار باقی ہیں اور انہیں حلال جانا گیا صرف بیر اریس کی چراگاہ اور اس کا پانی چھوڑ دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ حضرت ابن شبہ سے بیان کیا البتہ آخر میں انہوں نے کہا' بیر اریس پر اختلاف ہوا' لوگوں نے کہا: اپنے خلیفہ کی طرف چلو کیونکہ آج وہ مظلوم ہیں۔

بیہقی نے دلائل النبوہ میں یہ واقعہ کئی طرح سے بیان کیا' ایک روایت میں دو سے مراد انہوں نے یہ مراد لی کہ یہ واقعہ حضرت عثمان کے دور خلافت کے دو سال گذرنے پر واقع ہوا اور چار سال باقی تھے اور بیر اریس میں حضور ﷺ کی انگوٹھی گرنے کا واقعہ ان کی خلافت کے چھ سال گذرنے پر پیش آیا' اس وقت آپ کی خلافت میں گڑبڑ ہوئی اور فتنے کے اسباب ظاہر ہوئے۔ انتہٰی۔

حضرت مجد کہتے ہیں، الاحیاء میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیر اریس میں تھوک مبارک پھینکی تھی لیکن کسی اور کے ہاں سے یہ ثبوت نہیں ملا پھر مجد نے قباء کے بیان میں دوبارہ بیر اریس کا ذکر کیا اور کہا: یہ وہی کنواں تھا جس میں حضور ﷺ نے تھوکا تھا اور یہ کڑوا ہونے کے باوجود میٹھا ہو گیا لیکن یہاں انہوں نے اسے امام غزالی کی طرف منسوب نہیں کیا، غزالی نے اسے حضرت ابن جبیر کے سفرنامے سے لیا ہے۔

حافظ عراقی نے الاحیاء کی حدیثوں کے حوالے سے بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بیر اریس میں حضور ﷺ کی تھوک مبارک والی حدیث سے واقف نہیں ہو سکے۔

میں کہتا ہوں کہ ابنِ جماعہ کا قول اس بارے میں عجیب و غریب ہے کہ انہوں نے مناسک کبریٰ کے باب الفضائل میں بیر اریس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ سیّدنا رسول اللہ ﷺ نے اس کنوئیں میں تھوکا تھا اور اس میں آپ کی انگوٹھی گر گئی تھی۔ انتہٰی۔

حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک قباء میں ان کے پاس بیر اریس کا پتہ کرنے آئے تو میں نے انہیں بتایا، وہ کہنے لگے یہ کنواں یہیں تھا، آدمی اپنے گدھوں کے لئے یہاں سے پانی لیتے، رسول اللہ ﷺ یہاں تشریف لائے، ڈول منگوایا اور پانی پیا پھر اس سے وضو کیا یا فرمایا کہ اس میں تھوکا تھا اور پھر حکم دیا اور وہ پانی کنوئیں میں ڈال دیا گیا، اس کے بعد میں نے نہیں نکالا، میں نے حضور ﷺ کو دیکھا، آپ نے استنجاء کیا پھر وضو کر کے جرابوں پر مسح فرمایا اور نماز پڑھی لیکن عنقریب بیر غرس کے بارے میں آ رہا ہے کہ اس سے یہی کنواں مراد ہے، ابن شبہ اور ابنِ زبالہ ان کنوؤں میں بیر اریس کا دوبارہ ذکر نہیں کیا جہاں سے حضور ﷺ نے پانی پیا تھا البتہ ابن شبہ نے اسے حضرت عثمان کی جائیداد میں ذکر کیا اور اس میں انگوٹھی گرنے کا بیان کیا۔

قباء کے مقام پر مشہور اس کنوئیں کا پانی مدینہ کے سب پانیوں سے میٹھا ہے۔

بیر اریس کی پیمائش

ابن نجار نے کنوئیں کی گہرائی بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ چودہ ہاتھ ایک بالشت تھی جن میں سے اڑھائی ہاتھ پانی تھا جبکہ اس کی چوڑائی پانچ ہاتھ تھی جبکہ وہ چبوترہ جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے، تین ہاتھ سے زیادہ بلند تھا، یہ ایک بلند قلعے کے نیچے تھا، قبلہ کی طرف سے خراب تھا اور اس کی بالائی جانب ایک رہائش گاہ تھی۔ علامہ مطری کے مطابق اس جگہ میں باغ کی نگرانی کرنے والا اور مسجد کا خدمت گذار رہتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ ہمارے ساتھی شیخ برہان الدین قطان کے قبضے میں ہے، اسی کی وجہ سے فخر عینی اور ان کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا کیونکہ فخر کے پاس اس قلعہ کی نچلی طرف ایک ٹکڑا تھا اور پھر مسجد کے مقابلہ میں ایک اور قطعہ تھا جسے ان کے ایک رشتہ دار نے لے رکھا تھا، اس کے بعد اسی کنوئیں میں سے مل کر پانی پینے پر صلح ہو گئی اور یہ

کنواں برھان کے ہاتھ میں رہا' پھر انہوں نے منڈیر کو اس سے تین ہاتھ اونچا کر دیا جو ہم نے دیکھ رکھی تھی اور یہ اس وقت کیا گیا جب متولی نے سبیل اور پانی پینے کی جگہ بنائی جو مسجد قباء کے سامنے تھے اور مقصد یہ تھا کہ اس پانی پینے کی جگہ پر پانی پہنچ سکے' آج کل میری پیمائش کے مطابق گہرائی ساڑھے انیس ہاتھ ہے جن میں سے چار ہاتھ تک پانی موجود ہے۔علامہ مطری کہتے ہیں کہ اس کے پانی تک پہنچنے کے لئے سیڑھی موجود ہے' وہ کہتے ہیں کہ: شیخ صفی الدین ابوبکر بن احمد سلامی نے زیارت کرنے والوں کے پینے اور وضو کرنے کے لئے سیڑھیاں بنائیں کہ اس میں اُتر سکیں' یہ ۷۱۴ھ کا واقعہ ہے۔انتہی اور یہ بات بدر بن فرحون کے قول کے مخالف ہے جو انہوں نے نجم الدین یوسف رومی کے تعارف میں لکھا ہے۔یہ امیر طفیل کے وزیر تھے' یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے بیر اریس میں موجود سیڑھیاں بنائیں جو قباء میں ہے' یہ واقعہ ۷۱۴ھ کا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ خرازوں (فقیروں) کی ایک جماعت نے اسے بنانے کا ارادہ کیا' وجہ یہ تھی کہ جب وہ مسجد قباء کی طرف آتے تو وہاں وضو کے لئے پانی نہ ملتا' صرف جعفریہ باغ سے ملا کرتا۔

علامہ مجد نے دونوں روایتوں کو جمع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: نجم الدین نے یہ سیڑھی بنائی اور جب وہ ٹوٹ پھوٹ گئی تو صفی الدین نے اسے ازسرِ نو بنا دیا۔

میں کہتا ہوں کہ تاریخ اس بات کا رد کرتی ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ فقیروں کی جماعت (جیسا کہ بدر فرحون نے لکھا ہے) مسجدوں وغیرہ کی تعمیری کوششیں کرتے تھے' یہ لوگ فقیر تھے' خادم ان کی مدد کرتے' اور مالدار نیک لوگ تعاون کرتے۔صفی الدین کے پاس دنیوی مال بہت تھا تو۔گویا سیڑھیاں بنانے میں یہی ان فقراء کی مدد کرتے۔مطری سب کے ساتھ تھے تو ظاہر یہی ہے کہ انہیں اس کی اطلاع تھی اور پھر نجم الدین نے ان سیڑھیوں کو مکمل کیا۔واللہ اعلم۔

بیر الاعواف' حضور ﷺ کے رفاہی کاموں میں سے ایک

ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا' اس وقت آپ بیر اعواف کے کنارے پر بیٹھے تھے' اس میں پانی بہہ نکلا اور نبی کریم ﷺ کے وضو کی برکت سے وہاں شادابی آ گئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت ابن زبالہ کے مطابق حضرت عثمان بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چور کو پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ گیا' آپ نے اس کی طرف پتھر پھینکا تو وہ گر گیا۔آپ نے اسے پکڑ لیا اور پتھر کو چھو کر بابرکت فرما دیا اور اس کے لئے دُعا فرمائی چنانچہ وہ وہی پتھر ہے جو اعواف اور شطبیہ کے درمیان ہے لوگ اسے ہاتھ لگاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ''اعواف'' آج کل ایک بہت کھلا ریتلا میدان ہے جو مربوع کے قبلہ میں ہے جس کی شامی جانب خنافہ ہے اور اس میں بہت سے کنوئیں موجود ہیں جن میں سے اس کنوئیں کی پہچان نہیں رہی اور نہ ہی اس پتھر کا

پتہ چل سکتا ہے کیونکہ شطبیہ کے بارے میں آج کل کوئی نہیں جانتا' شاید وہ جگہ ہو جسے آج کل "عتمی" کہتے ہیں کیونکہ ابن زبالہ نے پچھلی روایت میں لکھا ہے: ابن عتبہ کی اراضی اور عقبہ' اعواف کی مشرقی جانب ہے اور اگر یہی شطبیہ ہے تو بیر اعواف وہ کنواں ہوگا جو خنافہ سے ملتا ہے جو اعواف کے میدان میں ہے' یہ کنواں آج کل بیکار ہے' اس میں پانی موجود نہیں اور پھر ابن زبالہ کی یہ بات بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے کہ "اعواف" کا مالک خنافہ یہودی تھا جو ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دادا تھا۔

علامہ مطری۔اور ان کے پیروکاروں نے اس کنوئیں کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی آنے والے "غلالہ" کا کیونکہ ابن النجار اس سلسلے میں خاموش ہیں۔

بئرِ اُنَا

یہ لفظ هُنَا کی طرح ہے اُنَیٰ یا اُنَّا ہے حتیٰ کے وزن پر' نہایہ میں سے اُبَّا لکھا ہے حتیٰ کے وزن پر۔

ابن زبالہ کے مطابق عبدالحمید بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو اپنا خیمہ بئر انا پر لگایا تھا اور وہیں موجود مسجد میں نماز پڑھی' اسی کنوئیں سے پانی پیا اور اس بیری کے ساتھ اپنی سواری باندھی جو مریم بنت عثمان کی زمین میں تھی۔

اس بارے میں ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ یہودیوں کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں کے ایک کنوئیں کے پاس ٹھہرے' لوگ آپ کے پاس پہنچنے لگے' یہ "بیرانا" تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس کنوئیں کا کوئی علم نہیں۔

بئر انس بن مالک بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ان کے باپ کی طرف بھی منسوب ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی مانگا تو بئر انس میں سے آپ کے لئے ڈول بھر کر نکالا گیا' اور پھر حضور ﷺ کو پیش کیا گیا تو آپ نے اسے پی لیا' اس وقت حضرت عمر سامنے' ابوبکر بائیں طرف اور ایک دیہاتی دائیں طرف تھا' الحدیث۔

یہی روایت بخاری شریف میں حضرت انس کی روایت کردہ ہے: رسول اللہ ﷺ ہمارے اسی گھر میں تشریف ئے اور پانی مانگا' ہم نے بکری دوہی اور اپنے اس کنوئیں کا پانی ملا کر آپ کو پیش کیا' الحدیث پھر ابن شبہ نے نرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت انس کے گھر میں موجود کنوئیں ے پانی پیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں موجود کنوئیں کے اندر تھوک ارک ڈالی تھی چنانچہ پورے مدینہ میں اس سے زیادہ کوئی کنواں میٹھا نہ تھا اور جب لوگ محاصرے میں ہوتے تو انہیں

یہی میٹھا پانی پیتا ہوتا' دورِ جاہلیت میں اسے ''برود'' کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ کہاں تھا لیکن ابن شبہ سے بلاط میں گذرا کہ اس کی ایک سرنگ سی تھی جو دار انس سے بنو جدیلہ کی طرف جاتی تھی پھر اس مقام پر گذر چکا جہاں سے مسجد نبوی کے لئے اینٹیں بنوائی گئیں کہ آج کل کا معروف کنواں جسے ''رباطیہ'' کہتے ہیں' یہ رباط یمنہ کا وقف کردہ تھا جو مشہور باغ کی شامی جانب تھا جو رومیہ کے نام سے مشہور تھا اور جو دار نخل کے قریب تھا جس سے فقراء تبرک حاصل کرتے تھے جیسے زین مراغی نے کہا ہے اور پھر کہا کہ اسے بئر ایوب کہتے ہیں اور یونہی باولی والا کنواں جو اس کی مشرقی جانب' اولادِ صفی کے نام سے مشہور باغ میں موجود تھا' اسے بھی بئر ایوب کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل جو کنواں بئر ایوب کے نام سے مشہور ہے' وہ دوسرا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بئر ابوایوب انصاری ہے' رہا پہلا تو ظاہر یہ ہے کہ وہ بئر انس ہے کیونکہ وہ اس زمینی نالی کی طرف ہے جسے ابن شبہ نے بنو جدیلہ کے گھروں کے قریب ذکر کیا ہے' لوگ قدیم سے اسے متبرک جانتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ میٹھا پانی تھا جسے اس وقت لوگ پیتے جب گرمیوں میں سفر پر جانا ہوتا اور عنقریب ''بئر سقیا'' میں آ رہا ہے کہ وہ حضورﷺ کو بئر مالک بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میٹھا لگتا تھا۔

ابن شبہ حضرت انس سے ان کے کنوئیں کے ذکر میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میرے گھر میں ایک کنواں تھا جسے دورِ جاہلیت میں ''برود'' کہتے تھے' جب لوگ اس کے گرد ہوتے تو وہیں سے پانی پیتے۔

حضرت انس کے مطابق اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ جب نبی کریمﷺ چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کے ننھیال دکھانے آپ کو طیبہ کی طرف لے گئیں' آپ فرماتے ہیں کہ میں ان کے کنوئیں میں تیرا تھا۔

بئرا ھاب

ابن زبالہ کے ایک نسخے میں ''بئر ھاب'' لکھا ہے لیکن پہلا نام درست ہے' حضرت مجد نے اسی پر بھروسہ کیا ہے چنانچہ حضرت محمد بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہﷺ حرہ کے مقام پر بئر اھاب پر تشریف لائے جو ان دنوں سعد بن عثمان کے قبضے میں تھا' آپ نے حضرت سعد کے بیٹے کو کنگھی کرتے دیکھا' آپ واپس تشریف لے آئے اور فوری طور پر حضرت سعد آئے اور اپنے بیٹے سے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا' انہوں نے کہا' ہاں اور پھر آپ کی نشانیاں بتائیں۔حضرت سعد نے کہا کہ وہ تو رسول اللہﷺ تھے چنانچہ انہوں نے اسے کھول دیا۔حضرت عبادہ آپ کے پاس حاضر ہوئے' آپ نے ان کے سر کو چھوا اور برکت کی دُعا فرمائی چنانچہ وہ اسی سال کی عمر میں فوت ہوئے تو کوئی بال سفید نہ تھا۔راوی کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے ان کے کنوئیں میں مبارک تھوک ڈالی۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن عثمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اگر مجھے علم ہو جائے کہ تم اسے بیچو گے نہیں تو میں

اس میں قبر بناتا' اس میں سے نصف حصہ اسماعیل بن ولید بن ہشام بن اسماعیل نے خرید لیا اور اس پر وہ محل بنایا جو حرہ میں ابن ہشام کے حوض کے سامنے تھا اور دوسرا حصہ اسماعیل بن ایوب بن سلمہ نے خریدا۔

میں کہتا ہوں' یہی وہ کنواں ہے جو گذشتہ حدیث احمد میں مذکور ہے جو مدینہ کی موجودہ اور آئندہ حالت بتاتی ہے کیونکہ اس میں آپ کا ارشاد ہے: "آپ باہر نکلے اور بر اہاب پر پہنچے اور فرمایا: بہت جلد تعمیرات کا سلسلہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔"

حدیث عبادہ زرقی میں ہے کہ وہ قطا جانور کا شکار کرتے اور بر اہاب پر چڑھتے کیونکہ یہ انہی کا تھا الحدیث اور یہ حرۂ غربیہ میں ایک کنواں تھا لیکن آج اس کا نام یہ نہیں البتہ ابن ہشام کا حوض جو اس کے مقابلہ میں تھا وہ حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا اور جس کے بارے میں مطری نے واضح طور پر لکھا کہ آج کل اسے زمزم کہتے ہیں جیسے حضرت فاطمہ کے کنوئیں کے ذکر میں بھی آ رہا ہے اور جب ان کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم بن ہشام نے حرہ میں اپنا گھر بنایا اور بازار کو وہاں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے حوض کے گڑھے میں وہ کچھ کیا جو حضرت فاطمہ نے کیا تھا چنانچہ اُسے فروخت کر دیا۔ وہ جبل سے ملے تو انہوں نے کہا کہ انہیں دارِ فاطمہ فروخت کر دیں' انہوں نے بیچ دیا یعنی اس کنوئیں کی وجہ سے جسے فاطمہ نے اپنے گھر میں کھدوایا تھا۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ ابن زبالہ نے ایسے بہت سے کنوؤں کا ذکر کیا ہے جن پر حضور ﷺ تشریف لائے' ان سے پانی پیا اور وضو فرمایا لیکن آج ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں تھے' وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کنواں حرۂ غربیہ کے مقام پر نقاء منزل کے آخر میں تھا اور پھر ان کا بھی ذکر کیا جو بئر سقیا کے بیان میں آ رہے ہیں اور یہ الفاظ لکھے: ان کنوؤں میں سے ایک وہ تھا کہ جب تم بئر سقیا پر کھڑے ہو کر بائیں طرف دیکھو تو وہ نظر آتا تھا لیکن وہ راستے سے تھوڑا سا ہٹا ہوا تھا اور اس کے گرد چونے سے بنی دیوار تھی اور پھر اس کے کنارے پر پتھر کا حوض تھا جو ٹوٹ چکا۔ اہلِ مدینہ شروع سے آج تک اسے متبرک سمجھتے چلے آئے ہیں' اس سے پانی پیتے رہتے ہیں' یہ پانی لوگ مختلف علاقوں کو لے جاتے رہے جیسے آبِ زمزم لے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اسے زمزم کہتے ہیں کہ بابرکت ہے۔

پھر کہتے ہیں' میں نے آج تک ان کے بارے میں کوئی قابلِ بھروسہ بات لکھی نہیں دیکھی' اللہ ہی بہتر جانے کہ ان دونوں میں سے کون سا بئر سقیا تھا' کیا پہلا تھا کہ وہ راستہ کے قریب تھا یا پھر یہ تھا کہ مسلسل لوگ اسے متبرک جانتے آئے ہیں یا شائد وہ کنواں تھا جسے سیّدہ فاطمہ بنت حسین نے اس وقت گھر میں کھدوایا تھا جب وہ اپنی بڑی دادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے آ گئی تھیں اور پھر آنے والا قصہ بیان کیا جس میں ان کے گھر میں کنواں کھدوانے کا ذکر ہے' پھر کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہی بئر فاطمہ تھا جبکہ پہلا کنواں سقیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ "پہلا کنواں سقیا تھا" والا یہ قول درست ہے جیسے آگے آئے گا اور ان کا یہ کہنا کہ یہ دوسرا کنواں بئر فاطمہ تھا' عجیب لگتا ہے کیونکہ ان کے قول "اور اُن میں سے یہ ہے کہ یہ ان کنوؤں میں سے ہے جن کا ذکر ابن زبالہ

نے کیا ہے۔'' کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس پہنچے اور اس سے پانی پیا اور حضرت فاطمہ بنت حسین کا کنواں تو وہی تھا جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد کھدوایا تھا' ابنِ زبالہ نے اسے مسجد کی تعمیر کی خبروں میں ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کے کنوؤں کے ذکر میں وہ بیان کیا ہے جو ہم بیر اھاب میں بیان کر چکے ہیں اور پھر وہیں ہم نے بئر سقیا اور دوسرے کنوؤں کا ذکر کیا پھر ان دونوں کا الگ الگ ذکر حرّۂ غربیہ کے بیان میں کیا ہے اور پھر مطری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ مذکور کنواں شروع سے متبرک چلا آیا ہے اور اس کا پانی مختلف علاقوں کی طرف لے جایا جاتا تھا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ کنواں بنت حسین کی طرف منسوب ہو جبکہ وہاں ایک اور کنواں موجود تھا جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب تھا اور جس کے بارے میں آیا کہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس میں تھوک مبارک ڈالی تھی؟ تو میرے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ جو کنواں زمزم کے نام سے مشہور تھا' وہ بئر اھاب تھا اور پھر میں نے اس کے پاس اس دیوار کی جانب جس کے پہلو میں باغ کے گرد دیوار ہے' محل کے قدیم آثار دیکھے ہیں جن پر اسے تعمیر کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ اسماعیل بن ولید کا محل ہے جسے اس نے اس پر تعمیر کیا تھا' پھر اس کی شامی جانب اسی باغ میں ایک اور کنواں تھا' احتمال یہ ہے کہ حضرت بنت الحسین کی طرف یہی منسوب ہے اور یہ بھی لگتا ہے کہ ابن ھشام کا حوض اسی جگہ ہو گا۔ واللہ اعلم۔

بئر بُصَّہ

اس کی باء پر پیش' صاد پر زبر اور شد اور آخر میں ھاء ہے' شاید یہ لفظ بَصَّ الْمَاءَ سے ہے یعنی اس نے پانی چھڑکا' مسجد نے یونہی کہا اور اگر بغیر شد کے پڑھیں (بُصَہ) تو وَبَصَ یَبِصُ وَبُصًّا و بصۃً سے ہو گا جیسے وَعَدَ یَعِدُ وَعُدًا و عِدَۃً جس کا معنٰی پہنچنا ہوتا ہے اور وَبَصَ لِیْ مِنَ الْمَالِ سے ہو گا یعنی اس نے مجھے عطا کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اہلِ مدینہ کے ہاں یہ شد کے بغیر بولا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شہداء اور ان کے بیٹوں کے پاس تشریف لے جاتے اور گھر والوں کی خبر گیری فرماتے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوسعید خدری کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا آپ کے پاس سدر (بیری کے پتے) ہیں؟ میں اپنا سر دھونا چاہتا ہوں کیونکہ آج جمعہ ہے انہوں نے عرض کی' ہاں چنانچہ وہ نکال لائے اور حضور ﷺ کے ہمراہ ''بِصَہ'' کی طرف چلے' آپ نے سرِ انور دھویا اور پھر سر سے بچا پانی بصہ میں ڈال دیا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ کنواں قباء کی طرف جانے والے کے راستے میں بقیع کے قریب تھا اور باغ میں موجود تھا' اسے سیلاب نے ڈھا دیا اور نام و نشان مٹا دیا' اس میں سبز سا پانی تھا' میں اس کی منڈیر پر کھڑا ہوا اور اس کی گہرائی ماپی تو گیارہ ہاتھ تھی جن میں سے دو ہاتھ پانی تھا اور چوڑائی سات ہاتھ تھی' پتھر سے بنا تھا اور پانی جب باہر نکالا جاتا تو سفید ہوتا اور ذائقہ میٹھا' مجھے ایک قابلِ بھروسہ شخص نے بتایا لوگ سیلابی نقصان سے پہلے اس کا پانی پیا کرتے تھے پھر بعد

ازاں اسے درست کر دیا گیا چنانچہ اسی وجہ سے حضرت مطری نے کہا کہ: یہ کنواں ایک بڑے باغ میں تھا جس کے گرد دیوار موجود تھی اور اس کے نزدیک ہی وہاں اس سے چھوٹا سا کنواں تھا' لوگوں کا اختلاف رہا کہ شاید یہی دونوں بئر بصہ ہیں البتہ ابن نجار نے کہا کہ بڑا کنواں بئر بصہ ہے اور پھر اُنھوں نے قبل ازیں اس کی گہرائی اور چوڑائی بھی بتائی اور پھر کہا: چھوٹے کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی اور یہ وہی تھا جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان کے قلعہ کے ساتھ تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے اکابر خدام سے سنا' وہ کہتے تھے کہ یہ بڑا کنواں ہے جو قبلہ کی طرف تھا' فقیہ صالح حضرت ابو العباس احمد بن موسےٰ بن عجیل رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ یمنی حضرات جب بصہ نامی کنواں سے جب برکت لینے آتے تو اسی قبلہ والے بڑے کنوئیں پر آیا کرتے۔

میں کہتا ہوں' یہ سب کچھ اس بناء پر کہا گیا ہے جو ابن نجار نے بصہ کے بارے میں لکھا ہے لیکن بصہ ہونے کی اوّلیت اسی کو حاصل ہے جو قلعہ کی طرف چھوٹا ہے' اس کے بارے میں ابن زبالہ نے کہا ہے جیسے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ: اسی کو ''اجرد'' کہتے ہیں اور اسی کے کنوئیں کو ''بصہ'' کہتے ہیں' یہی کنواں مالک بن سنان کے پاس ہوا کرتا تھا جبکہ بڑا کنواں اس قلعے سے دور تھا۔ قاضی مدینہ زکی الدین بن ابو الفتح بن صالح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی قلعے کی جگہ خوبصورت بلڈنگ بنائی اور چھوٹے کنوئیں میں اُترنے کے لئے وہاں سیڑھیاں بنائیں اور پھر اپنے لڑکے کے لئے اسے اجرت پر لے کر بنایا چنانچہ یہ فقراء کے لئے وقف کردہ چیزوں میں شامل ہو گیا تھا' اسے شیخ الخدام عزیز الدولہ ریحان بدری شہامی نے زیارت کی خاطر آنے جانے والے لوگوں کے لئے وقف کیا تھا جیسے مطری نے کہا کہ یہ معاملہ ان کی وفات کے دو تین سال بعد ہوا تھا' ان کی وفات ۶۹۷ھ میں ہوئی تھی۔

پھر چھوٹے کنوئیں کی غربی جانب' باہر کی طرف سے باغ کی جانب چوپائیوں کے لئے سبیل ہے جو اسی کنوئیں سے بھری جاتی ہے جس کے لئے رکبداریہ نامی باغ وقف کیا گیا جو دیوارِ مدینہ کی شمالی جانب تھا۔

بئر بضاعہ

یہ لفظ بضاعہ بضاعہ (صاد کے ساتھ بھی ہے یعنی بصاعہ) ہے' یہ کنواں برحاء کی غربی جانب شمال میں تھا چنانچہ سنن ابو داؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمیں ایک حدیث ملتی ہے' کہتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا (آپ سے کہا گیا کہ اس سے آپ کے لئے پانی لایا جاتا ہے جبکہ اس میں کتوں کا گوشت اور مرد و زن کی پلید چیزیں پھینکی جاتی ہیں) آپ نے فرمایا کہ پانی پاک ہوتا ہے' اسے ایسی کوئی چیز پلید نہیں کیا کرتی۔

حضرت ابوسعید' نسائی میں بتاتے ہیں' میں حضور ﷺ کے ہاں سے اس وقت گذرا جب آپ بئر بضاعہ سے وضو فرما رہے تھے' میں نے عرض کی' آپ تو اس سے وضو فرما رہے ہیں جبکہ اس میں سے تو بدبو آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کو کوئی شے پلید نہیں کرتی۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بئر بضاعہ میں تھوک مبارک ڈالی تھی پھرانہی سے یہ روایت بھی ملتی ہے کہ میں نے اسی کنوئیں سے اپنے ہاتھوں حضور ﷺ کو پانی پلایا تھا۔

حضرت محمد بن یحییٰ کی والدہ کہتی ہیں کہ ہم سہل بن سعد کے ہاں پہنچے' عورتیں بھی بیٹھی تھیں' انہوں نے کہا اگر میں تمہیں بئر بضاعہ سے پانی پلاؤں تو جھجک محسوس کروں گا حالانکہ بخدا میں نے اس سے حضور ﷺ کو خود اپنے ہاتھوں پانی پلایا تھا۔

کبیر طبرانی میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بضاعہ میں برکت ڈالی تھی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابو اسید کا مدینہ منورہ میں ایک کنواں تھا جسے بئر بضاعہ کہتے تھے' نبی کریم ﷺ نے اس میں تھوکا تھا' لوگ اس کا پانی چہروں پر ملتے اور برکت حاصل کرتے تھے۔

ابن زبالہ بتاتے ہیں کہ جب ابو اسید نے اپنے باغ کا پھل اُتارا تو اسے بالا خانے میں رکھ دیا' جنات کی قسم کی کوئی چیز آئی جس نے وہ پھل چوری کیا اور برباد کر دیا' انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اے اسید! یہ تو جنات ہیں' کان رکھو اور جب ان کا ہجوم آتا سنو تو کہو:

بِسْمِ اللّٰهِ اَجِيْبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ○

اس غول پھلاوہ نے کہا' اے ابو اسید! مجھے معاف کر دو' مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے کی تکلیف نہ دو' میں تم سے پکا عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے گھر میں نہیں آؤں گا اور نہ ہی تمہارا پھل اُٹھا لے جاؤں گا' میں تمہیں ایک آیت بتا دیتا ہوں' پڑھ لیا کرو گے تو تمہارے گھر میں کوئی نہیں آئے گا' برتن پر پڑھو گے تو اسے ننگا کوئی نہیں کرے گا چنانچہ اس نے انہیں ایسا پکا وعدہ دے دیا جس سے یہ راضی ہو گئے پھر اس نے کہا کہ جو آیت میں تمہیں بتا رہا ہوں' وہ آیۃ الکرسی ہے۔

حضرت ابو اسید حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا کہ جھوٹا ہونے کے باوجود اس نے بات سچی کی ہے۔

حضرت مجد کہتے ہیں' ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بئر بضاعہ پر آئے' ڈول سے وضو فرمایا اور باقی پانی کنوئیں میں ڈال دیا اور پھر اس میں تھوک مبارک ڈالی اور پانی بھی پیا اور جب آپ کے دور میں کوئی بیمار ہو جاتا تو کہتا کہ مجھے بئر بضاعہ کے پانی سے غسل دیدو' وہ نہاتا تو شفایاب ہو جاتا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتی ہیں کہ ہم بیماروں کو تین دن تک بیر بضاعہ سے نہلاتے تو وہ تندرست ہو جاتے۔

ابو داؤد اپنی سنن میں کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ بن سعید سے سنا' کہتے تھے کہ میں نے بیر بضاعہ پر نگران سے اس کی گہرائی کا پوچھا کہ اس کا زیادہ سے زیادہ پانی کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا قد آدم تک' میں نے پوچھا کہ گھٹ جائے تو

پھر کتنا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا شرمگاہ سے نیچے تک۔ ابو داؤد نے اس کے بعد لکھا کہ میں نے اپنی چادر سے کنوئیں کے پیائش کی' میں نے چادر اوپر بچھا کر پیائش کی تو اس کا عرض چھ ہاتھ تھا اور میں نے اس شخص سے پوچھا جس نے باغ کا دروازہ کھولا اور مجھے اندر داخل ہونے دیا کیا اس کی وہی شکل ہے جو پہلے تھی؟ انہوں نے کہا' نہیں حالانکہ میں نے پانی دیکھا تو وہ رنگ بدل چکا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ کنواں ایک باغ میں تھا جس کا پانی میٹھا اور ستھرا تھا' رنگ اصلی تھا اور خوشبودار تھا' لوگ وہاں سے پانی پیتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے ماپا تو اس کی گہرائی گیارہ ہاتھ اور ایک بالشت تھی جن میں سے دو ہاتھ سے زائد پانی تھا اور باقی تعمیر شدہ تھا جبکہ اس کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی جیسے ابو داؤد نے بتایا۔

میں کہتا ہوں کہ اسے میں نے بھی ماپا تھا تو پیائش اتنی ہی تھی' اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی البتہ اس کی منڈیر اصل زمین سے ڈیڑھ ہاتھ اور قدرے زیادہ تھی' یہ مطری کے مطابق باغ کے پہلو میں شامی جانب قریب ہی تھا اور یہ باغ کنوئیں کے قبلہ میں تھا' کنوئیں کی شامی جانب والے باغ میں رہنے والے بھی اسی کنوئیں سے پانی پیتے تھے' یہ دونوں باغوں کے درمیان تھا اور اس کا پانی میٹھا اور ستھرا تھا حالانکہ یہ بے کار پڑا تھا اور اس کی منڈیر خراب ہو چکی تھی اور یہی وہ کنواں ہے جو صحیح بخاری میں موجود حضرت سہل بن سعد کی روایت کردہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ: ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے کہ ایک بڑھیا ہمارے لئے کھانا لایا کرتی۔ ایک روایت میں ہے کہ ''بضاعہ کی طرف بھیجا کرتی۔''

اسماعیلی کہتے ہیں' اس سے پتہ چلا کہ یہ کنواں باغ میں تھا' معلوم ہوتا ہے حائضہ عورتیں وہاں کچھ پھینک دیتیں' بارش آتی تو اسے بہا کر کنوئیں میں ڈال دیتی۔

میں کہتا ہوں' جس نے بضاعہ کو دیکھا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ کنواں پست زمین میں تھا' اس کے اردگرد کی جگہ اونچی تھی' خصوصاً شامی جانب والی اور جب وہاں پلید چیزیں ڈالی جاتی ہیں تو بارش انہیں بہا کر لے جاتی ہے اور ہوا بھی گندگی اُٹھا کر اسی میں ڈالتی ہے۔ علامہ طحاوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس جگہ پر پانی بہتا تھا' واقدی نے بھی یہی کہا ہے اور اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس کے گرد والی زمین پر پانی چلتا تھا جو پلیدی کھینچ کر اس کنوئیں میں ڈال دیتا تھا کیونکہ مدینہ کے مؤرخین نے اس کا نام کنواں رکھا تھا' ایسے نہیں جیسے کچھ حنفی حضرات کہتے ہیں کہ یہ ایک چشمہ تھا جس کا پانی تمام باغوں کی طرف جاتا تھا کیونکہ موقع دیکھنے پر یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔

بئر جاسوم

اسے بئر جاسم بھی کہا جاتا تھا' ابن نجار نے اسے اور اس کے بعد والے کا ذکر نہیں کیا اور مسجد راتج کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد راتج میں نماز پڑھی تھی اور جاسوم کا پانی پیا تھا' یہ ایک کنواں تھا۔

ابن نجار اور پھر ابن زبالہ کے مطابق بھی حضرت خالد بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے ابو الہیثم بن تیہان کے کنوئیں جاسوم سے پانی پیا تھا چنانچہ حضرت زید بن سعد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہمراہ لئے ابو الہیثم بن تیہان کے پاس جاسوم کنوئیں پر تشریف لائے اور اس سے پانی پیا تھا' یہ کنواں انہی کا تھا اور پھر ہموار زمین پر نماز پڑھی۔

پھر واقدی کے مطابق حضرت ھیثم بن نصر اسلمی کہتے ہیں' میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازے پر بیٹھ گیا' میں جاسم نامی کنوئیں سے آپ کے لئے پانی لاتا۔ یہ کنواں ابو الہیثم بن تیہان کا تھا اور اس کا پانی بہت اچھا تھا۔ ایک دن حضرت ابوبکر کو ساتھ لئے ابو الہیثم کے پاس تشریف لے گئے اور ٹھنڈا پانی مانگا تو وہ چمڑے کا ڈول پانی بھرا لے آئے' دیکھا تو پانی بہت ٹھنڈا تھا جیسے برف ہوتی ہے' انہوں نے بکری کے دودھ میں ملا کر پلایا اور عرض کی کہ ہمارے ہاں ٹھنڈا جھونپڑا ہے لہٰذا یا رسول اللہ! آپ یہیں قیلولہ فرمالیں چنانچہ آپ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں داخل ہو گئے' اتنے میں ابو الہیثم کئی رنگ کی کھجوریں لے آئے' الحدیث۔

پھر حافظ ابن حجر کہتے ہیں' اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ قصہ وہی ہے جو صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے' آپ کا ساتھی بھی وہاں موجود تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اگر تمہارے پاس چمڑے کے ڈول میں رات کا رکھا پانی موجود ہے تو لاؤ ورنہ ہم یہاں منہ لگا کر پی لیں گے۔ وہ آدمی باغ کو پانی دے رہا تھا' اس نے عرض کی یا رسول اللہ! رات کا رکھا پانی ہمارے پاس موجود ہے' آپ جھونپڑے میں تشریف لے چلیں' وہ آپ دونوں کو وہاں لے گیا' پانی ایک پیالے میں ڈالا اور پھر گھریلو بکری کا دودھ اس میں دوہا جسے رسول اللہ ﷺ نے پی لیا اور پھر اس شخص نے پیا جو ساتھ آیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کنواں آج کل مشہور نہیں البتہ مسجد راتج کے بیان میں اس کی جگہ کی جہت بتائی گئی ہے۔

بئر جمل

''جمل'' کا معنی یہاں اونٹ ہی ہے۔ حضرت ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابن عبد اللہ بن رواحہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور ﷺ بئر جمل کی طرف تشریف لے گئے' ہم بھی ہمراہ گئے' آپ وہاں داخل ہوئے تو حضرت بلال بھی چلے گئے۔ اس پر ہم نے کہا' ہم اس وقت تک وضو نہیں کریں گے جب تک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں بتا نہیں دیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیسے فرمایا' وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور ﷺ نے موزوں اور خمار پر مسح فرمایا۔ پھر صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص ملا اور سلام عرض کیا۔ الحدیث۔

دار قطنی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت سے واپس آئے تو بئر جمل کے پاس آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی۔ انہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کے لئے بئر جمل کی طرف تشریف لے گئے

آگے سے ایک آدمی ملا اور سلام عرض کیا۔نسائی کی روایت میں ہے کہ بئر جمل کی طرف سے تشریف لائے۔ یہ وادیٔ عقیق میں تھا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ جرف کی طرف عقیق کے آخر میں ایک مشہور کنواں تھا۔وہاں اہل مدینہ کی اراضی تھی۔

نسائی کہتے ہیں' بئر جمل نام رکھنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہاں ایک اونٹ مر گیا تھا یا اس آدمی کا نام جمل تھا جس نے اسے کھودا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کنواں آج کل مشہور نہیں اور علامہ مجد سے پہلے کسی نے نہیں لکھا کہ یہ کنواں حجرف میں تھا' صرف یاقوت حموی نے لکھا ہے۔

یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ ''یہ عقیق سے تعلق رکھتا تھا'' میں نے اسے نسائی کی سنن صغریٰ میں نہیں دیکھا اور پھر پہلی روایات بھی اس معنٰی کو بعید جانتی ہیں کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: ''آپ قضاءِ حاجت کے لئے بئر جمل کی طرف تشریف لے گئے اور دوسری جگہ ہے کہ آدمی راستہ میں چھپ گیا اور قضاءِ حاجت کی معروف جگہ بقیع الجبہ کی طرف تھی اور وہ بئر ابو ایوب کی جانب تھی' وہاں ایک مشہور جگہ ''مناصع'' تھی اور پھر شامی جانب مسجد کے مشرق میں مناصع کی گلی کا ذکر گذر چکا ہے اور تیسرے باب کی گیارہویں فصل میں آ چکا ہے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی مبارک بنو نجار کے عین درمیان جا بیٹھی تھی یعنی مسجد نبوی کی مشرقی جانب' پھر وہاں سے اُٹھی اور حبشی کی گلی تک پہنچی جو بئر جمل پر تھی اور وہاں بیٹھ گئی۔الحدیث اور یہ روایت ہماری بیان کردہ روایت کی تائید کرتی ہے' علاوہ ازیں مسجد کے آخر میں ایک گلی تھی جسے آج کل ''حزق جمل'' کہتے ہیں اور چھوٹے بازار کے راستے کے قریب ایک چھوٹا سا کنواں ہے جو تنیق کی گلی میں ہے' وہاں کے لوگ اسے یہی کنواں سمجھتے ہیں لیکن میں اسے غلط جانتا ہوں۔

حضرت مطریٰ ان چند کنوؤں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں جن کا ابن نجار نے ذکر کر رکھا ہے کہ وہ چھ تھے جبکہ ساتویں کا آج کل کوئی علم نہیں ہاں عام لوگ یہی کہتے ہیں کہ وہ بئر جمل تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ کہاں تھا۔ہاں بخاری اور ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے سات مشہور کنوؤں میں بئر جمل کا ذکر نہیں کیا اور شاید انہیں ابن زبالہ کے ذکر کردہ کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ انہوں نے کنوؤں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بئر حاء

صحیح بخاری میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مدینہ کے انصار میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجور کے باغ کی بناء پر سب سے امیر تھے' بیر حاء ان کا سب سے بہتر مال تھا' یہ مسجد کے سامنے تھا' رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہوئے اور اس سے پانی پیا تھا جو بہت عمدہ تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لن تنالوا البر

الآیۃ اور مجھے سب سے پیارا بیر حاء ہے میں اسے راہِ خدا میں دیتا ہوں اس کا اجر اللہ کے ہاں سے لوں گا لٰہذا یا رسول اللہ! آپ اسے جیسے چاہیں استعمال میں لا سکتے ہیں۔اس پر آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ یہ بہت مفید رہے گا جو تم نے کہا میں نے سن لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں کے استعمال میں کر دو۔حضرت ابوطلحہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ایسے ہی کروں گا چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ایک روایت میں ہے کہ ابی اور حسان میں تقسیم کیا وہ مجھ سے زیادہ آپ کے قریبی تھے۔

پھر ایک روایت میں "میرے سارے مال میں سے مجھے بئر حاء زیادہ پسند ہے" کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ یہ باغ تھا حضور ﷺ اس میں داخل ہوتے اور سایہ میں بیٹھتے پھر اس سے پانی پیتے تو یہ اللہ اور رسول کے لئے تھا میں آخرت میں اس کے اجر کی اُمید رکھتا ہوں لٰہذا یا رسول اللہ! آپ اسے جیسے چاہیں استعمال فرمائیں حضور ﷺ نے فرمایا ابوطلحہ مبارک ہو یہ بہت مفید مال ہے ہم اسے تم سے قبول کرتے ہیں اور پھر تمہارے ہی قبضے میں دیتے ہیں اسے اپنے قریبی لوگوں میں استعمال کرو چنانچہ انہوں نے اسے قریبی رشتہ داروں کے استعمال میں دیا۔کہتے ہیں کہ انہی میں ابی اور حسان بھی شامل تھے۔کہتے ہیں کہ حضرت حسان نے اس میں سے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیچ دیا۔اس پر انہیں کہا گیا: تم ابوطلحہ کا صدقہ بیچ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا میں صاع بھر کھجور صاع بھر درہموں کے بدلے نہ بیچوں؟ یہ باغ بنو جدیلہ کے محل کی اس جگہ تھا جسے حضرت معاویہ نے بنایا تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں (اس میں ابن عبد البر نے اور اضافہ کیا) کہ دار ابو جعفر اور وہ گھر جو اس کے ساتھ ساتھ بنو جدیلہ کے محل تک جاتا تھا یہ ابوطلحہ کی جائیداد تھا اسے بئر حاء کہا جاتا تھا۔ابن حجر کہتے ہیں ابو جعفر کے گھر سے ان کی مراد وہ گھر تھا جو ان کا ہو گیا تھا اور انہی کے نام سے جانا جاتا تھا اور وہ ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ تھا اور بنو جدیلہ کا محل حضرت حسان کا حصہ تھا جس میں حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ محل بنایا تھا۔

علامہ کرمانی نے یہاں عجیب بات کہی ہے اور وہ یہ کہ جس معاویہ نے یہ محل بنایا تھا وہ معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار تھے جو ابوطلحہ کے داداؤں میں سے تھے۔

میں کہتا ہوں حضرت کرمانی کے وہم کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے محل کو بنو جدیلہ کی طرف منسوب کر دیا۔جدیلہ مذکور معاویہ کا لقب تھا اور یہ وہم نا قابلِ قبول ہے بلکہ محل کی ان کی طرف نسبت اس وجہ سے تھی کہ یہ ان کے گھروں میں تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں رہا بنو جدیلہ کا محل تو اسے حضرت معاویہ بن سفیان نے بنایا تھا تاکہ وہ قلعہ کا کام دے اس کے دو دروازے تھے ایک دروازہ تو بنو جدیلہ کے مکانوں کی لائن میں کھلتا تھا جبکہ دوسرا جنوب مشرقی کونے میں دار محمد بن طلحہ تیمی کے پاس تھا آج کل یہ دروازہ عبد اللہ بن مالک خزاعی کے حصہ میں ہے حضرت معاویہ کے لئے یہ محل طفیل بن ابی کعب انصاری نے بنایا تھا اسی کے درمیان میں بئر حاء تھا۔

اس روایت کے بعد انہوں نے عطاف بن خالد کی روایت لکھی' وہ کہتے ہیں کہ حسان مجمع میں بیٹھتے' ان کے ساتھی پاس بیٹھتا' ان کے لئے چٹائی بچھاتے' ایک دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاں بہت سے عربوں کو سلام کے لئے آتے دیکھ کر کہا:

''میں چادریں دیکھ رہا ہوں اوڑھنے والے عزت دار اور کثرت میں ہیں اور ابن عریضہ شہر کا سب سے بڑا شخص بن چکا ہے۔''

یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو فرمایا کہ چٹائی پر بیٹھنے والوں کے خلاف کون میرا ساتھی ہے؟ حضرت صفوان بن معطل بولے: یا رسول اللہ! میں آپ کے لئے حاضر ہوں چنانچہ وہ تلوار سونتے ان کی طرف روانہ ہوئے' جب انہوں نے انہیں سامنے سے آتے دیکھا تو ناراضگی کے آثار دیکھ کر فوراً بکھر گئے' حسان کو دیکھا تو اس کے گھر چلے گئے چنانچہ انہیں مارا۔ مجھے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے عوض انہیں باغ دیا جسے انہوں نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دیا اور بہت مال لیا' چنانچہ انہوں نے ایک محل تیار کر دیا۔

پھر قصہ اِفک میں محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی کے حوالے سے وہ قصہ لکھا جس میں صفوان نے حسان کو مارا تھا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا' اے حسان! اس تکلیف کو برا محسوس نہ کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کنواں آپ کا ہوا چنانچہ آپ نے انہیں اس کے بدلے میں بئر حاء دیدیا' آج کل یہ مدینہ میں بنو جدیلہ کا محل ہے' یہ حضرت ابو طلحہ کے قبضے میں تھے' انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا' آپ نے حضرت حسان کو اس ضرب کے بدلے میں شیریں نامی قبطی لونڈی دیدی تھی۔

ابن زبالہ کے مطابق ابوبکر بن حزم کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے اپنا یہ مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' آپ نے ان کا یہ مال ابی بن کعب' حسان بن ثابت' شبیط بن جابر' شداد بن اوس یا ان کے والد اوس بن ثابت (حضرت حسان کے بھائی) جیسے ان کے قریبی رشتہ داروں کو دیدیا' انہوں نے اس کی قیمت لگائی تو حسان بن ثابت نے لے لیا اور پھر حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت حسان کا اپنا حصہ حضرت معاویہ کے ہاتھ فروخت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے انہیں اس باغ کا مالک بنا دیا تھا' ان کے لئے وقف نہیں کیا تھا اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان پر وقف کر دیا ہو اور پھر شرط لگا دی ہو کہ جو اپنا حصہ بیچنا چاہے' بیچ سکتا ہے جیسے حضرت علی وغیرہ اس کے جائز ہونے کے قائل تھے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ آج کل ''بئر حاء'' بالکل ہی چھوٹے سے باغیچہ میں ہے' اس میں کچھ کھجور کے درخت ہیں اور ان کے اردگرد زراعت ہوتی ہے اور پھر وہاں اونچی جگہ پر ایک گھر بنا ہوا ہے اور یہ مدینہ کی حفاظتی دیوار کے قریب ہے اور کسی اہل مدینہ کے قبضے میں ہے۔ اس کا پانی بہت میٹھا ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی حفاظتی دیوار کی شمالی جانب ہے' درمیان میں راستہ ہے' آج کل اسے نُوریہ کہتے ہیں' اسے کچھ نُوری عورتوں نے خریدا تھا اور فقراء و مساکین کے لئے وقف کر دیا تھا چنانچہ انہی کے نام منسوب ہو گیا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے اس کی پیائش کی تو اس کا طول (گہرائی) بیس ہاتھ تھی جس میں سے گیارہ ہاتھ پانی تھا اور باقی حصہ دیوار تھی جبکہ چوڑائی تین ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔

میں کہتا ہوں کہ آج وہ اسی صورت میں موجود ہے' اس کے قبلہ کی طرف ایک مسجد ہے جو قدیم لوگوں کی بنی ہوئی نہیں' اس کا ذکر نہ تو ابن نجار نے کیا اور نہ ہی مطری نے' لگتا ہے کہ یہ ان دونوں کے بعد بنی ہوگی تاہم مجد نے اس کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: بئر حاء میں ایک کنواں ہے جس میں چھوٹی سی رسّی ڈالی ہے' تنگ سی نالی ہے اور پانی ستھرا ہے اور پھر قبلہ کی جانب اس کے سامنے باغ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔

میں کہتا ہوں' ان کے قول کہ ''مسجد کے مقابلہ میں تھا'' کا معنٰی یہ ہے کہ مسجد اس کنوئیں کے قبلہ کی جانب تھی لہٰذا اس کا اس سے بعید ہونا موجود پیائش کے منافی نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ مدینہ کی دیوار میں شامل تھا کیونکہ اس کی تقسیم بتائی جا چکی اور بتایا جا چکا کہ اس کے کچھ حصے میں محل بن گیا ہے البتہ وہاں فقیروں کا کوئی اثر نہیں دیکھا۔

پہلے گذر چکا ہے کہ ابوطلحہ کے درختوں کا جھنڈ جو مسجد کی شامی جانب تھا' ابوطلحہ کی طرف منسوب تھا کیونکہ انہی کا تھا' ان کی اراضی یہاں تک پھیلی ہوئی تھی' رہا محمد بن طلحہ تیمی کا گھر جس کے بارے میں ابن شبہ نے کہا کہ یہ محل بنانے والے کا گھر تھا جو اس جگہ اس کے نزدیک بنا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کا وہ گھر نہیں جو ان کے دادا کے گھر کا حصہ تھا کیونکہ اس کی نسبت ابراہیم بن محمد کی طرف تھی جبکہ اس کی نسبت ان کے والد کی طرف تھی لہٰذا یہ بات بئر حاء کے مشہور ہونے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ واللہ اعلم۔

بئر حاء کی وضاحت

یہ تنبیہ کہ یہ لفظ کیسے پڑھا جائے اور یہ کیا ہے؟ ایک صاحب نے اس کے بارے میں علیحدہ ایک کتاب لکھی ہے جسے علامہ مجد نے اختصار سے یوں بیان کیا ہے: اس کی حرکتوں کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ بئر حاء اور بئر حاء پھر راء پر پیش اور زبر پڑھی جاتی ہے اور پھر دونوں میں مدّ ہے پھر دونوں کو زبر اور قصر سے پڑھا جاتا ہے (بئر حاء)۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ بئر حاء اس زمین کا نام ہے جو ابوطلحہ کی تھی اور گویا یہ فَیْعَلٰی کے وزن پر بَـراح لفظ سے بنا ہے جس کا معنٰی کھلی زمین ہوتا ہے پھر ایک مرتبہ انہوں نے کہا: میں نے مکّہ کے بارے میں بتانے والوں سے سنا' وہ اسے مضاف' مضاف الیہ بنا کر بولتے ہیں' ''حاء'' ایک قبیلے کا نام ہے' کچھ کہتے ہیں کہ ایک

آدمی کا نام ہے اور اس صورت میں اس پر تنوین ہو گی۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ بئر حاء خیزلی کے وزن پر ہے' پھر مجھے بتایا گیا کہ بئر حاء مضاف الیہ ہے اور اس پر مد ہے اور مغربی سب لوگ اسے اضافت سے پڑھتے ہیں جبکہ راء پر پیش' زیر اور زبر پڑھی جاتی ہے اور حاء حروف تہجی میں سے ہے۔

ابو عبید بکری کہتے ہیں کہ حاء (حرف ہجاء کے وزن پر) مدینہ میں مسجد کے سامنے تھا' بئر حاء اسی کی طرف منسوب تھا لہٰذا یہ اسم مرکب ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس ''حاء'' کے بارے میں اختلاف چلا آیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت یا یہ کوئی مکان تھا جس کی طرف یہ کنواں منسوب ہے اور یا پھر یہ اونٹوں کو ڈانٹنے کے لئے سختی کا لفظ ہے' اونٹ یہاں چرا کرتے تھے تو اسی لفظ سے انہیں اس علاقے میں ڈانٹا جاتا تھا چنانچہ اس لفظ ہی طرف یہ کنواں منسوب کر دیا گیا۔

باجی کہتے ہیں کہ ابوبکر اصم نے ''راء'' کی حرکت میں اختلاف کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں ''راء'' پر زبر پڑھی جائے گی' وہ کہتے ہیں کہ اہلِ مشرق اسے زبر ہی سے پڑھتے ہیں جبکہ عبد اللہ صوری کہتے ہیں کہ اس کی ''باء'' اور ''راء'' پر بہرصورت زبر پڑھی جائے گی بایں طور کہ یہ ایک ہی کلمہ ہے' قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اندلسیوں کی روایت پر ہم نے ابوجعفر کے حوالے سے کتاب مسلم میں اسے ''باء'' کی زیر اور ''حاء'' کی زبر سے لکھا دیکھا ہے اور اصیلیے ہم نے ''راء'' کی پیش اور زبر سے دیکھا ہے چنانچہ حماد بن سلمہ کے ذریعے اسے ''ریحا'' لکھا دیکھا ہے البتہ حمیدی نے اسے ''بیر حا'' لکھا ہے جبکہ مسلم کی روایت میں ''ریحا'' ہے لیکن یہ وہم ہے' یہ مالک کی حدیث میں نہیں بلکہ حماد کی حدیث میں ہے' مالک کی حدیث میں تو ''بئر حا'' ہے اور ابو داؤد نے اپنی مصنف میں اس حدیث کو سابق روایت کے خلاف بیان کیا ہے' وہ روایت لاتے ہیں ''میں نے ''اریحا'' میں زمین لی۔'' اس ساری بحث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کنواں نہیں تھا۔ انتہی کلام عیاض۔

بئر حلوہ

ابن نجار اور ان کے بعد والے مؤرخین نے اس کا اور اس کے بعد والے کا ذکر نہیں کیا البتہ ابن زبالہ نے ضرور ذکر کیا ہے چنانچہ عبد اللہ بن محمد بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی ذبح فرمائی اور اپنی ایک زوجہ کے گھر اس کا شانہ بھیجا' جس پر انہوں نے کچھ بات کی تو آپ نے فرمایا: تم عورتیں اللہ کے ہاں اس سے بھی ہلکی ہو اور پھر ان کے پاس جانا چھوڑ دیا' آپ پیلو کے درخت کے نیچے ایک میٹھے کنوئیں پر قیلولہ فرماتے تھے جو اس گلی میں تھا۔ جس میں آمنہ بنت سعد کا گھر تھا اور اسی وجہ سے اسے زقاق حلوہ کہنے لگے اور پانی والے کمرے میں (مشربہ) میں سویا کرتے اور جب انتیس راتیں گذر گئیں تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول

اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کا ایلاء (بیوی کے پاس مہینہ بھر جانے سے رُک جانا) فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں بالکل کسی کے علم میں نہیں تاہم تمام کنوؤں کا ذکر ان گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے جو بلاط کی بائیں طرف تھے' یہ حویطب بن عبد العزّٰی کے گھر کے ذکر میں مذکور ہوا تھا۔

بئر ذرع

یہ بنوخطمہ کا کنواں تھا چنانچہ ابن زبالہ نے یہ حدیث ذکر کی ''رسول اللہ ﷺ بنوخطمہ کے پاس تشریف لے گئے اور ایک بڑھیا کے گھر میں نماز پڑھی' پھر وہاں سے نکلے تو مسجد بنوخطمہ میں نماز پڑھی' پھر ان کے کنوئیں ذرع پر تشریف لے گئے' اس کی منڈیر پر بیٹھے' وہاں سے وضوفرمایا اور اس میں تھوکا۔

ابن شبہ کے مطابق حارث بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوخطمہ کے کنوئیں ''ذرع'' سے وضوفرمایا جو ان کی مسجد کے صحن میں تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔ ایک انصاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوخطمہ کے کنوئیں ذرع میں تھوکا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں غیر معروف ہے البتہ اس کی جہت کا پتہ بنوخطمہ کی مسجد کے بیان سے چل جاتا ہے۔

بئر رُومہ

کچھ حضرات اسے ''رُومہ'' پڑھتے ہیں' ابن زبالہ نے اس بارے میں یہ حدیث لکھی ہے: ''یہ مزنی کا کنواں کتنا اچھا ہے' اے عثمان! اسے خرید لو اور عام لوگوں کے استعمال کے لئے چھوڑ دو۔'' پھر یہ حدیث لکھی: ''مزنی کا حفیرہ (رومہ کنواں) کتنا اچھا ہے۔'' حضرت عثمان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو اسے سو بکرہ کے بدلے میں خرید لیا اور عام لوگوں کے لئے چھوڑ دیا چنانچہ لوگ اس سے پانی پینے لگے اور جب کنوئیں کے مالک نے دیکھا کہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ تو باقی نصف بھی تھوڑی سی رقم کے بدلے بیچ دیا' یوں حضرت عثمان نے تمام کنواں خلقِ خدا کے لئے چھوڑ دیا لیکن ابنِ شبہ کے مطابق حضرت عدی بن ثابت کہتے ہیں کہ مزینہ کے ایک آدمی کو ایک کنواں دکھائی دیا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر حضرت عثمان سے کیا' وہ اس وقت خلیفہ تھے چنانچہ بیت المال کی رقم سے انہوں نے وہ کنواں خریدا اور لوگوں کے لئے چھوڑ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ایک راوی موجود نہیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیر بن بکار نے کہا: اس کا کوئی ثبوت نہیں اور ہمارے نزدیک تو یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عثمان نے یہ کنواں اپنی گرہ سے خریدا تھا اور حضور ﷺ کے دور میں اسے عام لوگوں کے استعمال میں دے دیا۔ انتہیٰ۔

ابن ابو الزناد کہتے ہیں' میرے والد نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان کا رفاہی مال (رومہ) بہترین ہے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں' مجھے کئی شہریوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مزنی کا کنواں بہت اچھا ہے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مخالفین جب حضرت عثمان کے دروازے پر انہیں قتل کرنے کے ارادے سے جمع تھے تو آپ نے انہیں دیوار کے اوپر سے جھانک کر کئی باتوں کا ذکر کیا پھر انہیں قسمیں دے دے کر باتیں کیں' فرمایا: کیا تمہیں وہ بھول گئی ہے کہ رومہ فلاں یہودی کا تھا' وہ بغیر رقم لئے کسی کو ایک قطرہ پانی بھی پینے نہیں دیتا تھا' میں نے اسے چالیس ہزار درہم سے خریدا اور پھر اس کی حیثیت یہ کر دی کہ میرا اور کسی بھی مسلمان کا وہاں سے پانی پینا ایک جیسا تھا' میں نے انہیں روکاوٹ نہیں ڈالی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم یہ سب جانتے ہیں۔

حضرت زہری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کون ہے وہ جو جنت میں سیر ہونے کے لئے بئر رومہ خرید لے؟ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گرہ سے اسے خرید کر لوگوں کے لئے وقف کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حبیب سلمی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں' بتاؤ' کیا نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ جو بئر رومہ خرید دے گا' اسے جنت میں اس جیسا پینے کو ملے گا؟ لوگ تو وہاں سے قیمت دے کر پانی پیتے تھے' میں نے اپنی گرہ سے وہ خریدا اور پھر فقیر' غنی اور مسافروں کے لئے چھوڑ دیا؟ ان سب نے کہا' ہاں ایسے ہی ہے۔

حضرت اسامہ لیثی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ ہوا تو انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ انہیں کچھ پانی بھیجیں' انہوں نے حضرت طلحہ سے بات کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا جس پر حضرت عمار نے کہا: سبحان اللہ! عثمان نے تو یہ کنواں (رومہ) اتنے درہموں سے خریدا تھا اور لوگوں کے لئے وقف کر دیا لیکن یہ لوگ انہیں اسی کا پانی پینے سے روک رہے ہیں؟

نسائی اور ترمذی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر کہتا ہوں' یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے لئے میٹھا پانی میسر نہ تھا تو اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا' کون ہے جو بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے آسانی پیدا کر دے؟ الحدیث' آگے آتا ہے کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی۔

نسائی کے مطابق تصدیق کرنے والوں میں حضرت علی بن ابو طالب' حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے پھر ابن شبہ نے احنف سے حدیث بتائی تو اس میں بتایا کہ آپ نے فرمایا تھا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں' کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو بھی بئر رومہ خرید دے گا' اللہ اسے بخش دے گا؟ چنانچہ میں نے اپنے درہم دے کر خرید لیا' پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی' میں نے بئر رومہ خرید لیا ہے' آپ نے فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کے پینے کے لئے چھوڑ دو'

آخرت میں تمہیں اس کا اجر ملے گا؟ لوگوں نے کہا' ہاں۔

حضرت بغوی نے صحابہ کے ذکر میں بشیر اسلمی سے روایت کی' وہ کہتے ہیں کہ جب مہاجرین مدینہ پاک میں آئے تو یہاں انہیں عجیب لگا' بنوغفار میں سے ایک کے پاس چشمہ تھا جسے رومہ کہتے تھے' وہ اس میں سے ایک مشکیزہ پانی ایک مُدّ کا بیچتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ یہ مجھے دیدو' جنت میں تمہیں اس جیسا مل جائے گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے اور اہلِ خانہ کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ روزگار نہیں اور نہ ہی میں کچھ کر سکتا ہوں۔

یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سن لی تو انہوں نے پینتیس ہزار درہم میں یہ خرید لیا اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی' کیا اس جیسا مجھے جنت میں ملے گا؟ فرمایا' ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے یہ خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ جب پہلے یہ چشمہ تھا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ حضرت عثمان نے وہاں کنواں کھود لیا ہو اور شاید وہ چشمہ کنوئیں کی طرف بہتا تھا' آپ نے اسے وسیع کر دیا یا لمبا کر دیا ہو چنانچہ اس کی کھدائی آپ سے منسوب کر دی گئی۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں' یہ اشکال اس بات میں نہیں کہ حضرت عثمان نے اسے صرف کھودا ہی تھا بلکہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے ذریعے ترغیب دینے کی وجہ سے ہوا: مَنْ حَفَرَ الخ تو ان دونوں کو جمع کرنے کی صورت یوں ہوگی کہ پہلے آپ نے فرمایا تھا: "بئر رومہ کون خریدے گا" چنانچہ حضرت عثمان نے خرید لیا اور پھر اس کی کھدائی کی ضرورت محسوس ہوئی تو فرمایا: "بئر رومہ کون کھودے گا" چنانچہ انہوں نے کھدائی کرا دی تاہم اس روایت میں اسے چشمہ کہنا عجیب لگا ہے اور اس بناء پر اسے چشمہ کہا گیا کہ اس کے بدلے میں جنتی چشمہ ملنے کا ذکر ہے۔ علامہ مجد کے مطابق اس رومہ کا مالک رومہ غفاری تھا۔

پھر حضرت ابوبکر حازمی بھی کہتے ہیں کہ یہ رومہ غفاری کی طرف منسوب ہے اور انہوں نے اسے چشمہ قرار نہیں دیا' اس روایت اور قولِ حدیث "مزنی کا کنواں بہتر ہے" یعنی رومہ کو جمع کرنے کا معاملہ یوں ہے کہ جس نے اسے کھودا تھا' وہ مزینہ سے تھا لیکن بعد میں اس کا مالک رومہ غفاری بن گیا۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا' یہ مسلمانوں کو پانی بیچتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کو دیدے' ان کی جگہ یہ ڈول ڈالا کریں' خریدنے والے کو اس کے بدلے میں جنت کا کنواں ملے گا۔ حضرت عثمان اس یہودی کے پاس آئے اور سارے کی قیمت لگائی' اس نے پورا دینے سے انکار کیا چنانچہ حضرت عثمان نے اس میں سے نصف بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا' آپ نے یہودی سے کہا تھا' چاہو تو ایک ہی دن میں ہم دو دن کا پانی لے لیا کریں اور یوں نہیں تو ایک دن تمہارا اور ایک دن ہمارا' اس نے کہا یہی ٹھیک ہے اور حضرت عثمان کی باری ہوتی تو مسلمان اتنا پانی لے لیتے جتنا دو دن کے لئے انہیں کافی ہوتا۔ یہودی

نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگا کہ آپ نے تو میرے کنوئیں کا معاملہ گڑبڑ کر دیا لہٰذا دوسرا نصف حصہ بھی خرید لو' آپ نے آٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دورِ جاہلیت کا قدیم کنواں تھا کیونکہ ابنِ زبالہ کئی لوگوں سے سن کر بتاتے ہیں کہ تُبّع یمانی جب مدینہ میں آیا تو قناۃ کے مقام پر ٹھہرا اور وہ کنواں کھودا جسے بئر الملک کہتے تھے اور یہی اس کا نام پڑ گیا۔ان کا یہ کنواں کسی وجہ سے بگڑ گیا' ان کے پاس بنو زریق کی ایک عورت آئی تو اس کے پاس اپنے کنوئیں کی شکایت کی' وہ گئی اور دو عرابی گدھے لے آئی اور کنوئیں سے اس کے لئے پانی نکالا اور لے کر اس کے پاس آ گئی' اس نے پانی پیا تو اسے بہت اچھا لگا۔اس پر اس نے کہا اور لے کر آؤ چنانچہ وہ پہنچا دیا کرتی اور جب نکلا تو کہا اے فکھہ! ہمارے پاس سونا چاندی تو دینے کو موجود نہیں تاہم ہمارا یہ زادِ راہ اور سامان لے لو چنانچہ جب وہ چلا گیا تو اس نے اس کا بچا کھچا کھانے کا سامان اور باقی سامان لے لیا۔کہتے ہیں' یہی وجہ تھی کہ اسلام آنے تک وہ اور اس کی اولاد بنو زریق میں سے مالدار گنے جاتے تھے۔

یہ کنواں وادئ عقیق کی نچلی جانب تھا اور اس جگہ کے قریب تھا جہاں سیلابی پانی جمع ہوتے تھے' اس مقام پر کھلا میدان تھا' وہاں بلند عمارت تھی جو پتھر سے بنی تھی اور وہ گر چکی تھی۔ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ عمارت ایک یہودی کا مکان تھا جس کے اردگرد زرعی زمین اور کنوئیں تھے' یہ جرف کے قبلہ میں اور مسجد قبلتین کے شمال میں اس سے دور واقع تھا۔ابن نجار بتاتے ہیں کہ اس کے پتھر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے اور نشانات ختم ہوتے جا رہے تھے البتہ وہ نمکین کنواں تھا جو پہلو دار پتھروں سے بنا تھا۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی پیائش کی تو اس کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا جن میں سے دو ہاتھ پانی تھا اور باقی حصے میں ریت بھری تھی جو ہواؤں نے ڈال دی تھی جبکہ چوڑائی آٹھ ہاتھ تھی' پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔

مطری کہتے ہیں کہ اس کی حالت خراب تھی' پتھر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے اور زمین کے برابر ہو چکا تھا' اب تو اس کے صرف نشان باقی ہیں۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ اسے پھر سے بنایا گیا اور زمین سے اسے نصف قد آدم بھر اونچا کیا گیا' اسے صاف کیا گیا تو اس کا پانی بڑھ گیا' اسے نئے سرے سے زندہ کرنے کا کام قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن محب طبری' قاضی مکہ مکرمہ نے تقریباً ۷۵۰ھ میں کیا تھا۔علامہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمان ''جس نے بئر رومہ کھودا' اسے جنت ملے گی'' کے عمومی معنٰی سے انشاء اللہ انہیں فائدہ پہنچے گا (اور وہ جنت میں جائیں گے)۔

قاضی عیاض کا قولِ عجیب وغریب ہے جو انہوں نے ''مشارق'' میں لکھا ہے کہ بئر رومہ کے نام سے مدینہ میں دو کنوئیں مشہور ہیں۔انتہٰی لیکن مجھے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

بئر السُّقیا

سُقیا وہ جگہ ہوتی ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو اور اسے سیراب کرے۔اس کا ذکر مسجد سقیا سے متعلق حدیث میں گذر چکا ہے جسے ابنِ نجار نے بیان کیا کہ حضورﷺ بدر کے لشکر کو "سقیا" پر لے گئے اور اس کی مسجد میں نماز پڑھی اور دُعا فرمائی۔الحدیث۔پھر اسی حدیث میں ہے کہ کنوئیں کا نام سقیا تھا اور اس سرزمین کو "فلجان" کہتے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میرے والد نے کہا: اے بیٹے! ہم یہاں سقیا کے مقام پر آئینگے جب ہم حسیکہ کے مقام پر یہودیوں سے لڑائی کریں گے' ہم کامیاب ہونگے اور کامیابی کی ہمیں اُمید ہے پھر ہم بدر کو جاتے ہوئے حضورﷺ سے ملیں گے۔اگر میں سلامت رہا اور واپس آ گیا تو میں اسے خرید لوں گا اور اگر میں قتل ہو گیا تو تم خریدنے میں کوتاہی نہ کرنا۔وہ کہتے ہیں کہ میں اسے خریدنے کے لئے نکلا تو پتہ چلا کہ وہ ذکوان بن عبد قیس کا تھا اور سعد بن ابو وقاص نے اسے مجھ سے پہلے خرید رکھا تھا۔اس سرزمین کا نام "فلجان" اور کنوئیں کا نام "سقیا" تھا۔

ابن شبہ کے مطابق محمد بن یحییٰ کہتے ہیں' میں نے عبد العزیز بن عمران سے حسیکہ کے بارے میں پوچھا۔پھر جو کچھ آگے آ رہا ہے' اس کا ذکر کیا' پھر کہا کہ ابو غسان کہتے ہیں' مجھے حضرت حفص نے بتایا کہ سقیاء والی زمین کا نام "فلج" اور اس کے کنوئیں کا نام "سقیا" تھا۔ یہ ذکوان بن عبد قیس زرقی کے قبضہ میں تھا اور ان سے حضرت سعد بن ابو وقاص نے دو اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔

حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ نبی کریمﷺ کو بیر سقیا کا میٹھا پانی پیش کیا جاتا تھا' ایک روایت میں ہے کہ "سقیا کے گھروں سے۔" واقدی کے مطابق حضرت ابو رافع کی بیوی سلمہ کہتی ہیں کہ (جب حضورﷺ حضرت ابو ایوب کے پاس ٹھہرے تو آپ کے لئے والد انس حضرت مالک بن نصر کے کنوئیں سے میٹھا پانی لایا جاتا پھر اسماء کے بیٹے انس' ھندا اور حارثہ پانی اُٹھا کر اپنی بیویوں کے گھروں میں لے جاتے جو سقیا کے گھروں میں تھے پھر رباح اسود کبھی تو حضورﷺ کے پاس بیر غرس سے پانی لاتے اور کبھی سقیا کے گھروں سے۔

دوسرے باب کی چوتھی فصل میں ترمذی کی روایت گذر چکی ہے' حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہﷺ کے ہمراہ نکلے اور جب حرۂ سقیا (جو حضرت سعد بن وقاص کے قبضے میں تھا) پر پہنچے تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ چنانچہ وضو فرما کر کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا' الحدیث اور پھر وہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ رسول اللہﷺ نے حضرت سعد کی حرہ والی زمین میں نماز پڑھی جو سقیا کے گھروں کے پاس تھی۔الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بئر سقیا وہی تھا جس کے بارے میں مطری نے لکھا کہ وہ نقاء کے مکان کے آخر میں تھا جو

حرم میں بئر علی کی طرف جانے والے کی بائیں طرف موجود تھا۔ مطری کہتے ہیں کہ وہ کنواں نمکین، بڑا اور پہاڑ میں چونا لگا کر بنایا گیا تھا، اب وہ بیکار پڑا ہے اور خراب ہو چکا ہے، اس کی شمالی جانب (مغربی) مستطیل عمارت ہے جو چونا سے بنی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حوض تھا یا چشمہ جو حاجیوں کے آنے پر کام دیتا تھا اور جب وہ مدینہ میں قیام کرتے تو وہیں ٹھہرتے، یہی وجہ ہے کہ اس جگہ کا نام مطری نے "منزل نقاء" رکھا اور آگے جو کچھ نقاء کے بارے میں آ رہا ہے اس سے یہ واضح ہو جائے گا۔ پھر کسی عجمی فقیر نے ۸۷۷ھ میں اسے از سرِ نو بنا دیا تو اس دن سے اسے "بیر الاعجام" کہنے لگے۔

میں کہتا ہوں کہ اس تعمیر کے بعد یہ گر کر بکھر چکا تھا کہ جناب خواجگی بدری بدر الدین بن علیبہ نے اسے ۸۸۶ھ میں پھر تعمیر کر دیا، پھر بئر اعاب کے بیان میں مطری کا تردد گذر چکا ہے کہ یہ سقیا، راستے سے قرب کی وجہ سے تھا یا یہ وہی کنواں تھا جو زمزم کے نام سے مشہور تھا کیونکہ لوگ متواتر اس سے تبرک حاصل کرتے تھے، پھر کہا تھا، ظاہر یہ ہے کہ سقیا یہی پہلا کنواں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی پچھلی بات درست ہے کیونکہ اسی سے باحسانِ الٰہی وہ تردد دور ہو جاتا ہے کہ اس کے قریب مسجد سقیا بنانے میں کامیابی ہوئی اور پھر ظاہر یہ کہ علامہ غزالی کے "آداب الزائر" میں موجود اس قول سے بھی یہی کنواں مراد ہے۔ "آدمی کو بئر حرہ سے غسل کرنا چاہئے" انتہی اور یہ اس بناء پر کہ یہ کھلے راستے میں واقع تھا اور مدینہ میں تعمیر ہونے والے پہلے گھروں سے متصل تھا۔

ابو داؤد کے مطابق قتیبہ نے کہا: سقیا ایک چشمہ ہے، اس کے اور مدینہ کے درمیان دو دن کی مسافت ہے۔

میں کہتا ہوں، ابو داؤد نے صحیح کہا ہے جیسے اس کے تعارف میں آ رہا ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں اور شائد انہیں یہ اطلاع نہیں کہ مدینہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام یہی ہے پھر علامہ مجد کو بھی دھوکا لگا، وہ کہتے ہیں کہ سقیا قریب ہے، جامع ہے۔ پھر انہوں نے حدیث ابو داؤد بیان کی اور صاحب نہایہ کا یہ قول ذکر کیا کہ: سقیا، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک منزل ہے، کہتے ہیں کہ دو دن کی مسافت پر ہے اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ: آپ کی خدمت میں بیوت سقیا سے میٹھا پانی پیش کیا جاتا۔ پھر کہتے ہیں کہ ابو بکر بن موسےٰ کے قول کا "سقیا" مدینہ میں ایک کنواں تھا جس سے حضور ﷺ کو پانی پیش کیا جاتا۔" یہی مطلب ہے کیونکہ مدینہ کا عمل تھا۔ پھر کہا: رہا وہ کنواں جو باب مدینہ پر تھا، وہ اس کے اور ثنیۃ الوداع کے درمیان تھا یعنی عین اس کے اندر تھا جیسے آگے آ رہا ہے تو اہلِ مدینہ اسے گمان کرتے تھے کہ یہی وہ سقیا ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے اور اس کی تاکید حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "من بیوت السقیا" حالانکہ اس کنوئیں کے پاس گھر کبھی نہ تھے نہ ہی کسی نے بیان کئے ہیں اور یہ بھی ہے کہ سقیا سے حضور ﷺ کے لئے پانی اس وقت لایا گیا جب مدینہ کے کنوؤں کا پانی نا قابلِ ہضم سمجھا۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ کنواں جس کا ہم نے ذکر کیا (جو مدینہ اور مدرج کے درمیان تھا) حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا جیسے مطری نے بتایا اور پھر نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ بدر کے لشکر کو سقیا پر لے گئے جو حضرت سعد کا تھا' آپ نے اس کی مسجد میں نماز پڑھی اور اہلِ مدینہ کے لئے وہاں دُعا فرمائی' پھر اس سے پانی بھی پیا۔اس کی سر زمین کو ''فلجان'' کہتے ہیں۔آج کل وہ بیکار ہو چکا ہے' اس کے نشان مٹ چکے ہیں تاہم عجم کے کسی فقیر نے اسے از سرِ نو صحیح کیا۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا ابوبکر بن موسےٰ کے قول کو اس پر محمول کرنا جو انہوں نے ذکر کیا ہے اور اس سقیا کے بارے میں جو کچھ آیا ہے' اسے نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم ابن زبالہ اور ابن شبہ سے بیان کر چکے ہیں اس سے وہ واقف نہیں اور انہیں یہ یقین نہیں کہ خود مدینہ میں ایک کنواں ہے جسے سقیا کہتے تھے اور یہ وہم ہے جو مردود ہے حالانکہ میرے نزدیک قابلِ بھروسہ بات یہ ہے کہ جس سقیا کے بارے میں حدیث آئی ہے کہ اس کا پانی پیا جاتا تھا' یہ مدینہ ہی کا سقیا تھا' اس اعتماد کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ ابن شبہ اس حدیث کو وہاں ذکر کرتے ہیں جہاں مدینہ کے ان کنوؤں کا بیان کر رہے ہیں جن سے حضور ﷺ نے پانی پیا تھا۔

(۲) انہوں نے اسے اس حدیث سے ملایا ہے جس میں لشکر بدر کے پیش کرنے کا ذکر ہے اور ابن زبالہ نے مدینہ کے کنوؤں کے ذکر میں اسے بیان کیا اور وہ سقیا جو عملِ فرع سے تھا وہ حضور ﷺ کے راستے میں نہ تھا جو بدر کو جاتا تھا کیونکہ وہ راستہ مشہور تھا اور وہ سقیا بھی مشہور تھا اور اس راستے کی جہت میں نہ تھا جیسے اپنے مقام پر اس کا بیان آ رہا ہے اور پھر گذشتہ حدیث جابر میں ہے کہ وہ سقیا پر اس وقت گئے جب حسیکہ کے مقام پر یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور ساتھ یہ بیان بھی کیا کہ حسیکہ خود مدینہ سے جرف کی طرف تھا۔

(۳) یہ بھی گذر چکا ہے کہ یہ کنواں انصار میں سے بنو زریق کے ایک شخص کا تھا اور حضرت جابر کے والد نے اس کو خریدنے پر اُبھارا تھا جبکہ حضرت سعد اسے پہلے ہی لے چکے تھے۔

(۴) پھر روایت واقدی سے یہ گذر چکا ہے کہ کبھی تو حضور ﷺ کے لئے یہاں سے پانی لایا جاتا اور کبھی بئر غرس سے اور یہ بات بہت بعید ہے کہ اس سقیا کو جو مدینہ سے دو یا کئی کے فاصلے پر اس بئر غرس سے ملا دیا جائے جو مدینہ میں تھا۔

(۵) یہ بھی واقدی ہی کی روایت ہے کہ پانی لا کر دینے والے اسماء کے بیٹے انس' ھندا اور حارثہ تھے' یہ وہ لوگ تھے جو مدینہ اور اس کے گرد سے پانی لیتے تھے کیونکہ دور پانی لے جانے کے لئے تو اونٹوں اور آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۶) پہلے ہم مسجد سقیا کے بیان میں بتا چکے کہ اسدی نے اسے ان مساجد میں بیان کیا ہے جن کی مدینہ میں زیارت

کی جاتی ہے' پھر ان مساجد میں اسے ذکر کیا جو حرمین کے درمیان واقع ہیں۔

(۷) یہ بھی ہم بیان کر آئے کہ مدینہ میں مسجد کے اندر بیر سقیا بنانے میں کامیاب ہوئے۔

(۸) علامہ مجد نے واقدی سے بقیع کے بیان میں بتایا کہ اس میں ''سین'' پر پیش ہے اور یہ وہ سقیا ہے جو بنو دینار کے پہاڑی راستے میں تھا اور پھر اس راستے کے بارے میں ہم بتائیں گے کہ یہ وہی راستہ تھا جو غربی حرہ میں عقیق کی جانب تھا۔

رہا علامہ مجد کا قول ''اس کنوئیں کے پاس کبھی بھی مکان نہیں رہے اور نہ ہی کسی نے نقل کیئے ہیں۔'' بہت تعجب والا ہے کیونکہ جو بھی اس کنوئیں کے اردگرد کا جائزہ لے چکا ہے' وہ جانتا ہے کہ وہاں گھر کیا' کئی بستیاں موجود تھیں جیسے بنیادوں اور بوسیدہ عمارتوں سے پتہ چلتا ہے' پھر افسوس کہ انہوں نے کسی کی پیروی کرتے ہوئے مسجد سقیا کا ذکر چھوڑ دیا ہے جبکہ اللہ کے احسان سے بنیادوں اور عمارتوں پر غور کرنے سے مجھے معلوم ہو گیا' جب اس مسجد کے مقام سے مٹی ہٹائی گئی تو ہمیں اس کی بنیاد اور محراب دکھائی دئے جو آدھا ہاتھ تک دیکھے اور یہ مسجد اسی کنوئیں کے ساتھ تھی۔

پھر وہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ سقیا سے میٹھا پانی انہوں نے اس وقت لیا جب مدینہ کے دوسرے کنوئیں نا قابلِ استعمال تھے' تو یہ مردود ہے بلکہ وہ تو پانی کی تلاش کرتے تھے اور پھر انہوں نے مدینہ کے تمام کنوؤں کو نہیں دیکھا تھا کہ وہ نا قابلِ استعمال ہیں چنانچہ صحیح میں حضور ﷺ کے ابو الہیثم بن تیہان کے پاس آنے کا ذکر ہے جس میں ان کی بیوی نے کہا تھا ''ہمارے لئے میٹھا پانی لانے کو گئے ہیں۔'' پھر واقدی کی گذشتہ روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ والد انس حضرت مالک بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں کا پانی میٹھا واقع ہوا تھا اور یہ کنواں حضرت انس کے گھر میں تھا اور پھر اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حدیث ابو داؤد سے مراد (جو چشمہ کے میٹھا ہونے کے بارے میں قتیبہ سے مذکور ہے) یہ وہ ہے کہ حضور ﷺ کے لئے اس سے میٹھا پانی تب لایا جاتا تھا جب حج وغیرہ کے سفر کے درووان اس کے قریب ٹھہرتے تھے البتہ اس سے مدینہ کی طرف وہ پانی لے جانا ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

بئر العقبہ

علامہ مجد نے کہا: رزین عبدری نے اسے مدینہ کے کنوؤں میں ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: یہ وہی کنواں تھا جس میں رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پاؤں لٹکائے تھے' لیکن عبدری نے اس کی جگہ مقرر نہیں کی اور مشہور یہ ہے کہ یہ قصہ بئر اریس سے تعلق رکھتا ہے اور وہ جو میں نے رزین کی کتاب میں کنوؤں کی گنتی میں دیکھا ہے تو وہاں ان کے یہ الفاظ ہیں: بئر العین' اس میں آپ کی انگوٹھی گری تھی اور بئر القف' اس میں رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پاؤں لٹکائے تھے۔ انتہی اور ہم بیر اریس کے بیان میں بتا چکے ہیں کہ واقعے متعدد تھے۔

بئر ابی عِنَبَہ

واحد کے لفظ عنب سے ہے چنانچہ ابن سیّد الناس غزوۂ بدر کی ایک خبر میں کہتے ہیں: حضورﷺ نے اپنا لشکر بئر ابو عنبہ کے پاس اُتارا' یہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا' آپ اپنا لشکر وہاں لے گئے اور جسے چھوٹا جانا اسے رد کر دیا۔

علامہ مطری نے بئر سقیا پر کلام کرتے ہوئے اسی کو دلیل بنایا ہے' وہ لشکر بد کو سقیا پر لے جانے کے ضمن میں کہتے ہیں: حافظ ابن عبدالغنی مقدسی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا لشکر حرّہ کے مقام پر بئر ابو عنبہ پر لا کھڑا کیا جو اس سقیا کنوئیں کے اوپر تھا اور مغربی جانب تھا اور یہ بتایا کہ یہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

میں کہتا ہوں' شاید وہاں آنا دو مرتبہ ہوا' ایک تو اس وقت جب آپ سقیا سے گذرے اور پھر جب اس کنوئیں پر آپ نے اپنا لشکر پیش کیا تو دوبارہ یہاں تشریف لائے تاکہ ہلکا جاننے والوں کو رد کر سکیں اور شاید یہی کنواں ہے جو آج کل بئر ودی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ پہلے کی گئی تعریف اسی پر سچی آتی ہے اور اس لئے بھی کہ وہاں سب سے میٹھا کنواں یہی تھا چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن محمد لکھتے ہیں کہ ابنِ جریج جب مکہ کو چلے تو ہم ان کے ساتھ چلے۔ جب بئر ابو عنبہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ ہم نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس بارے میں ایک حدیث ہے' پھر حضرت عاصم کی حدیث بیان کی جس میں عمر اور ان کی دادی کا حضرت ابوبکر کے پاس جھگڑا لے جانے کا ذکر ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میرے لئے بیر ابو عنبہ سے پانی لایا کرتا ہے۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ پانی اس سے میٹھا تھا۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس کنوئیں کا ذکر حدیث کے بغیر بھی آیا ہے۔

بئر العِهن

علامہ مطری نے ان کنوؤں کا ذکر کیا جن کا ابن نجار نے ذکر کیا اور وہ اریس' بصّہ' بضاعہ' رومہ' غرس اور بئر حاء تھے' پھر کہا کہ یہ کنوئیں چھ تھے اور ساتویں کا آج کل علم نہیں ہے پھر بئر جمل میں وہ کچھ بتایا جو نقل کر دیا گیا۔ پھر کہتے ہیں کہ میں نے حاشیہ پر شیخ امین الدین بن عساکر کا لکھا ہوا دیکھا کہ یہ گنتی مشہور کنوؤں میں سے ایک کو کم کرتی ہے کیونکہ ثابت تو چھ ہیں جبکہ روایات میں سات مشہور ہیں اور ساتویں کا نام بئر العِهن تھا یہ بالائی جگہ پر تھا جس پر آج کل کھیتی باڑی ہوتی ہے اور اس کے نزدیک بیری کا درخت تھا' آج کل اس کا کوئی اور نام مشہور ہے۔

علامہ مطری اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ بئر العِهن مدینہ کی بالائی طرف مشہور کنواں ہے' یہ بہت نمکین ہے اور پہاڑ میں کھدا ہوا ہے اور اس کے نزدیک بیری کا درخت ہے۔ علامہ زین مراغی کہتے ہیں کہ آج کل بیری کا درخت کاٹا جا چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ انہوں نے ایسی کوئی روایت نہیں لکھی جس سے اس کی فضیلت ثابت ہو اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت کا پتہ چل سکے لیکن لوگ تو اسے متبرک جانتے چلے آئے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے' یہ بئر الیسرہ ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے' نبی کریم ﷺ اس پر تشریف لے گئے' وضو فرمایا اور اس میں تھوکا تھا کیونکہ "یسرۃ" انصار میں سے بنو امیہ کا کنواں تھا جو ان کے گھروں میں واقع تھا اور بئر العہن ان کے گھروں کے نزدیک تھا' ابن عساکر نے اس کے اور نام کا اشارہ کیا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ وہی مذکور نام ہے۔ واللہ اعلم۔

بئر غرس

عین پر پیش ہے اور یونہی اہلِ مدینہ کی زبانوں پر رواں ہے۔ اسے "اغرس" بھی کہتے ہیں۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ بیر الغرس' غین پر زبر اور راء پر سکون ہے' غرس' کھجور کے پودے کو کہتے ہیں یا وہ درخت جسے اُگنے کے لئے گاڑ دیا جائے' یہ غَرَسَ الشَّجَرَ کی مصدر ہے' وہ کہتے ہیں کہ کچھ نے اس پر حرکتیں لگائی ہیں غرس جیسے عُمر اور میں نے بہت سے اہلِ مدینہ سے سنا کہ غین پر پیش پڑھتے ہیں۔ مجد کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا' وہی ہے جو میں پہلے بتا چکا کہ غین پر زبر ہے۔

یہ وہ کنواں تھا جو مسجد قباء کی مشرقی جانب تھا' شمالی جانب نصف میل کے فاصلے پر' یہ باغ میں تھا' غرس کے مکان کی بناء پر اس کا ٹھکانہ معلوم ہوتا ہے اور اس کے اردگرد کا پتہ چلتا ہے۔ مجد بتاتے ہیں کہ اس کے گرداگرد بنو حنظلہ کی قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ بنو حنظلہ کہنا غلطی ہے کیونکہ وہاں تو بنو خطمہ رہتے تھے اور بئر سقیا میں گذر چکا ہے حضور ﷺ کے غلام رباح الاسود آپ کے لئے ایک مرتبہ بئر غرس سے پانی لائے اور ایک مرتبہ بیوتِ سقیا سے اور ابن حبان کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' مجھے بئر غرس کا پانی لا کر دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا تھا کہ یہاں سے پانی پیا اور وضو فرمایا اور سننِ ابن ماجہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے بئر غرس کی سات مشکوں کے پانی سے غسل دینا' یہ قباء میں تھا اور آپ نے اس سے پانی پیا تھا۔

یحییٰ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ اے علی! میں فوت ہو جاؤں تو مجھے بئر غرس کی سات مشکوں سے غسل دینا جن کے منہ کھولے نہ گئے ہوں۔

ابن سعد کے مطابق طبقات میں حضرت ابو جعفر باقر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو بیری کے پتوں کے اُبلے پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا' قمیص گلے میں تھی اور پانی اس کنوئیں سے لایا گیا جسے غرس کہتے تھے' یہ قباء میں حضرت سعد بن خیثمہ کے قبضے میں تھا' آپ نے اس سے پانی پیا تھا۔

ابن شبہ ہی سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سعد بن خیثمہ کے کنوئیں سے غسل فرمایا تھا' اسی سے حضور ﷺ کے لئے پانی لے جایا گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن خیثمہ کے کنوئیں سے لے جایا گیا جو قباء میں تھا اور اسے غرس کہتے تھے' آپ اس سے پانی پیتے پھر ابن شبہ ہی کے مطابق سعید بن رقیش نے بتایا کہ حضور ﷺ نے بئر غرس سے وضو فرمایا اور بچا ہوا پانی اس میں ڈال دیا۔

ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن رقیش کہتے ہیں کہ قباء میں ہمارے پاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور پوچھا: تمہارا یہ کنواں یعنی بئر غرس کہاں ہے؟ ہم نے اشارہ کیا۔ راوی کہتے ہیں' میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے' گدھے پر زین تھی اور سحری کا وقت تھا' آپ نے اس میں سے ایک ڈول پانی منگوایا' اس سے وضو فرمایا اور باقی اس میں ڈال دیا اور پھر وہ سوکھا نہیں۔

حضرت ابراہیم بن اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج رات میں نے دیکھا کہ صبح کے وقت جنت کے کنوئیں پر تھا اور میں بئر غرس پر ہوں۔ آپ نے اس سے وضو فرمایا اور اس میں تھوکا' پھر آپ کو شہد کا عطیہ دیا گیا تو آپ نے کنوئیں میں ڈال دیا اور جب آپ کا وصال ہوا تو اسی کے پانی سے غسل دیا گیا۔

حضرت مجد کہتے ہیں' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا' رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب آپ بئر غرس کی منڈیر پر تھے کہ "آج رات میں نے خواب دیکھی کہ جنت کے چشمے پر بیٹھا ہوں" یعنی بیر غرس پر۔

حضرت سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کے پاس شہد لایا گیا' آپ نے پیا اور کچھ لے کر فرمایا یہ میں بئر غرس کے پانی کے لئے لے رہا ہوں اور پھر وہ کنوئیں میں ڈال دیا پھر اس میں تھوک بھی دیا اور جب آپ کا وصال ہوا تو اسی کے پانی سے آپ کو غسل دیا گیا۔

میں کہتا ہوں' چوتھے باب کی دسویں فصل کی ابتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں مسجد قباء کے قریب تھا اور حضور ﷺ نے قباء میں آتے ہی اس کے قریب ایک جگہ پر اونٹنی کو بٹھایا تھا اور پھر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ بتانا ایک غلطی ہے کیونکہ یہ کنوئیں کے بارے میں ہونے والی بات کے مخالف ہے۔

ابن نجار نے لکھا کہ اس کنوئیں اور مسجد قباء کے درمیان آدھے میل کی مسافت تھا' یہ کنواں صحراء کے درمیان تھا جسے سیلاب نے نقصان پہنچایا اور اسے بند کر دیا گویا اس میں سبز پانی تھا البتہ میٹھا اور ستھرا تھا اور اس کی خوشبو ملی جلی تھی۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے اس کی پیمائش کی تو اس کی گہرائی سات ہاتھ جن میں سے دو ہاتھ پانی تھا اور چوڑائی دس ہاتھ تھی۔

علامہ مطری لکھتے ہیں کہ آج کل یہ کنواں ایک اہلِ مدینہ شخص کی ملکیت ہے' یہ خراب ہو گیا تھا' اسے دوبارہ ۷۰۰ھ کے بعد نئے سرے سے درست کیا گیا' اس میں پانی بہت تھا اور اس کی چوڑائی دس ہاتھ تھی جبکہ گہرائی اس سے زیادہ تھی' پانی پر سبز رنگ غالب تھا لیکن پانی ستھرا اور میٹھا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مطری کے بعد یہ پھر خراب ہو گیا چنانچہ اسے اور اس کے گرد کی زمین ہمارے ساتھی شیخ علامہ خواجا حسین بن جواد محسن خواجگی شیخ شہاب الدین احمد قاوانی نے اسے خرید لیا' اسے تعمیر کیا' اس کے اردگرد باغیچہ لگا دیا اور اس میں سیڑھیاں لگا دیں کہ باغ کے باہر اور اندر سے اس میں داخل ہو سکتے تھے نیز اس کی ایک جانب خوبصورت مسجد بنوا دی اور یہ سب کچھ وقف کر دیا' یہ واقعہ ۸۸۲ھ کا ہے۔

بئر القراصہ

اسے ابن نجار اور ان کے بعد کے مؤرخین نے ذکر کیا اور نہ ہی میں نے کسی جگہ اسے دیکھا ہے۔ شاید یہ لفظ قاف اور راء کے ساتھ ہے اور کچھ نے اسے عین کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام شہید ہوئے تو میں نے ان کے قرض خواہوں کو قرضہ کے بدلہ میں قراصہ' جڑوں اور پھل سمیت پیش کیا' انہوں نے لینے سے انکار کر دیا' انہوں نے کہا کہ اس کی قیمت لگا دو اور باقی قرض الگ دیدو۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ نے فرمایا' ابھی رہنے دو' جب تو مجھے آ کر اطلاع دے دینا اور حضور ﷺ کو اطلاع دی' آپ اپنے کچھ صحابہ کو لے کر نکلے اور کنوئیں میں تھوکا اور دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ بن عمرو کا قرض اتار دے' پھر فرمایا اے جاؤ اور ان قرض خواہوں کو بلا لاؤ اور ان سے شرط کر لو' انہیں یہاں لے آؤ اور اپنا قرض اتار لو' حضرت جابر گئے' ان سے اور کہا آؤ کہ میں تمہارا قرض اتار دوں۔ بڑی قرض خواہ یہودی تھے' انہوں نے آپس میں بات چیت کی کیا تم رسول اللہ کے ساتھی اور ساتھی کے بیٹے سے تعجب نہیں کرتے' انہوں نے ہمیں جڑیں اور پھل تک دینے کو کہا تو ہم نے انکار کر دیا اور اب اس کا گمان ہے کہ صرف پھل سے ہمارا قرض اتار دے گا۔ وہ قرض خواہوں کو لے آئے اور ان کا سارا قرضہ اتار دیا اور پھر اتنا ہی بچ گیا جتنا ہر سال بچا کرتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں ناپید ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ مسجد حربہ کی کسی جانب تھا جو مساجد فتح کی غربی جانب تھا کیونکہ پہلے بیان ہو چکا کہ یہ قراصہ کی پچھلی طرف تھا' اس کی تائید بخاری کی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت جابر کی رومہ کے راستے میں زمین تھی اور یہ جانب بھی رومہ کے راستے میں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے والد ایک یہودی کے مقروض تھے' فرمایا میں انشاء اللہ ہفتے کے دن آؤں گا' یہ کھجوروں کا موسم تھا اور نئے درخت لگائے جا رہے تھے۔ جب ہفتہ کی صبح ہوئی تو رسول اللہ میرے پاس تشریف لائے اور جب اراضی میں تشریف لے گئے تو ربیع کے پاس پہنچے' وضو فرمایا اور پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے پھر میں آپ کو اپنے ضمیہ کے پاس لے گیا اور کمبل بچھا دیا۔ واللہ اعلم۔

بئر القریصة

کسی مؤرخ نے اس کی حرکتیں وغیرہ نہیں بتائیں' میرا خیال ہے کہ یہ قاف اور صاد کے ساتھ ہے اور اسم تصغیر ہے۔ حضرت سعد بن حرام اور حارث بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریصہ میں موجود بئر حارثہ سے وضو فرمایا یا پانی پیا اور اس میں تھوکا تھا۔ اس میں آپ کی انگوٹھی گر گئی تو اسے نکال لیا گیا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ انگوٹھی بئر اریس میں گری تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس کنوئیں کا آج کل کوئی علم نہیں ہاں مدینہ کی مشرقی جانب قرامصہ کے قریب ایک کنواں تھا جسے قُرَیْصَہ کہتے تھے' اگر یہی شکل ثابت ہو جاتی ہے تو پھر یہی کنواں مراد ہے۔

بئر الیسرة

یہ لفظ یُسر بمعنٰی آسانی سے لیا گیا ہے اور عُسر بمعنی تنگی کے مقابلے میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت حارثہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انصار میں سے بنو امیہ کے کنوئیں کا نام ''یسرۃ'' رکھا تھا' آپ نے اس سے وضو فرمایا اور اس میں تھوکا تھا۔

ابن سعد کے مطابق حضرت عمر بن سلمہ کہتے ہیں کہ ابو سلمہ بن عبد الاسد کہتے ہیں جب آپ فوت ہوئے تو انہیں ''یسرۃ'' کے پانی سے غسل دیا گیا' یہ مدینہ کی بالائی جانب بنو امیہ بن زید کا کنواں تھا' قباء سے آتے ہوئے آپ وہاں ٹھہرتے۔ دورِ جاہلیت میں اس کا نام ''عسرۃ'' تھا' حضور ﷺ نے اس کا نام یسرہ رکھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں غیر معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بئر العہن ہے کیونکہ ہم بتا چکے ہیں۔

ہم نے تلاش کی تو یہ کنوئیں بیس تک پہنچتے ہیں لیکن مشہور سات ہیں' اسی لئے امام غزالی نے الاحیاء میں سات کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: اسی وجہ سے ان کنوؤں کا قصد کیا جاتا ہے جن سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا' نہایا اور پھر پیا' یہ سات کنوئیں تھے جن کے پانی سے شفاء ملتی اور حضور ﷺ کی وجہ سے اسے متبرک سمجھا جاتا۔ انتہی۔

الاحیاء کی احادیث بتاتے ہوئے حافظ عراقی کہتے ہیں: یہ سات کنوئیں تھے جن کی طرف اشارہ کر دیا گیا: بئر اریس' بئر حاء' بئر رومہ' بئر غرس' بئر بضاعہ' بئر بصہ اور بئر السقیا یا بئر العہن یا بئر جمل' ساتویں کنوئیں کے لئے انہوں نے تین نام دئے' پھر جیسے ہم نے بیان کیا' انہوں نے ان کے فضائل بتائے البتہ بئر العہن کے بارے میں کچھ نہیں لکھا کیونکہ اس کا نام مشہور نہیں اور پھر کہا کہ مدینہ میں سات کنوئیں مشہور ہیں۔

دارمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بتاتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مرضِ وصال میں فرمایا تھا کہ مجھ پر مختلف کنوؤں کے پانی کے سات مشکیزے ڈالو۔

میں کہتا ہوں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سات کنوؤں کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں کہ اس سے وہی مراد

ہیں جبکہ اہلِ مدینہ کے نزدیک ساتواں بئر العہن ہی تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابو الیمن بن زین مراغی کے بھائی علامہ ابو الفرج ناصر الدین مراغی نے ہمیں یہ اشعار سنائے:

''جب تم مدینہ مین نبی کریم ﷺ کے سات کنوؤں کی طرف جانے کا ارادہ کرو تو انہیں غفلت کیے بغیر سات تک گن جاؤ' بئر اریس' بئر غرس' بئر رومہ' بئر بضاعہ' بئر بُصّہ' بئر حاء اور بئر العہن۔''

تتمّہ

اس میں اس چشمے کا بیان ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب تھا پھر ان چشموں کا ذکر جو ہمارے دور میں موجود ہیں اور کچھ اور چشموں کا ذکر۔

کھفِ بنوحرام کا کھال (نالہ)

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبد الملک بن جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چشمے سے وضو فرمایا جو کہف بنوحرام کے پاس تھا' وہ کہتے ہیں' میں نے اپنے ایک بزرگوار سے سنا کہ حضور ﷺ اس غار میں داخل ہوئے تھے۔

ابن نجار نے حضور ﷺ کے کھال (نالہ) کا ذکر کرتے ہوئے طلحہ بن حراش کی روایت لکھی' کہتے ہیں: جنگ خندق کے دوران صحابہ کرام حضور ﷺ کو لے جا کر بنوحرام کی غار میں چھپا دیتے کیونکہ رات کو خطرہ ہوتا تھا' آپ اسی میں رات گذارتے' صبح ہوتی تو نیچے تشریف لے آتے' حضور ﷺ نے کہف کے نزدیک چشمہ کھدوایا جو آج تک چل رہا ہے۔

میں کہتا ہوں' ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ کنواں یا کھال مدینہ کے ظاہری کھلے حصے میں تھا' اس پر تعمیر موجود تھی اور یہ مصلّی کے سامنے تھا۔

حضرت مطری اس کے بعد لکھتے ہیں' رہی وہ غار تو وہ مشہور ہے جو سلع پہاڑ کے مغرب میں ہے اور قبلہ کے راستے مسجد فتح کو جاتے ہوئے داہنی طرف ہے اور مدینہ کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو قبلہ کے سامنے ہے' اس کے مقابلے میں ایک باغ ہے جو ثقیمیہ کے نام سے مشہور تھا یعنی وہی باغ جو ثقیبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے' وادئ بطحان کے درمیان میں سلع پہاڑ کی غربی جانب ہے۔مطری مزید کہتے ہیں کہ اسی وادی میں ایک نالا (کھال) تھا جو مدینہ کی بالائی طرف سے آتا تھا جس کا پانی مسجد کے اردگرد کے کھیتوں کو سیراب کرتا تھا' اسے ''عَین خیف شامی'' کہتے ہیں نیز اس جانب کو''سیح'' کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مساجد فتح میں اس غار کے بارے میں وضاحت گذر چکی اور بتایا جا چکا کہ پہاڑ میں اس کی کھدائی کے نشان موجود ہیں۔وہ کھال (نالا) خیف جسے مطری نے ذکر کیا ہے' آج کل جاری نہیں ہے بلکہ یہ بند پڑا ہے

البتہ اس کا راستہ معلوم ہے اور ابن نجار نے خندق کے بارے لکھتے ہوئے بتایا کہ یہ قباء کی طرف سے آتا تھا اور اس کی جڑ قباء کے مغرب میں تھی' اسے متولی جناب شمسی بن زمن نے جاری کرنے کی کوشش کی' اس کی صفائی کی لیکن جاری نہ ہو سکا۔

حضرت مطری کہتے ہیں' رہا وہ چشمہ جس کے بارے میں ابنِ نجار نے ذکر کیا کہ وہ مصلّٰی کے سامنے ہے تو وہ عین الازرق ہے' اسے مروان بن حکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بنوایا تھا' تب وہ مدینہ کا گورنر تھا' چشمہ (نالہ) کی ابتداء مسجد قباء کے مغرب میں واقع باغ میں موجود بڑے کنوئیں سے ہوتی تھی اور وہ مصلّٰی کی طرف جاتا تھا' وہاں اس پر بڑا گنبد تھا' یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا' پانی قبلہ اور شمالی جانب جاتا تھا۔ یہ چشمہ مشرق سے نکل کر شمال کی جانب چلتا تھا۔

رہا وہ چشمۂ نبی جس کا ذکر ابنِ نجار نے کیا ہے تو آج اس کا کچھ پتہ نہیں' پہلے موجود تھا' آج وہ ختم ہو چکا اور اس کے نشانات مٹ چکے' یہ غار کے قریب تھا۔

میں کہتا ہوں' ابن نجار کا مقصد یہ ہے کہ یہ غار سے شروع ہوتا تھا اور اس مقام کی طرف جاتا تھا جہاں مصلّٰی کے قریب اس پر عمارت ہے۔ ابن نجار سے ابنِ جبیر نے اپنے سفرنامے میں موافقت کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا: مدینہ کی حفاظتی دیوار تک پہنچنے سے پہلے مغربی جانب تھوڑی دور جا کر تم خندق پر پہنچو گے' اس کے اور مدینہ کے درمیان راستہ کی دائیں طرف وہ چشمہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے' اس پر گول ڈاٹ بنی ہے' وہ مستطیل حوض دکھائی دیتا ہے' کھال کا منبع اس حلقے کے درمیان ہے جیسے مستطیل حوض ہوتا ہے' اس کے نیچے حلقے کی لمبائی جتنے پینے کے تالاب ہیں' پانی کی ہر جگہ اور حوض کے درمیان دو دیواریں ہیں' نیچے پچیس سیڑھیاں اُترتی ہیں' یہ لوگوں کے نہانے' پینے اور کپڑے دھونے کے لئے بنائے گئے ہیں اور حوض سے صرف پانی پیا جاتا ہے تا کہ محفوظ رہ سکے۔ انتہٰی حضرت مجد کہتے ہیں کہ شاید ابن نجار کو عین الازرق اور عین النبی ﷺ میں مغالطہ لگا ہے۔

میں کہتا ہوں' ان کا اور ابن نجار کا اس پر اتفاق ہو تو یہ شبہ ختم ہو جاتا ہے بلکہ احتمال یہ ہے کہ عین النبی ﷺ اس جگہ تک جاری رہا ہو اور یونہی عین ازرق بھی' پھر پہلا کٹ گیا اور دوسرا یعنی عین الازرق باقی رہ گیا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ امیر سیف الدین حسین بن ابو الھیجاء نے ۵۶۰ھ میں اس سے ایک کھال نکالا اور باب مصلّٰی سے باب مدینہ تک لے گیا اور پھر وہاں سے اس میدان تک لے گیا جو باب السلام کی طرف مسجد نبوی تک پھیلا ہوا تھا یعنی مدرسۂ زمنیہ کے سامنے تک' آج وہاں مدینہ کا بازار ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے گھروں کے نیچے سے ایک گھاٹ بنایا اور سیڑھیاں بنائیں' وہاں سے اہلِ مدینہ پانی پیتے اور زمین کے بیچوں بیچ مدینہ کے درمیان بلاط نامی جگہ کی طرف نالی بنائی' وہ بلاط جسے آج کل سوقِ عطارین کہتے ہیں اور اس کے قریب قریب مدینہ کے اشراف امیروں کے گھر تھے وہ شمالی جانب سے مدینہ کے باہر قلعہ کی مشرقی جانب نکلتا تھا جس قلعہ میں مدینہ کا امیر رہتا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ اسی سے ایک شاخ صحن مسجد میں لائے، وہاں گھاٹ بنایا، پانی فوارے سے اس کی طرف نکلتا اور ضرورت مند وہاں سے وضو کرتے اور اس سے مسجد نبوی پر آنے والا حرف مختم ہوا کیونکہ وہاں بھیڑ ہوتی تھی اور مسجد میں استنجاء ہوتا تھا لہٰذا اسے بند کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں، پانچویں باب کی اکتیسویں فصل میں ابن نجار کی طرف سے مسجد کے حوضوں کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ یہ گھاٹ ایک شامی امیر نے بنایا تھا جس کا نام شامہ تھا۔

پھر مطری نے مصلّے والے قبہ سے شام کی طرف جانے والی نالی کے اوصاف بیان کئے اور کہا: اور جب وہ نالی مصلّے والے قبہ سے نکل کر شمالی جانب جاتی ہے اور حفاظتی دیوارِ مدینہ تک پہنچتی ہے تو نیچے کی طرف دو راستوں سے ایک اور گھاٹ کی طرف پہنچتی ہے اور وہ جگہ امیر کے قلعے کے صحن کے قریب ہے پھر وہ مدینہ کے باہر آ نکلتی ہے تو دونوں وہاں اکٹھی ہو جاتی ہیں جہاں حاجی آ کر ٹھہرتے ہیں یعنی شامی حاجی اور یہ وہی ہے جو پہلے باب اثرب کے بیان میں گذری، حاجی لوگ اسے ''عیونِ حمزہ'' کہتے ہیں کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ شہیدوں کا چشمہ ہے اور حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آتا ہے حالانکہ ایسا ہے نہیں، وہ تو صرف قباء کے اس کنوئیں سے آتا ہے جو جعفریہ نامی باغ کے نام سے مشہور ہے اور جب ''مشہدِ نفسِ زکیہ'' اور ''ثنیۃ الوداع'' سے گذرتا ہے تو سلع کی شامی جانب سے مسجد الرایہ کے ہاں سے گذرتا ہے، وہاں اس کا ایک اور گھاٹ ہے پھر وہ مغربی جہت کی طرف چلتا ہے اور پھر ان دو پہاڑوں کے مغرب سے گذرتا ہے جو مساجد فتح کے مغرب میں ہیں اور یونہی وہ بڑے جوہڑ میں پہنچ جاتا ہے، اسی جگہ کو برکت کہتے ہیں۔ وہاں کھجور کے بہت سے درخت کاشت کئے ہوئے ہیں اور آج کل یہ امراءِ مدینہ کے قبضے میں ہیں نالیوں کی کھدائی وہاں سے ظاہر ہوتی ہے جہاں کا ہم بتا چکے، یہ شہداء کی جانب ہرگز نہیں گزرتیں چنانچہ شہداء والی نالی اور یہ الگ الگ ہیں، یہی وہ نالی ہے جو اس روایت میں مراد ہے جو پانچویں باب کی ساتویں فصل کے اندر شہداءِ اُحد کی قبروں کے ذکر میں بذریعہ حضرت جابر مذکور ہے، وہ کہتے ہیں: جب حضرتِ معاویہ نے نالی کھدوائی تو شہداءِ اُحد کے بارے میں ہمیں بلایا گیا، تو یوں یہ دونوں نالیاں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہوئیں، عین الشہداء کہلائیں اور وہ آج تک موجود ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان کا جوہڑ اس مسجد کے پاس ہو جو شہادت گاہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہے، امیر نے اسے از سرِ نو بنایا لیکن وہ پھر خراب ہو گئی، اس کا اصل بالائی جانب سے تھا چنانچہ علامات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

بدر بن فرحون حضرت نور الدین شہید کے حالات میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے وہ نالا جاری کیا جو اُحد پہاڑ کی نچلی جانب تھا، میرا خیال ہے کہ یہ وہی ''عین الشہداء'' ہے کیونکہ جو نالا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کیا تھا وہ وادی کے اندر تھا جو ختم ہو چکا لیکن اس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ انتھٰی اور وہ نالا جو آج کل ''عین الازرق'' کے نام سے مشہور ہے اسے لوگ ''زرقاء'' کہتے ہیں۔ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروان نے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بنوایا تھا اور وہ نیلگوں آنکھوں والا تھا لہٰذا اسے ازرق کہتے تھے۔

یہ ایک عجیب وغریب بات ہے جسے منورقی نے فضائل طائف میں بدر شہابی کے حوالے سے لکھا' انہیں پتہ چلا کہ طائف کے نالے میں ایک لوٹا گر گیا اور وہ مدینہ میں موجود نالے سے آ نکلا۔

یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ مدینہ اور اس کے اردگرد بہت سے نالے تھے جو نبی کریم ﷺ کے بعد نئے بنے تھے' ان کا انتظام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے تھے' اسی وجہ سے مدینہ کی اراضی پر ٹیکس کافی لگے تھے۔

فصل نمبر ۲

حضور ﷺ کا صدقاتی مال' ان درختوں کا ذکر جو آپ نے خود لگائے

حضور ﷺ کے احوال وصدقات کے بارے میں ابن شبہ' حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں: حضور ﷺ کے صدقات مخیریق یہودی کے لئے تھے۔

حضرت عبدالعزیز کہتے ہیں کہ یہ صدقات بنوقینقاع کا بقایا تھے پھر ابن شہاب کی حدیث کو ترجیح دی اور کہا: مخیریق نے وصیت کی کہ میرا مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے' یہ جنگ اُحد میں شامل ہوئے اور شہید ہو گئے تھے' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخیریق یہودیوں میں سے پہلے اسلام لائے' مسلمان' ایرانیوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور بلال حبشیوں میں سے پہلے اسلام لائے۔

صدقاتِ رسول اللہ ﷺ کے نام اور مقامات

ابن شبہ کہتے ہیں کہ حضرت مخیریق کے وہ احوال جو حضور ﷺ کے قبضہ میں آئے' ان کے نام دلال' برقہ' اعواف' صافیہ' میثب' حسنیٰ اور مشربۂ اُمِ ابراہیم تھے۔ رہا صافیہ' برقہ' دلال اور میثب تو یہ اراضی مروان بن حکم کے محل کی پچھلی طرف تھی جسے مہزور ندی کا پانی سیراب کرتا تھا اور رہی اُمِ ابراہیم والی اراضی تو اسے بھی وادیٔ مہزور کا پانی لگتا تھا۔ جب تم یہودیوں کی توراۃ پڑھنے کی جگہ پہنچو تو وہاں ابوعبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ اسدی کی اراضی تھی' وہاں مشربۂ اُمِ ابراہیم اس کے پہلو میں تھی۔ اس کے بعد ابن شبہ نے مشربۂ اُمِ ابراہیم کہنے کی وجہ بیان کی جس کا ذکر ہم مساجد میں کر چکے ہیں۔

پھر ابن شبہ بتاتے ہیں کہ ''حسنیٰ'' کو بھی وادی مہزور سیراب کرتی تھی' یہ قُف کی جانب تھی۔ رہی اطواف کی اراضی تو اسے بھی مہزور کا پانی لگتا تھا' یہ بنوجُحم کی پیش کردہ تھی۔

ابن شبہ کے مطابق ابوغسان کہتے ہیں کہ آپ کے صدقات میں اختلاف ہے' کچھ کہتے ہیں کہ بنوقریظہ اور نضیر کے مال تھے۔

حضرت جعفرؒ کے والد کہتے ہیں کہ صدقۂ دلال، بنو نضیر کی ایک عورت کا تھا، اس نے حضرت سلمان فارسی کو دے رکھا تھا اور عہد لیا تھا کہ اسے قابلِ بنا دو تو تم آزاد ہو، نبی کریم ﷺ کو پتہ چل گیا، آپ اس عورت کے پاس گئے اور ایک مقام پر بیٹھ گئے۔ حضرت سلمان کھجور کے درخت لاتے اور آپ لگاتے جاتے۔ آخرکار انہوں نے پھل دینا شروع کر دیا۔

وہ کہتے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہ اراضی بنو نضیر کی تھی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ انہیں وادیٔ مہزور سیراب کرتی تھی جس کے بارے میں ہر ایک کو معلوم تھا کہ بنو نضیر کی اراضی کو سیراب کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ بنو نضیر، مذینب تھے اور مہزور، بنو قریظہ کے قبضہ میں تھی۔ پھر ابن شبہ کہتے ہیں کہ ہم نے واقف کاروں سے سنا کہ برقہ اور میثب، زبیر بن باطا کے قبضہ میں تھیں، انہیں حضرت سلمان نے گاڑا تھا، یہ اموال بنو قریظہ سے لیا ہوا مال تھا۔ اعواف کی اراضی، خنافہ یہودی کی تھی جو بنو قریظہ میں سے تھا۔ اللہ ہی جانے کہ اس میں سے کون سی بات سچی ہے۔

حضور ﷺ کی وقف کردہ اراضی

ابن شبہ کے مطابق واقدی لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اعواف، برقہ، میثب، دلال، حسنیٰ، صافیہ اور مشربۂ اُم ابراہیم ۷ھ کو وقف کیں۔

واقدی کے مطابق ضحاک بن عثمان حضرت زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: یہ سات قسم کی اراضی بنو نضیر کا مال تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ مخیّریق نے یومِ اُحد پر کہا: اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو میری یہ اراضی حضرت محمد ﷺ کو پیش کر دینا، وہ جہاں چاہیں اسے استعمال کریں، یہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے تو یہ حضور ﷺ کے صدقات تھے پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ بنو نضیر کے اموال میں سے تھے، حضور ﷺ جب اُحد سے واپس آئے تو مخیّریق کی یہ اراضی تقسیم فرما دی۔

علامہ مجد کے مطابق واقدی کہتے ہیں کہ یہ مخیّریق بنو نضیر کے ایک بڑے عالم تھے، حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور اپنی اراضی کے سات پلاٹ حضور ﷺ کو پیش کر دیئے۔ اوقافِ خصاف میں واقدی کا قول ہے کہ مخیّریق اسلام نہیں لایا تھا، وہ یہودی قاتل تھا، مرا تو مسلمانوں کے قبرستان کی ایک جانب دفن کر دیا گیا اور اس کا جنازہ نہ ہوا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اراضی مخیّریق یہودی کی دی ہوئی تھی، اُحد کا دن آیا تو اس نے یہودیوں سے کہا کیا تم محمد ﷺ کی مدد نہیں کرو گے؟ بخدا، ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ مخیّریق نے کہا، ہفتہ تمہارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پھر تلوار سونتی اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ چل دیا، خوب جنگ کی اور آخرکار زخمی ہو گیا، فوت ہونے لگا تو کہا: میری اراضی، محمد ﷺ کی ہے، وہ جہاں چاہیں، استعمال کر لیں۔

عبد الحمید کہتے ہیں کہ مخیریق بڑے مالدار تھے' یہ سب اراضی حضورﷺ کی ہو گئی' رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا کہ مخیریق یہودیوں میں سے بہتر شخص ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ یہ اراضی دلال نامی تھی اور گذشتہ تمام اراضی کا ذکر کیا البتہ اعواف کی جگہ انہوں نے ''عواف'' لکھا۔

انصار کے بزرگوار نے کہا کہ حضورﷺ کے پاس بنونضیر کا مال تھا۔

حضرت عثمان بن کعب کہتے ہیں کہ حضورﷺ کی اراضی میں اختلاف ہے چنانچہ کچھ نے کہا کہ یہ اراضی بنو قریظہ اور بنونضیر کی تھی' پھر کہتے ہیں کہ اس میں بنونضیر کا کوئی حصہ شامل نہ تھا' بنونضیر کی ساری اراضی مہاجرین کو دیدی گئی تھی۔پھر کہا کہ برقہ اور میثب' زبیر بن بطا کی تھی۔

کچھ کا خیال ہے کہ دلال نامی اراضی یہود میں سے بنو ثعلبہ کا مال تھا اور مشربہ ام ابراہیم بنو قریظہ کا مال تھا جبکہ اعواف کا مال ریحانہ کے دادا خنافہ کا تھا۔وہ کہتے ہیں' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اعواف' بنونضیر کی اراضی تھی۔

حضرت جعفر کے والد محمد کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنونضیر کے لوگوں میں تھے' انہوں نے معاہدہ لکھا کہ ان کے لئے کھجور کے اتنے درخت لگا دیں' اس پر حضورﷺ نے فرمایا' ہر گڑھے میں درخت لگا دو' پھر وہ آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے درخت لگائے اور دُعا فرمائی' کوئی درخت ضائع نہ ہوا اور پھر یہ اراضی حضورﷺ کا مال ہو گیا چنانچہ یہ میثب مال تھا جو مدینہ میں حضورﷺ کا تھا۔

میں کہتا ہوں' اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سلمان کا وہ باغ جس میں حضورﷺ نے درخت لگائے تھے' وہ دلال والی اراضی تھی' کچھ کے نزدیک برقہ اور میثب والی اور کچھ کے ہاں صرف میثب تھی۔

احمد وطبرانی کے مطابق حضرت سلمان کی طویل حدیث میں ہے کہ ان درختوں نے اسی سال پھل دیا۔پھر اسی روایت کے آگے بحوالہ حضرت سلمان لکھا کہ ایک یہودی نے (بنو قریظہ کا) اپنے چچا زاد سے وادیٔ قریٰ میں خریدا۔آپ کہتے ہیں کہ وہ مجھے مدینہ میں لے گیا' پھر اپنے اسلام کا واقعہ بتایا اور کہا کہ رسول اللہﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان سے معاہدہ لکھ لو چنانچہ میں نے اپنے آقا سے تین سو درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونا دینے کا معاہدہ لکھ دیا۔حضورﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کرو چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ درخت لگانے میں تعاون کیا اور جتنا کچھ کسی کے پاس تھا' مجھے دیا چنانچہ تین سو پورے جمع ہو گئے۔رسول اللہﷺ نے فرمایا' اے سلمان جاؤ اور ان کے لئے گڑھے کھودو' فارغ ہو کر میرے پاس آنا' میں اپنے ہاتھ سے لگا دوں گا' وہ کہتے ہیں کہ میں گڑھے کھودنے لگا' میرے ساتھ صحابہ نے تعاون کیا اور جب میں فارغ ہو گیا تو حضورﷺ کو اطلاع دی' آپ میرے ساتھ وہاں تشریف لے گئے' ہم پودے آپ کے قریب رکھتے جاتے اور آپ اپنے ہاتھ سے لگاتے جاتے حتیٰ کہ سب درخت لگا کر فارغ ہو گئے تو اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں سلمان کی جان ہے' ان میں سے ایک پودا بھی بیکار نہیں گیا (سب اُگ آئے)۔میں نے درخت لگانے کی شرط پوری کر دی' اب میرے ذمہ سونا تھا۔اور پھر باقی روایت پوری کہہ دی۔

ابن عبد البر سے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بتاتے ہوئے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہودیوں سے اتنے درہم دے کر خریدا اور یہ شرط بھی تھی کہ اتنے درخت لگائیں گے۔ حضرت سلمان نے زمین تیار کر دی تو حضور ﷺ نے ایک درخت کے علاوہ سب درخت لگا دیئے' وہ درخت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگایا تاہم اس درخت کے علاوہ سب درختوں کو پھل لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے لگایا تھا؟ انہوں نے عرض کی' حضرت عمر نے! آپ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ لگایا تو اس نے اسی سال پھل دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ پھل نہ دینے والا درخت حضرت سلمان نے لگایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ''فقیر'' وہ باغ تھا جو عالیہ میں بنو قریظہ کے قریب تھا لیکن ایک مؤرخ سے یہ بات پوشیدہ ہے لہٰذا ابن اسید الناس کے مطابق اس نے اسے ''عفیر'' لکھا۔ انتہی اور درست یہ ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام تھا اور حضور ﷺ کی اراضی نہ تھی چنانچہ ابن شبہ نے کتاب صدقۃ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت حسن بن زید کے ہاتھ میں تھا' میں لکھا ہے: ''فقیر'' میرے لئے ہے جیسے تم جانتے ہو کہ یہ راہِ خدا کا صدقہ ہے' لیکن انہوں نے اخبارِ صدقات میں یہ لفظ ''فقیرین'' لکھا ہے چنانچہ کہا: مدینہ میں میرے صدقات ہیں' عالیہ میں فقیرین ہے اور قناۃ پر ''بئر الملک'' ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی نام اسی کے ہیں تاہم اہلِ مدینہ مفرد ہی بولتے ہیں یعنی فُقَیر جو فقیر کی تصغیر ہے۔

ابن زبالہ نے بھی یہ لفظ مفرد بولا ہے چنانچہ محمد بن کعب قرظی لکھتے ہیں کہ غاضر و برزتان کا کنواں حضور ﷺ نے اپنے مہمانوں کے لئے قبضے میں رکھا تھا' یہ کعب بن اسد کا تھا اور فقیر' عمر بن سعد کا تھا جسے حضرت علی بن ابو طالب نے لے لیا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ غاضر و برزتان حضور ﷺ کی بیویوں کے لئے وقف تھے' یہ بنو نضیر کا مال تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بئر غاضر آج کل کسی کے علم میں نہیں جبکہ برزتان دو باغ ہیں جو عالیہ میں قریب قریب ہیں' ایک کو برزہ کہتے ہیں اور دوسرے کو بُریزہ اور ابن شبہ کے جس نسخہ کو میں نے دیکھا ہے اس میں ابو غسان کہتے ہیں' میں نے کسی سے سنا کہ بئر غاضر اور نویرتین حضور ﷺ کی بیویوں کے استعمال کے لئے تھے اور عالیہ میں یہ بنو قریظہ کی اراضی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بئر غاضر اس مال میں شمار ہوتا تھا جو بئر اریس میں حضرت عثمان کے مال میں شامل تھا۔ انتہی۔ میرا خیال ہے کہ یہ لفظ نویرتین بولنا غلط ہے' صحیح لفظ برزتان ہی ہے جیسے ابن زبالہ لکھ چکے۔

صدقات کی حد بندی اور ان میں سے مشہور اراضی

رہا ان جگہوں کا بیان جہاں حضور ﷺ کی یہ اراضی (صدقات) واقع تھی تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ صافیہ' برقہ' دلال اور میثب اور صورین کی بالائی جگہ کے قریب تھیں' ان میں سے صافیہ تو آج کل وہاں مشہور ہے چنانچہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ شریف کی مشرقی جانب زھرہ کی آبادی میں تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ اس لفظ کو زُھیرہ لکھتے ہیں

کیونکہ ان کے دور میں یونہی مشہور تھا حالانکہ یہ لفظ زھرہ ہے اور "برقہ" بھی مشہور اراضی ہے جو مدینہ کے جنوب مشرق میں تھی، وہ جگہ اسی نام سے مشہور تھی جیسے مراغی کہتے ہیں:

دلال: یہ ملیکی کے نزدیک صافہ کی طرف ایک مشہور جگہ تھی جو مدرسۂ شہابیہ کے فقہاء کے لئے وقف تھی۔

میثب: آج کل غیر معروف ہے، ان چاروں کے تعارف سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ چاروں مذکور قریبی جگہوں کے قریب تھیں اور شاید یہ برقہ کے قریب تھی کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ دونوں (دلال اور میثب) وہ جگہیں تھیں جن میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخت لگائے تھے اور یہ دونوں ایک ہی شخص کی تھیں۔

اعواف: یہ عالیہ کی طرف مربوع کے قریب ایک مشہور جگہ تھی جیسے اس سے پہلی فصل میں بئر اعواف کے بیان میں آ چکا۔

مشربۂ اُم ابراہیم: یہ بھی عالیہ میں مشہور جگہ تھی جیسے مساجد کے ذکر میں آ چکا۔

حسنیٰ: علامہ زین نے حاء پر پیش اور سین پر جزم پڑھی ہے اور نون کو زبر دی ہے۔ ابن زبالہ کے مطابق اس کے بارے میں آج کوئی نہیں جانتا اور جو حاء کے بعد نون پڑھتا ہے (الحناء) وہ غلطی کرتا ہے۔ آج کل یہی مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسے غلطی کہنا مشکل ہے کیونکہ میں نے اسے کئی جگہ دیکھا کہ حاء کے بعد سین اور اس کے بعد نون ہے۔ ابن شبہ اور ابن زبالہ وغیرہ نے یونہی لکھا ہے اور اگر اس کے دور کے لوگ غلطی سے اسے حناء کہیں تو یہ غلط بنتا ہے کیونکہ آج کل حناء کے نام سے مشہور جگہ ماجشونیہ کی مشرقی جانب ہے، اسے وادئ مہزور کا پانی سیراب نہیں کرتا حالانکہ پہلے بتایا جا چکا کہ حسنیٰ کو وادئ مہزور کا پانی ملتا تھا اور وہ قُف میں تھی اور بیانِ قف میں آ رہا ہے کہ وہ حناء کی جانب نہ تھی اور ظاہر یہ ہے کہ حسینیات کے نام سے مشہور جگہ کا نام حسنیٰ ہے جو دلال کے قریب تھی کیونکہ دلال، قف کی طرف تھی اور اسے مہزور کا پانی سیراب کرتا تھا۔ قف کے بیان میں اس کی تائید آ رہی ہے۔

یہ سات وہ مقام تھے جو نبی کریم ﷺ کے صدقات کہلاتے تھے۔ میں زرین عبدری کے بتائے سے واقف نہیں جو انہوں نے قباء میں بویرہ نامی جگہ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ صدقۂ نبی ﷺ تھا اور اس میں کھجور کا باغ تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ مساکین کے لئے وقف رہی اور ان کے لئے وقف رہی جو عہد قریب میں وہاں سے گذرنے والے تھے پھر اس سرزمین پر ایک حاکم مدینہ نے اپنے لئے قبضہ کر لیا۔ وہاں نضیر کا قلعہ تھا اور قریظہ کے قلعے بھی تھے۔ انتہٰی تاہم یہ قول دو وجہ سے مردود ہے:

(۱) گذشتہ ائمۂ کرام باوجودیکہ ان زمینوں کا خیال رکھتے تھے لیکن کسی نے بھی اسے حضور ﷺ کے صدقات میں شمار نہیں کیا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس جگہ قریظہ اور بنو نضیر کے قلعے تھے، یہ بات مردود ہے کیونکہ ان دونوں کے گھروں کے بیان میں اس کا ذکر کر چکے ہیں اور اس جگہ میں بھی بتا چکے ہیں جس کا ذکر

انہوں نے مسجد کے قبلہ سے لے کر جہت مغرب تک کی جگہ میں کیا ہے اور پھر ہم "بویرہ" کی وضاحت میں بتائیں گے کہ یہ جگہ وہ بویرہ نہیں جو بنونضیر کی طرف منسوب ہے۔ میرے خیال میں انہیں غلطی اس بناء پر لگی کہ انہوں نے اس جگہ کا نام بویرہ رکھ دیا اور صدقۂ نبی ﷺ اموال نضیر یا قریظہ میں سے تھے' یہ اختلاف پہلے آ چکا اور انہوں نے کہا کہ یہی مراد ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد کے صدقات کا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا

یہ وہ صدقات ہیں جن کا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا تھا اور یونہی اس حصے کا مطالبہ کیا تھا جو حضور ﷺ کو خیبر اور فدک سے ملا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے والد کے مالِ غنیمت کے ترکہ میں سے حصہ دیں جس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہمارے مال کا وارث کوئی نہیں ہوتا' جو کچھ ہم چھوڑ جائیں' وہ صدقہ ہوتا ہے۔" اس پر حضرت فاطمہ خفا ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے کلام چھوڑ دی اور پھر اسی حال میں وصال فرما گئیں جبکہ حضور ﷺ کے بعد وہ چھ ماہ تک زندہ رہیں۔

حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ' حضرت ابوبکر سے اپنے والد کا ترکہ مانگتی رہیں جو خیبر' فدک اور مدینہ میں موجود مال سے تعلق رکھتا تھا لیکن حضرت ابوبکر انکار کرتے رہے' ان کا کہنا تھا کہ جو کام حضور ﷺ اپنی زندگی میں کرتے رہے' میں اسے چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ مجھے فکر رہتی ہے کہ اگر میں نے وہ کام چھوڑ دیا تو بھٹکا ہوا شمار ہوں گا۔

رہا آپ کا مدینہ والا صدقہ تو حضرت عمر نے اسے حضرت علی اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سپرد کر دیا جبکہ خیبر اور فدک کا مالِ غنیمت تو وہ حضرت عمر نے روک لیا اور کہا کہ یہ حضور ﷺ کا مالِ صدقہ ہے' یہ دونوں مال وہ تھے جو ضرورت کے وقت آپ کے کام آتے۔

یہی روایت ابنِ شبہ نے ان الفاظ سے بیان کی ہے: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر کی طرف وہ مالِ وراثت تقسیم کرنے کا پیغام بھیجا جو انہیں مال غنیمت کے طور پر ملا تھا' حضرت فاطمہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے مدینہ والے صدقہ' فدک اور خیبر کے پانچویں حصہ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا' ہم جو کچھ چھوڑ جائیں' صدقہ کر دیا جاتا ہے' آل محمد اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور میں بخدا رسول اللہ ﷺ کے اموال کی وہ حالت کبھی نہیں بدلوں گا جو آپ اپنی زندگی میں کرتے رہے' میں وہی معاملہ

کروں گا جو آپ کرتے رہے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ آپ پر خفا ہو گئیں، انہیں چھوڑا اور وصال تک کلام نہیں کی حالانکہ حضورﷺ کے بعد آپ چھ ماہ تک زندہ رہیں اور جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں رات کے وقت دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر تک نہیں دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، پھر ابن شبہ نے مختصر واقعہ بتایا اور اسی دوران کہا: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اور وصال تک اس مال کے بارے میں بات نہیں کی اور یونہی ترمذی نے اپنے ایک شیخ سے روایت کی کہ یہ جو سیّدہ فاطمہ نے حضرت ابوبکر وعمر سے کہا تھا کہ ''میں تم دونوں سے بات نہیں کروں گی'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مالِ وراثت کے بارے میں بات نہیں کروں گی لہٰذا اس پر فھجرتہ (انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا) کا اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس سے وہ چھوڑنا مراد نہیں جو حرام ہوتا ہے بلکہ صرف ملاقات ترک کی تھی اور مدت بھی مختصر تھی کیونکہ وہ غم اور بیماری میں مبتلا رہیں اور پھر اس کی تائید بیہقی کی یہ روایت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ابوبکر آئے ہیں، اندر آنے کی اجازت مانگتے ہیں، انہوں نے حضرت علی سے کہا: آپ انہیں اجازت دینا پسند کریں گے؟ حضرت علی نے کہا، ہاں تو انہوں نے اجازت دیدی، وہ ان کے پاس پہنچے، راضی کرنے لگے چنانچہ وہ راضی ہو گئیں۔

رہا ان کی ناراضگی کا سبب، حالانکہ ابوبکر نے دلیل بھی پیش کر دی تھی تو وہ چاہتی تھیں کہ اس کی تاویل کریں، گویا ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ''لَا نُوْرَثُ'' کے عموم میں تخصیص کر لیں گے، ان کے ذہن میں تھا کہ زمین وغیرہ کے منافع پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ہوتے ہیں لہٰذا اس سے اس قول میں نقص نہیں پڑے گا لیکن حضرت ابوبکر نے عموم ہی پر عمل کیا (تخصیص نہیں کی) اور جب آپ نے پختگی دکھائی تو حضرت فاطمہ باز آ گئیں اور قطع تعلق کر لیا۔

میں کہتا ہوں کہ اب قصہ کا تتمہ رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے فرمان ''ما ترکناہ صدقة'' سے سمجھا کہ آپ کی طرف سے یہ مال وقف قرار پا چکا ہے پھر انہوں نے سوچا کہ وقف پر نگاہ کرنا اس کی بڑھوتری پر قبضہ کرنا اور اسے استعمال میں لانا قابلِ وراثت ہے لہٰذا آپ نے حضورﷺ کے مدینہ میں موجود مال سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا، وہ دیکھ رہی تھیں کہ اس مال پر قبضہ کرنا ان کا حق ہے اور یونہی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی حق ہے اور پھر حضرت عباس وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہم خیال تھے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ اسے امام کے اختیار میں رہنا چاہئے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مل کر وہی مطالبہ کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تھے جس کا حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے کیا تھا حالانکہ دونوں ہی جانتے تھے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے لَا نُوْرَثُ ما ترکناہ صدقة کیونکہ

صحیح بخاری میں ان دونوں حضرات کا حضرت عمر کے پاس اس سلسلے میں حضور کے مالِ غنیمت کا جھگڑا لے کر آنے کا قصہ مذکور ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سامنے یہی حدیث رکھی تھی کہ وہ اس پر عمل کریں جس پر خود حضورﷺ نے عمل فرمایا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا حالانکہ اس وقت حضرت عثمان ' حضرت عبد الرحمٰن' حضرت سعد اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ گروہ نے جس میں حضرت عثمان اور ان کے ہمراہی موجود تھے' کہا اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فیصلہ کر دیجئے تا کہ دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' ذرا سکون سے رہو' میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کو سنبھالے ہوئے ہے' کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا کہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ؟ انہوں نے کہا تھا کہ ہاں یہ آپ ہی کا فرمان ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں حضرات سے کہا میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں' کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہﷺ نے یوں فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں فرمایا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں آپ کو اس بارے میں بتاتا ہوں' اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو یہ مالِ غنیمت یوں دیا کہ کسی اور کو یہ خصوصیت حاصل نہیں اور پھر یہ آیت پڑھی وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ تا قَدِیْرٌ ○ چنانچہ یہ مال حضورﷺ کے لئے خاص ہو گیا لہٰذا انہوں نے آپ لوگوں پر خرچ کیا اور آپ لوگوں کو دیا اور اس میں یہ کچھ بچ گیا چنانچہ رسول اللہﷺ اس مال میں سے اپنے اہل پر اسے خرچ کرتے رہے اور بقایا اللہ کا مال بنایا' حضورﷺ نے زندگی بھر یونہی کیا' میں آپ لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ آپ کو اس بات کا علم ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں ہے' پھر دونوں حضرات سے پوچھا: آپ یہ جانتے ہیں ؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ اس کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو موت دیدی تو حضرت ابوبکر نے کہا: میں رسول اللہﷺ کی طرف سے ذمہ دار ہوں چنانچہ انہوں نے یہ اراضی اپنے قبضے میں لے لی اور اس میں ویسے ہی برتاؤ کیا جیسے حضورﷺ نے کیا تھا اور اللہ جانتا ہے کہ وہ سچے' نیک' راہِ حق پر چلنے والے اور سچائی کے پیروکار تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موت دیدی تو ان کی جگہ میں ان کی طرف سے ذمہ دار بنا چنانچہ میں نے دو سال کے دورِ خلافت میں اسے سنبھالا اور اللہ جانتا ہے کہ میں سچا' نیکی کرنے والا' راہِ راست پر چلنے والا اور حق کا پیروکار ہوں' اب آپ لوگ میرے پاس آئے ہیں' مجھ سے گفتگو کر رہے ہیں اور میں اکیلا آپ سے بات کر رہا ہوں' آپ دونوں کی بات ایک ہی ہے' اے عباس! آپ تو مجھ سے اپنے بھتیجے کے مال سے حصہ مانگتے ہیں اور یہ اپنی بیوی کا باپ والا حصہ مانگ رہے ہیں' میں نے آپ سے کہا ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا: لا نورث ما ترکناہ صدقۃ' اب جب میرے سامنے یہ بات آ گئی ہے کہ میں آپ دونوں کو یہ حصہ دوں تو میں کہتا ہوں' میں آپ کو اللہ کے عہد اور اس میثاق پر دے دیتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اس مال سے وہی برتاؤ کرنا ہو گا جو رسول اللہﷺ نے کیا تھا' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور پھر جب سے میں خلیفہ بنا ہوں' میں نے کیا ہے' اس کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ مال ہمیں دیدیں تو اسی وجہ سے میں آپ کو دے دیتا ہوں' میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں آپ کو

یہ حصہ دے رہا ہوں؟ انہوں نے کہا' ہاں۔سب نے کہا' ہاں۔الحدیث۔

یہ حدیث اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ ان دونوں نے اس حدیث کو جانتے ہوئے بھی یہ مطالبہ کیا تھا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مال وقف تھا اور یہ اصول ہے کہ وقف کرنے والے کے وارث' وقف شدہ چیز کی نگرانی کے لئے سب سے بہتر ہوتے ہیں اور بالخصوص وہ اس مال پر قبضہ کا ارادہ رکھتے تھے جو بنونضیر سے حاصل شدہ مدینہ میں موجود تھا' وہ مال مدینہ میں حضورﷺ کے صدقات میں شامل تھا۔

پھر ابن شہاب نے لکھا کہ یہ مال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا' پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا' ان کے بعد علی بن حسین کے ہاتھ رہا اور حسن بن حسن کے ہاتھ میں رہا اور پھر حضرت زید بن حسن کے قبضہ میں رہا حالانکہ یہ یقیناً رسول اللہﷺ کے صدقات میں تھا۔

عبد الرزاق کے مطابق حضرت معمر نے بتایا کہ پھر حضرت عبد اللہ بن حسن کے ہاتھوں میں رہا اور پھر بنو عباس حاکم بن گئے تو انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔اسماعیل قاضی مزید بتاتے ہیں کہ اس مال سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورِ عثمان میں اعراض کیا تھا۔

سنن ابو داؤد میں ایک صحابی نے بنونضیر کا قصہ بتایا اور آخر میں کہا کہ بنونضیر کا باغ خاص طور پر رسول اللہﷺ کے قبضے میں تھا' یہ انہیں اللہ نے دیا تھا چنانچہ فرمایا: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ رَسُوْلَہٗ مِنْھُمْ ۔پھر بتایا کہ آپ نے اس کا اکثر حصہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا تھا اور باقی آپ کے ہاتھ میں مالِ صدقہ (غنیمت) تھا تو بنو فاطمہ کے قبضے میں رہا۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ ابو غسان کے مطابق آج کل نبی کریمﷺ کے صدقات خلیفہ کے قبضہ میں ہیں' وہ جسے چاہے اس کا نگران بناتا اور پھر جسے چاہے معزول کرتا ہے' اس کا پھل اور غلہ اہلِ مدینہ کے حاجت مندوں ان کی ضرورت کے مطابق خرچ کیا کرتا ہے۔

یہ سب کچھ نقل کرنے کے بعد حضرت حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ۲۰۰ھ کے آخر تک یونہی چلتا رہا اور پھر اس کے بعد معاملات تبدیل ہو گئے۔واللہ المستعان۔

میں کہتا ہوں' امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بیہقی سے نقل کرتے ہیں کہ (میرے ماں باپ آقا پر فدا) حضورﷺ کا مال صدقات ہمارے پاس موجود ہے' صدقۂ زبیر اس کے قریب ہے' صدقۂ عمر قائم ہے' صدقۂ عثمان موجود ہے' صدقۂ علی موجود ہے اور صدقۂ فاطمہ بنت رسول اللہﷺ موجود ہے اور بے شمار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صدقات مدینہ موجود ہیں۔

حضرت مجد نے فدک کے بارے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ مال جو حضرت علی اور حضرت عباس کو حضرت عمر نے دیا تھا اور جس میں جھگڑا ہوا تھا' وہ مالِ فدک تھا کیوں کہ مجد نے کہا ہے: یہ وہی مال تھا جس کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تھا کہ رسول اللہﷺ نے یہ مجھے عطا فرمایا ہے تو حضرت ابوبکر نے

کہا تھا کہ مجھے گواہوں کی ضرورت ہے چنانچہ حضرت علی نے شہادت دی تھی' آپ نے اور گواہ مانگا تو حضرت اُم ایمن نے گواہی دی۔ اس پر حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ اے بنت رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر گواہی مکمل نہ ہوگی چنانچہ وہ چلی گئیں اور پھر فتوحات کا سلسلہ بڑھا اور حضرت عمر خلیفہ بنے تو ان کا اجتہاد سامنے آیا۔ حضرت علی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں یہ حضرت فاطمہ کو دیدیا تھا' حضرت عباس اس کا انکار کرتے تھے چنانچہ دونوں حضرت عمر کے پاس پہنچے لیکن انہوں نے دونوں میں فیصلے سے انکار کر دیا اور کہا: آپ لوگ اپنی مرضی کریں اور جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو اپنے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ فدک' اولادِ فاطمہ کو دیدو چنانچہ ان کے عہد میں یہ انہی کے پاس رہا اور جب یزید بن عبد الملک حکمران بنا تو اس نے اسے قبضہ میں لے لیا اور پھر یہ فدک ابو العباس السفاح کے دور تک بنو امیہ کے قبضہ میں رہا۔ انہوں نے حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب کو دیدیا' پھر یہ انہی کے قبضے مین رہا' انہوں نے ہی اسے اولادِ علی میں تقسیم کر دیا پھر جب منصور والی بنا اور حضرت بنو حسن ان کے خلاف اُٹھے تو ان سے واپس لے لیا اور پھر جب ان کا بیٹا مہدی خلیفہ بنا تو انہیں واپس کر دیا پھر اس کے بعد موسیٰ بن ہادی تا مامون الرشید اس پر قابض رہے تو اس کے پاس بنو علی کی طرف سے ایلچی آیا اور اس کا مطالبہ کیا تو اس نے حکم دیا کہ انہیں ایک دستاویز لکھ دی جائے چنانچہ وہ دستاویز لکھی گئی اور اس کے سامنے پڑھ دی گئی' اس پر دعبل شاعر نے اُٹھ کر کہا:

"دور خوش ہے کہ مامون ہاشم نے فدک واپس کر دیا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس بات کا انکار کر رہی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور عباس کو یہ باغ واپس کر دیا تھا اور وہ اس بارے میں جھگڑے تھے چنانچہ آپ فرماتی ہیں: "رہے خیبر اور فدک تو حضرت عمر نے انہیں اپنے پاس رکھا تھا اور یونہی جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یہ فدک اولادِ فاطمہ کو دیدیا تھا' اس کے موافق ہے جو انہوں نے یاقوت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جب والی بنے تو لوگوں سے خطاب کیا پھر قصہ' فدک کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھا' آپ اس میں سے خرچ کرتے اور بچا ہوا مسافروں کو دیتے' پھر حضرت ابوبکر' عمر' عثمان اور حضرت علی بھی یونہی کرتے رہے اور جب معاویہ خلیفہ بنے تو انہوں نے مروان بن حکم کو دیدیا' مروان نے عبد العزیز اور عبد الملک کو عطیہ دیدیا' وہ دونوں عبد الملک کے بیٹے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر یہ ولید اور سلیمان کے حصے میں آیا اور جب ولید والی بنا تو میں نے اس سے مطالبہ کیا' اس نے مجھے ہبہ کر دیا اور سلیمان نے ان کا حصہ مانگا تو انہوں نے دیدیا' میں نے دونوں کو اکٹھا کر لیا اور یہ مال میرا بہترین مال تھا اور میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اسے واپس لوٹا رہا ہوں' اب یہ حضور ﷺ کے دور اور چاروں خلفاء کے دور خلافت کی طرح ہوگا چنانچہ وہ ان کے بعد والے یہ مال لیتے اور مسافروں کو دیا کرتے۔

میں کہتا ہوں' کہتے ہیں کہ یہ مال مروان کو حضرت عثمان نے بطور جاگیر دیا تھا چنانچہ حضرت ابن حجر کہتے ہیں

کہ فدک کا باغ مروان کو حضرت عثمان نے دیا تھا کیونکہ انہوں نے مطلب یہ نکالا تھا کہ جو چیز نبی کے لئے خاص ہوتی ہے وہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کی ہو جاتی ہے اور چونکہ خود آپ تو مالدار اور غنی تھے لہٰذا اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو دے دیا۔

رہا وہ جو علامہ مجد نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عطیۂ فدک کا دعویٰ کیا تھا تو ابن شبہ کے مطابق حضرت نمیر بن حسان کا قول اس کی گواہی دے رہا ہے' وہ کہتے ہیں' میں نے زید بن علی سے کہا' میرا ارادہ ہے کہ ابوبکر کے معاملہ کی خبر لوں' انہوں نے حضرت فاطمہ سے فدک چھین رکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر ایک رحمدل شخص تھے' وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو کچھ نبی کریم ﷺ چھوڑ گئے تھے' اس میں تبدیلی کریں' حضرت فاطمہ ان کے پاس آئیں اور کہا کہ یہ فدک مجھے حضور ﷺ نے دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا' کیا کوئی گواہ موجود ہے؟ وہ حضرت علی کو لے آئیں جنہوں نے گواہی دیدی' پھر وہ اُم ایمن کو لائیں' انہوں نے کہا: کیا آپ اس بات کے گواہ نہیں کہ میں جنتی ہوں؟ انہوں نے کہا' کیوں نہیں' انہوں نے کہا تو پھر یقین کر لو کہ حضور ﷺ نے فدک فاطمہ کو دیدیا تھا۔ اب حضرت ابوبکر نے کہا: تو کیا آپ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کے بناء پر مجھ سے یہ حق لینا چاہتی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت زید بن علی نے کہا' بخدا' اگر میرے بس میں بھی ہوتا تو میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر نے کیا تھا۔

ابن شبہ کے مطابق کثیر نوی کہتے ہیں: میں نے ابوجعفر سے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں' کیا ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تمہارے حق میں ظلم کیا تھا یا کچھ لے لیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا' ایسا ہرگز نہیں ہوا' اس ذات کی قسم جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن نازل کیا کہ وہ لوگوں کو ڈرسنائیں' ان دونوں نے ہم پر رائی بھر بھی ظلم نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی جھوٹ کے ساتھ رافضیوں کا تعلق ہے' انہوں نے احادیث کو صحیح طریقے پر سمجھا ہی نہیں۔

فصل نمبر ۳

مکہ و مدینہ کے درمیان حضور ﷺ کی طرف منسوب وہ مسجدیں جو آپ کے اس راستے میں آئیں جن پر دیگر انبیاء چلتے رہے

یہ راستہ عام لوگوں سے الگ تھا اور مسجد غزالہ کے قریب تھا' یہ راستہ خیف اور صفراء سے نہیں گزرتا بلکہ حیٔ ثنیہ حرشی اور پھر جحفہ سے گذرتا تھا اور آج کل کے لوگوں کا راستہ اس راستے پر چلنے والوں کی داہنی طرف ہے چنانچہ آپ کو

جحفہ کی زیریں جانب رابغ سے گذرنا ہوگا' پھر آپ قدید کے راستہ کے قریب جحفہ کی اوپر والی جانب اس راستے میں آ ملیں گے۔

روایات میں آتا ہے' زیارت کرنے والوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ حرمین کے درمیان آنے والی مسجدوں میں نوافل پڑھے اور یہ کل بیس مسجدیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو اسی راستے سے تعلق رکھتی تھیں جبکہ ابوعبداللہ اسدی نے ان سے زیادہ ذکر کی ہیں' ہم ان کے ساتھ ان کا بھی ذکر کر رہے ہیں جو ہمیں دوسروں سے ملی ہیں' ہم مدینہ سے مکہ تک انہیں ترتیب وار ذکر کریں گے۔

مسجد الشجرہ (ذوالحلیفہ)

ان میں سے ایک مسجد الشجرہ ہے جس کا مشہور نام مسجد ذوالحلیفہ ہے۔ یہ حلیفہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے' آج کل اسے بئر علی کہتے ہیں چنانچہ مسلم شریف میں روایت ملتی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں رات گذاری اور یہاں کی مسجد میں نماز پڑھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو جاتے تو مسجد شجرہ میں نماز پڑھتے۔ انہی سے حضرت ابنِ زبالہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ اور حج کے دوران ذوالحلیفہ میں ٹھہرتے۔ قیام کی جگہ مسجد ذوالحلیفہ ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد شجرہ میں اسطوانہ وسطیٰ کی طرف نماز پڑھی اور چہرۂ انور اسی کی طرف رکھا اور یہ اس شجرہ کی جگہ تھا جس کی طرف آپ نے نماز پڑھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس بطحاء میں اونٹنی بٹھائی جو ذوالحلیفہ میں تھا اور وہیں نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد مذکور مسجد کی جگہ ہے کیونکہ یہ وہی جگہ تھی جہاں آپ بیٹھا کرتے تھے اور آپ نے اس درخت کی جگہ عمارت بنائی جو وہاں تھی اور اسی جگہ کی وجہ سے اسے مسجد الشجرہ کہتے تھے اور یہی وہ سمرہ (ببول) تھا جس کا ذکر حدیث ابن عمر میں ہے' نبی کریم ﷺ ذوالحلیفہ میں اس کے نیچے ٹھہرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سواری مسجد ذوالحلیفہ کے نزدیک بالکل سیدھی کھڑی ہو جاتی تو پڑھتے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ الحدیث

انہی کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل پڑھتے اور جب مسجد ذوالحلیفہ کے

پاس آپ کی اونٹنی کھڑی ہو جاتی تو یہی کلمات پڑھا کرتے۔

ان صحیح روایات سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ حضورﷺ دن کے وقت حج کے لئے روانہ ہوئے اور رات کو ذوالحلیفہ میں جا رُکے اور دوسرے دن مسجد کے نزدیک احرام باندھا تو ظاہر ہو رہا ہے کہ اس مدت کے دوران آپ کی تمام نمازیں وہیں ادا ہوئیں لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں غسل بھی فرمایا تھا۔

بخاری میں باب مایلبس المحرم کے اندر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریمﷺ سواری سے اُترے، تیل لگایا، تہبند اور اوپر کی چادر اوڑھی اور صحابہ سمیت چلے الحدیث اس میں نہانے کی وضاحت موجود نہیں لیکن طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ حجۃ الوداع کے موقع پر چلے، غسل فرمایا، تیل لگایا، سواری سے اُترے اور اکیلے چلے، دو سحاری کپڑے زیب تن تھے، ایک تہبند اور دوسری اوپر والی چادر تھی، یہ ہفتہ کا دن اور ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہتی تھیں۔

قاضی عیاض کی کتاب التنبیہات میں ہے، ظاہر مذہب میں مستحب یہ ہے کہ مدینہ میں غسل کرے اور فوراً چل پڑے، یہی وضاحت سحنون اور ابن الماجشون نے کی ہے اور یہی وہ کام ہے جو رسول اللہﷺ نے کیا تھا جیسے مستحب یہ ہے کہ اس وقت احرام کے کپڑے پہنے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یونہی کیا تھا۔انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے اصحاب نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ کہا ہے: جو تنعیم میں بحالتِ احرام غسل کرے تو اس کے لئے یہی غسل کافی ہوگا کیونکہ یہ جگہ قریب ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرب کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے اور یہ حضورﷺ سے منقول روایت کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ ذوالحلیفہ سے آپ نے دوسرے ہی دن احرام باندھا تھا، احتمال یہ ہے کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں اس وقت دوبارہ غسل کیا تھا، بہرصورت اگر ذوالحلیفہ کی طرف جاتے ہوئے وضو کے بعد احرام ہوتا تو ہمارے نزدیک یہ قول بعید نہ تھا جیسے انہوں نے فجر کی نماز میں جمعہ کے لئے غسل میں بیان کیا ہے اور اس میں کوچ کرنے کی شرط نہیں لگائی۔

علامہ مطری اور بعد کے مؤرخین احرام کے بیان کے بعد حضورﷺ کی مسجد کے قریب سے سواری اُٹھنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ حاجی کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو اس مسجد کے کونے سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہی اس کے اردگرد قبلہ، مغرب اور شام سے آگے جائے کہ کہیں مسجد کے گرد سے دور نہ ہو جائے جبکہ بہت سارے حاجی یہ کرتے ہیں کہ مسجد کے اردگرد سے مغربی جانب بڑھ جاتے ہیں اور کھلی جگہ کو چڑھ جاتے ہیں یوں یقیناً وہ میقات سے آگے نکل جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مطری نے ذوالحلیفہ کی انتہائی حد بیان نہیں کی ان کا حول المسجد کہنا حد بندی نہیں بتاتا اور نہ ہی حضورﷺ کے مسجد اور اس کے قرب و جوار میں اُترنے سے ذوالحلیفہ کی حد کا پتہ چل سکتا ہے۔عنقریب ہم ذوالحلیفہ کی وضاحت کرتے ہوئے اس پر مزید روشنی ڈالیں گے اور پھر اس کے اور مدینہ کے درمیان فاصلے کا ذکر کریں گے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہی وہ مسجد ہے جو وہاں بڑی شمار ہوتی تھی جس کے قبلہ کی طرف ستون تھے اور اس کے شمال مغربی کونے میں منارہ تھا جو وقت گذرنے پر گر چکا ہے۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس کی ایک آدھ دیوار باقی ہے اور نیچے اوپر پتھر پڑے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل موجود اس کے گرد والی دیوار زین الدین مصری نے بنائی تھی جب وہ ۸۶۱ھ میں معزول ہو کر مدینہ میں آئے تھے' انہوں نے اسے پہلی بنیاد پر تعمیر کیا۔تاہم غربی کنارے میں منارہ کی جگہ اب بھی اسی طرح باقی ہے پھر اس کے لئے مشرق' مغرب اور شام کی طرف سے تین سیڑھیاں بنائیں' ہر طرف اونچی سیڑھی بنا دی تا کہ چوپائے اس میں داخل نہ ہو سکیں۔اس کے محراب کا نام و نشان موجود نہیں' وہ گر چکا ہے چنانچہ قبلہ والی دیوار کے درمیان میں اس نے محراب بنا دیا اور شاید اب تک وہی چلا آتا ہے اور پھر وہاں کے کنوؤں کے لئے سیڑھیاں بنا دیں تا کہ پانی پینے والے پانی پی سکیں۔

اس مسجد کا قبلہ سے شام کی طرف طول باون ہاتھ ہے اور یونہی مشرق سے مغرب تک بھی اتنا ہی ہے۔

ذوالحلیفہ میں ایک اور مسجد

علامہ مطری بتاتے ہیں کہ اسی مسجد کے قبلہ میں ایک اور مسجد ہے جو اس سے چھوٹی ہے اور یہ بات کچھ بعید نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں بھی نماز پڑھی ہو دونوں مسجدوں کے درمیان تیر پھینکنے یا قدرے اس سے زیادہ کا فاصلہ موجود ہے۔انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ آئندہ اسدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجد مُعرس تھی۔واللہ اعلم۔

مسجد معرس

انہی مسجدوں میں سے ایک مسجد معرس بھی ہے' ابو عبداللہ اسدی (جو متقدمین سے ہیں' انہی کی کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تیسری صدی ہجری میں ہوئے ہیں) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ذوالحلیفہ میں کئی کنوئیں تھے اور حضور ﷺ کی دو مسجدیں تھیں' بڑی مسجد سے لوگ احرام باندھتے تھے اور دوسری کا نام مسجد المعرس تھا وہ اس کے قریب ہی تھی۔حضور ﷺ جب مکہ سے واپس آئے تو یہاں رات گذاری تھی۔

میں کہتا ہوں کہ گذشتہ مسجد کے علاوہ مسجد ذوالحلیفہ کے قبلہ میں اور کوئی مسجد نہیں جو تیر پھینکنے کی مسافت تک ہو۔یہ قدیم طرز کی ہے۔اس میں چونے اور پتھر کا استعمال ہوا ہے' لہٰذا یہی مراد ہے۔

صحیح بخاری میں "باب المساجد التی علی طریق المدینۃ و المواضع الّتی صلی فیھا النّبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم " میں حضرت نافع کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ پر جاتے ت ذوالحلیفہ میں ٹھہرا کرتے اور یونہی حج کے موقع پر کرتے' آپ کا قیام ذوالحلیفہ کی مسجد والی جگہ ببول کے درخت کے

نیچے ہوتا اور جب آپ جنگ سے واپس آتے تو اسی راستے سے آتے' حج وعمرہ میں بھی یونہی کرتے کہ وادی میں اُتر جاتے اور جب وادی سے باہر دکھائی دیتے اور اس بطحاء میں مشرقی وادی کے کنارے پر اونٹنی بٹھاتے تو صبح تک وہیں ٹھہرتے' پتھروں والی مسجد اور اس ٹیلے پر نہ ٹھہرتے جہاں مسجد تھی۔ وہاں ایک خلیج تھی' حضرت عبد اللہ وہاں نماز پڑھتے' اس کے درمیان ہموار زمین تھی' وہاں حضورﷺ نے نماز پڑھی پھر اس بطحاء کو سیلاب بہا لے گیا اور وہ مقام نیچے چلا گیا جہاں حضرت عبد اللہ نماز پڑھتے تھے۔

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ یہاں "بطنِ وادی" سے مراد وادیٔ عقیق ہے۔

میں کہتا ہوں' ابن زبالہ نے یہ الفاظ لئے ہیں "ھبط بطن الوادی الخ "یعنی آپ وادی میں اُتر جاتے اور جب باہر نکلتے دکھائی دیتے تو اس بطحاء میں اونٹنی بٹھاتے جو مشرقی وادی کے کنارے پر تھی۔

مطری نے یہ روایت کسی کی طرف منسوب کئے بغیر بیان کی چنانچہ کہا: "وادی میں اُترے یعنی وادیٔ عقیق میں"

میرے خیال میں دونوں روایتوں کا معنی ایک ہی ہے' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ رات کا قیام وادیٔ عقیق کی مشرقی جانب تھا لہٰذا ذو الحلیفہ میں نہیں ہو سکتا لہٰذا متعین ہو جاتا ہے کہ وادی میں اترنے والا وادیٔ عقیق ہی میں اُترتا کیونکہ رات گذارنے کی جگہ ذوالحلیفہ تھی چنانچہ حج کے بیان میں صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب مکہ کو روانہ ہوتے تو مسجد الشجر ہ کے راستے جاتے اور معرس کے راستے داخل ہوتے نیز رسول اللہﷺ جب مکہ کو جاتے تو مسجد الشجر ہ میں نماز پڑھتے اور جب واپسی ہوتی تو بطنِ وادی میں ذوالحلیفہ کے مقام پر نماز پڑھتے اور صبح ہونے تک رات یہیں گذارتے۔

اسی میں ہے کہ رسول اللہﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ بطحاء مبارک میں ہیں' اس وقت آپ بطن وادی میں ذوالحلیفہ کے مقام پر اپنے معرس میں تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہ مسجد ہے جسے انہوں بطن وادی میں ذکر کیا ہے' شائد اس سے وہی مسجد مراد ہے اور یہ معرس مشرقی جانب اس کے قریب تھی۔

یحییٰ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریمﷺ معرس الشجر ہ میں تھے کہ آپ سے کہا گیا' آپ مبارک بطحاء میں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے گذشتہ مضمون کی تائید ہوتی ہے کیونکہ معرس' الشجر ہ کی طرف منسوب ہے' پھر اس مسجد کے اس راستے سے دور ہونے کی بناء پر اشکال وارد نہیں ہوتا جس پر چل کر لوگ مدینہ کو جاتے تھے کیونکہ ابن عمر کی روایت گذر چکی ہے جس میں شجرہ اور معرس کے راستے الگ الگ بتائے گئے ہیں۔

بزاز کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ شجرہ کے راستے سے نکلتے اور معرس کے راستے سے داخل ہوتے تھے۔

ابو عوانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ شجرہ کے راستے سے مکہ کو جاتے اور جب واپس آتے تو معرس کے راستے سے آتے۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابن عمر سے بچھڑ گئے اور معرس تک پہلے جا پہنچے' وہ آئے اور پوچھا تمہیں میرے ساتھ چلنے سے کس چیز نے روکا۔ انہوں نے واقعہ بتا دیا تو ابن عمر نے کہا' میں نے خیال کیا تھا کہ تم کسی اور راستے پر چلے گئے ہو' اگر تم ایسا کرتے تو میں تمہیں خوب مارتا۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کی کہ وہاں ان کی پیروی ضروری تھی۔ یہ طریقہ اب ختم ہو چکا ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن فروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو نکلتے تو دار جبر بن علی کے راستے پر چلتے اور پھر بنو عطاء کے گھروں کی جاتے' پھر بطحان اور پھر زقاق البیت میں داخل ہوتے اور حرہ کے مقام پر ابن ابی الجنوب کے گھر کے قریب نکلتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مقامات اب نامعلوم ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم

مسجد شرف الروحاء

انہی میں سے مسجد شرف الروحاء تھی چنانچہ امام بخاری نے گذشتہ روایت نافع کے بعد کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں مسجد شرف الروحاء کے قریب چھوٹی سی مسجد تھی اور حضرت عبد اللہ اس مقام کو جانتے تھے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی چنانچہ کہتے ہیں: پھر جب تم کھڑے ہو جاؤ تو اپنی دائیں طرف مسجد میں نماز پڑھو' یہ مسجد مکہ جاتے ہوئے داہنے ہاتھ والے راستے کے کنارے پر تھی' اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان پتھر پھینکنے کی جگہ تک فاصلہ تھا۔

یحییٰ نے یہ الفاظ لئے: رسول اللہ ﷺ نے اس چھوٹی مسجد کے پہلو میں نماز پڑھی جو شرف الروحاء والی مسجد کے قریب تھی۔ حضرت عبد اللہ اس مکان کو جانتے تھے جہاں عواج میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی' تم مسجد میں کھڑے ہو تو یہ جگہ تمہاری دائیں جانب تھی۔ حدیث کے باقی الفاظ بخاری جیسے ہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ جاتے ہوئے راستہ کی دائیں جانب شرف الروحاء میں نماز پڑھی اور جب تم مکہ سے واپس آؤ تو یہ جگہ تمہاری بائیں طرف ہو گی۔

میں کہتا ہوں' یہی وہ مسجد ہے جو اسدی کے اس قول میں مراد ہے: ندی سے دو میل کے فاصلے پر رسول اللہ ﷺ کی مسجد تھی جسے مسجد الشرف کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس ندی اور روحاء کے درمیان گیارہ میل کا فاصلہ ہے جبکہ اس کے اور ملل کے درمیان سات میل کا فاصلہ ہے' یہ مسجد حضرت حسین بن علی بن ابو طالب اور کچھ قریش کی تھی' اس سے ایک میل کے فاصلے پر سویقیہ نامی کنواں تھا جو عبد اللہ بن حسن کی اولاد کا تھا' بہت میٹھے پانی والا تھا' یہ راستے سے ہٹ

کرتھا۔

وہ کہتے ہیں راستے کی بائیں جانب والا سرخ پہاڑ ورقان کہلاتا ہے، یہاں جہینہ کے لوگ رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ مسلسل مکہ تک جاتا ہے اور پھر ندی نالے پر بہت سے کنوؤں کا ذکر کیا۔

یہ جو انہوں نے کہا ہے "تیز ندی سے دو میل کے فاصلے پر" تو اس سے مراد ندی کا اول حصہ ہے اسی لئے مطری نے کہا کہ شرف الروحاء مکہ جاتے ہوئے ندی کے آخری سرے پر تھا اور جب شرف ملل کو قطع کرلو تو یہ ندی کا اول حصہ ہو گا۔ چھوٹی چھوٹی چٹانیں دائیں طرف نظر آئیں گی، یہ اس وقت جب تم ملل سے اترو اور اپنی بائیں طرف سے واپس آؤ اور قبلہ کی جانب منہ کرو۔

پھر اس تیز سیالہ میں نبی کریم ﷺ کے بعد نئے سرے سے کنوئیں وغیرہ اور مکان بنائے گئے، اور والی مدینہ کی طرف سے اس پر ایک نگران مقرر تھا، یہاں کے لوگوں کی کئی کہانیاں اور اشعار موجود ہیں، وہاں عمارتوں اور بازاروں کے نشانات موجود ہیں اور آخر میں یہ شرف موجود ہے، اس کے نزدیک ہی مسجد ہے جس کے قریب قدیم قبریں ہیں جو اہلِ سیالہ کا قبرستان تھا، پھر تم قبلہ کی جانب وادی میں اُتر جاؤ گے جسے آج کل وادئ سالم کہتے ہیں، یہ عرب کا ایک قبیلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد کے نزدیک والی قبریں ہیں جنہیں قبور شہداء کہتے ہیں اور شاید ان میں وہ کچھ لوگ دفن ہیں جنہیں ظلم کی بناء پر سیالہ اور سویقہ کے اشراف نے قتل کر دیا تھا جیسے آئندہ سویقہ کے تعارف سے پتہ چلے گا۔

مسجد عرق الظبیہ

انہی میں سے مسجد عرق الظبیہ ہے، علامہ مطری نے اپنے قول: "پھر وادئ روحاء میں اُتر جائے جو قبلہ کی جانب ہے۔" کے بعد نقل کیا ہے کہ: تم قبلہ کی جانب چلو، گھاٹی تمہاری بائیں طرف ہو تو یہ راستہ تمہیں مغرب کی طرف لے جائے گا حالانکہ تم پہاڑ کے دامن میں ساتھ ساتھ چل رہے ہو گے، یوں سب سے پہلے تمہیں ایک مسجد نظر آئے گی جو تمہاری دائیں طرف ہو گی، اس کے قبلہ کی طرف ایک بڑی قبر ہو گی جو طویل دور گذرنے کی وجہ سے گر چکی ہے، اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، یہ مکان عرق الظبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، ورقان پہاڑ تمہارے بائیں ہاتھ رہ جائے گا۔ پھر بتایا کہ آج کل مسجد میں ایک پتھر ہے جس پر کوفی خط میں تعمیر کے وقت لکھا تھا کہ یہ فلاں میل سے فلاں میل تک ہے۔ انتہی۔

حضرت اسدی لکھتے ہیں، جب تم روحاء کی طرف جا رہے ہوتے ہو تو سیالہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مسجد ہے جو نبی کریم ﷺ کے نام سے منسوب ہے، اسے مسجد الظبیہ کہا جاتا ہے، جب معرکۂ بدر ہوا تو آپ نے اس مسجد میں صحابہ سے مشورہ کیا تھا، یہ روحاء سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ انتہی۔

"شرف" کے بارے میں بتاتے ہوئے علامہ مجد لکھتے ہیں، حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آتا ہے: رسول

اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے ایک رات کے فاصلے ہفتہ کے دن ملل میں پہنچ کر وہاں سے روانہ ہوئے اور رات کے وقت ''شرف السیالہ'' میں پہنچے اور صبح کی نماز عرق الظبیہ میں پڑھی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ السلام نے پہلا غزوہ کیا تو میں ساتھ ہی تھا' یہ غزوۂ ابواء تھا' جب آپ روحاء میں عرق الظبیہ کے مقام پر پہنچے تو فرمایا: اس پہاڑ کا نام جانتے ہو؟ یعنی ورقان کا' تو انہوں نے عرض کی' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں' فرمایا: یہ جنت کے گرم پہاڑوں میں سے ایک ہے' الٰہی اس میں ہمارے لئے برکت رکھ دے اور اہلِ جنت کے لئے بھی اس میں برکت فرما۔ جانتے ہو' پھر فرمایا: اس وادی کا نام کیا ہے؟ یعنی وادئ روحاء کے بارے میں پوچھا' فرمایا یہ معتدل علاقہ ہے' مجھ سے قبل اس میں ستر نبی نماز پڑھ چکے ہیں۔ اس وادی سے حضرت موسےٰ بن عمران ستر ہزار بنی اسرائیل کو لے کر گذرے تھے' آپ پر قطوانی دو عبائیں تھیں اور اونٹنی پر سوار تھے' پھر فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو سکے گی جب تک حج یا عمرہ کے لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام یہاں سے نہ گذریں گے' یہ دونوں عبادتیں ان کے لئے جمع ہو سکیں گی۔

طبرانی کے مطابق آپ نے روحاء کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک معتدل مقام ہے اور یہ جنت کی ایک وادی ہے' مجھ سے پہلے اس وادی میں ستر نبیوں نے نمازیں پڑھی ہیں' حضرت موسےٰ علیہ السلام یہاں سے گذرے تھے' آپ نے قطوانی دو قمیصیں پہن رکھی تھیں' آپ ستر ہزار بنو اسرائیل کو لے کر حج بیت العتیق کے لئے جا رہے تھے اور جب تک اللہ کے بندے اور رسول حضرت عیسےٰ بن مریم یہاں سے نہیں گذریں گے' قیامت قائم نہ ہو سکے گی۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسجد کے آثار اب تک موجود ہیں۔

روحاء میں ایک مسجد

انہی میں سے روحاء میں ایک مسجد ہے جس کا ذکر اسدی نے کیا ہے' انہوں نے بتایا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ مسجدیں ہیں' ایک نہیں۔

غزوۂ بدر کے بیان میں واقدی کہتے ہیں: پھر رسول اللہ علیہ السلام چل پڑے اور نصف رمضان کو بدھ کے دن روحاء پہنچے' وہاں بئر روحاء کے قریب نماز پڑھی۔

روحاء کے بیان میں آگے آ رہا ہے کہ وہاں کئی کنوئیں تھے لیکن آج کل ایک کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

مسجد المنصرف (الغزالہ)

انہی مسجدوں میں سے ایک مسجد المنصرف ہے' آج کل اسے مسجد الغزالہ کہا جاتا ہے' یہ مسجد پہاڑ کی طرف روحاء کے آخر میں ہے' مکہ جاتے ہوئے بائیں طرف آتی ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ اس کے دروازے کی صرف ایک محراب ہے جو بچی ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی گر چکی ہے' اس کے صرف نشان باقی ہیں۔

حضرت اسدی کہتے ہیں کہ جب تم مکہ کی طرف جا رہے ہو تو روحاء سے تین میل کے فاصلے پر ایک مسجد ہے جس سے حضور ﷺ کا تعلق ہوا تھا' پہاڑ کے دامن میں ہے' اسے مسجد المنصرف کہتے ہیں' یہ وہ پہاڑ ہے جو تمہاری بائیں طرف ہے جہاں سے پھر کر تم راستے میں جاتے ہو۔انتہٰی۔

علامہ بخاری نے مسجد شرف میں گذری روایت نافع کے بعد کہا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس عرق کے پاس نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے موڑ پر تھا اور یہ عرق مکہ کو جاتے ہوئے انتہاء پر ہے اور راستے کے کنارے پر مسجد کے نزدیک اور منصرف کے درمیان ہے۔وہاں مسجد بنائی گئی تو عبد اللہ وہاں اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے' اسے بائیں اور پچھلی طرف چھوڑ کر سامنے خود عرق کی طرف نماز پڑھتے۔

میں کہتا ہوں' کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے عرق الطبیہ مراد ہے حالانکہ ایسا نہیں کیوں کہ دونوں کے مقام الگ الگ ہیں۔اس مقام پر میں نے کسی کا لکھا دیکھا ہے کہ ''عرق'' ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شرف الروحاء اور منصرف میں ''روحاء'' کے مقام ''عرق'' میں نماز پڑھی۔

حضرت ابن عمر ہی سے ہے کہ وہ اس عرق کی طرف نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے موڑ کے قریب تھا' یہ عرق ان کے راستے میں کنارے پر تھا اور مکہ جاتے وقت اس سبیل کے قریب تھا جو پہاڑی کے موڑ پر تھی۔حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ روحاء سے چلتے تو اسی مقام پر آ کر نماز ظہر پڑھتے۔

مطری نے اس مسجد کے بارے میں جو کچھ پہلے لکھا' اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب تم اس مسجد میں سے جنگل کی طرف روانہ ہو جاؤ تو راستے کی دائیں جانب ایک ایسی جگہ آتی ہے جہاں حضرت عبد اللہ ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ٹھہرنے کا مقام ہے' وہاں ایک درخت تھا کہ جب حضرت ابن عمر اس مقام پر ٹھہرتے اور وضو کرتے تو وضو کا بچا پانی اس کی جڑوں میں ڈال دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یونہی کرتے دیکھا تھا اور پھر اس درخت کے گرد چکر لگایا کرتے اور پھر اس کی جڑوں میں پانی لگاتے تاکہ سنت پر عمل ہو سکے۔

جب انسان مسجد الغزالہ نامی اس مسجد کے قریب ہو تو نبی کریم ﷺ کا مکہ کی طرف جانے والا بائیں طرف رہ جاتا ہے اور یہ وہی قدیم اور جانا پہچانا راستہ ہے' پھر سقیا اور پھر اس کے بعد ھرشی کی پہاڑی آتی ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا راستہ رہا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس راستے میں ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کوئی مشہور مسجد نہیں ہے' ہاں صرف مسجد حذیفہ موجود ہے۔

میں بتاتا چلوں' اس کا سبب حاجی حضرات کا اس راستہ کو چھوڑ دینا ہے' وہ روحاء کی طرف سے جنگل کو جاتے

ہوئے صفراء جیسے تنگ راستے سے گذر کر بدر کو جاتے ہیں۔ مجھے اس راستے سے گذرنے والے ایک شخص نے بتایا کہ اس راستے میں بہت سی مسجدیں ابھی موجود ہیں اور عنقریب آ رہا ہے کہ مجھے قدید کی طرف ایک مسجد دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

مسجد الرویثہ

ان میں سے ایک مسجد الرویثہ تھی۔ امام بخاری حضرت نافع کی روایت کے بعد لکھتے ہیں، حضرت عبد اللہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک موٹے بے کانٹے درخت کے نیچے ٹھہرتے جو راستے کی دائیں طرف راستے کے سامنے رویثہ کے قریب نرم زمین پر تھا اور ٹیلہ کے قریب رویثہ سے دو میل گذر جاتے۔ اس کا اوپر کا حصہ ٹوٹ چکا ہے اور درمیان سے مڑ چکا ہے، وہ بنیاد پر کھڑا ہے اور وہاں کئی ریت کے ٹیلے ہیں۔

علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ رویثہ کے اول میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے، کہتے ہیں کہ روحاء اور رویثہ کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ ہے، ایک اور مقام پر ساڑھے سولہ میل کا فاصلہ لکھا ہے پھر انہوں نے رویثہ میں موجود کنوؤں اور حوضوں کا ذکر کیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے اوپر دکھائی دینے والے اور گھروں کے سامنے والے پہاڑ کو "حمراء" کہتے ہیں اور جو اس کے پیچھے مشرقی جانب بائیں ہاتھ پر ہے، اسے "حسناء" کہا جاتا ہے۔

مسجد ثنیہ رکوبہ

انہی میں سے ایک مسجد ثنیہ رکوبہ ہے جیسے مسجد مدلجہ میں آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثنیہ رکوبہ میں نماز پڑھی تھی اور وہاں ایک مسجد بنائی تھی۔

آگے آ رہا ہے کہ ثنیہ رکوبہ مدینہ کا رُخ کرنے والے کے لئے عرج سے پہلے ثنیۃ العابر کی دائیں طرف آتی ہے اور یہی ثنیۃ العابر، ثنیۃ عرج کہلاتی ہے اور عرج اس کے بعد تین میل کے فاصلے پر ہے۔ علامہ اسدی نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا۔

مسجد الاُثایہ

انہی میں سے ایک مسجد الاثایہ ہے یہ نُوایَہ کے وزن پر ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بئر الاثایہ میں دو رکعت نماز پڑھی، آپ نے ایک چادر جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔

علامہ مطری لکھتے ہیں کہ یہ اثایہ کوئی مشہور جگہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا تعارف علامہ اسدی نے کرایا ہے، وہ مکہ کو جانے والے کے راستے کے متعلق لکھتے ہیں کہ رویثہ سے حَیّ تک چار میل کا فاصلہ ہے۔ پھر کہا: اور اس کے پیچھے گیارہ میل کے فاصلے پر رویثہ ہے، اسے مدراج کہا جاتا ہے، اس کے اور عرج کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے، وہاں کئی گھر موجود ہیں، گھاٹی کے قریب ایک کنواں ہے اور وادی

میں داخل ہونے سے پہلے عرج سے دو میل قبل رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے جسے مسجد الاثایہ کہتے ہیں پھر مسجد کے قریب ایک کنواں ہے جسے الاثایہ کہتے ہیں۔انتہٰی۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ الاثایہ' مکہ کے راستے میں ایک جگہ ہے' اس کے اور مدینہ کے درمیان پندرہ فرسخ کا فاصلہ ہے' اس میں ایک کنواں ہے جہاں ایک مسجد موجود ہے' اس کے نزدیک کئی گھر اور ببول کا درخت ہے اور یہ جگہ حجاز کی حد شمار ہوتی ہے۔

یہ بات اسدی کے موافق ہے کیونکہ حجاز کی حد مدارج العرج ہے جو اس کے قریب ہی ہے چنانچہ حضرت عمیر بن سلمہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عرج سے گزرے تو ایک زخمی گدھا دیکھا اور یکا یک دیکھا تو ایک تھکا ماندہ آدمی آیا' عرض کی یا رسول اللہ! یہ میرا شکار ہے' اسے جیسے چاہیں استعمال میں لائیں۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اسے دوستوں میں تقسیم کر دیں پھر وہاں سے اور اثایہ کی گھاٹی پر پہنچے دیکھا تو وہاں ایک زخمی ہرن پڑا تھا جو ایک پتھر کے سایہ میں تھا' رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ یہاں ٹھہرو تا کہ یہ لوگ گذر جائیں اور اس پر تیر نہ چلائیں۔

یہ جو اسدی نے لکھا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مکہ سے واپسی پر پیش آیا تھا' ویسے نہیں جیسے ھیثمی نے بتایا ہے کیونکہ انہوں نے اس پر مزید لکھا ہے کہ اس سے محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا جائز ثابت ہوتا ہے خواہ اس نے اسے شکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

مسجد العرج

انہی میں سے مسجد العرج ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسجد عرج میں نماز پڑھی اور دوپہر کے وقت وہاں سوئے (قیلولہ) تھے۔حضرت مطری نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا البتہ ان کے بعد مجد نے ذکر کیا ہے لیکن وہ بے فائدہ ہے جبکہ اسدی نے اسے چھیڑا ہی نہیں۔

مسجد المنبجس

انہی میں سے مسجد المنبجس ہے جو عرج کی پچھلی طرف ایک ٹیلے کے پہلو میں ہے۔نسخۂ مجد اور زین مراغی کی تحریر میں ''بطریق تلعہ'' کے لفظ آئے ہیں' یہ غلطی ہے کیونکہ بخاری اور ابن زبالہ نے یہاں ''طرف'' کا لفظ لکھا ہے۔چنانچہ امام بخاری مسجد ردیثہ میں گذری روایت نافع کے بعد بروایت عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ھضبکو جاتے ہوئے عرج کی پچھلی طرف ٹیلے کی جانب نماز پڑھی۔اس مسجد کے قریب دو یا تین قبریں تھیں جن پر راستے کی دا ہنی طرف اوپر نیچے پتھر رکھے تھے' یہ قبریں راستے پر کھڑے درختوں کے پاس تھیں اور ان درختوں کے درمیان سورج ڈھلنے پر حضرت عبد اللہ عرج سے چل پڑتے اور اس مسجد میں نماز پڑھتے۔ابن زبالہ نے اسی روایت میں لکھا ہے: جب تم عرج

سے پانچ میل کے فاصلے پر جاؤ تو اس کے پیچھے مضمہ کو جاتے ہوئے مسجد میں نماز پڑھی۔

اسدی لکھتے ہیں کہ عرج سے تین میل کے فاصلے پر مشرقی جانب رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے جو وادی سے پہلے ہے اور اسے مسجد المنبجس کہتے ہیں۔ یہ منبجس عرج کی ایک وادی ہے اس عرج سے آٹھ میل کے فاصلے پر منبجس نامی چشمے (یا کنوئیں) پر دو حوض ہیں۔ انتہی شاید یہ وہی مسجد ہے۔

مسجد لحی جمل

انہی میں سے مسجد لحی جمل تھی چنانچہ اسدی کہتے ہیں کہ "طلوب" سے ایک میل کے فاصلے پر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ اس مقام پر تھی جسے "لحی جمل" کہتے ہیں۔ پھر کہا کہ "طلوب" بھاری پانی کا ایک کنواں تھا جو عرج سے گیارہ میل کے فاصلے پر تھا جبکہ سقیا نامی کنواں طلوب کے بعد چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ سقیا سے ایک میل پہلے وادی عائد آتی ہے جسے وادی قاحہ بھی کہا جاتا ہے یہ بنو غفار کی طرف منسوب ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ مسجد سقیا اور قاحہ سے پہلے اور عرج کے بعد مذکورہ فاصلے پر ہے۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابن زبالہ نے ان مسجدوں سے پہلے یہ حدیث لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حالتِ احرام میں اس جگہ پچھنے لگوائے جسے "لحی جمل" کہا جاتا ہے اور وہ مکہ کے راستے میں ہے۔

انہی کی ایک اور روایت ہے کہ آپ نے "قاحہ میں پچھنے لگوائے تھے" اس وقت آپ حالتِ احرام میں روزہ سے تھے اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قاحہ کے قریب تھی لیکن میں نے دیکھا کہ یحییٰ نے ان مسجدوں کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے آخر میں اس حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر اپنی کتاب ختم کی: احمد بن محمد بن یونس الاسکاف کے قلم سے جو کتاب کی آخری جزء میں انہوں نے نقل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے اس حدیث میں اس مسجد کا ذکر نہیں کیا جو سقیا اور ابواء کے درمیان تھی اور جسے مسجد لحی جمل کہا جاتا ہے۔ انتہی اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسجد سقیاء کے بعد اس کے اور ابواء کے درمیان تھی قول عیاض سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے دیکھئے: ابن وضاح کہتے ہیں کہ لحی جمل جحفہ کی پچھلی طرف ہے۔ ایک اور مؤرخ نے لکھا ہے کہ سقیا سے سات میل کے فاصلے پر ہے۔ بخاری کے ایک راوی نے اسے "لحیی جمل" لکھا ہے یہ لفظ ان کی اس حدیث میں آتا ہے: احتجم النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بلحیی جمل۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ ایک گھاٹی ہے جو سقیا سے سات میل کے فاصلے پر تھی تاہم کتاب مسلم میں ہے کہ یہ کنواں تھا۔

مسجد السقیا

انہی میں سے مسجد سقیا بھی ہے۔ ابن زبالہ کے مطابق مسجدوں کے ذکر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد سقیا میں نماز پڑھی۔

حضرت اسدی نے طلوب اور سقیا کے درمیان فاصلہ کا ذکر کیا ہے کہ سقیا میں پہاڑ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ تھی جس کے پاس میٹھا کنواں (یا نالہ) تھا۔ پھر انہوں نے ذکر کیا کہ سقیا میں دس سے زیادہ کنوئیں تھے جن میں سے ایک کے پاس حوض تھا۔ پھر لکھا کہ اس جگہ گہرے پانی کا نالہ تھا جو منزل میں حوض کے اندر گرتا تھا' یہ حسن بن زید کی اراضی کی طرف جاتا تھا جہاں بہت سے کھجور کے درخت تھے۔ یہ بند ہو گیا تھا پھر ۲۴۳ھ میں دوبارہ جاری ہوا' پھر ۲۵۳ھ میں پھر بند کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس منزل سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جس میں کھجور کے درخت' زرعی زمین اور حسن بن زید کی اراضی ہے' وہاں تیس نالے ایسے ہیں جن پر کھیتی باڑی کا دارو مدار ہے' وہاں وہ پچاس نالے بھی ہیں جو متوکل کے زمانے میں بنے تھے اور ان کا پانی میٹھا تھا جن کے پانی کی گہرائی انسانی قد کے لگ بھگ تھی۔

پھر سقیا کا بیان کر کے کہا کہ سقیا سے تین میل کے فاصلے پر ایک نالہ تھا جسے ''تعہن'' کہتے تھے۔ انتہٰی چنانچہ صحیح بخاری میں ابوقتادہ کی حدیث میں ''تعہن میں برکۃ (حوض) کا ذکر ہے' یہ سقیا کے سامنے تھا۔ آئندہ تعہن کے تعارف میں آ رہا ہے کہ وہ سقیا سے پہلے تھا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ آج کل کے مطابق مشہور یہ ہے کہ وہ اس کے بعد ہے۔

مسجد مدلجہ تعہن

انہی میں سے ایک مسجد مدلجہ تعہن ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدلجہ تعہن میں نماز پڑھی اور وہاں ایک مسجد بنائی پھر ثنیہ رکوبہ میں نماز پڑھی اور وہاں مسجد بنوائی۔

میں کہتا ہوں کہ اسدی کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور پہلے گذر چکا کہ تعہن' سقیا کے بعد تین میل کے فاصلے پر ہے۔

مسجد الرمادہ

انہی میں سے مسجد الرمادہ ہے چنانچہ اسدی لکھتے ہیں کہ: ابواء کے قریب دو میل کے فاصلے پر نبی کریم ﷺ کی سجدہ گاہ تھی جسے مسجد الرمادہ کہتے تھے اور پھر یوں بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ابواء' مکہ کی جانب سقیا کے بعد اکیس میل کے فاصلے پر ہے اور یہ کہ ان دونوں اکیس میل کے فاصلے پر ہے اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان قشیری نامی کنواں ہے' اس میں پانی کی تہتات ہے اور اس کے اوپر دکھائی دینے والے بائیں طرف کے پہاڑ کو ''قدس'' کہتے ہیں جس کا پہلا حصہ عرج میں ہے اور آخری اس کنوئیں کے پیچھے ہے اور وہ پہاڑ جو دا ہنی طرف اس کے مقابل ہے' اسے باقل کہا جاتا ہے جبکہ ان دونوں پہاڑوں کی درمیانی وادی کا نام ''وادئ ابواء'' ہے۔ انتہٰی۔

مسجد الابواء

انہی مسجدوں میں سے ایک ''مسجد الابواء'' ہے چنانچہ علامہ اسدی نے ابواء اور جحفہ کے درمیانی مقام پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جحفہ' ابواء کے بعد تیرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ابواء کے درمیان رسول اللہ

ﷺ کی سجدہ گاہ تھی۔ پھر کنوؤں اور حوضوں کا ذکر کیا جن میں سے ایک حوض محل کے قریب تھا چنانچہ لکھا: جب تم وادیٔ ابواء سے دو میل گذر جاؤ تو تمہاری بائیں جانب گھاٹیاں ہیں جنہیں "تلعان الیمن" کہا جاتا ہے پھر بتایا کہ وڈان راستے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے' اس میں وہی لوگ ٹھہرتے ہیں جو صرف ابواء میں ٹھہرتے ہیں لہٰذا جو بھی ابواء میں جانا چاہتا ہے تو سقیا سے ہو کر وہاں جاتا ہے' وہاں کئی گہرے پانی کے کنوئیں ہیں جن پر سات گھاٹ ہیں اور ایک حوض ہے پھر وہاں سے کوچ کر کے ھرشٰی کے قریب جا نکلتے ہیں' اس کے اور ودان کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ اس راستے پر میلوں کے نشانات ہیں جو متوکل کے حکم سے لگائے گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں راستے آج کل عام لوگوں کے راستے کی بائیں طرف ہیں اور ودان کی نچلی طرف' آج کل یہ کنواں خشک ہے' اس میں پانی موجود نہیں ہاں بدر سے رابغ کی طرف لایا جاتا ہے۔

مسجد البیضہ

ان میں سے ایک کا نام مسجد البیضہ تھا چنانچہ اسدی کہتے ہیں کہ ابواء سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے جسے بیضہ کہتے ہیں۔

مسجد عقبہ ہرشٰی

انہی میں مسجد عقبہ ہرشٰی ہے چنانچہ اسدی لکھتے ہیں کہ ابواء سے آٹھ میل کے فاصلے پر عقبہ ھرشٰی ہے۔ یہاں گھاٹی کے دامن میں حضور ﷺ کی مسجد گاہ ہے' یہاں مکہ اور مدینہ کے درمیان نصف راستے کا پتہ ایک میل کے نشان سے چلتا ہے۔ یہ اس میل کی حد ہے جس پر سات میل لکھا ہے۔ انتہٰی۔

مسجد الجحفہ

انہی میں سے جحفہ کے مقام پر دو مسجدیں تھیں چنانچہ اسدی جحفہ اور قدید کے درمیانی راستے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جحفہ کی ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ تھی جسے "غورث" کہتے تھے اور اس سے آگے دو نشانوں کے پاس ایک اور سجدہ گاہ تھی جسے "مسجد الائمہ" کہتے تھے۔

مسجد غدیر خم

انہی میں سے جحفہ کے بعد ایک مسجد ہے' میرے خیال میں یہ مسجد غدیر خم ہے چنانچہ اسدی نے لکھا تھا: جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر راستے سے ہٹ کر' کنوئیں کے برابر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ تھی' ان دونوں کے درمیان غیضہ تھا' یہ غدیر خم تھا اور یہ جحفہ سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ انتہٰی۔

قاضی عیاض نے کہا کہ غدیر خم میں نالہ گرتا تھا' اس غدیر خم اور نالہ کے درمیان حضور ﷺ کی سجدہ گاہ تھی۔ انتہٰی۔

مجھے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے جحفہ سے اتنی ہی مسافت پر یہ مسجد دیکھی تھی تاہم سیلاب نے اس کا کچھ حصہ گرا دیا تھا۔

مسند احمد کے مطابق حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ غدیرخم پر گئے' جماعت کی آواز آئی اور رسول اللہ ﷺ کے لئے درخت کے نیچے جگہ صاف کر دی گئی چنانچہ آپ نے وہاں نماز پڑھی' پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تم جانتے نہیں کہ میں مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی قریب ہوں؟ انہوں نے عرض کی' ہاں پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: جس کا میں مولا ہوں' علی بھی اس کا مولیٰ ہے' اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے' تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے دشمنی رکھے' اس سے دشمن فرما۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن سے ملے اور کہا: اے علی! آپ کو مبارک ہو' آج سے آپ ہر مؤمن مرد و عورت کے لئے مولیٰ بن گئے ہیں۔

مسجد طرف قدید

انہی میں سے ایک اور مسجد ہے جس کے بارے میں اسدی نے کہا وہ قدید کی جانب سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہ بھی بتایا کہ اُم معبد خزاعیہ کے دونوں خیمے اور ''مناۃ الطاغیہ'' کی جگہ' دور جاہلیت میں اسی مسافت پر تھے۔

میں کہتا ہوں کہ مکہ جاتے ہوئے مجھے ایک قدیم مسجد کا پتہ چلا جو طرف قدید کے نزدیک تھی' وہ راستے کی دائیں جانب اونچی تھی اور پتھر چونے سے بنی ہوئی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسجد قدید تھی۔

حرۂ خلیص کے قریب ایک مسجد

انہی میں سے خلیص نامی گھاٹی کی پتھریلی جگہ کے قریب ایک مسجد تھی۔ اسدی کہتے ہیں کہ یہ قدید اور ابن بزیع کے نالے تک خلیص نامی جگہ تھی جو یہاں سے آٹھ میل سے زائد فاصلے پر تھی۔ اسدی نے وہاں قدید میں کئی کنوؤں کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: خلیص اس کے پیچھے ہے' اس کے اور خلیص کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے' یہ وہ گھاٹی ہے جو راستہ میں آنے والے پتھریلے علاقے کو قطع کرتی ہے' اس پتھر جگہ کو ظاہر البرکۃ کہا جاتا ہے' اس پتھریلی جگہ پر درخت اُگتے ہیں اور اسی کے نزدیک حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے۔

مسجد خلیص

انہی میں مسجد خلیص تھی جس کے بارے میں اسدی کہتے ہیں کہ خلیص ایک گہرا اور بہت پانی والا کنواں ہے' وہاں کھجور کے بہت سے درخت' حوض اور گذرگاہیں ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ بھی ہے۔

مَرِّ ظہران کے بیچ میں ایک مسجد

انہی میں سے ایک مسجد بطن مَرّ الظہر ان تھی جس کے بارے میں امام بخاری نے کہا تھا: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حضورﷺ مدینہ کی ایک جانب' مر الظہر ان کے نزدیک پانی کی ایک گذرگاہ پر ٹھہرا کرتے' یہاں اس وقت تشریف لاتے جب آپ صفراوات سے نیچے آتے اور پانی کی اس گذرگاہ میں اس راستہ کی بائیں طرف آتے جو مکہ کو جاتے ہوئے آتا ہے' حضورﷺ کے ٹھکانے اور راستے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا جتنی دور پتھر پھینکنے پر ہوتا ہے۔

علامہ مطری-اس مسجد کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تم مکہ کی طرف جا رہے ہوتے ہو اور صفراوات سے اُترتے ہو تو راستے کی بائیں جانب یہ وادی مر الظہر ان میں آتی ہے اور مر الظہر ان ایک معروف جگہ ہے لیکن آج کل یہ مسجد نامعلوم ہے۔ انتہٰی۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ یہ وہی مسجد ہے جو مسجد الفتح کے نام سے جانی جاتی ہے۔ انتہٰی اور علامہ تقی فاسی لکھتے ہیں: وہ مسجد جو مسجد الفتح کہلاتی ہے اور وادیٔ مر الظہر ان میں جموم کے قریب ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ان مسجدوں میں سے ہے جن میں رسول اللہﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ پھر مراغی کی بات نقل کی اور پھر لکھا: جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی از سرِ نو تعمیر ابو علی صاحب مکہ نے کی تھی اور اس کے بعد اسے شریف حیاش نے بنایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں اس پر سفیدی کرنے اور اسے بچانے کے لئے دروازے اونچے کرنے کا کام الشریف حسن بن عجلان نے کرایا ہے۔ انتہٰی۔ یہ وہ مسجد تھی جسے جموم سے مکہ کی طرف جانے والا اپنی بائیں طرف پانی کے ذخیرے کے پاس دیکھتا ہے۔

علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ مکہ اور مر الظہر ان کے درمیان سترہ میل کا فاصلہ ہے اور اس بطن مَر میں رسول اللہ ﷺ کی ایک سجدہ گاہ ہے اور پھر پانی کا حوض ہے جس کی لمبائی تیس ہاتھ ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ حوض عقیق نامی نالے سے بھر جایا کرتا ہے۔ اسدی کہتے ہیں کہ اس حوض کے قریب ہی دو کنوئیں ہیں۔

مسجد سَرِف

انہی میں سے ایک مسجد سرف تھی اور یہی وہ مسجد ہے جس میں سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک ہے' میں وہاں حاضر ہوا اور زیارت سے مشرف ہوا' ایک روایت میں ہے کہ آپ کو "سرف" میں دفن کیا گیا اور حضورﷺ نے اس پر تعمیر فرمائی تھی۔

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضورﷺ جب بھی کسی مقام پر ٹھہرتے تو اسے چھوڑنے سے پہلے وہاں دو رکعت نفل پڑھتے۔ اسدی نے یہ الفاظ لکھے ہیں: مسجد سرف' مر کے مقام سے سات میل کے فاصلے پر تھی جبکہ

زوجۂ رسول اللہ ﷺ حضرت سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر شریف سرف کے قریب ہے۔

علامہ تقی فاسی لکھتے ہیں کہ: قابلِ زیارت قبروں میں سے ایک حضرت سیّدہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک قبر ہے' یہ وادیٔ مُر کے راستے میں مشہور ہے۔علامہ تقی مزید لکھتے ہیں کہ میں نے مکہ اور اس کے اردگرد قبرِ میمونہ کے علاوہ اور کسی صحابی (یا صحابیہ) کی قبر نہیں دیکھی کیونکہ پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی باتیں تو کیا ہی کرتے ہیں۔

مسجد التنعیم

انہی میں سے ایک مسجد التنعیم میں ہے جس کے بارے میں علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ یہ تنعیم حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک سے تین میل کے فاصلے پر ہے' یہ شجرہ والی جگہ ہے' یہاں حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے اور یہاں کئی کنوئیں ہیں' جس نے بھی عمرہ کرنا ہوتا ہے' یہیں سے احرام باندھتا ہے پھر لکھتے ہیں: اہلِ مکہ کے احرام باندھنے کی جگہ مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے اور یہ شجرہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے اور وہ مکہ کے نزدیک چار میل کے فاصلے پر ہے' اس کے اور علاماتِ حرم کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جہاں تیر چھوڑنے پر پہنچ جائے۔

میں کہتا ہوں کہ تنعیم میں کئی مسجدیں ہیں' ان میں سے دو میں اختلاف ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے کونسی منسوب ہے۔علامہ تقی اور ان کے علاوہ کسی اور نے تنعیم میں حضور ﷺ کی کسی سجدہ گاہ کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ تقی نے مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے جس میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ وہ مسجد ہے جسے ھلیلجہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں ھلیلج کا درخت (کانٹے دار) موجود تھا جو تھوڑا عرصہ گذرا کہ گر چکا ہے' اہلِ مکہ کے ہاں یہی نام مشہور ہے جیسے سلیمان بن خلیل بتاتے ہیں اور پھر اس میں ایک پتھر پر لکھائی اس بات کی تائید بھی کرتی ہے ۔کچھ یہ کہتے ہیں کہ جس مسجد کے نزدیک نالہ ہے' وہ یہی مسجد ہے اور وہ مسجد اس کے اور مسجد علی کہلانے والی مسجد کے درمیان اس وادی میں ہے جسے وادیٔ مر الظہران کہتے ہیں' اس میں بھی ایک لکھا ہوا پتھر موجود ہے جو اس بات کی تائید کرتا ہے' تاہم محب طبری نے اسی مسجد کو مسجد عائشہ قرار دیا ہے جس کے نزدیک کنواں ہے اور یہی بات اسحاق خزاعی وغیرہ کی کلام سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ: مسجد ھلیلجہ اور علامات کے اوّل میں سات سو چودہ ہاتھ کا فاصلہ ہے' یہ پیائش لوہے والے ذراع کے لحاظ سے ہے اور اس کے اور دوسری مسجد کے درمیان آٹھ سو بہتر ہاتھ کا فاصلہ ہے ۔ البتہ اسدی کی کلام کا قریبی معنیٰ یہ ہے کہ مسجد عائشہ' وہی مسجد ھلیلجہ ہے کیونکہ یہ دوسری مسجد کی بہ نسبت حرم کی علامتوں کے زیادہ قریب ہے تاہم میرے خیال میں حضور ﷺ کے نام سے منسوب یا تو مسجد علی ہے یا پھر دوسری مسجد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چار عمرے کئے تھے' عمرہ حدیبیہ' عمرۃ القضاء' عمرۃ التنعیم اور عمرۃ الجعرانہ۔

میں کہتا ہوں کہ عمرۃ التنعیم کا ذکر تو معروف نہیں اور چوتھے کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ وہ عمرہ تھا جس میں آپ نے حج بھی کیا' شاید تنعیم کی نسبت اس لئے تھی کہ حضور ﷺ مکہ میں جاتے وقت اسی راستے سے تشریف لائے تھے۔

مسجد ذی طوٰی

انہی میں سے ایک مسجد طوٰی ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد بطن مّر کے بارے میں حضرت نافع کی روایت سے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے بتایا: نبی کریم ﷺ ذی طوٰی میں ٹھہرا کرتے اور رات وہیں قیام فرماتے اور پھر صبح ہوتی تو نماز پڑھ کر مکہ کو تشریف لاتے۔رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی ایک سخت ٹیلے پر تھا' اس مسجد میں نہ تھا جو وہاں بنائی گئی' اس سے ذرا نچلی طرف تھا۔

حضرت عبد اللہ نے حضرت نافع کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ مکہ کی طرف جاتے ہوئے اس پہاڑ اور طویل پہاڑ کی درمیانی جگہ کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ وہاں کی مسجد کو ٹیلے والی مسجد کی بائیں طرف رکھا' حضور ﷺ کا مصلّٰی اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھا' ان دونوں ٹیلوں کے درمیان تقریباً دس ہاتھ کا فاصلہ تھا' اسے چھوڑ کر تم اس پہاڑ کے درمیان دو خالی جگہوں کی طرف توجہ کرو جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان تھا۔انتہٰی۔

علامہ مطری کہتے ہیں اور بعد والوں نے آپ کی پیروی کی ہے کہ وادیٔ ذی طوٰی مکہ میں دو پہاڑیوں کے درمیان ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وادی اہلِ مکہ کے نزدیک حجونین کے درمیان مشہور ہے اور یہ بات علامہ ازرقی کے قول سے ملتی جلتی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: وادیٔ ذی طوٰی' معلّٰی نامی قبرستان کی پہاڑی میں اُترنے کی جگہ پر ہے جو خضراء تک جاتی ہے اور مہاجرین کی قبروں تک پہنچتی ہے۔انتہٰی۔

علامہ اسدی' مسجد عائشہ اور مکہ کے درمیانی جگہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مسجد عائشہ کے بعد دو میل کا کھلا میدان ہے اور اس کے بعد راستہ سے ہٹ کر عصبۃ المذنبین ایک میل کے فاصلے پر ہے اور ذی طوٰی کا فاصلہ مسجد تک تقریباً نصف میل ہے۔

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ مسجد ذی طوٰی میں نماز پڑھنا مستحب ہے' یہ مسجد مسجد ثنیۃ المذنبین (جو مکہ کے قبرستان کی بالائی طرف ہے) اور اس گھاٹی کے درمیان ہے جو صحاص میں اُترتی ہے اور یہ مسجد ثنیۃ زبیدہ ہے۔انتہٰی۔

فصل نمبر٤

ہمارے دور کے حاجی حضرات کے راستے میں مکہ اور مدینہ کے درمیان دیگر مسجدیں نیز مشبان اور اس کے قرب و جوار کی سجدیں' پھر ان مقامات کا ذکر جہاں حضور ﷺ ٹھہرے لیکن مسجد نہیں بنائی

دبة المستعجله

ان میں سے ایک جگہ دبۃ المستعجلہ ہے' یہ ریت کا ایک ٹیلہ تھا چنانچہ حضرت محمد بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک تنگ جگہ پر دبۃ المستعجلہ میں قیام فرما ہوئے چنانچہ بر شعبہ صابۃ سے آپ کے لئے پانی لایا گیا جو دبہؔ سے نچلی طرف تھا۔ یہ اس جگہ سے کبھی جدا نہیں ہوا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ ''مستعجلہ'' وہی تنگ جگہ ہے کہ حاجی جب صفراء کو جاتا ہے تو وہاں سے گذرتا ہے یعنی خیف بنی سالم کے فرکان کی اعلیٰ جانب سے۔

شعب سیر

علامہ مطری کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''شعب سیر'' میں ٹھہرے تھے اور یہ وہ گھاٹی ہے جو مستعجلہ اور صفراء کے درمیان ہے' یہاں آپ نے اہلِ بدر میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔ یہاں ہمیشہ پانی موجود رہتا ہے۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ یہی بات تہذیب ابن ہشام میں بھی موجود ہے: رسول اللہ ﷺ بدر سے واپس ہوئے اور جب مضیق الصفراء سے باہر آئے تو مضیق اور نازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر ٹھہرے جسے ''سیر'' کہتے تھے' آپ سرحہ کو جا رہے تھے جہاں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ سیر کا مقام بدر سے آنے والے کے لئے مضیق الصفراء کے بعد آتا ہے' اس کے بعد نازیہ ہے اور اگر مستعجلہ وہی مضیق الصفراء ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقامِ

سیرٗ اس کے اور نازیہ کے درمیان تھا اور یہ بات مطری کے خلاف ہے کہ یہ مستعجلہ اور صفراء کے درمیان تھا لہٰذا مضیق الصفراء کا مطلب مستعجلہ ہی لینا چاہئے اور مضیق الصفراء یہاں خیف کی نچلی جانب ہو گی کیونکہ جس کا ذکر مطری نے کیا ہے وہ ''شعب سیر'' میں ہے اور وہی آج کل مشہور ہے اور اس لئے بھی کہ میں نے ایسے کاغذات دیکھے جن کے مولف کا نام معلوم نہ ہو سکا' ان میں لکھا ہے کہ شعب سیر وہی جگہ ہے جو ان حاجیوں کے لئے تھی جو مستعجلہ سے واپس ہو کر فرکان الخیف میں ٹھہرتے۔

وہ لکھتے ہیں کہ وہاں ایک قدیم حوض ہے اور یہ وہ گھاٹی ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان تھی جو جبال مضیق کے نام سے جانے جاتے ہیں' یہ صفراء کے اوپر تھی' اس کے اور مستعجلہ کے درمیان آدھے فرسخ کا فاصلہ تھا۔ انتہٰی یہ برکۃ اور موضع جیسے کہ بتایا گیا' مشہور ہیں اور شاید یہی مقامِ سیر وہ ہے جو ابن زبالہ کے نزدیک دبہّ کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ یہاں ریت جمع ہے' اسی کو ابنِ اسحاق نے ٹیلہ کہہ دیا ہے اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ خیف کا مقام سب کا سب اعلیٰ ہے جبکہ مضیق الصفراء نیچا ہے۔

چند مسجدوں کا ذکر

ان میں سے ایک مسجد ذاتِ اجدال میں ہے' ایک مضیق کے مقام جیز تینمیں' ایک ذفران میں اور ایک جگہ ذنب ذفران میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق ابن فضالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مضیق الصفراء کے مقام ذاتِ اجدال میں نماز پڑھی پھر مضیق کے مسجد جیز تینمیں پڑھی پھر مسجد ذفران میں پڑھی تھی پھر آپ نے سامنے والے ذنب ذفران میں پڑھی جو صفراء میں داخل ہوتی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہاں ایک کنواں کھودا گیا جس کے بارے میں آتا ہے کہ یہاں حضور ﷺ نے پیشانی مبارک لگائی تھی چنانچہ یہ کنواں باقی سب اردگرد کے کنوؤں سے میٹھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مضیق الصفراء کی طرف تو اشارہ کیا جا چکا تاہم ذفران ایک مشہور وادی ہے جو صفراء سے کچھ پہلے آتی ہے' اس کا پانی اس میں گرتا ہے اور مصری حاجی لوگ مدینہ سے واپسی پر یہاں سے ینبع کو جاتے تھے وہ لوگ صفراء کو بائیں طرف چھوڑ کر ذات الیمین کی طرف جاتے تھے۔

ابن اسحاق حضور ﷺ کے بدر کو تشریف لے جانے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ جب آپ منصرف (مسجد غزالہ کے پاس) پہنچے تو مکہ کے راستے کو بائیں طرف چھوڑ دیا اور بدر کو جانے کے لئے دائیں طرف نازیہ پر چل پڑے اور اس کی ایک جانب چلتے ہوئے وادی رحقان سے آگے نکل گئے جو نازیہ اور مضیق الصفراء کے درمیان تھی مضیق پہنچے پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب صفراء کے قریب پہنچے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ آپ نے جاسوسی کے لئے ایک شخص کو روانہ فرمایا۔

پھر کہتے ہیں کہ آپ نے کوچ فرمایا اور جب صفراء کے سامنے ہوئے (دو پہاڑوں کے درمیان ایک بستی) تو

دونوں پہاڑوں کے نام پوچھے کہ کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کی کہ ایک کا نام "مسلح" ہے اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ یہ "مخرئ" ہے پھر وہاں کے رہنے والوں کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ بنو نار اور بنو حراق ہیں جو بنو غطفان کی شاخ تھے چنانچہ آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور یہاں سے گذرنے پر افسوس فرمایا' ان جگہوں اور وہاں رہنے والوں کے ناموں سے بدفالی لی چنانچہ صفراء کو بائیں طرف چھوڑا اور دائیں طرف اس وادی میں چلے جو ذفران کہلاتی تھی۔

مسجد ذفران

میں کہتا ہوں کہ ذفران کے مقام پر آج کل ایک مسجد دکھائی دیتی ہے جسے لوگ متبرک جانتے ہیں اور یہ ینبع جانے والوں کی بائیں طرف آتی ہے' میرا خیال ہے کہ یہ مسجد ذفران ہے اور ذفران کی طرف پہنچنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ وہاں ایک مسجد ہے' جو چونے سے بنی ہے اور راستے سے قدرے اونچی ہے' لوگ اس میں نفل پڑھنا متبرک جانتے ہیں' اس کے قریب کوئی گھر نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ انہی مذکورہ مسجدوں میں سے ایک ہے پھر اس کے محراب کے سامنے ایک پرانی اور مضبوط قبر دیکھی' شاید یہ حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب کی قبر تھی' ان کے بارے میں ابن اسحاق وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ صفراء میں فوت ہوئے تھے اس زخم سے جو بدر میں جنگ کی دعوت دینے پر آپ کو لگا تھا لیکن انہوں نے ان کا مقامِ دفن نہیں بتایا تاہم ابن البر نے اس کے بعد کہا: یہ روایت ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ کے ہمراہ نازیین کے مقام پر ٹھہرے تو صحابہ سے پوچھا کہ ہمیں کستوری کی خوشبو آ رہی ہے' آپ نے فرمایا یہ کیسے رُک سکتی ہے؟ یہاں تو معاویہ کے باپ یعنی عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ہے انتہی۔ آج کل یہ نازیین کسی کو معلوم نہیں۔

حضرت مطری نے حضرت عبیدہ کے صفراء میں وصال بیان کرنے کے بعد لکھا کہ: حضور ﷺ نے انہیں یہاں دفن فرمایا' ان دنوں وہ عبد مناف کی اولاد میں سب سے زیادہ عمر والے تھے۔

حضرت زین مراغی لکھتے ہیں کہ ان کا صفراء میں وصال زخم کی بناء پر ہوا تھا کیونکہ ان کی قبر ذفران میں تھی میں نے ان کے ہاتھ کا لکھا یونہی دیکھا ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں اور رسول اللہ ﷺ بدر سے واپسی پر ذفران میں تشریف نہیں لے گئے' آپ صفراء کی طرف تشریف لے گئے تھے ہاں ذفران کی جانب ضرور تشریف لے گئے تھے۔

مسجد الصفراء

انہی میں سے ایک مسجد صفراء میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت طلحہ بن ابوجدیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسجد الصفراء میں نماز پڑھی تھی۔

میں بتاتا چلوں' مجھے ایک شخص نے بتایا کہ صفراء میں یہ مسجد اب بھی موجود ہے اور لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

مسجد ثنیۂ مبرک

انہی میں سے ایک مسجد ثنیۂ مبرک میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت اصبغ بن مسلم اور عیسیٰ بن معن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ثنیۂ مبرک سے سامنے آئے تو وہاں کی ایک مسجد میں نماز پڑھی' اس مسجد اور دعان کے درمیان پانچ یا چھ میل کا فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ثنیۂ مبرک معروف جگہ ہے' جب تم نچلی جانب سے (خیف بنی سالم کی طرف سے) مغرب میں ینبع کی طرف جاؤ تو داہنے ہاتھ کو آتی ہے جبکہ صفراء کا راستہ بائیں طرف ہے۔

مسجد بدر

انہی میں سے مسجد بدر بھی ہے' وہ ٹاٹ جو بدر کے دن حضور ﷺ کے لئے بنایا گیا تھا' وہ یہیں رکھا تھا اور یہ مسجد کھجور کے درختوں کے درمیان بطن وادی کے قریب آج بھی مشہور ہے' نالہ اس کے قریب ہے' اسی کے قریب قبلہ کی جانب ایک اور مسجد ہے جسے اھل بدر مسجد النصر کہتے ہیں۔ مجھے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

مسجد العشیر ہ

انہی میں سے ایک مسجد العشیر ہ ہے جو ینبع میں مشہور ہے' یہ اس بستی کی مسجد ہے جہاں مصری حاجی ینبع میں ٹھہرتے وقت جاتے ہیں' ایسا وہ آتے جاتے وقت کیا کرتے ہیں چنانچہ ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد ینبع میں ''بولا'' نالے کے قریب نماز پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نالہ اب تک وہاں جاری ہے لیکن وہ اس نام سے مشہور نہیں۔

حضرت مجد کہتے ہیں کہ آج کل یہ مسجد ان مسجدوں میں شمار ہوتی ہے جس کا ارادہ لے کر لوگ جاتے ہیں اور جو مشہور ہیں اور یہ ان عبادت خانوں میں سے ہے جہاں لوگ حاضری دیتے ہیں' لوگ نذریں لے کر یہاں حاضر ہوتے ہیں' اس کی زیارت کر کے اور یہاں حاضر ہو کر اللہ کا قرب چاہتے ہیں۔ مومن کے لئے یہاں کچھ دیکھنے کو موجود ہے اور یہاں ایسا انس و محبت ملتا ہے کہ گویا حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہیں۔

مساجد الفُرع

انہی میں سے فُرع کے مقام پر تین مسجدیں ہیں' مکہ کی طرف جانے والے یہاں سے گذرتے ہیں چنانچہ ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت ابوبکر بن حجاج وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فُرع کے ٹیلے پر تشریف لے اور اس کی اونچی مسجد میں قیلولہ فرمایا اور سو گئے' پھر بیدار ہوئے اور ظہر کی نماز نیچے کی طرف مسجد میں پڑھی جو ٹیلے پر تھی' پھر فُرع کی طرف تشریف لے گئے اور اسے برکت دی' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اعلیٰ مسجد میں جاتے اور اس میں

قیلولہ کرتے، بنو اسلم کی کوئی عورت بستر لے کر آتی تو آپ لینے سے انکار کر دیتے اور فرماتے کہ میں اسی جگہ اپنا پہلو رکھوں گا جہاں حضور ﷺ نے رکھا تھا' یونہی حضرت سالم بن عبد اللہ بھی کرتے پھر عبد اللہ بن مکرم اسلمی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک بزرگوار نے بتایا کہ حضور ﷺ نے برود میں ایک مسجد کے اندر قیام فرمایا جو مضیق فرع میں تھی اور اس میں نماز پڑھی۔

مسجد الضیقہ

انہی میں سے ایک مسجد ضیقہ اور کہف اعشار میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق ابوبکر بن حجاج اور سلیمان کے والد عاصم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ضیقہ میں نماز پڑھی جس سے نکلنے کا راستہ ذاتِ حماط میں تھا' زبیر نے ذات الحماط کا ذکر ان وادیوں میں کیا ہے جو وادی عقیق میں آ گرتی تھیں' یہ قبلہ کی طرف بقیع کے قریب مغرب میں تھی' پھر انہوں نے یہ حدیث روایت کی اور پھر ان وادیوں میں کہف اعشار کو بھی شمار کیا اور پھر بتایا کہ حضور ﷺ غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر کہف اعشار میں ٹھہرے اور وہاں نماز پڑھی تھی۔

مسجد مقمل

انہی میں سے مسجد مقمل بھی تھی' یہ نقیع کے درمیان تھی' حضور ﷺ کی چراگاہ تھی اور مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر درب المشبان کی طرف تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد کے دادا کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نقیع کے درمیان میں مقمل کے مقام پر سامنے آئے اور اس پر نماز پڑھی چنانچہ وہاں آپ کی مسجد ہے۔

ابو ہیصم مدنی کہتے ہیں کہ ابو البختری وھب بن وھب نے مدینہ میں حکمرانی کے موقع پر مجھے اسی درہم بھیجے تھے چنانچہ میں نے اسے تعمیر کیا۔

ابو علی ھجری کہتے ہیں کہ مقمل چھوٹے سے ٹیلے پر تھا' یہ مسجد اسی پر تھی البتہ علامہ مجد کو وہم ہوا تو انہوں نے اسے مدینہ کی مسجدوں میں شمار کیا ہے۔

فصل نمبر ۵

باقی مسجدیں اور حضور ﷺ سے متعلق مقامات

مسجد العصر

ان میں سے ایک مسجد العصر ہے اور عصر کے متعلق آتا ہے کہ وہ مدینہ سے ایک مرحلہ کی مسافت پر ہے چنانچہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مدینہ سے خیبر کو تشریف لے گئے تو عصر پہنچے اور وہاں آپ کے لئے مسجد بنائی گئی

اور پھر صہباء پہنچے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مسجد عصر ان مشہور مسجدوں میں سے ہے کہ جب آپ خیبر کو چلے تو اس میں نماز پڑھی۔

مسجد الصہباء

ان میں سے ایک مسجد صہباء میں ہے اور یہ خیبر سے اتنی دور ہے جیسے زوال سے شام تک کے سفر کا فاصلہ چنانچہ حضرت مالک کے مطابق حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ خیبر کے سال حضور ﷺ کے ساتھ نکلے اور جب صہباء پہنچے (یہ خیبر کے قریب ہے) تو اُتر آئے اور نمازِ عصر پڑھی' پھر کھانا مانگا تاہم ستو پیش کئے گئے چنانچہ آپ نے استعمال فرمائے اور ہم نے بھی لئے' پھر نماز مغرب کے لئے اُٹھے تو کلّی کی' ہم نے بھی کی اور پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی۔

علامہ مطری فرماتے ہیں کہ یہ مسجد وہاں مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم سورج پلٹانے کا قصہ مسجد الفضیخ کے بیان میں بتا چکے ہیں جو مدینہ ہی کی ایک مسجد تھی۔

خیبر کے نزدیک دو مسجدیں

انہی میں سے دو مسجدیں خیبر کے قریب ہیں چنانچہ اقشہری نے لکھا تو میں نے انہی سے نقل کی کہ حضور ﷺ جب خیبر کے نزدیک ایک مقام پر پہنچے تو پتھر سے آپ کے لئے ایک مسجد بنائی گئی جسے "المنزلہ" کہتے تھے' آپ رات کا کچھ وہاں ٹھہرے اور نوافل پڑھے' آپ کی اونٹنی لگام گھسیٹتے ہوئے آ رہی تھی' اسے جگہ جگہ روکا گیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے اور جب وہ پتھر کے قریب پہنچی تو بیٹھ گئی' رسول اللہ ﷺ اس پتھر کی طرف اس کی طرف پھر گئے' صحابہ بھی اسی کی طرف پھر گئے اور وہاں ایک مسجد بنا دی گئی' آج انہی کی وہ مسجد موجود ہے۔

شق اور نطاۃ کے درمیان ایک مسجد

خیبر کے مقام پر شق اور نطاۃ کے درمیان ایک مسجد موجود ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت حسن بن ثابت بن ظہیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف تشریف لائے' راستہ دکھانے والا اشجع میں سے ایک شخص تھا' وہ آپ کو لے کر وادیوں کے بیچوں بیچ چلا' نماز کا وقت ہوگیا' آپ قرقرہ میں پہنچے تو نماز پڑھے بغیر وہاں سے آگے نکل گئے اور اھل شق و اھل نطاۃ کے درمیان جا ٹھہرے' وہاں عوسجہ پر نماز پڑھی اور اس کے گرد پتھر رکھ دئے۔

مسجد شمران

انہی میں سے ایک مسجد شمران میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خیبر میں پہاڑ کی چوٹی پر نماز پڑھی جسے شمران کہتے تھے' وہیں آپ کے لئے مسجد بنی۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ آج کل یہ پہاڑ شمران کے نام ہی سے مشہور ہے۔

مساجد تبوک

انہی میں وہ مسجدیں ہیں جو مقام غزوۂ تبوک میں ہیں چنانچہ ابن رشد اپنے بیان میں کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے تبوک اور مدینہ کے درمیان سولہ مسجدیں بنوائیں جن میں پہلی تبوک میں اور آخری ذی خشب میں' ابن زبالہ نے بھی یہی گنتی لکھی ہے اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مسجد جانی پہچانی ہیں اور ہر ایک کا ایک نام رکھا گیا تھا اور پھر چودہ مسجدیں ذکر کر دیں' انہوں نے ابن زبالہ کے لکھے مقامات سے کچھ اختلاف کیا ہے۔یہی مسجدیں حافظ عبد الغنی نے ذکر کی ہیں اور حاکم کے حوالے سے ایک اور کا اضافہ کیا ہے اور یوں ساری جمع کرنے سے کوئی بیس ہو جاتی ہیں چنانچہ وہ یہ تھیں:

(۱) ان میں سے ایک تو تبوک میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ اسے مسجد التوبہ بھی کہتے ہیں۔مطری لکھتے ہیں' یہ ان مسجدوں میں شامل ہے جنہیں حضرت عمر بن العزیز نے بنایا تھا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ میں اس میں کئی مرتبہ گیا' اس کی کئی محرابیں ہیں جو پتھر سے بنی ہیں۔

(۲) دوسری مسجد ثنیۂ مدران میں ہے اور تبوک کے عین سامنے دکھائی دیتی ہے۔

(۳) تیسری مسجد ذات الزراب میں تبوک سے دو مرحلوں کے فاصلے پر ہے (ایک دن پیدل سفر مرحلہ ہوتا ہے)۔

(۴) چوتھی اخضر میں ہے اور تبوک سے چار دن کے سفر کے فاصلے پر ہے۔

(۵) پانچویں مسجد ذات الخطمی کے مقام پر ہے' مطری نے اسے ''ذات الخطم'' لکھا ہے' یہ تبوک پانچ مرحلوں کی مسافت پر ہے۔

(۶) چھٹی ''بَـأَلِیْ'' کے مقام پر ہے' یہ بھی تبوک سے پانچ مرحلوں پر ہے' ابن زبالہ کے نسخہ میں ''نقیع بولا'' کا مقام لکھا ہے۔

(۷) ساتویں ''بَتْراء'' (اَبتر کی مؤنث) کے مقام پر ہے' ابن اسحاق ''ذنب کوکب'' پر بتاتے ہیں' ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ یہ کوکب جبل' بنو حارث بن کعب کے علاقے میں ہے۔

(۸) آٹھویں مسجد ''شق تاراء'' میں ہے' ابن زبالہ نے کہا کہ یہ مقام ''جویرہ'' میں سے ہے۔

(۹) نویں ذوالجلیفہ میں ہے' ابن زبالہ وغیرہ بھی یہی لکھتے ہیں تاہم یہ کمزور بات ہے جسے شہروں کا ذکر کرنے والوں نے نہیں لیا۔

(۱۰) دسویں بھی ذوالجلیفہ میں ہے' صرف علامہ مجد نے اسے پہلی مسجد کے ساتھ ذکر کیا ہے' کسی اور نے نہیں' وہ کہتے ہیں کہ خاء پر زیر ہے' کچھ نے زبر پڑھی' کچھ جیم پڑھتے ہیں' کچھ زبر والی حاء بتاتے ہیں اور بستیوں کے ناموں میں جیم کے نیچے زیر پڑھی جاتی ہے اور تہذیب ابن ہشام میں پہلی مسجد کی جگہ صرف اسی کو ذکر کیا ہے

جبکہ ابن زبالہ نے اُلٹ کیا ہے۔

(۱۱) گیارہویں ''شوشق'' میں ہے۔

(۱۲) بارہویں ''صدر حوضیٰ'' کے مقام پر ہے۔علامہ مجد اسے شہروں میں شمار کر کے لکھتے ہیں کہ اس کی حاء پر زبر ہے اور آخر میں مدٗ یہ وادی القریٰ اور تبوک کے درمیان ہے پھر کہا کہ وہاں حضورﷺ کا مقام سجدہ ہے۔انتھی اور یہ بات مسجد ذی الحلیفہ اور مسجد صدر حوضیٰ کے الگ الگ ہونے کے خلاف ہے اور ذوالحلیفہ میں ایک اور مسجد ہے جو صدر حوضیٰ کے مقام پر ہے' یہ مخالفت وہی ہے جو تہذیب میں درج ہے اور شاید یہ وہی صدر حوضیٰ ہے جو روایت ابن زبالہ میں 'سِمنہ'' کے نام سے مذکور ہے کیونکہ جیسے آ رہا ہے' یہ نالہ ہے جو وادی القریٰ کے قریب ہے چنانچہ مجد کے نسخہ میں ہے کہ: ذنب حویضی کے مقام پر ایک مسجد ہے' انہوں نے سمنہ کا نام نہیں لیا۔

(۱۳) تیرہویں ''حجر'' کے مقام پر ہے' ابن زبالہ نے اس کی جگہ ''العلاء'' لکھا ہے اور یہ دونوں وادی القریٰ میں ہیں۔

(۱۴) چودھویں صعید یعنی صعید قزح کے مقام پر ہے۔

(۱۵) پندرہویں وادی القریٰ میں ہے' حافظ عبد الغنی نے مسجد الصعید کے بارے میں لکھا ہے کہ آج کل یہ مسجد وادی القریٰ کہلاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اور اس سے پہلی مسجد وادی القریٰ میں ہیں۔ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ وادی القریٰ میں دو مسجدیں ہیں' ایک تو اس کے بازار میں ہے اور دوسری بنی عذرہ کی بستی میں تو شاید یہ وہی ہے جو بنی عذرہ کی بستی میں ہے اور جو اس سے پہلے مذکور ہے' وہ بازار میں ہے لیکن مجد نے ظاہری عبارت کی بنا پر تینوں الگ الگ شمار کی ہیں اور اس لئے بھی کہ ابن زبالہ کی ایک اور روایت میں ہے: رسول اللہﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو وادی میں سعید قزح کے مقام پر ہے' ہمیں اس کے مصلّٰے کا پتہ چلا کہ پتھر اور ہڈی سے بناء ہے چنانچہ یہ وہی مسجد ہے جس میں اھل وادی جمع ہوتے ہیں۔

(۱۶) سولہویں مسجد بنو عذرہ کی بستی میں ہے' ابن اسحاق نے اس کا ذکر نہیں کیا البتہ ابن زبالہ نے کیا ہے۔

(۱۷) سترہویں ''رُقعہ'' کے مقام پر ہے' یہ لفظ رقعۃ الثوب (کپڑے کا ٹکڑا) سے لیا گیا ہے۔ابن زبالہ یہاں سقیاء کا نام لیتے ہیں چنانچہ مجد نے شہروں کے ناموں میں لکھا کہ: سقیا عذرہ کے شہروں میں ہے جو وادی القریٰ کے قریب ہے۔

(۱۸) اٹھارہویں مسجد ''ذی المروہ'' میں ہے چنانچہ مطری لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ سے آٹھ برد کے فاصلہ پر ہے (ایک بردٗ بارہ میل) وہاں نالے ہیں' کھیتیاں ہیں اور باغات ہیں جن کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں' اس کی وضاحت میں آتا ہے کہ حضورﷺ یہاں تشریف لے گئے تھے۔

(۱۹) انیسویں فیفاء کے مقام پر ہے جسے فیفاء الخلائق کہتے ہیں۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ وہاں اولادِ صحابہ وغیرہ کے چشمے (کنوئیں) اور باغات ہیں۔

(۲۰) بیسویں مسجد ذی خشب میں ہے جو مدینہ سے دو مرحلوں پر ہے' روایت ابن زبالہ یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس دومہ کے نیچے نماز پڑھی جو ذی خشب کے مقام پر عبید اللہ بن مروان کا باغ تھا۔

پھر سنن ابو داوٗد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دومہ کے نیچے ایک مسجد میں اُترے' تین دن تک قیام رہا اور پھر تبوک کی طرف نکل گئے' جہینہ میدان میں آپ کے ہمراہ تھے' آپ نے ان سے فرمایا: اھلِ مروہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہینہ میں سے بنو رفاعہ ہیں۔ فرمایا: میں بنو رفاعہ کو جاگیر دیتا ہوں لہٰذا انہوں نے اسے تقسیم کر لیا چنانچہ کچھ نے تو یہ جائیداد بیچ دی اور کچھ نے اپنے پاس رکھی اور اپنے کام میں لائے۔

عنقریب ہم اپنے اپنے مقام پر ان کے بارے میں اس سے کچھ زیادہ تفصیلً بیان کریں گے۔

مسجد الکدید

ان میں سے حضور ﷺ کی ایک سجدہ گاہ باغ میں تھی اور کدید سے ایک میل کے فاصلے پر ایک مسجد تھی چنانچہ ابنِ زبالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور درخت کے نیچے نماز پڑھی۔ وہاں کھیتی سے لوگوں کو ضرر پہنچا تو مالک نے وہ درخت کاٹ دیا۔ کہتے ہیں کہ پھر حضور ﷺ بطن نخل میں اُترے اور کدید سے ایک میل آگے نکل گئے' ایک درخت کے نیچے اُترے اور وہاں نماز پڑھی چنانچہ آپ کی یہ سجدہ گاہ آج کل معروف ہے پھر آپ نے اشجع کے شہروں میں ایک پہاڑ پر نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نخل' نجد میں ایک جگہ ہے اور کدید اس کے قریب ہی ہے' یہ وہ کدید نہیں جو خلیص اور عسفان کے درمیان ہے۔

حضرت اسدی نے فید اور مدینہ کے درمیانی راستے کی وضاحت کرتے ہوئے اس مسجد کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا کہ: کدید ایک وادی ہے' ایک راستہ اسے کاٹتا ہے' اس میں رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے' یہیں بنو کنانہ کے عربوں کے خیمے تھے اور یہ نخیل اسی کے قریب ہے اور پھر بتایا کہ اس نخیل اور بیر السائب کے درمیان بیالیس میل کا فاصلہ ہے' انہوں نے نخل کی بجائے نُخَیل کا لفظ بولا ہے اور آج کل یہ کدید کے قریب مشہور ہے۔

حدیبیہ میں مسجد الشجرہ

انہی میں سے حدیبیہ کے مقام پر ایک مسجد ہے جسے مسجد الشجرہ کہتے ہیں' یہ معروف نہیں بلکہ مطری کہتے ہیں کہ میں نے سرزمین مکہ میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جو حدیبیہ کو جانتا ہو۔ انتٰہی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضور ﷺ عمرۂ حدیبیہ کے لئے مکہ کو جاتے ہوئے ٹھہرے تھے اور مشرکین نے آپ کا راستہ روکا تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ وہ وادی ہے جو بلدرح کے قریب ہے۔صاحب مطالع کہتے ہیں کہ یہ ایک بستی ہے جو زیادہ بڑی نہیں' وہاں کے ایک کنوئیں کے نام پر اس کا نام رکھا گیا ہے جو مسجد الشجرہ کے قریب ہے۔تقی فاسی لکھتے ہیں: کہتے ہیں کہ حدیبیہ وہ جگہ ہے جس میں جدہ کے راستہ پر بئر شمیس مشہور ہے۔

مسجد ذات عرق

انہی میں سے ایک مسجد ذاتِ عرق کے قریب اڑھائی میل کے فاصلے پر ہے۔علامہ اسدی نے نجد اور عراق کی طرف سے ذاتِ عرق کا راستہ بتاتے ہوئے لکھا ہے: برکتہ یا طاس راستہ سے بائیں طرف مجہ سے الگ جگہ ہے' اس کے بعد ایک مسجد ہے' اس میں حضور ﷺ نے قیلولہ فرمایا اور ذات عرق سے اڑھائی میل کے فاصلے پر حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے' یہ احرام والوں کا میقات' ہے' یہ پہلا تہامہ ہے اور جب تم آٹھویں میل تک پہنچو گے تو وہاں پہاڑ میں کئی گھر دیکھو گے جن کی حالت خراب ہے اور وہ راستہ کی دائیں طرف ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ذات عرق جاہلیہ ہے اور ذات عرق والے کہتے ہیں کہ سارا پہاڑ ذات عرق ہے۔بعض اھل علم پسند کرتے ہیں کہ اس ذات عرق جاہلیہ ہی سے احرام باندھیں۔

مسجد الجعّرانہ

انہی میں سے ایک مسجد جعرانہ کے مقام پر ہے چنانچہ محرس کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ رات کے وقت عمرہ کے لئے جعرانہ سے چلے' رات کو مکہ پہنچے اور عمرہ ادا فرمایا پھر رات ہی کو وہاں سے چلے اور صبح کو جعرانہ پہنچے جیسے رات ہی کو پہنچے ہوں اور جب سورج ڈھلا تو بطنِ شرف کو نکلے اور راستے پر چل پڑے' یہی وجہ تھی یہ عمرہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ جعّرانہ سے حضور ﷺ کا احرام اٹھارہ ذی القعدہ بدھ کی رات کو باندھا گیا' یہ احرام آپ نے وادی کے نیچے دور ایک مسجد سے باندھا اور جب آپ جعرانہ میں تھے تو یہی جگہ آپ کے مصلّٰے کی تھی' رہی قریب والی تو اسے ایک قریشی نے بنایا تھا اور نزدیک ہی ایک باغ لیا۔حضور ﷺ اس وادی سے احرام کے بغیر نہیں گذرے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے احرام باندھا جو وادی کی پچھلی طرف تھا' وہاں ایک پتھر گڑا ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ٹیلے پر یہ مسجد کس نے بنائی تھی' اسے ایک قریشی نے بنایا تھا اور پھر اس کے قریب اراضی اور باغ بھی خریدا تھا پھر ایک اور روایت میں بتایا کہ وادی کی پچھلی دور والی مسجد کے ہاں حضور ﷺ کا مصلّٰے تھا اور قریبی مسجد ایک اور قریشی نے بنائی تھی۔

مسجد لیہ

انہی میں سے ایک مسجد لیہ تھی' وادی لیہ اور وادیٔ طائف کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ تھا چنانچہ ابنِ اسحاق کہتے

ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہو کر طائف کی طرف متوجہ ہوئے تو مخلہ یمانیہ پہنچے پھر قرن (اہل نجد کا میقات) پھر ملیحا ور پھر بحرۃ الرغا پہنچے وہاں مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھی۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ یہ مسجد وادیٔ لیہ میں آج کل مشہور ہے' میں نے اسے دیکھا ہے اور وہاں پتھر میں ایک نشان ہے' کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پاؤں کا نشان ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرۃ الرغا کے مقام پر اس دن قصاص لیا تھا۔یہ اسلام میں پہلا خون تھا جس کا قصاص لیا گیا' بنولیث میں سے ایک آدمی نے ھذیل کا ایک شخص قتل کر دیا تھا جس کے بدلے میں اسے قتل کر دیا گیا۔

مسجد الطائف

انہی میں سے ایک مسجد طائف میں ہے چنانچہ ابن اسحاق اپنے پہلے بیان کے بعد کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پھر ضیقہ کے راستے چلے اور اس کا نام پوچھا' بتایا گیا کہ "ضیقہ" ہے' آپ نے فرمایا کہ اسے "یسریٰ" کہا جائے پھر وہاں سے نخب کی طرف چلے اور سدرہ کے نیچے جا ٹھہرے جسے صادرہ کہا جاتا تھا' یہ ثقیف کے ایک شخص کا مال تھا پھر وہاں سے چلے اور طائف کے قریب اُترے چنانچہ وہاں آپ کے کچھ ساتھی قتل ہو گئے کیونکہ آپ کا لشکر طائف کے باغ سے قریب تھا' آپ کے ہمراہ آپ کی دو بیویاں بھی تھیں جن میں سے ایک اُم سلمہ تھیں' آپ کے لئے دو خیمے لگائے اور دونوں کے درمیان نفل پڑھے اور جب بنو ثقیف مسلمان ہو گئے تو حضرت عمرو بن امیہ بن وھب نے حضور ﷺ کے مصلّے کی جگہ ایک مسجد بنائی' اس مسجد میں ایک ستون تھا جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ جب بھی وہاں سورج دکھائی دیتا تو اس سے آواز سنائی دیتی۔انتھی۔

علامہ واقدی نے بھی حضور ﷺ کے مصلّے کی جگہ عمرو بن امیہ کی تعمیر کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا کہ: اس مسجد میں ایک ستون تھا جہاں سے آواز آتی تھی' ایسا تقریباً دس مرتبہ ہوا' لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ یہ تسبیح پڑھتا ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑی جامع مسجد ہے' اس میں ایک بلند و بالا منبر ہے' یہ الناصر احمد بن المستضیٔ کے دور میں بنایا گیا' اس کے ایک کونے میں بلند و بالا گنبد کے نیچے حضرت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر مبارک ہے جبکہ اسی مسجد کے صحن میں دو چھوٹے گنبدوں کے درمیان حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے' کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں گنبد حضور ﷺ کی بیویوں حضرت اُم سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبوں کی جگہ پر بنائے گئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ: حضرت تقی فاسی کہتے ہیں' وہ مسجد جو نبی کریم ﷺ کے نام سے وہاں موجود ہے اس مسجد کے آخر میں ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک ہے کیونکہ اس کے قبلہ والی دیوار میں باہر کی طرف پتھر لگا ہے جس میں لکھا ہے کہ: اُم جعفر بنت ابو الفضل نے طائف میں مسجد رسول اللہ بنانے کا حکم دیا تھا جو مسلمانوں کے عہد حکومت والوں کی ماں تھیں پھر اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ۱۷۲ھ میں بنی تھی۔

پھر بتایا کہ جس مسجد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک ہے' اسے مستعین عباسی نے حضرت ابن عباس کی قبر کے ساتھ بنایا تھا۔ انتہی لہٰذا اگر وہ مسجد جس کا ذکر علامہ فاسی نے کیا ہے کہ اس جامع مسجد کے اخیر میں اس کے صحن کے اندر ہے تو اس میں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ اسے مطری نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ اس کے مخالف ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ میں نے طائف میں ایسے بیری کے درخت دیکھے' بتایا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے ہیں' اہل طائف اپنے بزرگوں سے یہ بات سنتے آئے ہیں' ان میں سے ایک کی جڑیں پینتالیس بالشت' دوسرے کی چالیس بالشت سے زیادہ' ایک اور کی سینتیس بالشت کی تھیں ایک اور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے قریب سے گذرے' آپ اونٹنی پر سوار تھے تو اس کی جڑ دو حصے ہوگئی' آپ کی سواری اس کے اندر داخل ہو گئی جبکہ آپ اونگھ رہے تھے۔

مطری کہتے ہیں کہ میں نے ۹۶ھ میں اسے ویسے ہی دیکھا ہے اور اس کا پھل بھی کھایا ہے اور برکت کے لئے اپنے گھر بھی لے گیا تھا پھر ۷۲۹ھ میں میں نے اسے دیکھا تو وہ گر کر خشک ہو چکا تھا' اس کی جڑ الٹی ہوئی تھی' اسے کوئی بھی چھیڑتا نہیں تھا کہ اس کی عزت کی ضرورت ہے۔ انتہی اور شاید اس کا کچھ بچ گیا تھا' اس لئے علامہ فاسی نے اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ کہا: کہ یہ درخت حضور ﷺ کی خاطر پھٹ کر دو حصے ہوگیا تھا۔ اس میں سے کچھ ابھی بھی محفوظ ہے' لوگ اسے متبرک سمجھتے ہیں۔ انتہی۔

علامہ مرجانی کہتے ہیں کہ میں نے طائف میں وَجّ کے مقام پر ایک بیری کا درخت دیکھا جو جبر کے سامنے اور اس کے قریب تھا' کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے نیچے بیٹھے تھے جہاں آپ کے پاس عدلیس آئے تھے انہوں نے کہا تھا کہ محمد نے جادو کر دیا ہے۔ مرجانی کہتے ہیں کہ میں نے وہاں پہاڑ میں دیکھا کہ ایک کنواں تھا بتایا جاتا ہے کہ آپ اس کے پاس بیٹھے تھے۔ انتہی۔

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بلیہ سے آئے (حمیدی کے مطابق یہ طائف میں ایک جگہ ہے) اور جب ہم سدرہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ قرنِ اسود کے پاس کھڑے ہو گئے پھر نخب کی طرف رُخ فرمایا پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر فرمایا کہ صیدوج اور عضاھہ اللہ کے حرم ہیں۔ یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب ابھی آپ طائف میں نہیں گئے تھے اور نہ ہی ثقیف کا محاصرہ کیا تھا۔

ابن زبالہ نے اپنی کلام میں ان مساجد کے ذکر کے بعد اس حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ختم کی ہے کہ: ''جو اللہ کی رضا کے لئے مسجد بناتا ہے' اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے خواہ چھوٹا ہی سہی۔'' آپ بتاتی ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مکہ اور مدینہ کے درمیان مسجدیں بنانے کا بھی یہی اجر ہے؟ فرمایا' ہاں۔

میں کہتا ہوں کہ مناسب یہ ہے کہ ان مسجدوں کا دھیان رکھا جائے اور ان کی تعمیر کی جائے جو مدینہ وغیرہ میں ہیں۔

ساتواں باب

مدینہ کی وادیاں، چراگاہیں، بستیاں، پہاڑ، اعمال (حکمران)، مدینہ کا اردگرد، وہاں کی مشہور وادیاں اور نالے سب جگہوں کے اپنے اپنے مقرر نام، اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

وادیٔ عقیق کی فضیلت، اس کا پھیلاؤ اور اس کی حد بندی

وادیٔ عقیق کے بارے میں احادیث فضیلت

صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے وادیٔ عقیق کے بارے میں سنا، فرمایا: ''آج رات میرے پاس کوئی آیا اور کہنے لگا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیے اور کہہ دیجئے کہ عمرہ حج ہی میں ہے۔'' پھر مسجد معرس میں انہی کی روایت سے آیا ہے: جب آپ ذوالحلیفہ میں اپنے معرس میں تھے اور وادی کے اندر تھے تو آپ سے کہا گیا: آپ مبارک بطحاء میں ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عقیق ایک مبارک وادی ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقیق میں لیٹے تھے کہ اس دوران آپ سے کہا گیا کہ ''آپ ایک مبارک وادی میں ہیں۔''

حضرت ابن زبالہ کے مطابق حضرت عامر بن سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقیق میں سوئے تو آپ کے ایک صحابی آپ کو بیدار کرنے کے لئے اُٹھے، اتنے میں ایک اور آدمی درمیان میں آ گیا اور کہنے لگا کہ آپ کو بیدار نہ کرو کیونکہ آپ کی نماز فوت نہیں ہوئی، اس پر بحث کے دوران آپ کو کسی کا کچھ حصہ لگ گیا جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بات بتائی اھ پھر فرمایا: تم نے مجھے بیدار کر دیا، مجھے ایک مبارک وادی دکھائی جا رہی تھی۔

حضرت زکریا بن ابراہیم بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ دو آدمیوں نے عقیق میں رات گذاری پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے، آپ نے پوچھا: تم نے رات کہاں گذاری؟ انہوں نے عرض کی کہ عقیق میں، آپ نے فرمایا: تو پھر تم نے تو ایک مبارک وادی میں رات بسر کی۔

حضرت ابوغسان کہتے ہیں، مجھے بہت سے اہلِ مدینہ پختہ لوگوں نے بتایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ پتہ چلتا کہ وادیٔ عقیق بہنے لگی ہے تو آپ کہتے: ہمیں اس مبارک وادی میں لے چلو اور اس پانی کی طرف لے چلو جو اگر ہمارے پاس آ جاتا تو ہم اسے ہاتھ لگاتے۔

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقیق کی طرف سوار ہو کر تشریف لے گئے اور پھر واپس تشریف لے آئے اور فرمایا اے عائشہ! ہم اس وادی سے ہو کر آئے ہیں' یہ کتنی نرم اور آرام دہ ہے اور اس کا پانی کتنا میٹھا ہے۔ آپ فرماتی ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم ادھر منتقل نہ ہو جائیں؟ فرمایا' یہ کیسے ممکن ہے' لوگوں نے عمارتیں بنا رکھی ہیں۔

حضرت خالد عدوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عقیق کے میدان کے بارے میں فرمایا: یہ بہت اچھا ٹھکانہ ہے اگر یہاں بہت سے درندے نہ ہوں۔

حضرت محمد بن ابراہیم تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنگ کی طرف نکلے' کھلے راستے پر چلے اور جب کھلے میدان میں پہنچے تو فرمایا: یہی بہتر ٹھکانہ ہے اگر یہاں کثرت سے درندے نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادئ عقیق کی طرف نکلے تو آپ نے فرمایا' اے انس! یہ لوٹا لو اور اس وادی سے بھر لاؤ' یہ وادی ہم سے محبت رکھتی ہے اور ہم اس سے' چنانچہ میں نے پکڑا اور بھر لایا۔ الحدیث

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں جانوروں کا شکار کرتا اور گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتا' ایک دن میں نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا' اے سلمہ! تم کہاں شکار کرتے پھر رہے تھے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! شکار دور تھا تو میں شیب میں صدور قنات کی طرف جا نکلا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاتا اور واپسی پر میں آگے سے ملتا' مجھے عقیق سے محبت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرن کا شکار کرتے اور اس کا تازہ یا خشک گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے' حضور ﷺ نے انہیں نہ دیکھا تو فرمایا اے سلمہ! جو کچھ تم لایا کرتے ہو' کیوں نہیں لائے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! شکار دور تھا ہم شیب اور صدور قناۃ کی طرف نکل گئے فرمایا: اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو جاتے وقت میں تمہارے ساتھ ہوتا اور واپسی پر بھی آگے کے ملتا کیونکہ میں عقیق سے پیار رکھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں حدیث میں یہ واقعہ مدینہ میں شکار حرام ہونے سے پہلے کا ہوگا یا عقیق میں شکار کا مطلب اس جگہ شکار کرنا ہے جو حرم سے باہر تھی' یوں ساری دلیلیں جمع ہو سکتی ہیں۔

عقیق کی حد بندی

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے کہ عقیق' قصر مراجل سے نقیع تک شمار ہوتا ہے اور اور جو قصر مراجل سے نیچے ہے' وہ زغابہ میں شمار ہوتا ہے۔

عبد اللہ حرانی کہتے ہیں کہ انہوں نے اہلِ علم سے سنا کہ جرف' مجتہ الشام سے قصاصیں تک کے علاقے کو کہتے

ہیں (یعنی اصحاب قصہ) جب کہ وَطیف الحمار، سقایۂ سلیمان سے زغابہ تک ہے، پھر عرصہ ایک مجہ سے مجہ الشام تک کے علاقہ کو کہتے ہیں اور مجہ سے عقیق واضح ہے لہٰذا چڑھتے ہوئے نقیع تک چلے جاؤ۔

میں کہتا ہوں، مجھے دوسرے لوگوں نے بتایا کہ عقیق، شروع سے عرصہ تا نقیع رہا ہے۔

زبیر کہتے ہیں، میں اہلِ علم وسنن سے سنتا آیا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ عقیق کبیر، حرہ سے ملتا ہے اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین سے شروع ہو کر قصر جبیل تک جاتا ہے اور جو جماء سے ملتا ہے، وہ عبد العزیز بن عبد اللہ عثمانی کے محلات سے قصر مراجل تک جاتا ہے اور پھر تم عقیق میں جا کر اوپر چڑھ کر نقیع کے آخر تک پہنچ جاؤ گے۔ سب کہتے ہیں کہ مراجل کی نچلی جانب سے عرصہ کے آخر تک عقیق صغیر کہلاتا ہے چنانچہ عقیق کی وادیوں میں سے اعلیٰ، نقیع ہے۔

ابو علی ھجری کہتے ہیں کہ نقیع کی ابتداء برام سے ہوتی ہے اور عقیق کی ابتداء حضیر سے ہوتی ہے اور عقیق صغیر تک جا کر زغابہ میں داخل ہو جاتی ہے نیز یہ بھی نقل ملتی ہے کہ حضیر نقیع کے آخر میں ہے اور عقیق کی ابتداء میں اور عقیق کے آخر میں زغابہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زغابہ وہ مقام ہے جہاں سارے پانی جمع ہوتے ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کے مغرب میں ہے جو اضم کی سب سے اعلیٰ وادی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو عقیق اور عرصہ کی انتہاء ہے اور اس کی ابتداء حضیر ہے، یہ نقیع کے قریب مشہور زرعی جگہ ہے اور نقیع کے قریب ہے، مدینہ سے ایک دن کی مسافت سے کچھ زیادہ دور ہے۔

حضرت عیاض کہتے ہیں کہ نقیع، عقیق کے اگلے حصے میں ہے اور عقیق وہ وادی ہے جہاں اہلِ مدینہ کی اراضی ہے، کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے، کچھ تین میل اور کچھ چھ یا سات میل دور کہتے ہے، دونوں ہی عقیق کہلاتے ہیں جن میں سے نزدیک عقیق مدینہ ہے، یہ چھوٹا بھی ہے اور بڑا بھی، چھوٹے میں تو بئر رومہ ہے اور اکبر میں بئر عروہ ہے اور دوسرا عقیق اس سے قریب ہے اور وہ مزینہ کے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہی وہ عقیق ہے جو حضور ﷺ نے بلال بن حارث کو دیا تھا اور حضرت عمر نے لوگوں کو دے دیا تھا اور وہ عقیق جس کے بارے میں آیا ہے کہ "تم مبارک وادی میں ہو" وہ بطنِ وادئ ذو الحلیفہ والا ہے اور یہ ان دونوں (عقیقوں) سے قریب ہے، ان میں سے ایک چھوٹا اور ایک بڑا کہلاتا ہے لہٰذا یہ عقیق کے حرہ سے ملنے والے حصے کے قریب ہونے کی نفی نہیں کرتا علاوہ ازیں عنقریب آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بن حارث کو پورے عقیق، قریبی اور دور والے کا مالک بنایا تھا اور اس کا وہ حصہ جو حضرت عمر نے لوگوں کو دیا تھا، وہ مدینہ سے قریب ہے، وہی قریب اور بعید حصوں میں تقسیم ہے اور حضرت زبیر وغیرہ کی کلام اس بارے میں واضح ہے، درست یہ ہے کہ مدرج والی پہاڑی کا دامن وادئ عقیق کا اولین کنارہ ہے جو تعمیر کے وقت مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی جب میں نے مسجد نبوی اور مسجد ذو الحلیفہ کا درمیانی فاصلہ ناپا تھا اور متقدمین میں سے حضرت اسدی یہی کہتے ہیں چنانچہ بتایا: عقیق مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے، پہلا میل مدینہ کے گھروں کے پیچھے ہے اور دوسرا وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں عقبہ سے نیچے مدرج کے آخر تک جاتے ہیں تو گویا جس

نے تینوں کا ذکر کیا ہے' اس نے مسجد نبوی سے بطنِ وادی کے اوّل تک کی مسافت کا لحاظ رکھا ہے جو قلعۂ ابو ہشام کے نام سے مشہور محل کے بعد ہے اور جس نے چھ مراد لئے ہیں' اس نے دو والی جانب کا خیال کیا ہے اور وہ وہاں ہے جسے ذوالحلیفہ کہتے ہیں چنانچہ اس نے بطن وادی کو بھی مسافت میں شمار کیا ہے یا یہ اس بناء پر ہے کہ میل' ہزار ہاتھ کا ہے لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے' وہ ساڑھے تین ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ وادیٔ عقیق کی نقیع سے روانگی کی اصل جگہ مدینہ منورہ کی طرف سے مشبان کے راستے مشبان کا راستہ ہے' اس کے اور قباء کے درمیان ڈیڑھ دن کی مسافت ہے اور یہ جگہ بئر علی (خلیفہ) تک پہنچتی ہے اور پھر جبل عیر کے مغرب تک جاتی ہے اور ذوالحلیفہ میں بئر علی تک پہنچتی ہے' پھر مشرق کو آتی ہے تو اس حمراء کے قریب تک جاتی ہے جہاں سے مدینہ کو جاتے ہیں پھر تھوڑا سا اوپر کو ہو جاتی ہے' بئر محرم سے اس کا نام عقیق رکھا ہوا ہے تو یہ بئر رومی کے غربی حصے تک پہنچتی ہے۔انتہی۔

یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ ''بئر محرم سے اسے عقیق کہا جاتا ہے'' اس کا مطلب یہ کہ ان کے زمانے میں' جیسے ہمارے زمانے میں کہتے ہیں' یہ عقیق کلام عیاض میں' قریبی عقیق کو کہتے ہیں' پھر انہوں نے اپنے قول **و العقیق الّذی جاء فیه (ت) وهو الا قرب منهمَا** '' کے بعد کہا ہے: یہ وہی ہے جس کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اہلِ عراق کے لئے ذاتِ عرق سے تلبیہ پڑھنے کا مقام ہے اور یہ غلط ہے' ہاں اگر اس کا مطلب لیا جائے جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ عقیق' ذاتِ عرق ہے جس کی وادی عقیق مدینہ سے متصل ہے تو اور بات ہے جبکہ شروع سے مشہور یہ ہے کہ یہ نقیع تک جاتی ہے جیسے گذر چکا چنانچہ حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن عیاش سعدی سے پوچھا: عقیق کو عقیق کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا' اس لئے کہ اس کا سیلاب حرہ میں پھیل جاتا ہے۔ یہ حضرت سلیمان کلام ہے جو عرب میں بہت سمجھدار تھے۔

عَقّ سے مراد پھٹ جانا اور حرہ میں بکھر جانا ہے۔ جب ''تُبّع'' اپنے گھر قناۃ سے چلا اور اس ''عرصہ'' سے گذرا (پہلے اس کا نام سلیل تھا) تو کہنے لگا کہ یہ ''عرصۃ الارض'' ہے چنانچہ اس کا نام عرصہ پڑ گیا اور پھر عقیق سے گذرا تو کہا کہ یہ ''عقیق الارض'' ہے لہٰذا اسے عقیق کہا جانے لگا نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں کی زمین سرخ ہونے کی وجہ سے اسے عقیق کہتے ہیں۔

فصل نمبر ۲

جاگیریں دینا اور مکانات بنانا

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "عقیق" دیا

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال بن حارث کو مکمل عقیق دیا اور جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو کہا: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ عقیق' اس لئے نہیں دیا کہ آپ اکیلے ہی اسے روک رکھیں چنانچہ آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت محمد بن یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آل حزم کے ایک پختہ شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو عقیق دیا اور ایک تحریر بھی لکھ دی جو یہ تھی: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ ٹکڑا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث کو دیا' یہ عقیق اس لئے دیا کہ اسے استعمال میں لائیں۔" اور معاویہ نے لکھا کہ بلال نے اسے استعمال نہ کیا تو حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں کہا' اگر آپ اسے استعمال میں لانے کی ہمت رکھتے ہیں تو اس میں کھیتی باڑی کیجئے' سارا فصل آپ کا ہو گا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دے رکھا ہے اور اگر آپ اسے استعمال نہیں کرتے تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کرتا ہوں' آپ لوگوں کے برتنے میں روکاوٹ نہ ڈالیں۔اس پر حضرت بلال نے کہا' آپ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ حصہ مجھ سے لے سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دیتے وقت استعمال کی شرط رکھی تھی چنانچہ حضرت عمر نے اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا' اس زمین میں کوئی فصل وغیرہ نہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ان سے لے لیا تھا۔

حضرت محمد بن سلمہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معادنِ قبیلہ اور عقیق عطا فرمایا پھر ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے رومہ' حضرت عثمان کو بیچ دیا' اس پر حضرت عمر نے ان سے عقیق کا باقی حصہ لے کر لوگوں کو دے دیا اور ساتھ ہی کہا: رسول اللہ ﷺ نے تو آپ کو کھیتی باڑی کے لئے دیا تھا' آپ کا یہ مقصد نہ تھا کہ اسے اپنے پاس روک رکھیں۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو عقیق کی زمین عطا فرمائی' وہ خالی پڑی رہی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آ گیا' انہوں نے حضرت بلال کو بلایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مانگنے والے کا انکار نہیں فرماتے تھے' آپ نے ان سے عقیق مانگا تو انہوں نے عطا فرما دیا' ان دنوں لوگ اتنے نہ تھے اور ان کو ضرورت نہ تھی' اب اہلِ اسلام بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور انہیں اس کی ضرورت ہے لہٰذا اب آپ اتنا حصہ رکھ لیں جتنا استعمال میں لا سکتے ہیں اور جو باقی ہے' ہمیں دیدیں کہ اسے تقسیم کر سکیں۔حضرت بلال نے انکار کیا

تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ حصہ حضرت بلال کے قبضہ میں رہنے دیا اور باقی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن ابوبکر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو حضرت بلال سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے لمبی چوڑی زمین کا مطالبہ کیا تھا تو انہوں نے تمہیں دے دیا کیونکہ آپ کسی سائل کا انکار نہیں فرماتے تھے لیکن آپ اسے استعمال نہیں کر سکے' حضرت بلال نے کہا' ہاں بات تو یونہی ہے۔ حضرت عمر نے کہا' آپ جتنا حصہ کاشت کر سکتے ہیں' اپنے پاس رکھ لیں اور باقی ہمیں دیدیں کہ لوگوں میں تقسیم کر دیں' انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' بخدا ہم یہ کام کر کے رہیں گے چنانچہ انہوں نے اتنی زمین ان سے لے لی جسے کاشت نہیں کر سکتے تھے اور مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔

حضرت عروہ کا محل اور کنواں

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال سے عقیق کی زمین لے لی تو حضرت عروہ بن زبیر کے کنوئیں پر پہنچے' وہ کنواں جاری تھا' حضرت عمر نے پوچھا' کس کس کو اس کے پانی کی ضرورت ہے؟ چنانچہ آپ نے حضرت بن جبیر انصاری کے مانگنے پر انہیں کنوئیں کا بہتر حصہ دیدیا چنانچہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر کو عقیق میں ملنے والی زمین کی تحریر دیکھی تو وہ حرۂ وبرہ سے لے کر ضفیرۂ مغیرہ بن اخنس تک تھی۔

حضرت ہشام کے والد کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے جب عقیق تقسیم کر دیا تو حضرت عروہ کے محل کی جگہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آج تک ضرورت مند کہاں رہے ہیں' بخدا اس جیسا قطعۂ زمین تو میں نے دیکھا ہی نہیں' اس پر کچھ حضرات نے سوال کر دیا چنانچہ حضرت عمر نے انہیں دیدیا' اس جگہ کو ''خیف حرۃ الوبرہ'' کہا جاتا تھا اور جب سال ۱۴۱ھ آیا تو مروان بن حکم نے حضرت عبد اللہ بن عیاش بن علقمہ کو مدینہ کے چوتھے میل سے ضفیرہ تک کا حصہ دیدیا۔ عقیق میں جبل احمر تک حضرت مغیرہ بن اخنس کی زمین تھی۔ ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عروہ نے اپنے محل کی جگہ اور زمین حضرت عبد اللہ بن عیاش سے خرید لی۔

حضرت ابن ابی ربیعہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عروہ کے ہاں سے گذرے' وہ عقیق میں اپنا محل بنا رہے تھے' ابن ابی عروہ نے پوچھا' کیا کوئی جنگ کا خطرہ ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں البتہ مجھے معلوم ہوا کہ مدینہ میں کوئی مصیبت آنے والی ہے تو میں نے سوچا کہ اگر ایسا ہوا تو میں اس سے الگ تھلگ ہوں گا۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع حدیث میں بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری دور کے اندر میری امت کہن' تہمت سازی اور مسخ (شکل بدلنا) میں گرفتار ہوگی اور یہ ان میں اس وقت ہوگا جب وہ لوط کی قوم جیسے کام کرنے لگیں گے۔ حضرت عروہ نے کہا' مجھے پتہ چلا کہ کچھ کچھ ایسا ہونے لگا ہے چنانچہ میں مدینہ سے دور ہو رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو' میرے ہوتے' ایسا ہو جائے اور پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایسا معاملہ اھلِ قصبہ (بڑا گاؤں) یعنی مدینہ

والوں کے ساتھ ہوگا۔

حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت عروہ نے اپنا محل بنایا تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے مسجد رسول اللہ ﷺ سے اسے اونچا اور بہتر بنا کر ظلم کیا ہے۔ آپ نے کہا: میں نے ان کی مسجدوں کو کھیل کود کی جگہ بنتے دیکھا ہے' ان کے بازاروں میں بکواس ہونے لگا ہے' کھلے راستوں میں وہ گندے کام کرنے لگے ہیں تو ان سے وہ معاملہ ہونے لگا ہے جس سے یہ لوگ بچے ہوئے تھے۔

حضرت عروہ نے اپنا یہ محل' زمین اور کنواں مسلمانوں کو دے دیئے' ولید بن عبد الملک کو وصیت کر دی چنانچہ انہوں نے یحییٰ اور عبد اللہ کو والی بنا دیا پھر یحییٰ تو فوت ہوئے اور عبد اللہ اس میں چالیس سال تک رہے' پھر ان کے بعد ہشام بن عروہ اس کے والی بنے اور پھر عبد اللہ بن عروہ بنے تو انہیں کہا گیا: آپ کو کیا ہوا' مدینہ کیوں چھوڑ دیا ہے' آپ نے کہا' اس لئے کہ میں دو آدمیوں میں گھرا ہوا ہوں' کچھ تو نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور کچھ مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔

جب ہشام بن عبد الملک کی طرف سے ابراہیم بن ہشام مدینہ کے امیر بنے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ فُرع کے اندر بنو عروہ کے گھروں میں دخل دیں' اس میں عبد اللہ اور یحییٰ' اس کے اس معاملے میں دخل انداز ہو گئے چنانچہ عروہ کا محل گرا دیا گیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ چنانچہ عبد اللہ نے ہشام بن عبد الملک کو اس بارے میں لکھا' انہوں نے دیوانِ مدینہ پر اپنے عامل ابن ابی عطا کو لکھا کہ اسے پہلے کی طرح بحال کر دیا جائے جیسے میخ اپنی جگہ پر گاڑ دی جاتی ہے چنانچہ انہوں نے ایک ہزار دینار اور تین ہزار درہم ادا کئے۔

حضرت عبد اللہ' ابن ہشام کی سواری کی انتظار کرتے اور جب وہ حرّہ کے اوپر دکھائی دیتے تو آپ لوگوں سے کہتے اللہ اکبر کہو' تمہیں ذبح شدہ اونٹنی ملے گی' وہ ایسا کرتے تو وہ اونٹنی ذبح کر دیتے' اس سے وہ ابن ہشام کو غصہ دلاتے اور جب ہشام بن عبد الملک کے دور میں ولید بن یزید آئے کہ موسم میں لوگوں کو ہٹائیں اور عبد اللہ بن عروہ کو عقیق میں ٹھہرائیں تو انہیں کہا گیا: یہ ولی العہد ہے جس نے برکت مکہ میں نماز پڑھی ہے؟ تو عبد اللہ انہیں حرہ پر ملے اور جب ولید نے بنو امیہ میں سے عنبسہ بن سعید' مروان بن سعید بن عاص اور عبد اللہ بن عامر کے محل دیکھے تو عبد اللہ بن عروہ سے پوچھا: یہ کس کے ہیں؟ انہوں نے بتایا اور جب عروہ کے محل کو دیکھا تو پوچھا' یہ کس کا ہے؟ تو بتایا گیا کہ عروہ کا ہے۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ سے مکہ وغیرہ کی طرف نکلنے والوں کو دیکھا جو عقیق سے گذرتے' وہ حضرت عروہ کے کنوئیں سے پانی لے جاتے اور جب وہ لے کر اپنے اہل وعیال کے پاس آتے تو واپس آ کر اسے اپنے گھروں میں پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے باپ کو دیکھتا' وہ مجھے اُبالنے کو کہتے' ابال کر وہ پانی بوتلوں میں بھر کر رقہ میں امیر المؤمنین ہارون کو پہنچایا جاتا۔

حضرت نوفل بن عمارہ کہتے ہیں کہ جب میری والدہ نے اپنا محل بنایا تو ہشام بن عروہ نے ان کو پیغام بھیجا کہ

آپ دو ستھرے پانیوں کے درمیان ہیں' بئر عروہ اور بئر مغیرہ بن اخنس میں' تو میں رشتہ داری کی بناء پر آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بئر عروہ سے پانی پئیں اور بئر مغیرہ سے وضو کریں' چنانچہ میری والدہ بئر عروہ ہی سے پانی پیتیں اور بئر مغیرہ سے وضو کرتیں' یہ سلسلہ ان کے وصال تک جاری رہا۔

مرزوق بن والرۃ نے ہشام بن عروہ سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ جنت کا چشمہ بئر عروہ میں گر رہا ہے چنانچہ سری بن عبدالرحمٰن انصاری نے کہا:

"میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اروی کی زرہ میں کفن دینا اور بئر عروہ سے پانی پلانا' یہ پانی سردیوں میں گرم ہوتا ہے اور گرمیوں میں سرد اور تاریک رات میں چراغ کا کام دیتا ہے۔"

علامہ مجد کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ میں سے مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو اس کنوئیں کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔

اسدی کہتے ہیں کہ مدینہ سے تیسرا میل' بئر عروہ سے ذرا پیچھے ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل وہ بند پڑا کنواں ہی بئر عروہ ہے' جو ذوالحلیفہ کو جاتے ہوئے ابو ہاشم کے مشہور قلعے سے تہائی میل گذر کر تمہاری دائیں طرف آتا ہے اور جماء کے قریب ہے۔

قصرِ عاصم بن عمرو بن عمر بن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ جماءِ تضارع سے پہلے قصر عروہ سے دکھائی دیتا ہے اور وادی پر بئر عروہ بن زبیر کے سامنے ہے' یہ جماء قصر عاصم اور بئر عروہ کے قریب بہتی ہے' عبداللہ جعفری اور عمر بن عبداللہ بن عروہ نے قصر عاصم کی ہجو کی تھی۔

قصر المغیرہ

ابو ہاشم مغیرہ بن ابو العاص کا محل اور کنواں

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ جب میں نے عقیق میں محل بنانے کا ارادہ کیا تو اسے کہا کہ دو گھر بناؤ' پھر میں انہیں دیکھنے کے لئے گیا اور دس دن تک وہاں رہا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میری ایک باندی آئی اور کہنے لگی اے ابو ہاشم! آپ نے عقیق میں محل بنانے کا ارادہ کر لیا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا' عقیق میں بہترین محل بنا دو چنانچہ میں نے یہ محل تیار کیا اور اس پر بہت سی رقم خرچ کی۔ وہ کہتے ہیں' یہ وہی محل ہے جو بنت المرازقی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن ذکوان کہتے ہیں کہ بنو امیہ' عقیق میں مروان بن حکم کے حوض کی نگرانی کرنے والے کا نام دفتر میں لکھتے جو اسے درست کرتا اور اس کا بھی لکھتے جو بئر مغیرہ میں ڈول وغیرہ ڈالا کرتا۔

قصرِ عنبسہ بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ محل جماء کی طرف تھا' جب تم بطحاء کا ارادہ لے کر چلو تو مصعد سے گزر کر آتا ہے۔

قصرِ عنبسہ بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ عقیق صغیر میں تھا' ہشام بن عبد الملک سوار ہوئے اور ان کے ساتھ عنبسہ بن سعید تھے' عنبسہ کے محل کی جگہ سے گذرے تو کہا کہ اے ابو خالد! محل کی جگہ بہت اچھی ہے' یہ میں تجھے دیتا ہوں۔انہوں نے کہا' اسے بنانے کی کس میں ہمت ہے؟ انہوں نے کہا' یہ لو میں تمہیں بیس ہزار دینار کی مدد دیتا ہوں۔انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو دئے اور کہا' تم بڑوں میں ہوتے ہو' دیکھو' کیسے بناؤ گے' یہ پہلے شخص تھے جو محلات کے درمیان محل بنا رہے تھے' وہ حضرت عبد اللہ بن عامر کے پہلو میں محل بنانے لگے اور جب عمارت سے فارغ ہوئے تو اینٹوں سے اس پر برجیاں بنا دیں۔اس پر حضرت عنبسہ نے کہا کہ یہ پتھروں سے بناؤ۔

میں کہتا ہوں کہ شاید "عنابس مزارع عنبسہ" کے نام سے مشہور جگہ یہی ہے۔

حضرت عنبسہ کے اولاد میں سے ایک نے کہا کہ ایک دن عبد اللہ بن عنبسہ اپنے محل کے کھلے میدان میں سوئے ہوئے تھے' ایک شخص پہرہ دے رہا تھا' ان کا ایک غلام تھا جو پانی لایا کرتا تھا' وہ اندر آیا تو دیکھا کہ عبد اللہ سو رہے ہیں' اس نے مشکیزہ اُتار کر رکھا اور خنجر لے کر اس کی طرف بڑھا' نوکر درمیان میں آ گیا' وہ قتل ہو گیا' اتنے میں عبد اللہ جاگ اُٹھے' محل کے اندر رہنے والے آگے بڑھے اور قاتل کو پکڑ لیا' عبد اللہ نے حکم دیا تو اسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔

جب جعفر بن سلیمان مدینہ کے والی تھے تو وہ اس مکان میں ٹھہرے' وہاں نوکر چاکر رکھے' پھر کھلے میدان کی طرف پھرے' وہاں عمارت بنائی اور اس میں رہائش کی' اسی دوران وہ معزول ہو گئے اور اس سے نکل گئے۔

محمد بن ضحاک کہتے ہیں کہ میرے والد اور ابن عبد اللہ بن عنبسہ کچھ لوگوں کے ہمراہ عقیق صغیر میں عنبسہ کے محل کی طرف گئے' میرے والد مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے' میں ابھی بچہ ہی تھا' وہاں انہوں نے اونٹ ذبح کیا' وہ ایک دوسرے سے ٹھٹھا وغیرہ کرنے لگے' کبھی یہ شعر پڑھتا اور کبھی وہ۔

قصر ابوبکر زبیری یعنی مستقر

ابوبکر بن عبد اللہ بن مصعب زبیری کا محل جسے "مستقر" کہتے تھے انہوں نے خریدا' وہ ایک یا دو گھر تھے' اسے گرایا اور محل بنا دیا۔

عبداللہ بن ابوبکر عثمانی

محمد بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں اور محمد بن عبداللہ بکری (قاضی مدینہ) عقیق کے مقام پر ابن بکیر کے محل میں راضی خوشی رہتے تھے کہ محمد بن عبداللہ نے دیوار کے بارے میں لکھا:

''کہاں ہیں اہلِ عقیق اور قریش کہاں ہیں' عبدالعزیز کہاں ہیں اور ابن بکیر کہاں ہیں' کاش یہ سب لوگ زندہ ہوتے۔''

پھر اس شعر کے نیچے لکھا کہ جو اس مصرعۂ اخیر کو مکمل کریگا' میں اسے مان جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ عمر بن عبداللہ بن نافع' ابن بکیر کے محل میں پہنچے اور وہ مصرعہ لکھا ہوا دیکھا تو آدھا مصرعہ پورا کرتے ہوئے کہا: ''اس میں ہمیشہ سے ابن زبیر رہتے چلے آئے۔''

محمد بن معاویہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ یہاں پہنچے' دیکھا تو وہ شعر پورا کر دیا گیا تھا' پوچھا کہ اسے کس نے مکمل کیا ہے؟ میں نے کہا: عمر بن عبداللہ نے۔ انہوں نے کہا: اگر میں اس سے بات کرتا تو اسے سراہتا' اس نے اچھی اور سچی بات کی ہے حالانکہ عمر بن عبداللہ اسے چھوڑ چکے تھے۔

عنقریب ''جماوات'' میں اور محلاّت کا ذکر آ رہا ہے۔ ابوعلی ھجری کہتے ہیں کہ وادی کا سیلاب وہاں تک جاتا تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا محرم تھا' اس محل کے ساتھ ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرعی زمین تھی اور پھر اس کے ساتھ ہی دائیں بائیں محلاّت کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھی جہاں اشراف کے محلات بنائے جا رہے تھے جن میں سے کچھ وہ ہیں جو مکہ سے فخ عیر کی طرف جانے والوں کی دائیں جانب تھے۔

کچھ اور محلاّت اور کنوئیں (نالے)

ان میں سے ایک اسحٰق بن ایوب مخزومی کا محل تھا' ایک ابراہیم بن ہشام کا' ایک آلِ طلحہ بن عمر بن عبیداللہ کا تھا' پھر راستے کی دائیں طرف نچلی جانب بھی آلِ سفیان بن عاصم بن عبدالعزیز بن مروان کا محل تھا' اس کے سامنے' جماء تضارع کے بالمقابل عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے گھر تھے' اس کے ساتھ ہی عبداللہ بن بکیر بن عمرو بن عثمان کے گھر تھے اور یہ طاہر بن یحییٰ اور اس کے لڑکے کے محلاّت ہیں۔ انہی کے سامنے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرعی زمین اور ان کنواں تھا اور اس کی نچلی طرف وہ کنواں تھا جو حضرت مغیرہ بن ابوالعاص کے نالے کے نام سے مشہور تھا پھر اس کی نچلی طرف زیاد بن عبداللہ مدانی کا نالہ اور حوض تھا' قصر مراجل کے کنگرے بنے تھے' اس سے کچھ دور سیّدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا محل تھا اور ساتھ ہی کئی محل اسحاق بن ایوب کے تھے اور پھر ان کی اوپر کی جانب کئی ایک کے کئی گھر تھے پھر مزارقی کی بیٹی زھریہ کے محلات تھے' پھر جعفر بن ابراہیم جعفری کے محلاّت تھے اور یہ سلسلہ بئر رومہ تک چلا جاتا تھا' پھر دائیں بائیں بہت سے محل تھے جن میں

سے عبد اللہ بن سعید بن عاص کے محل تھے اور بطن وادی میں عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ بن العباس کے کنوئیں تھے اور دائیں بائیں محلات تھے۔

پھر اس کے بعد کھلی جگہ پر موجود محلات کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ سلسلہ "جرف" تک جاتا تھا اور اسی میں سلیمان بن عبد الملک کا حوض تھا۔

فصل نمبر ۳

کھلے میدان اور اس میں محلّات

قصرِ خارجہ

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ بنو امیہ کھلی جگہ کے اردگرد عمارت بنانے سے منع کرتے تھے اور مدینہ کا حکمران، خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو زمین کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دیتا تھا حتیٰ کہ خارجہ بن حمزہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن عوام، ولید بن عبد الملک کی طرف گئے اور ان سے اس کھلے میدان میں محل بنانے کے لئے جگہ مانگی تو انہوں نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ انہیں محل کی جگہ حرّہ کے پاس دیدیں چنانچہ وہ محل انہی کے ہاتھ میں رہا اور پھر یحییٰ بن عبد اللہ بن حسین بن علی بن حسین کو مل گیا۔

رومہ میں عبد اللہ بن عامر کا محل

واقدی لکھتے ہیں کہ اس عقیق میں اول ہی سے انہوں نے محل بنایا، صرف ایک محل وہاں موجود تھا جو انہوں نے بقل کے میدان میں بنا رکھا تھا، انہوں نے یہاں قیدی رکھے تھے۔

ابن ابی عوف کہتے ہیں کہ جب مدینہ لوٹ مار ہوئی تو وہ قصر ابن عامر کی طرف چلے گئے اور پھر جنہوں نے قتل ہونا تھا، ہو گئے۔

قصر مروان بن حکم

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ مروان نے عرصۃ البقل میں عمارت بنائی، کھدائی کی اور نالہ بنا کر کھیتی باڑی شروع کی۔

قصر سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ

یہ مشہور سخاوت کرنے والے تھے، انہوں نے کھلے میدان کے درمیان میں محل بنایا تھا، اس میں گڑھے کھود کر کھجور کا باغ لگایا۔ یہاں کی کھجور مدینہ میں آنے والی پہلی شے ہوتی تھی۔ اس محل کو عرصۃ الماء کہتے تھے۔

یحییٰ بن کعب کہتے ہیں کہ عرصہ میں سعید کا باغ ایسا تھا کہ وہاں کا کبوتر اڑتا نہ تھا' اس میں تین نالے تھے' ان میں سے بلند دائیں طرف تھا جسے شمر دلیہ کہتے تھے اور جو اس کے ساتھ تھا وہ نچلی جانب تھا جسے واسطیہ کہتے تھے اور تیسرا نچلی جانب والا میں بھول گیا۔ انہوں نے اپنے محل کے پاس کھلے میدان میں تعمیر کی جس کے بارے میں عمر بن ولید بن عقبہ نے کہا:

"یہ محل کھجور کے درختوں والا ہے' جماء ان دونوں کے درمیان ہے جو جیرون کے دروازوں سے زیادہ دل کو لبھاتا ہے۔"

علامہ ہجری کہتے ہیں: یہ عقیق کی ندی عرصۃ البقل اور عرصۃ الماء تک چلی جاتی تھی اور جعفر بن سلیمان کا عرصہ جماء عاقر سے پہلے تھا جو پہاڑ کے قلعے میں اُبھرا ہوا تھا اور پھر کھلے اور بڑے میدان میں سعید بن عاص کے دو میدان تھے جس کے بارے میں ایک شاعر نے اوپر والا شعر کہہ کر تعریف بیان کی ہے۔

فضالہ بن عثمان کہتے ہیں کہ جب سعید کی موت کا وقت آیا تو اپنے فصیح و بلیغ لڑکے سے کہا کہ میں تمہیں تین وصیتیں کرتا ہوں: مجھ پر بہت بڑا قرض ہے میرے بہت سے مال میں سے اسے ادا کر دینا' میرے بھائیوں کو دیکھنا' اگر وہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں تو میری نیکیاں نہ بھلائیں اور میری بیٹیوں کو قریبی رشتہ داروں میں بیاہنا اور پھر فوت ہو گئے۔

اس کے بعد عمرو' معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سوار ہو گئے۔ دربان نے حضرت معاویہ سے کہا کہ دروازے پر عمرو آئے ہیں۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ سعید فوت ہو گئے' انہیں آنے دو' پھر ان س سعید کے بارے میں افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے والد کی وصیت بتائی تو حضرت معاویہ نے کہا' ہم ان کا قرض اتار دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے والد کی وصیت' اپنے اصل مال میں سے ادا کرنے کی ہے' آخر انہوں نے معاویہ سے رقم لے لی اور مدینہ میں آ کر ان کا قرض اُتار دیا۔

سعید کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میرا "عرصہ" میں یہ مکان ریت کا ڈھیر نہیں' یہ خوشگوار گھر ہے' یہ معاویہ کے ہاتھ بیچ کر میرا قرض اُتار دینا اور میرے کئے ہوئے وعدے پورے کر دینا اور میرا قرض اُتارنے کے لئے معاویہ سے کوئی رقم نہ لینا۔

نوفل بن عمارہ نے بتایا کہ سعید نے اپنے بیٹے سے کہا' میں تجھے چار وصیتیں کرتا ہوں' میرے فوت ہونے تک مجھے میرے محل سے نہ نکالنا کیونکہ یہ جگہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے اور میری قوم میں سے بہت کم لوگ ہوں گے تو میری قبر تک لے جانے کے لئے مجھے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیں گے۔ اس کے بعد پہلی تین وصیتیں کیں اور جب وہ فوت ہو گئے تو انہیں قریش نے اُٹھایا اور بقیع میں لے جا کر دفن کر دیا' ان کا محل مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے بعد ان کے لڑکے حضرت معاویہ کی طرف گئے اور ان کے پاس پہنچے' بال بکھرے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ نے کہا' کیا بات

ہے؟ انہوں نے کہا ابو عثمان فوت ہو گئے' ان پر رحم کیجئے۔انہوں نے کہا اپنی ضرورت بتایئے' انہوں نے ان کی وصیتیں بتائیں' حضرت معاویہ نے قرض کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تیس لاکھ درہم قرض ہے۔حضرت معاویہ نے کہا کہ یہ میرے ذمہ رہا۔ابن سعید نے کہا کہ والد کی وصیت یہ ہے کہ ان کے ذاتی مال سے ادا کروں۔معاویہ نے کہا' یہ مجھے بیچ دو' انہوں نے کہا' یہ میدانی زمین میں آپ کو بیچتا ہوں' انہوں نے کہا دس لاکھ میں محل' دس لاکھ میں کھجور کا باغ اور دس لاکھ میں زرعی زمین لیتا ہوں۔پھر کہا اے اہلِ شام' اسے تحریر کر لو تا کہ شرمساری نہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ سعید نے کہا کہ انہوں نے مجھے قرض کے بدلے بیچنے کو کہا تھا۔حضرت معاویہ نے کہا تو جو چاہتے ہو' مجھے بتا دو' سعید نے کہا کہ ان کی نسبت سے اچھی اور انہیں پیاری جگہ کھلے میدان میں ان کا گھر ہے۔انہوں نے کہا' افسوس' اسے تو وہ نہیں بیچیں گے' کوئی اور جگہ بتاؤ۔کہا تم جلدی قرض اُتارنا چاہتے ہو؟ اور کہا کہ میں تین لاکھ میں لیتا ہوں' کہا کہ درہموں کے بدلے درہم کا وزن دیدو۔انہوں نے کہا یونہی کرتا ہوں۔کہا کہ اسے تم مدینہ لے جاؤ گے۔اس نے کہا' یہ ہم کر دیں گے۔

عمرو آ گئے اور دیوان میں اسے بکھیر دیا۔اسی دوران ان کے پاس ایک قریش کا ایک جوان آ گیا۔اس کے پاس چمڑے کی تھیلی تھی جس میں بیس ہزار درہم تھے' سعید کے غلام کا خط تھا اور اور خود سعید کے اس پر دستخط تھے۔اس نے خط پہچان لیا اور اس بات سے انکار کر دیا کہ اس محتاج جوان کو دیدیں۔پوچھا: اس مال کا سبب کیا ہے؟ کہا: میں نے دیکھا کہ وہ معزول ہے اور اکیلا چل پھر رہا ہے چنانچہ میں اس کے گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ چلا' وہ جا کر رُک گیا اور پوچھنے لگا: کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ؟ میں نے کہا کہ میں نے تمہیں اکیلے چلتا دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ تمہارا ساتھ دوں۔اس نے کہا: تمہیں رحم کا لحاظ آ گیا تو اس چمڑے کا ٹکڑا مجھے فروخت کر دو' میں اس کے پاس یہ ٹکڑا لے آیا ہوں' چنانچہ اس کے غلام نے یہ خط لکھ دیا جس پر اس نے اپنی شہادت ڈال دی اور پھر کہا: اے بھتیجے! آج ہمارے پاس کوئی شے نہیں لہٰذا یہ خط لے لو۔

محمد زھری کہتے ہیں کہ عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز' عبد اللہ بن حسن بن محمد اور محمد بن جعفر بن محمد اپنے اپنے خچروں پر سوار ہوئے اور جب وادیٔ عقیق میں پہنچے تو بارش نے انہیں گھیر لیا۔وہاں کانٹوں کے بغیر ایک بڑا درخت تھا' یہ اس کے نیچے چلے گئے۔پھر آسمان صاف ہو گیا' وہ تھوڑی دور چلے اور پھر اس کے نیچے آ گئے۔

انصار کا ایک آدمی بتاتا ہے کہ وہ وادیٔ عقیق کے اندر ایک بے کانٹوں کے درخت کے نیچے تھا کہ اتنے میں حضرت ابن عمر آ ٹھہرے' سلام کہا اور پوچھا کہ تمہیں اس کا پتہ کس نے بتایا؟ اس نے کہا کہ جس نے آپ کو بتایا ہے۔ابن عمر نے کہا تو کیا تم جانتے ہو کہ سرح کا سایہ کیونکر اچھا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: اس لئے کہ اس کا سایہ گہرا ہوتا ہے اور پھر اس کے کانٹے بھی نہیں ہیں۔ابن عمر نے کہا: دیکھو جب تم منیٰ میں اخشبین میں ہو تو تمہارے اور سورج چڑھنے کے درمیانی مقام میں ایک وادی ہے جسے وادی سرر کہتے ہیں' اس میں ستر نبیوں کو خوشی ہوئی' ان میں سے ایک کو بے

کانٹے درخت کے نیچے رہ کر خوشی ہوئی تو اس نے اس درخت کو بلایا' وہ دوپہر کو ایسے نہیں سوتا تھا جیسے دوسرے درخت سوتے تھے۔

محمد بن معن غفاری کہتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان نے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو اس بات کا ذکر عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز سے کیا۔عبد العزیز نے کہا: کیا یہ کر سکتے ہو کہ تم اور تمہارے ساتھی دوپہر کو میرے پاس آرام کرو اور پھر یہاں سے چلے جانا؟ اس وقت وہ عمر بن عبد العزیز کے محل میں تھا۔اس پر محمد نے کہا' ٹھیک ہے' ہم ایسا کر لیں گے چنانچہ عبد العزیز نے ان کے ٹھہرنے کا انتظام کیا۔محمد نے کہا: آپ نے جو کچھ ممکن تھا' سارا انتظام کر دیا ہے' صرف جنگل کے کھانے کا انتظام نہیں کیا۔اس نے پوچھا' وہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ کھجور اور مکھن کا کھانا۔عبد العزیز نے کہا کہ بکریاں تو عاصم بنت سفیان بن عاصم بن عبد العزیز کی ہیں (ان کی بیوی کی) اور میں اس کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا البتہ میں کھانے کا انتظام کروں گا۔اس پر اس نے اپنی بیوی کو لکھا:

"میری جان تم پر فدا' میرے پاس مہمان آئے ہیں' ان میں بوڑھوں اور جوانوں کا ہم پر حق ہے' وہ یہاں آ ٹھہرے ہیں اور مہمان کی قدر ضروری ہوتی ہے' وہ کھجور اور مکھن مانگتے ہیں۔"

اس پر محمد نے کہا: تم یونہی راضی خوشی زندگی گزارتے رہو۔عبد العزیز نے کہا: ہاں بخدا میں نے اس کے علاوہ کسی کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی کسی اور کو جانتا ہوں اور نہ ہی اپنی خواہش کے مقابلہ میں اس کی مخالفت کی ہے' چنانچہ ان کی بیوی نے کھجور اور مکھن بھیج دیا۔

عبد العزیز بن ابو حازم کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر اپنے محل کے صحن میں دوپہر کے وقت کھڑے تھے کہ اہل مدینہ میں سے ایک شیخ آ گئے' ان کے پاس کبوتر تھا' وہ میل کے پاس کھڑے ہو گئے' اپنے کبوتر پر ہاتھ پھیرا' اس کے پیروں کو سیدھا کیا اور اسے چھوڑ دیا۔پھر عروہ کے کنوئیں پر آئے اور اس سے پانی پیا۔عروہ نے ان سے کہا: تم اس وقت یہاں آئے ہو اور بچے معلوم ہوتے ہو کیونکہ تم نے کبوتر کو چھوڑ دیا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ شیطان کی طرح ہوتا ہے جس کے پیچھے بھی شیطان لگا ہوتا ہے۔یہ سن کر وہ شیخ بولا:

"اے دوست! اس سے زیادہ کچھ نہ کہو کیونکہ اس کام میں کوئی برائی نہیں۔"

عبد العزیز بن عبد العزیز بتاتے ہیں کہ میں عقیق میں تھا کہ ایک شخص کبوتر لئے آیا' میں نے کہا: یہ کبوتر کیوں اُٹھا رکھا ہے؟ مجھے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ تم نے اسے قید کر رکھا ہے۔اس نے کہا: ہاں' تو اس میں برائی کونسی ہے؟ میں نے کہا کہ اسے یوں قید کر لینا حرام ہے۔اس نے کہا کہ یہ گھوڑا بھی قید کیا جاتا ہے۔میں نے کہا کہ یہ سنت ہے۔اس نے کہا' یہ بھی تو ایک جانور ہی ہے اور پھر چلا گیا۔انتہی۔

فصل نمبر ٤

مدینہ کی ندیاں' درختوں والی زمین اور شرید پہاڑی وغیرہ

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ مدینہ کی تین ندیاں مشہور ہیں:

جماءِ تضارع

ایک " جماءِ تضارع" ہے جو عاصم کے محل اور بئر عروہ کے قریب سے چلتی ہے۔ ھجری کہتے ہیں کہ ان ندیوں میں سے پہلی "جماع تضارع" ہے جو عاصم کے محل سے گزرتی ہے۔ یہاں ابو القاسم طاہر بن یحییٰ اور ان کی اولاد کے گھر ہیں اور اس کی نچلی طرف مکیمن الجماء تھی۔ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ جب تضارع بہتی تھی تو یہ سال ربیع ہوتا تھا۔

ابن شبہ حدیث بتاتے ہیں کہ تضارع صرف سال ربیع میں بہتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ تضارع وہ پہاڑی تھی کے ابوبکیر عثانی کے محل کے دامن میں تھی جبکہ عبد العزیز بن عبد اللہ عثانی مدینہ کے گھر مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھے اور مکہ جانے والے کی دا ہنی طرف تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ پہاڑی وہ ہے کہ جب تم مکہ کی طرف جاتے ہو تو تمہارے سامنے آتی ہے اور جب تم عقیق میں داخل ہوتے ہو تو تمہاری دا ہنی طرف ہو جاتی ہے اور مکیمن الجماء پہاڑی اس کے متصل ہی ہے' یہ بھی مکہ جانے والے کی دا ہنی طرف آتی ہے۔

جماءِ اُمِ خالد

دوسری ندی جماءِ ام خالد کہلاتی ہے جو محمد بن عیسیٰ جعفری کے محل اور اس کے قریب ہی بہتی ہے اور اس کی نچلی طرف اشعث کے گھر تھے نیز یزید بن عبد الملک بن مغیرہ نوفلی کا محل تھا۔

ابن شبہ نے عبد العزیز بن عمران سے یونہی نقل کی ہے البتہ انہوں نے کہا کہ اس کی نچلی طرف اشعث کے گھر اور فیفاء الخبار تھا' اس کے اور جماء العاقر کے درمیان راستہ تھا جو بئر رومہ اور فیفاء الخبار کی طرف سے گذرتا تھا اور جماء ام خالد سے ہوتا ہوا نچلی طرف وادی عقیق کے شمال میں گرتا تھا اور فیفاء الخبار ان دونوں میں سے تھا۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ جماءِ ام خالد کی نچلی طرف ایک پہاڑی تھی جسے "سفر" کہتے تھے۔

حضرت زبیر' محمد سے بیان کرتے ہیں کہ جماءِ ام خالد کے سرے پر ایک آدمی کی قبر دکھائی دی جس پر لکھا تھا کہ "میرا نام اسود بن سوادہ ہے اور میں اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ایلچی ہوں جو اس بستی کی ہدایت کی خاطر مقرر تھا۔"

ابن شہاب کہتے ہیں کہ جماءِ ام خالد پر ایک قبر دکھائی دی جو چالیس چالیس ہاتھ مربع شکل کی تھی' اس کے ایک

پتھر پر لکھا تھا کہ ''میں آلِ نینویٰ میں سے عبد اللہ ہوں اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ایلچی تھا جسے اس بستی کی ہدایت کے لئے مقرر کیا گیا تھا' مجھے موت آ گئی تو میں نے بوقت مرگ وصیت کی تھی کہ مجھے جماء اُمِ خالد میں دفن کرنا۔''

عبد العزیز بن عمران کہتے ہیں کہ نینویٰ نام کی دو جگہیں تھیں' ایک تو طف کے مقام پر ارض سواء کہلاتی تھی جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کئے گئے اور دوسری موصل میں ایک جگہ تھی' اسی میں حضرت یونس علیہ السلام تھے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ابن شہاب نے ان میں سے کس جگہ کا نام لیا ہے۔

تیسرے باب کی ابتداء میں اس بارے میں دو روایتیں گذر چکی ہیں جن میں سے ایک میں انہوں نے کہا: ''اچانک دیکھا تو وہاں یہ لکھا ملا کہ میں عبد اللہ اسود ہوں' حضرت عیسیٰ بن مریم رسول علیہ السلام کی طرف سے عرینہ بستی والوں کی ہدایت کے لئے مقرر تھا۔'' دوسری روایت میں ہے: اچانک دیکھا تو وہاں سے لکھا ملا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اللہ کے نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف سے مجھے اہلِ یثرب کے لئے مقرر کیا گیا تھا' اس وقت میں شمال میں تھا۔

جماءِ العاقر (العاقل)

تیسری ندی جماء عاقر نامی تھا۔ ابن شبہ اپنے گذشتہ بیان کے بعد کہتے ہیں کہ جماءِ عاقر وہ پہاڑی تھی جس کی پچھلی طرف ''مشاش'' تھی' وہ کھلے مقام پر جعفر بن سلیمان بن علی کے محل تھے۔ ہجری کہتے ہیں کہ تیسری جماء العاقل تھی جس میں سے جماءِ ام خالد کی طرف راستہ جاتا تھا اور یہ جعفر بن سلیمان کے گھر سے بہتی تھی جس کے پیچھے مشاش تھی' یہ وہ وادی تھی جو عرصہ میں داخل ہوتی تھی۔ زبیر کہتے ہیں کہ جماء العاقل ایک راستہ تھا جو اس کے اور جماءِ ام خالد کے درمیان تھا' اس کے پیچھے مشاش تھی۔

ابن زبالہ نے یہاں یہ حدیث بتائی ہے کہ: اس وقت تک قیامت نہ آ سکے گی جب تک جماء کے پہلو میں جھونپڑی کے قریب دو آدمی ایک دوسرے کو قتل نہ کریں گے' ایک اور حدیث بتائی کہ اگر سرداروں کی کثرت نہ ہوتی تو جماء رہنے کی بہترین جگہ ہوتی۔

حضرت بیہقی ''المعرفۃ'' میں حضرت شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: سعید بن زید اور حضرت ابوہریرہ کم از کم چھ میل کے فاصلے پر ہوتے تو جمعہ کے لئے آتے اور اس جگہ کو چھوڑ دیتے۔

حضرت زبیر' حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب سعید بن زید بن عمرو بن نفیل پر جمعہ کے دن' سورج سر پر آنے کے وقت چیخ مازی گئی تو ابن عمران کے پاس عقیق میں آئے اور جمعہ چھوڑ دیا۔

علاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: اروی بنت اویس نے سعید بن زید کے خلاف ان کی درختوں والی زمین میں مروان بن حکم کی مدد کی اور کہا کہ اس نے اپنی زمین میں میری چوٹی ڈال دی ہے' اس نے کہا کہ

میں کیسے ظلم کروں، میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے کہ جو کسی کی انگشت بھر زمین پر قبضہ کرے گا تو قیامت کے دن ساتوں زمینیں اس کے گلے کا ہار بن جائیں گی چنانچہ سعید نے اسے وہ جگہ دیدی جس کا وہ دعویٰ کرتی تھی اور کہا: الٰہی! اگر اروی نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اس کی قبر اس کے کنوئیں میں بنا دے چنانچہ اروی اندھی ہوگئی۔ادھر سیلاب آیا اور سعید کے حق سے باہر اس کی چوٹی ظاہر کر دی چنانچہ سعید نے مروان پر قسم کھائی کہ ضرور اس کے ہمراہ سوار ہوگا اور اس کی چوٹی کے بال دیکھے گا چنانچہ سوار ہوا' لوگ دیکھ رہے تھے۔اتنے میں اروی کسی ضرورت سے باہر نکلی' کنوئیں میں گری اور مرگئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے سعید سے کہا تھا کہ اس کے لئے دعا کریں کیونکہ اس نے ان پر ظلم کیا ہے۔سعید نے کہا کہ میں وہ حق اللہ پر نہیں لوٹا سکتا جو اس نے مجھے دیا ہے۔

ابراہیم بن حمزہ کہتے ہیں: اہلِ مدینہ ایک دوسرے کے خلاف دُعا کرتے رہتے اور کہتے کہ اللہ تمہیں ویسے ہی اندھا کر دے جیسے اس نے اروی کو اندھا کر دیا تھا' وہ لوگ اروی کے ارادے سے کہتے' پھر جاہلوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ تجھے اللہ یونہی اندھا کر دے جیسے اروی کو کیا تھا یعنی پہاڑ کی طرح اندھا کر دے' ان کا خیال تھا کہ پہاڑ بہت اندھا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ سعید نے کہا تھا: اے اللہ! اگر اروی جھوٹی ہے تو تو اسے دنیا سے جانے سے پہلے اندھا کر دے اور اسے کنوئیں میں موت آئے چنانچہ وہ اندھی ہوگئی' اس کی ایک لونڈی تھی جو اسے لئے پھرتی تھی۔وہ اس لونڈی سے کہتی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو وہ اسے بتاتی' وہ انہیں کہتی کہ تم ایسے ایسے کر رہے ہو اور پھر چلانے لگتی۔ایک دن لونڈی غافل ہوگئی تو وہ لوگوں کی طرف چلی اور اپنے کنوئیں میں گر گئی اور مرگئی' اسی وجہ سے اسے کہتے کہ اروی اندھی ہوگئی۔

یحییٰ بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ زراعت سے پہلے درختوں کے پاس گئے' مروان وہاں سے گذرا' وہ حضرت معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا' کہا کیا بات ہے' میں آپ کو یہاں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ذوالحلیفہ کی جانب نکلا کہ مسجد رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھوں' مروان نے انہیں زمین کا ایک ٹکڑا دیدیا اور یوں ان کی مدد کی' حضرت ابوہریرہ نے وہ قطعہ اپنے بیٹے کو دیدیا۔عقیق میں کھجور کے بہت سے درخت ہو گئے تو انہوں نے وہاں کنوئیں بنا دئے۔

ثنیۃ الشرید

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ ثنیۃ الشرید بنو سلیم کے ایک شخص کی تھی جو اپنے گھر والوں میں سے اکیلا رہ گیا تھا' اسے شرید کہا گیا' اس میں انگور اور کھجوریں ایسی تھیں جو اور کہیں دکھائی نہ دیتی تھیں۔حضرت معاویہ مدینہ آئے تو ان سے مانگیں

لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا پھر ایک دن سوار ہوئے اور اپنے کارندوں کو دھوپ میں دیکھا' پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہم کنوؤں پر آنسو بہا رہے ہیں۔ وہ سوار ہو کر حضرت معاویہ کی طرف گئے اور کہا اے امیر المؤمنین! میرے دل میں ہمیشہ یہ بات رہی کہ جو کچھ آپ مجھ سے مانگتے ہیں' نہ دوں' اب میں آپ کو پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے ابن ابی احمد کو لکھا کہ انہیں قیمت ادا کر دیں چنانچہ انہوں نے قیمت ادا کر دی۔

ثنیۃ الشرید کی زرعی زمین' محرمین کی زمین سے منصور بن ابراہیم کی زمین تک تھی۔ ھجری کہتے ہیں کہ عقیق کا سیلاب ثنیۃ الشرید تک آ جاتا' وہ بہت سے گھر اور کنوئیں تھے' وہاں کانٹوں والے درخت اور بہت سے ٹیلے تھے' یہ وادی کئی قسم کی گھاس اُگاتی تھی جو مویشیوں کے کام آتی' اس ثنیہ کو مشرقی جانب سے عیر الوادی گھیرے ہوئے تھی اور مغرب میں پہاڑ تھا جسے فراء کہتے تھے' پھر درختوں کی طرف جاتی جہاں محرم اور معرس نامی بوٹیاں تھیں۔

کتب سیرت میں سے ابن نجار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عقیق پر ہیصم مزنی نامی شخص کو مقرر کر رکھا تھا' مدینہ کے حکمران ہمیشہ اس وادی پر قابض رہے اور جب داؤد بن عیسیٰ کا دورِ حکومت آیا تو اس نے ۱۹۸ھ میں اسے چھوڑ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن زبالہ اور زبیر نے اسے نقیع کی چراگاہ میں ذکر کیا ہے اور ابن زبالہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس وقت منع کیا جب وہ عقیق میں تھا' اس کے باپ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ انہیں شجرہ میں جمعہ پڑھاتا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے جمعہ پڑھانے سے اس لئے منع کر دیا کہ اس کے والد کا نام معلوم نہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وادیٔ عقیق میں جمعہ پڑھایا جاتا تھا چنانچہ وادیٔ عقیق میں اب تک مکانوں کے آثار موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں اونچے محل' دلکش مناظر' پانی کے میٹھے کنوئیں اور ایسے باغ تھے جو ٹہنیوں سے لدے ہوئے تھے' وقت گذرنے پر سب برباد ہو گئے' کچھ کنوئیں باقی رہ گئے اور کچھ نشانات محفوظ تھے جنہیں دیکھ کر دلوں کو اطمینان ملتا تھا اور طبیعتیں خوش ہو جاتی تھیں۔ ایک بدو نے کہا تھا:

> ''اے سوار ہو کر جانے والے غمزدو! کیا تمہیں عقیق اور گھروں والوں کے بارے میں بھی کچھ علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں' یہاں اپنے زمانے میں ٹیلے ہوا کرتے تھے جو چمکتے دمکتے تھے' ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔''

خاتمہ

عقیق میں وادیاں اور کنوئیں

ابوعبیدہ کی "جزیرۃ العرب" میں ابوعبداللہ کی ایک روایت ہے کہ: وادیٔ عقیق طائف کی طرف سے آتی تھی اور مدینہ کی طرف بہتی تھی اور پھر اضم البحر میں جا گرتی تھی۔ انتہی۔

عنقریب وادیٔ قناۃ کے بارے میں آ رہا ہے کہ یہ بھی وج طائف سے آتی تھی لیکن زبیر وغیرہ نے کہا ہے کہ عقیق کی وادیوں میں سے اعلیٰ وادی نقیع تھی' پھر ذوالعش' پھر ذوالضرورۃ' پھر ذوالقریٰ' پھر ذوالمیت' پھر ذوالمکمر' پھر ذات القطب' پھر حد المولیٰ' پھر خد الابانی' پھر ذوعمقیہ' پھر قوبع' پھر ذوالصوائر' پھر فلجہ' پھر وشیجہ' پھر مخائل الوغائر' پھر مخائل الرمضہ اور یہ دونوں حصین میں گرتی تھیں' پھر ذوالعشیرہ' پھر رتاحہ' پھر ذوسمر' پھر یمنی اور شامی مرخی الحرہ جو برابر چلتی تھیں' پھر ذوسمر اور مرخان جمع ہو جاتیں تو سب کو مجتمعہ کہا جاتا' پھر ذات السلیم' پھر ذوالغصین' پھر شوظی' پھر خاخ' پھر مناصفہ تھیں اور پھر حمری' فراء اور عیرین کی گھاٹیاں تھیں۔

زبیر کہتے ہیں کہ مغرب میں قبلہ کی طرف اس کی وادیوں میں ذات الرابوقہ اور پھر نقع تھیں پھر عقیق کے ابتدائی حصے میں وہ وادیاں تھیں جو قدس سے نقیع میں پہنچتی تھیں اور جوحرہ سے پہلے نقیع اور ثنیۂ عمق کے پیچھے تھیں وہ فرع میں گرتی تھیں اور جوحرہ سے پہلے عقیق میں گرتی تھیں' انہیں بطاویح کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ فرش موزؔ' پھر رلیۃ الاعمیٰ' پھر رلیۃ الغراب' پھر خائع' پھر ذوعاصم' پھر بلغۃ السرح' پھر بلغۃ برام' پھر بلغۃ رماذ' پھر بلغۃ المعیراء' پھر بلغۃ الرس' پھر بحۃ العشرہ' پھر بحۃ الطوی' پھر حینہ' پھر بحۃ' پھر ضاف' پھر بلغۃ التمر' پھر عمیع الاضاۃ' پھر اتمہ یعنی اتمۂ عبداللہ بن زبیر' پھر ذات الحماط تھیں اور پھر ایک حدیث میں گذرا کہ نبی کریم ﷺ نے ضیقہ میں موجود مسجد میں نماز پڑھی تھی جو ذات الحماط سے نکلتی تھی' پھر وادیٔ عاوان' پھر فریقان' پھر سامیہ' پھر اعشار تھیں اور حضور ﷺ کے غارِ اعشار میں اترنے اور وہاں نماز پڑھنے کی حدیث گذر چکی' پھر وادیٔ ریم' پھر لائ' پھر ذوسلم العظیم' پھر ذوبدوم' پھر حشیہ' پھر قسبان' پھر صہوۃ' پھر بقرہ' پھر ذوسنیہ' یہ سنیہ مزینہ کی ایک قوم کا نام تھا' پھر رمامیہ' پھر موقیہ' پھر ضبع' پھر مہر' پھر ملحہ' پھر ملیحہ' پھر نخیل' پھر ردیہہ' پھر انفہ' پھر منتقبہ' پھر مراح الصحرہ' پھر ابویسار کی بہنے والی وادی تھی جو مخرمی کے محل کے پاس بہتی تھی' پھر شعاب الفراء' پھر ذات الجیش اور وہ حدیث گذر چکی جس میں حرمِ مدینہ کے اعلام کا ذکر تھا جو ذات الجیش کی بالائی جانب تھے' پھر وادیٔ ابوکبیر بن سعید بن وھب بن عبد بن قصی تھی اور ذات الجیش اسی میں گرتی تھی' یہیں آلِ ابوکبیر کا محل تھا جو رماد نامی تھا' فراء کی طرف ان کا کنواں تھا جہاں وہ اپنے ستر یا اسی اونٹ لایا کرتے چنانچہ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے فراء کی طرف ایک کنواں دیکھا جس میں مٹی بھر چکی تھی اور صلصلین سے پہلے کی وادی ابوعاصیہ کے کنوئیں میں گرتی تھی اور پھر ذات الجیش میں جا گرتی اور پھر وادیٔ ابوکبیر میں جا گرتی اور جو ان دونوں کے پیچھے تھی' وہ بلطحاء میں گرتی تھی چنانچہ غربی عظیم

جانب ذات الجیش میں گرتی اور شامی بطحاء میں گرتی جو وادیٔ عقیق میں دو پہاڑوں کے درمیان تھی اور پھر تین وادیاں تھیں جن کے مسائل ان میں موجود تھے جیسے ہم بیان کر چکے۔

پھر زبیر نے زغابہ کے مقام پر مدینہ کے سیلابوں کے جمع ہونے کا ذکر کیا' یہ وادیٔ اضم کا بالائی مقام تھا۔ کہتے ہیں کہ عقیق کے سیلابی پانی کے نالے جو وادی کے اندر تھے اور حرہ سے ملتے تھے وہ ذوالعش کی بالائی جانب تھے' پھر غدیر سلیم تھا' پھر ذوالتحامیم' پھر الاعوج' پھر غدیر الجبال' پھر یماحم' پھر غدیر الذباب' پھر غدیر الحمیر' پھر غدیر فلیج الاعلیٰ' پھر غدیر فلیج الاسفل اور یہ تینوں مخسیا تفلیج الزبیری کے نام سے جانے جاتے تھے' پھر غدیر السیالہ' پھر الطویل اور یہ بھی مخسیات فلیج سے شمار ہوتا تھا' پھر عبد اللہ عمری کے گھروں کا غدیر البیوت' پھر غدیر رتیجہ' پھر بکین' پھر غدیر سلافہ' پھر غدیر رعاء' پھر غدیر الاحمی' پھر غدیر حصیر' پھر حصیر کی نچلی جانب ندبہ' پھر مرج کی بالائی جانب العرابہ' پھر مرج' پھر غدیر السدر' پھر غدیر النجم' پھر مستوجبہ' پھر حلیف' پھر حقن' پھر ذوالطفیتین' پھر ذوالحبین' پھر ذوالابنہ' پھر غدیر مریم' پھر غدیر المجاز' پھر غدیر المرس اور رابوع نامی کنوئیں تھے' ان میں کبھی کبھار پانی کی کمی آتی تھی اور جب کمی آ جاتی تو تہ میں پانی ہوتا۔ عقیق میں پائے جانے والے کنوؤں میں سے یہ سب سے نچلی جانب تھا البتہ ایک کنواں اس سے بھی نچلی جانب تھا جسے غدیر السیالہ کہتے تھے۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ عقیق کا سیلابی پانی اس جگہ سے آتا تھا جسے بطاویح کہتے تھے' یہ حرہ میں سے محفوظ مقام پر تھا اور شطای کی غربی جانب تھا اور یہ نقیع میں جا گرتے تھے' یہ کھلی ہموار زمین میں مدینہ سے یمن کی طرف اڑتالیس میل کے فاصلے پر تھا' پھر یہ غدیر یلیلن اور برام میں گرتا تھا اور اسی میں وادیٔ بقاع گرتی تھی اور اسی میں لقع گرتی تھی اور پھر یہ ایک نشیبی مقام میں جمع ہو جاتے جسے نقع کہتے تھے پھر یہ سیلاب مشرق کی طرف جاتا اور بائیں طرف رواوتین میں جا گرتا اور اسی میں ایک وادی گرتی جسے حلوان کہتے تھے پھر یہ سب جمع ہوتیں تو نچلی طرف سے الحلیفہ العلیا مل جاتی اور پھر یہ اتمہ اور الجام میں گر جاتیں' پھر وادیٔ الحمیراء کی طرف جاتیں اور اس وادی میں چلی جاتیں پھر اس میں مشرقی اور غربی حرہ گرتا اور ثنیۃ الشرید تک پہنچ جاتیں اور وادی تک پہنچ جاتیں پھر ذوالحلیفہ سے شروع ہو کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین میں جا پہنچتی اور یونہی عاصم بن عدی بن عجلان کی زمین میں پہنچ جاتی پھر وادی کے بیچ گر جاتی تو وہاں اس میں جماء اور نمیر کی شاخیں گر جاتیں اور یوں مل کر حضرت عروہ بن زبیر اور ان کے کنوئیں تک پہنچ جاتی' پھر وادی کے اندر چلی جاتی تو وہاں سے فطیب شروع ہوتی اور خلیج حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ جاتی جو میدانی علاقے کی نچلی طرف کھودی گئی تھی اور جسے خلیج بنات نائلہ کہتے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بیٹیاں انہی نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھیں۔

پھر یہ سیلاب عقیق حضرت عبد اللہ بن عنبسہ بن سعید کے گڑھوں سے نکل کر دائیں بائیں میدان میں پھیل جاتا جسے وادی کی ایک نہر قطع کرتی تھی اور پھر یہ سب پانی جمع ہو کر زغابہ میں گر جاتا۔ انتہٰی۔

علامہ مجری نقل کرتے ہیں کہ عقیق کا یہ سیلاب جب نقیع سے چلتا تو نچلی طرف اس مقام پر آ جاتا جہاں کوئی

درخت نہ تھا اور اس کی نچلی طرف حسیر تھا' پھر یہ مرج کی طرف چلا جاتا اور وہاں سے مستوجبہ میں آ جاتا پھر اس کنوئیں کی طرف جاتا جیسے دیوا الفرس کہتے تھے' پھر غدیر مجاز کو جاتا اور پھر اس کنوئیں کی طرف جاتا جسے روا وہ کہتے تھے پھر غدیر الطفیحین میں آتا' پھر لبنہ میں آتا' پھر اس کی نچلی جانب رابوع میں آتا' پھر اسے وادیٔ بریم مل جاتی۔ اور جب یہ جمع ہو جاتے تو حلیفہٗ عبد اللہ بن ابو احمد بن جحش میں گر جاتے اور پھر نقیع' صخرہ' مراج اور ائمہ کے سیلابی پانی ایک پہاڑ کے قریب اوپر اُٹھتے جسے واسطۃ المسطح کہتے تھے اور پھر جبتانہ میں جمع ہوتے جو زبیری کے غلاموں کی اراضی تھی پھر حمراء الاسد جاتے' پھر ثنیۃ الشرید اور پھر اس شجرہ کو جاتے جہاں محرم تھا۔

فصل نمبر ۵

مدینہ منورہ کی باقی وادیاں' وہ مقام جہاں سے شروع ہوتی تھیں اور جہاں آ کر جمع ہو جاتیں

وادیٔ بطحاء

ان وادیوں میں سے ایک وادیٔ بطحان تھی۔ ابن شبہ اور بزار کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے کہ ''وادیٔ بطحان جنت کے دروازے پر ہے۔'' ابن شبہ کہتے ہیں' رہی سیلِ بطحان جو مدینہ کے گھروں میں چلتی تھی (یعنی ابن شبہ کے دور میں) اور ذوالحدر سے شروع سے ہوتا تھی۔ یہ وہ سیلاب تھا جو حرہ کے میدانی علاقے میں چلتا تھا ابن زبیر کی مشرقی زمین میں گرتا پھر جفاف' مرفیہ اور حساۃ کی طرف جاتا اور پھر بنوخطمہ و اعراس کی کھلی جگہ پر پہنچتا اور پھر سیدھا جسر میں چلا جاتا اور وادیٔ بطحان کے بیچوں بیچ زغابہ میں جا گرتا۔

آگے مذینیب میں آ رہا ہے کہ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ وادیٔ بطحان حضرت مصعب کے دو حلابوں سے آتی تھی جو مدینہ سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر تھا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ بطحان جفاف کی ابتداء سے شروع ہوتی تھی تو واضح ہو گیا کہ یہ وادیٔ حلابین سے آتی تھی چنانچہ پہلے تو وادیٔ جفاف تک پہنچتی اور پھر وادیٔ بطحان تک چنانچہ اسی وجہ سے ابن زبالہ وغیرہ نے صرف جفاف کا ذکر کیا پھر مطری اور ان کے بعد والوں سے جفاف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ جفاف بالائی حصے میں ایک جگہ پر تھی جو مسجد قباء کی مشرقی جانب تھی۔

ابن شبہ کی کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وادیٔ بطحان کی ابتداء جسر بطحان سے ہوتی تھی اور یہ ماجشونیہ کے قریب تھی اور اس کا آخری حصہ مساجد فتح کی غربی جانب تھا اور اس کی روانگی میں رانوناء اس کے ساتھ شریک تھی جو اس جگہ سے شروع ہوتی تھی جو مصلّے کی غربی جانب تھی کیونکہ یہ اس میں گرتی تھی اور ابن شبہ کے علاوہ کے کلام سے پتہ چلتا

ہے کہ ماجشونیہ اور تربت صعیب بطحان وادی میں سے تھے۔

وادیٔ رانونا

انہی وادیوں میں سے ایک وادیٔ رانونا تھی' اسے رانون بھی کہتے تھے۔ابن شبہ کہتے ہیں' رہا رانون کا سیلاب تو یہ مقمہ سے آتا تھا جو جبلِ عیر کی دائیں طرف اور حرہ کی مشرقی جانب پہاڑ میں تھی پھر یہ قرین صریح میں گرتی تھی اور پھر عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند میں جاتی تھی پھر مفاصف میں بکھر جاتی اور اسماعیل ومحمد کی سرزمین میں گرتی جو قصبہ میں ولید کے بیٹے تھے' پھر یہ قصبہ میں داخل ہوتی اور قباء میں جا کر دائیں بائیں پھیل جاتی تھی پھر غوس میں داخل ہوتی پھر ذی خصب میں اور پھر حرہ اور ذی خصب سے آنے والا سیلاب جمع ہو جاتا اور ذی صلب میں مل جاتا' پھر سرارہ میں جا کر برکتہ کی نشیبی جگہ سے گذر کر دوحصوں میں بٹ جاتا جن میں سے ایک حصہ تو بئر جشم سے گذر کر خلیج میں چلا جاتا اور وادیٔ بطحان میں جا گرتا اور دوسرا بھی اسی وادی میں چلا جاتا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبداللہ بن سائب نے کہا کہ رانونا عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند اور حرہ کے درمیان سے آتی پھر یہ اور دوسری وادی اس پہاڑ کے نزدیک مل جاتیں جسے مقمن یا مکمن کہتے تھے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں' رہی ذوصلب تو یہ بند سے آتی اور ذوریش حرہ کے درمیان سے آتی تھی۔

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ ذی صلب کے سیلاب کی ابتداء رانونا سے ہوتی اور رانونا کی ابتداء تحجیب سے ہوتی' پھر ذوصلب اور رانونا عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند میں جا گرتیں پھر ساخطہ میں اور عصبہ کی سرزمین میں گرتیں' پھر غوسا اور پھر بطحان میں چلی جاتیں' پھر یہ اور بطحان' دار الشواترہ میں جا کر مل جاتی تھیں۔

اس طرف بند موجود ہے لیکن آج کل یہ عبداللہ کی طرف منسوب نہیں۔علامہ مراغی کہتے ہیں کہ آج کل یہ بند اس نام سے یاد نہیں کیا جاتا' شاید یہ زرعی زمین ہے اور غوس بھی نامعلوم ہے' شائد انہوں نے حوسا سے مراد لیا ہے جو قباء میں مشہور ہے اور رانونا سے پانی حاصل کرتا ہے' ممکن ہے کہ نام میں تبدیلی ہو چکی ہو' جبکہ نصر کہتے ہیں کہ عوس' قباء کے قریب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ''قرین صریحہ'' کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ آج کل قرین صرطہ پر سچا آتا ہے۔علامہ مطری کہتے ہیں کہ وادیٔ زانونا' بنو سالم کی مسجد جمعہ تک چلی جاتی ہے اور پھر بطحان میں جا گرتی ہے۔ علامہ مراغی کہتے ہیں: جو کچھ ابن زبالہ نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ذی صلب کے مقام پر بنو سالم میں نماز پڑھی تھی' رانونا میں نہیں اور ابن زبالہ کا پہلا کلام ان دونوں میں علیحدگی بتاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں اگرچہ کچھ مقامات پر الگ الگ ناموں والی ہیں تاہم ایک مقام پر دونوں کا اکٹھ ہو جاتا ہے' اسی لئے ابن شبہ نے کہا ہے: یہ دونوں ذی صلب میں مل جاتی ہیں' اسے رانونا کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ وہاں سے

گذرتی ہے' اسی لئے ابنِ اسحاق نے جمعہ کے بارے میں کہا ہے: میں نے آپ کو بنو سالم بن عوف میں دیکھا تو آپ نے اس وادی میں نماز پڑھی جسے وادیٔ رانونا کہتے تھے چنانچہ انہوں نے ذی صلب کی جگہ رانونا کا نام لیا بلکہ اس سے قبل ابن زبالہ سے بتایا گیا کہ وہ حرہ کے اندر سے آئے تھے تو شاید ابن شبہ کے اس کلام سے یہی مراد ہے: ''جو حرہ سے آتا ہے' وہ جمع ہو جاتا ہے۔'' اس حرہ سے مراد وہ حرۂ بنو بیاضہ لیتے ہیں کیونکہ ان کے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن عضب بن جشم نے وہ قلعہ بنایا جو بنو بیاضہ کے گھروں کے قریب تھا' جس کے پاس جسر تھا اور جو ذی ریش کے قریب تھا۔

رہا وہ ''سرارہ'' جو ابن شبہ کے کلام میں مذکور ہے تو اس کا ذکر بھی پہلے بنو بیاضہ کے گھروں کے بیان میں آ چکا کہ یہ وہ باغ تھا جو آج کل ''سرارہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

رہا بئر جشم تو اس کے بارے میں آج کل کچھ معلوم نہیں' شاید یہ جشم بن خزرج اکبر کی طرف منسوب تھا جیسے مجھے مالک بن عضب نے بتایا: یہ بنو بیاضہ میں موجود تھے' آئندہ اس کی ترجیح ثابت کی جا رہی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جشم بن حارث کی طرف منسوب ہو' ان کے گھر ''سخ'' میں تھے لیکن یہ مفہوم لے لینا بعید ہے۔

وادیٔ قناۃ

انہی وادیوں میں سے ایک وادیٔ قناۃ ہے' یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب تُبّع مدینہ پر حملہ آور ہونے کو تھا تو یہاں ٹھہرا تھا' جب اس نے اپنی اس مقام پر نظر ڈالی تو کہا تھا: یہ زمین کی نالی (نشیبی جگہ) ہے لہٰذا اسے وادیٔ قناۃ کہنے لگے پھر اسے وادیٔ شظاۃ بھی کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ یہ وادی مدینہ کے قریب ہے یعنی جو اس کے سامنے ہے' وہ قناۃ کہلاتی ہے اور اس سے بالائی مقام پر' بند کے قریب یعنی وہ بند جسے حرہ کی آگ نے بنا دیا تھا' اسے شظاۃ کہتے ہیں۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ وادیٔ قناۃ' وج طائف کی طرف لے آتی تھی۔

شریح بن ھانی شیبانی سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا' اس کے ہمراہ اس کی بیوی اُم الغمر بھی تھیں جو ایمان لے آئیں جس کی وجہ سے حضرت عمر نے ان دونوں میں علیحدگی کر دی' اس پر اس نے کہا کہ مجھے میری بیوی واپس کر دیجئے' آپ نے فرمایا: اب وہ تمہارے لئے تب حلال ہو سکتی ہے جب تم اسلام لاؤ چنانچہ شریح وادیٔ قناۃ میں اُترا اور کہا:

''سن لو! بطن وج میں میرے دونوں ساتھیو' میرے پیچھے بیٹھنے والے ہیں' میں تمہارے لئے کوئی مقام نہیں پاتا' تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ اُم الغمر قریب ہی ہے لیکن میں اس سے کلام نہیں کر سکتا۔''

چنانچہ اس نے بطن قناۃ کو بطن وج قرار دیا کیونکہ سیلاب اسی سے آتا تھا۔

علامہ مدائنی کہتے ہیں: قناۃ ایک وادی ہے جو طائف سے آتی تھی جو ارخصیہ اور قرقرۃ الکدر میں گرتی تھی' پھر بئر

مغویہ کی طرف آتی اور پھر اُحد میں شہداء کی قبروں کی نچلی طرف راستے میں تھی۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ قناۃ کے سیلاب جمع ہوتے تو طائف سے آتے۔ کہتے ہیں کہ سب وادیاں پھر پھرا کر وادیٔ قناۃ اور اضم میں آ جاتیں جہاں سیلاب اکٹھے ہوتے اور جہاں وادیٔ نخلہ تھی۔ اسے مُحول اس لئے کہا گیا کیونکہ اس کے آنے کی جگہ دور تھی اور رکاوٹیں کافی تھیں۔

وادیٔ قناۃ مشرق سے آتی تھی' پھر اس بند تک پہنچتی تھی جسے حجاز کی مشہور آگ نے بنا دیا تھا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ وادی اسی وجہ سے کٹ گئی تھی اور سیلاب یہاں آ کر رُک گیا تھا جو دائیں بائیں حد نگاہ تک دریا دکھائی دیتا تھا اور پانی کی کثرت کی وجہ سے دریائے نیل معلوم ہوتا تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ میں نے اسے ۷۲۷ھ میں یونہی دیکھا تھا اور یہ بھی گذر چکا کہ یہ نچلی طرف سے پھٹ گیا تھا' یہ ۶۹۰ھ کی بات ہے تو پھر وادی سال بھر بہتی رہی' اس نے دونوں جانبوں کو بھر دیا اور دوسرے سال اس سے گھٹ گئی' پھر ۷۰۰ھ کے بعد پھٹ گیا تو ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی' پھر یہ ۷۳۴ھ میں پھٹ گیا کیونکہ بہت سی بارشیں ہوئی تھیں' پانی ہی پانی ہو گیا اور بے پناہ سیلاب آ گیا تھا۔ یہ سیلاب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے پاس چلا تھا اور اس نے پہلی وادی اور مزار حمزہ کے پاس ایک اور وادی بنا دی' یہ وادی جبل عینین سے پہلے سیلاب کے درمیان تھی' یہ دونوں وادیاں چار ماہ تک یونہی رہیں' بغیر مشقت کے ان تک کوئی بھی پہنچ نہیں سکتا تھا' اگر یہ سیلاب ایک ہاتھ اور بلند ہو جاتا تو مدینہ میں داخل ہو جاتا اور پھر یہ سال بھر قبلہ اور شمال کی وادیوں میں یونہی ٹھہرا رہا جس سے قدیم چشمہ پھر کھل گیا جسے امیر مدینہ نے بنا دیا اور حدیث استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے والی) میں یہی وادی مراد ہے' حدیث یہ ہے: ''وادیٔ قناۃ سال بھر جاری رہی'' قناۃ کا یہ سیلاب وہاں پہنچ جاتا تھا جہاں سارے سیلاب اکٹھے ہوتے تھے۔

وادیٔ مذینب

انہی میں سے ایک وادیٔ مذینب تھی' اسے مذیبب بھی کہتے تھے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ مذینب بطحان کے سیلاب ہی کا ایک حصہ تھا' یہ وادیٔ مذینب بنو امیہ کے باغ تک جاتی تھی پھر یہ پندرہ حصوں میں بٹ جاتی اور بنو امیہ کی اراضی میں چلی جاتی اور پھر وہاں سے نکل کر بطحان اور صدیر میں جاتی' مذینب و بطحان' حلابین سے آتیں یعنی صعب کے حلابین سے جو مدینہ سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر تھیں اور یہ دونوں زغابہ میں اس جگہ گر جاتیں جہاں سیلاب جمع ہوتے۔

ان کا قول: ''بطحان کے سیلاب سے'' یہ بتاتا ہے کہ اس سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ یہ حلابین سے شروع ہوتا تھا جیسے آخر میں انہوں نے بیان کیا اور بنو امیہ کے گھروں کا بیان ہو چکا' انہی کی ملکیت میں بڑا تھن بھی تھا۔

عنقریب ابن شبہ سے اس کی مخالفت کا بیان آ رہا ہے' انہوں نے مھزور کے بارے میں کہا کہ: یہ بنو قریظہ کے

حلاۃ تک جاتی تھی پھر وہاں سے شعیب چلتی اور وادی میں گھروں کے درمیان بنو امیہ بن زید کے پاس پہنچتی' اس وادی کو مذینب کہتے تھے پھر یہ اور بنو قریظہ کا سیلاب بنو خطمہ کے کھلے میدان میں جا پہنچتا اور وہاں مہزور و مذینب کی وادیاں جمع ہو جاتیں جس کا حاصل یہ ہے مذینب' مہزور سے نکلتی تھی' اسی لئے مجد نے کہا: احمد بن جابر کہتے ہیں کہ مہزور سے مذینب تک ایک حصہ ہے جس میں یہ وادی گر جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بطحان' مذینب اور مہزور کا ابتدائی بالائی حصہ ایک حرہ تھا لہٰذا ان دونوں میں سے مذینب کا بکھر جانا صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے' علامہ مجد نے ابوعبیدہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی جب مدینہ میں داخل ہوئے تو انہوں مدینہ میں وباء کا اثر دیکھا چنانچہ اس کے بالائی حصے کی طرف جاسوس بھیجا جس نے بطحان اور مہزور کو دیکھا جو حرہ سے گرتی تھیں جس میں میٹھا پانی تھا۔ وہ واپس آیا اور بتایا کہ میں نے ایک ستھرا شہر دیکھا ہے اور کچھ وادیاں بھی دیکھی ہیں جو میٹھے پانی والے حرہ میں گرتی ہیں چنانچہ یہودی وہاں سے ہٹ گئے' بنو نضیر تو بطحان میں ٹھہرے جبکہ قریظہ' مہزور میں جا ٹھہرے حالانکہ پہلے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ بنو نضیر مذینیب میں ٹھہرے تھے اور ان کے گھر نواعم میں تھے چنانچہ جس نے ان کا ٹھکانہ بطحان لکھا ہے تو اس نے ان کے اصل کے اتحاد کی وجہ سے لکھا ہے کیونکہ مذینیب بھی بطحان میں گرتی تھی۔ ہمارے اس دور میں بنو قریظہ سے پہلے یہ حرہ شرقیہ میں بٹ جاتی تھی' اور قدیم بستی میں چلتی تھی جو عہن اور نواعم کے مشرق میں تھی اور ان زمینوں میں بکھر جاتی تھی اور جو زائد پانی تھا وہ نقیع ردیدی اور ناصر یہ سے نکلتا تھا اور اس وادی میں جا گرتا تھا جو ضفاف سے آتی تھی جو مسجد فضیخ کی مشرقی جانب تھی اور پھر نورہ کے کنوؤں کی کھلی جگہ میں آ جاتی تھی جو ماجشونیہ کے پیچھے تھے' یہاں اس کے ساتھ مہزور کا کچھ حصہ مل جاتا تھا اور پھر یہ سب وادیاں بطحان میں گر جاتی تھیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مذینیب' جفاف کے مشرق میں تھی' یہ اور جفاف' مسجد شمس کی بالائی جانب مل جاتی تھیں اور پھر بطحان میں گر جاتی تھیں اور بطحان ہی میں وادئ رانونا سے مل جاتی تھیں اور مدینہ میں مصلٰے کے مغرب میں گذرتی تھیں۔

وادئ مہزور

انہی وادیوں میں سے ایک وادئ مہزور تھی۔ ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ کی طرف آتی تھی پھر اسی روایت میں لکھتے ہیں: رہا معجب تو اس کا سیلاب آتا اور مسجد نبی کریم ﷺ سے گذرتا جبکہ انصار کہتے تھے کہ مسجد نبوی سے گذرنے والی وادی مہزور تھی۔ ابن زبالہ نے معجب کے سیلاب کی ابتداء نہیں بتائی' یونہی ابن شبہ نے بھی نہیں بتائی چنانچہ کہتے ہیں: رہی وادئ مہزور تو یہ وہ وادی تھی جس سے مدینہ کے غرق ہونے کا اندیشہ رہتا۔

مذینیب کے بارے میں لکھنے کے بعد ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ مہزور کا سیلاب حرۂ سوران سے شروع ہوتا تھا اور بنو قریظہ کی اراضی میں جا گرتا تھا پھر مدینہ کو آتا اور اسے سیراب کرتا اور یہی وہ سیلاب تھا جو مسجد نبوی تک پہنچ جاتا تھا

اور پھر زغابہ میں جا گرتا' یہ اور وادیٔ بطحان زغابہ میں اس جگہ گرتیں جہاں سیلاب گرتے تھے' اس کا زغابہ کے مقام پر بطحان میں جمع ہونا تو یہ قناۃ کے جاری ہونے کی جگہ سے تھا' لہٰذا ابن شبہ نے کہا: مہزور کا سیلاب حرہ کے مشرق اور حکر حرۂ صفہ سے شروع ہوتا تھا اور بنوقریظہ کے حلاۃ کی بالائی جانب آتا تھا' پھر اس سے شعیب چلتا تو بنوامیہ بن زید پر وادی میں گھروں کے درمیان آتا جسے مذینیب کہتے تھے پھر یہ دونوں وادیاں (مہزور اور مذینب) جمع ہوتیں پھر اراضی میں بکھر جاتیں اور حضورﷺ کے تمام صدقات میں داخل ہوتیں' صرف مشربۂ اُمِ ابراہیم کو چھوڑ دیتیں اور پھر یہ سیلاب مروان بن حکم کے محل پر سورین کی طرف جاتا پھر بطن وادی سے شروع ہو کر بنو یوسف کے محل کی طرف جاتا پھر بقیع کی طرف جاتا اور بنوحدیلہ کی طرف نکل جاتا اور بطن مہزور کی مسجد کی طرف چلا جاتا' آخر میں کومۂ ابوالحمرہ پر جا ٹھہرتا پھر چلتا اور وادیٔ قناۃ میں گر جاتا۔ انتہٰی۔

اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ شاخیں جو مہزور سے چل کر مذینب میں جمع ہوتی تھیں اس کے بعد سیراب کرتی تھیں چنانچہ یوں سمجھو کہ صدقات سے پھر کر بطحان کی طرف آ جاتی تھیں یا ان کے کلام میں تاویل کرنا ہوگی کیونکہ آج کل مشہور یہ ہے کہ جو شاخیں مہزور میں سے مذینب سے ملتی تھیں وہ اکٹھی ہو کر بطحان میں گر جاتی تھیں اور جو سیراب کرتی تھی وہ تھی جس کا ذکر صدقات میں ہے اور جو بقیع سے گذرتی تھی' یہ بقیع مہزور کی ایک اور شاخ تھی جو مذینب کے ساتھ جمع نہیں ہوتی تھی بلکہ صافیہ پر گذرتی تھی' یونہی صدقات پر گذرتی تھی اور پھر بقیع الغرقد اور اس باغ کو ڈھانپتی تھی جو اس کے گرد تھا خصوصاً حضاری کو چنانچہ اس کے لئے شیخ الحرم زینی مرجان تقوی بطحان کی طرف راستہ بنایا اور صدقات والی زمین کی طرف سے کھدائی کر دی چنانچہ وادی کی یہ شاخ بھی بطحان میں گر جاتی اور بقیع سے نہ گزرتی۔ ابن شبہ اس شاخ کو بیان کرنے کے درپے نہیں ہوئے جو مہزور سے عریض کی طرف پھٹ کر جاتا تھا حالانکہ یہ اس کا بڑا حصہ تھا کیونکہ وہاں بنے ہوئے بند کی وجہ سے بنا تھا' علامہ مطری نے اسی کو بیان کرنے پر بس کر دی چنانچہ کہہ دیا: وادی مہزور بالائی حصے کی مشرقی جانب اور مذینب کی شمالی جانب تھی اور یہ حرۂ شرقیہ سے الگ ہو کر عریض کی طرف جا گرتی تھی اور پھر وادیٔ شظاۃ میں گر جاتی تھی۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ ابن زبالہ کے کلام میں مذکور حرۂ شوران' یہی حرۂ شرقیہ تھا۔ ابن شبہ کہتے ہیں کہ وادی مہزور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک بڑے سیلاب کی صورت میں چلی تھی جس سے مدینہ کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عثمان نے وہ بند باندھ دیا تھا جو بئر مدری کے قریب تھا تاکہ مسجد اور مدینہ منورہ کی حفاظت ہو سکے۔

ابن زبالہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دلال اور صافیہ نامی وادیاں' حضرت عثمان بن عفان کی سرح وادی سے سیراب ہوتی تھیں جسے مدری کہتے تھے اور جو مہزور سے چل کر اریس اور اس کی نچلی جانب تک آتی اور صورین میں داخل ہو جاتی تھی چنانچہ انہوں نے مسجد سے ہٹا کر اسے بئر اریس کی طرف پھیر دیا' پھر عقد اریم اور پھر بلحارث بن

خزرج کی طرف پھیر دیا اور پھر بطحان کی طرف کر دیا۔انتہی۔

ابن شبہ لکھتے ہیں کہ پھر یہ وادی عبد الصمد بن علی کے دور ۱۵۶ھ میں چلی' یہ خلافت منصور میں مدینہ کے والی تھے' مدینہ ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا چنانچہ اس نے عبد الصمد عبید اللہ بن ابو سلمہ عمری قاضی کو بھیجا' لوگوں کو جمع کیا چنانچہ وہ عصر کے بعد اس کی طرف روانہ ہوئے' اس کے رُخ موڑنے پر توجہ کی چنانچہ صدقۂ نبی کریم ﷺ کی اراضی میں کھدائی کی' نقش دار پتھر دکھائی دیئے' انہوں نے انہیں کھول دیا تو پانی وہاں چلا گیا اور وہاں سے بطحان میں جا گرا۔یہ بات انہیں ایک بڑھیا نے بتائی تھی جو مدینہ کے بالائی حصے میں رہتی تھی' اس نے کہا تھا: میں لوگوں سے سنا کرتی تھی' وہ کہتے تھے کہ جب قبر انور کے مہزور کے سیلاب سے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو اس جانب کو گرا دینا اور پھر قبلہ کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ لوگوں نے اس جانب کو گرا دیا اور یہ پتھر دیکھ لئے۔انتہی۔

ابن زبالہ نے اسے ذکر کیا ہے لیکن تاریخ یہ نہیں بتائی' چنانچہ کہتے ہیں: عبد الصمد کے دور محرم ۱۵۸ھ میں بدھ کی رات جب اس سیلاب سے مسجد تک پانی پہنچا تو قبر انور کے نقصان سے بچنے کے لئے مہزور کے سیلاب سے خطرہ ہوا تو لوگوں نے فریادیں کیں چنانچہ لوگ بیلچے وغیرہ لے کر آ گئے' اتنے میں مدینہ کے بالائی حصے سے ایک عورت دکھائی دی اور کہنے لگی: میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کہا کرتے تھے کہ جب قبر انور کے نقصان کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اس طرف سے گرا دینا یعنی قبلہ کی طرف سے چنانچہ لوگ اس طرف متوجہ ہوئے اور گرانا شروع کیا جس پر نقش دار پتھر دکھائی دیئے چنانچہ پانی کا رُخ اس طرف سے پھر گیا اور وہ محفوظ رہے۔یہ وہی رات تھی جس میں بطحان اور بنو جشم کے گھر گرائے گئے تھے۔

اسے مراغی نے بھی نقل کیا ہے البتہ میں نے ان کی یہ تحریر دیکھی ہے کہ: انہوں نے نقش دار پتھر ظاہر کئے۔اس کے بعد مراغی نے لکھا ہے کہ بنو جشم کے بارے میں کوئی علم نہیں' مشہور دشم ہے' یہ مسجد فعلہ کی شامی جانب تیر پھینکنے کی مسافت پر ایک باغ تھا' شاید یہ ان کے گھر تھے' نام میں تبدیلی ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ''سخ'' میں بنو جشم بن حارث کے گھر تھے کیونکہ یہ بطحان کے قریب تھے چنانچہ جب انہوں نے پانی کا رُخ بدلا تو اس میں طغیانی آ گئی تھی۔

تتمہ

ان وادیوں میں حضور ﷺ کے فیصلے

انصار کے ایک شخص اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فیصلہ

بخاری و مسلم میں ہمیں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث ملتی ہے کہ انصار کے ایک شخص

حضرت زبیر سے جھگڑے' یہ جھگڑا حرہ کی ایک جگہ کے بارے میں تھا جس سے وہ باغ کو سیراب کرتے تھے' انصاری نے کہا تھا کہ پانی کو چلنے دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا چنانچہ یہ جھگڑا لے کر دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس پر آپ نے حضرت زبیر سے فرمایا تھا کہ اے زبیر! اپنی کھیتی سیراب کر کے اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ انصاری نے اس کا برا منایا اور کہنے لگا' یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں' حضور ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا چنانچہ پھر فرمایا: اے زبیر اپنی زمین کو سیراب کر لو اور پھر پانی روک لو تا کہ دیوار تک لوٹ آئے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "اس وقت تک پانی کو روکے رکھو جب تک دیوار کی طرف نہیں لوٹے یعنی ٹخنوں تک نہیں ہو جاتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر کو کھلی رائے دی تھی اور جب انصاری نے آپ کو ناراض کر دیا تو آپ نے واضح طور پر حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دے دیا۔

سنن ابو داؤد میں ہے کہ حضرت ثعلبہ بن ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بڑوں کا ذکر کرتے سنا کہ قریش کے ایک شخص کا بنو قریظہ کے پاس حصہ تھا چنانچہ وہ مہزور کے پانی کی تقسیم کا جھگڑا لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ پانی ٹخنوں تک ہے لہٰذا اوپر والی جانب والا نچلی جانب والے پانی کو نہ روکا کرے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مہزور کے سیلاب میں ایک فیصلہ فرمایا تھا کہ اسے ٹخنوں تک پہنچنے پر روک دیا جائے اور پھر اوپر والی جانب والا نچلے کی طرف پانی چھوڑ دے۔

مؤطا میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مہزور اور مذینب کے سیلاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اپنے کھیت میں ٹخنوں تک سیرابی کر کے' اعلیٰ جانب والا نچلی جانب والے کی طرف پانی چھوڑ دے۔

ابن شبہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے مہزور کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اوپر والا' نچلے کی طرف سے پانی روک لے اور جب ٹخنوں اور پانی کے گرد چھوٹی سی دیوار تک پہنچ جائے تو نچلی جانب والے کی طرف چھوڑ دے۔

حضرت جعفر کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مہزور کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اہل نخیل سے عقیق تک اور کھیتی والوں سے شراکین تک سیراب کر لیں' پھر اس کے بعد نچلی طرف والوں کے لئے پانی چھوڑ دیں۔

یہ روایت اس بارے میں بالکل واضح ہے جو متولی اور ماوردی نے کہا کہ ٹخنوں تک کی پیمائش کا تعلق نہ تو زمانے سے ہے' نہ شہروں سے' نہ کھیتوں سے اور نہ ہی درختوں سے' کیونکہ ہر ایک شے کی ضرورت الگ ہوتی ہے۔

خاتمہ

وادیوں کے جمع ہونے کی جگہ

عالیہ کے سیلابوں کا اجتماع

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ پھر عقیق اور رانونا کا سیلاب ایک اور وادی میں مل جاتا تھا' یونہی وادیٔ ذی صلب' ذی ریش' بطحان' مغیف' مہز ور اور قفاۃ کا سیلاب زغابہ میں جمع ہوتا اور عوالی کے یہ سیلاب ایک دوسرے سے عقیق میں اکٹھے ہونے سے پہلے مل جاتے اور پھر عقیق میں مل کر زغابہ میں داخل ہو جاتے۔

میں کہتا ہوں' حاصل یہ ہے کہ عالیہ جانب والے سیلاب بطحان اور قناۃ کی طرف لوٹ آتے' پھر زغابہ میں عقیق کے ساتھ جمع ہوتے اور یہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین میں جمع ہوتے۔ حضرت زبیر کہتے ہیں کہ یہ وادیٔ اضم کا اعلیٰ مقام تھا جس کے بارے میں احوص اعرج نے کہا تھا:

''میں نے اضم کی اعلیٰ جانب گھروں کو ڈھانپ لیا جنہیں بوسیدگی اور مختلف سیلابوں نے مٹا کر رکھ دیا۔''

ھجری کہتے ہیں' اسی وادی کا نام اضم اس لئے رکھا گیا کیونکہ سیلاب یہاں جمع ہوتے تھے اور ابن شبہ نے کہا کہ یہ وادیاں زغابہ میں جمع ہوتی تھیں' یہ وادیٔ اضم کی جانب تھی' اسے اضم اس لئے کہتے تھے کہ سیلاب یہاں اکٹھے ہو جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اضم کو ''ضیقہ'' کہتے ہیں اور زغابہ نام سیلابوں کے جمع ہونے کی بناء پر تھا' اسی لئے حضرت زبیر نے یہاں یہ حدیث بتائی ہے کہ: نبی کریم ﷺ سوار ہو کر سیلابوں کے اجتماع کے مقام پر تشریف لائے تھے اور فرمایا تھا: میں تمہیں بتا نہ دوں کہ مدینہ سے دجال کے ٹھکانے کا فاصلہ کتنا ہے؟ (الحدیث)

حضرت زبیر کہتے ہیں: یہ سیلاب جمع ہو کر چلتے تھے اور غابہ کے قریب ابو زیاد اور صورین کے چشمے کے نیچے پہنچتے تھے پھر زیاد کے چشمے کی نچلی طرف وادیٔ قمی اور وادیٔ نعمان میں مل جاتے تھے پھر گھاٹیوں سے سیلاب ادھر اُدھر سے ان کے ساتھ مل جاتے تھے پھر ذی خشب' ظلم اور جنینہ کے مقام پر وادیٔ ملک میں مل جاتے تھے پھر انہیں وادیٔ ذی اوان ملتی اور مشرق سے دوافع ملتی اور مغرب سے ایک وادی ملتی جسے بواط اور حزار کہتے تھے' پھر مشرق سے اسے وادی ائمہ ملتی' پھر یہ وادی چل کر وادیٔ اضم سے ملتی جو اس وادی برمہ سے ملتی جسے ذوالبیضہ کہتے تھے اور شامی جانب تھی اور قبلہ کی طرف سے اسے وادیٔ ترعہ ملتی اور پھر یہ اور وادی عیص قبلہ کی طرف سے ملتی' پھر وادی کے نشیبی حصے ملتے جسے حجر اور وادی جزل کہتے تھے جہاں وادی سقیا اور رحبہ تھیں۔ جو ذوالمروہ کے باغ کے مغرب میں تھیں' پھر ذوالمروہ کی نچلی جانب اسے وادیٔ عمودان

ملتی تھی پھر اسے دریا میں گرتے وقت وہ وادی ملتی جسے سفیان کہتے تھے یہ پہاڑ کے پاس تھی جسے اراک کہتے تھے' پھر تین وادیوں سے گذر کر دریا (یا سمندر) میں جا گرتی جسے یعبوب' ینبعہ اور ھنیب کہتے تھے۔

علامہ مطری کہتے ہیں: سیلاب رومہ میں جمع ہوتے' یہ سیلاب بطحان' عقیق اور زغابہ قمی کے ہوتے' پھر غابہ کی طرف سے غراب کا سیلاب ملتا اور یہ سارا ایک سیلاب بن جاتا اور وادیٔ ضیقہ سے اضم تک جا پہنچتا جو ایک مشہور پہاڑ تھا پھر مصر کے راستے کری کو جاتا اور سمندر میں جا گرتا۔ انتہٰی۔

اسی روایت میں کچھ امور آ گئے ہیں تفصیل یوں ہے:

(۱) ایک یہ کہ مطری نے سیلابوں کے جمع ہونے کا مقام رومہ بتایا ہے حالانکہ یہ زغابہ کے مقام پر جمع ہوتے تھے جیسے گذرا' یہ مقام رومہ سے نچلی طرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزار کے مغرب میں تھا جیسے ھجری نے کہا' یہ وادیٔ اضم کا بالائی حصہ تھا۔

مطری نے یہ بات غزوۂ خندق کے بارے میں قولِ ابن اسحٰق سے لی ہے' وہ کہتے ہیں:

''قریش آئے اور رومہ کے مقام پر سیلابوں کے جمع ہونے کے مقام پر ٹھہر گئے' یہ مقام زغابہ اور جرف کے درمیان تھا' اور یہ بات پہلے قول کے خلاف ہے۔''

(۲) دوسرے یہ کہ انہوں نے اسے زغابہ کے لئے سیلاب بنایا ہے جو رومہ میں گرتا تھا حالانکہ یہ رومہ' زغابہ میں جا گرتا تھا۔

(۳) تیسرے یہ کہ انہوں نے اسے النقمی بنایا ہے یعنی جہاں رومہ کے مقام پر سیلاب جمع ہوتے تھے حالانکہ پہلے اسے قمی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ وادی سیلابوں سے مل کر غابہ میں گرتی تھی۔

(۴) چوتھے یہ کہ انہوں نے غراب کے لئے سیلاب بنایا ہے جو رومہ کے ساتھ جمع ہوتا تھا حالانکہ مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں مل سکی اور یہ غراب شام کے راستے میں اس طرف ایک پہاڑ ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ انہوں نے اضم' ایک پہاڑ کا نام بتایا ہے' پھر اس کے اور وادیٔ ضیقہ کے درمیان غیریت بتائی ہے اور یہ بات گذشتہ کے خلاف ہے۔

اہلِ لغت کا اضم کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ''اضم'' کسی جگہ کا نام تھا یا وہاں کوئی پہاڑ تھا' ظاہر یہ ہے کہ یہ وہاں ایک پہاڑ اور اس کی وادی کا نام تھا۔

فصل نمبر ٦

چراگاہیں اور حضور علیہ السلام کی چراگاہ کا مال

حمیٰ کا معنیٰ

حمیٰ (چراگاہ) لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھاس پھوس ہو اور چرانے کے کام آتی ہو۔ شرعاً وہ بے آباد جگہ ہوتی ہے جس کی طرف جانا منع ہوتا ہے کہ گھاس پھوس زیادہ پیدا ہو سکے اور خاص قسم کے مویشی وہاں چر سکیں؛ اسے حمیٰ بھی پڑھتے ہیں اور حماء بھی۔ اصمعی کہتے ہیں کہ حمی دو تھیں؛ ایک حمیٰ ضریہ اور دوسری چراگاہِ ربذہ اور شاید اصمعی نے نجد میں مشہور چراگاہ مراد لی ہے۔

صاحبِ معجم کہتے ہیں کہ مجھے "فید" نامی چراگاہ کا بھی پتہ چلا ہے اور اس کے علاوہ نیز ذی الشریٰ اور نقیع نامی چراگاہیں بھی موجود ہیں۔

حمی النقیع

میں کہتا ہوں کہ حمی النقیع نامی یہ چراگاہ اس سے الگ ہے جو نجد میں تھی؛ یہ دونوں قریب قریب تھیں بلکہ آگے آ رہا ہے کہ نیر کی چراگاہ ضریہ کی چراگاہ میں داخل تھی۔ یہ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں بدلے ہوئے رنگ کا پانی ہو اور اسی کی وجہ سے اس وادی کا نام رکھا گیا۔

میں کہتا ہوں؛ سہیلی نے اسے نون ہی پڑھا ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ وہ جگہ جسے نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے بعد چاروں خلفاء نے چراگاہ قرار دیا تو یہ وہ چراگاہ تھی جس کی طرف لفظ "غور" مضاف تھا (غور النقیع) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ کے پاس "نقیع" سے دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ نقیع نامی یہ چراگاہ مدینہ منورہ سے بیس فرسخ (تقریباً ایک سو ساٹھ کلومیٹر) کے فاصلے پر تھی؛ یہیں سے وادیٔ عقیق شروع ہوتی تھی؛ یہ وہاں سب سے سبزہ والی جگہ تھی؛ یہ بارہ میل لمبی اور ایک میل چوڑی تھی اور اس میں درخت تھے؛ درخت اتنے گھنے تھے کہ اس میں سوار چھپ جاتا تھا۔

نصر کہتے ہیں کہ چراگاہ مدینہ کے قریب تھی اور رسول اللہ علیہ السلام کے نام منسوب تھی۔ علامہ ہجری کہتے ہیں یہ فرع؛ سیارہ؛ سنانہ؛ صابرہ؛ قرنین جند؛ الحل اور تہامہ کی اراضی کی طرف راستہ تھا اور مدینہ سے باہر نکلنے والے کی بائیں طرف سامنے آتی تھی اور کچھ لوگ اسے مکہ کی طرف بناتے ہیں اور یہ تہمہ کے راستے میں تھی۔

یہ بھی منقول ہے کہ چراگاہوں میں سے پہلی؛ افضل اور اعلیٰ وہ چراگاہ تھی جو نقیع کے نام سے حضور علیہ السلام کے ساتھ منسوب تھی۔ آپ نے اسے مسلمانوں کے گھوڑوں اور سواریوں کے لئے چھوڑ رکھا تھا چنانچہ آپ نے نماز فجر پڑھی اور ایک بلند آواز والے کو حکم فرمایا تو اس نے عسیب پر چلا کر آواز دی جو بارہ میل تک سنی گئی چنانچہ آپ نے چراگاہ کی

لمبائی بارہ میل مقرر فرمادی اور اس کی چوڑائی ایک میل یا اس سے کم قرار دی' وہ مختلف جڑی بوٹیاں اُگتی تھیں جن کی تعداد بہت تھی' اس میں سوار جاتا دکھائی نہیں دیتا تھا اور اس میں ان کے علاوہ کیکر' بیری' سیال' سلم' طلح' سمر اور عوسج نامی درخت موجود تھے' مشرقی جانب اسے حرۂ بنوسلیم گھیرے ہوئے تھا' وہاں ریاض اور قیعان تھے اور اس کی غربی جانب پتھریلی زمین تھی' غربی جانب بھی مشہور علامات تھیں جن میں برام' وائدہ' ضاف اور شقراء شامل تھیں جبکہ نقیع کے درمیان کنوئیں بھی تھے جن میں سے بالائی جانب براحم اور پھر البن تھے۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول اللہ کے علاوہ کسی کی چراگاہ نہیں' آپ نے نقیع کی چراگاہ کا نام نہیں لیا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نقیع کی چراگاہ گھوڑوں کے لئے چھوڑی تھی اور ربذہ کی چراگاہ صدقہ کا مال تھا' پھر کبیر میں طبرانی نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے ربذہ کی چراگاہ صدقہ کے اونٹوں کے لئے رکھی تھی۔

ابن شبہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزور گھوڑوں کے لئے وادیٔ نخیل کو چراگاہ قرار دیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ نخیل کو نقیع کا نام دیا گیا۔

حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراوح مزنی سے روایت کرتے ہیں' فرمایا: رسول اللہ ﷺ نقیع میں مقمل اور صلیب پر داخل ہوئے اور نقیع کے بارے میں فرمایا: یہ گھوڑوں کے چرنے کے لئے کتنی بہتر جگہ ہے' انہیں یہاں چارہ ملتا ہے اور ان لے کر راہِ خدا میں جہاد کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد بن ھیصم مزنی کے دادا بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقمل کی طرف دیکھا جو نقیع کے درمیان تھی' وہاں آپ نے نماز پڑھی تو وہاں آپ کے نام سے مسجد تھی۔

ابن ھیصم' حضرت ھیصم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے والد سے فرمایا کہ میں تجھے اس وادی کی نگرانی سونپتا ہوں تو ادھر اُدھر سے آئے (اشارہ مشرق اور مغرب کی طرف تھا) تو اسے منع کرتے رہنا۔انہوں نے عرض کی' میں وہ شخص ہوں کہ میری صرف بیٹیاں ہی ہیں اور میرا تعاون کرنے والا کوئی نہیں۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جلد اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا عطا فرمائے گا جو تمہارا والی بنے گا۔کہتے ہیں کہ انہوں نے وہاں نگرانی کی اور اس کے بعد انہیں بیٹا مل گیا پھر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ان کے والی بنتے رہے جنہیں مدینہ کے امیر اس چراگاہ کے والی بناتے رہے۔پھر وہاں داؤد بن عیسےٰ اُترے' یہ سال ۱۹۸ھ تھا۔داؤد نے اسے ترک کر دیا تھا کیونکہ لوگ اس وقت کسی خوف کی بناء پر اس سے دور ہو گئے تھے اور ایسا کوئی شخص نہ رہا جسے اس کا نگران بناتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مقمل کے مقام پر نماز پڑھی۔

وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان گھوڑوں کے لئے چراگاہ بنائی جو صبح و شام راہِ خدا میں جانے والے تھے۔حضور

ﷺ نے اپنے ہاتھ پھیلائے ہاتھوں کو قریب کیا لیکن ملایا نہیں اور ان پر ابوالحلیس کے دادا کو مقرر کیا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس صرف بچیاں ہیں اور کوئی دولت نہیں۔

حمیٰ کا حکم

میں کہتا ہوں اس کا مقصد یہ ہے کہ چراگاہ میں جانور چرانا ہر ایک کے لئے جائز ہے اور وہ سب اس معاملے میں برابر ہیں۔ یہ بات ہمارے مذہب کے مخالف ہے کیونکہ اس میں وہی لوگ داخل ہوتے ہیں جو چراگاہ تلاش نہیں کر سکتے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ کے فرمان: ''اللہ و رسول ﷺ کے سوا چراگاہ کسی کے لئے نہیں ہوتی'' کے ذو مفہوم نکلتے ہیں۔

(۱) کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ لوگوں کے لئے چراگاہ بنائے لہٰذا کوئی حکمران چراگاہ نہیں بنا سکتا۔

(۲) اگر کوئی چراگاہ بنائے تو وہ اپنے لئے حضور ﷺ جیسی چراگاہ بنائے چنانچہ خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرح چراگاہ بنائے۔

ان دونوں اقوال میں سے دوسرا قول ظاہر ہے۔ یہ زہری کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ چراگاہ ان گھوڑوں کے لئے بنائے جن پر بیٹھ کر راہِ خدا میں جہاد کو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے لئے چراگاہ بنائے صرف حضور ﷺ بنا سکتے ہیں کیونکہ یہ آپ کی خصوصیت تھی اگرچہ آپ نے ایسا نہیں کیا اور اگر ایسا کرتے تو یہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کرتے کیونکہ آپ کی مصلحت ہی میں سب کی مصلحت پوشیدہ ہے۔

امام شافعی ''اُمّ'' میں کہتے ہیں: عرب کے باوقار لوگوں کا کام یہ تھا کہ کوئی بنجر جگہ دیکھتے اگر پہاڑ ہوتا یا پھر بنجر جگہ ہوتی تو کتا چھوڑتے اسے آواز نکالنے کے لئے تیار کرتے پھر دور آدمی کھڑے کرتے اور کتے کی آواز جہاں تک جاتی وہاں تک وہ اسے چراگاہ بنا لیتے اس میں کسی کو داخل نہ ہونے دیتے دوسرے لوگ اپنے جانور کہیں اور چراتے کیونکہ ان کے جانور کمزور ہوتے تو حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ ''چراگاہ اللہ و رسول کے بغیر کوئی نہیں بنا سکتا'' اس معنیٰ کے لئے خاص حیثیت رکھتا ہے۔ حضور ﷺ تو لوگوں کے لئے فائدے کے لئے چراگاہ بناتے اپنی ذات کے لئے نہ تھی کیونکہ آپ صرف اتنی چیز کے مالک ہوتے جس کے بغیر گذارہ نہ تھا بلکہ آپ کے لئے مقرر شدہ پانچویں حصہ غنیمت میں سے بھی جو کچھ بچ جاتا وہ بھی لوگوں ہی میں تقسیم فرما دیتے۔ آپ تو اپنا مال و جان اللہ کی عبادت کے لئے وقف کئے ہوئے

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی چراگاہ

امام شافعی کہتے ہیں کہ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی زمین کو چراگاہ بنایا جس کے بارے میں آپ کو معلوم نہ تھا کہ حضورﷺ نے اسے چراگاہ بنایا تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ بنائی' حضرت عمر نے "شرف" کو چراگاہ بنایا' کچھ کہتے ہیں کہ "ربذہ" کو بنایا' کچھ کہتے ہیں کہ اسے حضرت ابوبکر نے بنایا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے بنایا تھا اور پھر ان دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے اس میں اضافہ کیا تھا۔

مجری سے عنقریب آ رہا ہے کہ سب سے پہلے "ضریہ" کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ بنایا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ جسے حضورﷺ نے چراگاہ بنا دیا' اس میں تبدیلی کا کسی کو حق نہ تھا بلکہ اس کے نشانات ختم بھی ہو جائیں تو اس پر حضورﷺ کا نام بولا جاتا تھا جبکہ دوسرے اماموں کی چراگاہوں کا حکم یہ نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حدودِ مدینہ میں درخت کاٹنا مکروہ تھا' یونہی طائف کے مقام وَج کا بھی یہی حکم تھا۔ جس جگہ کو حضورﷺ نے چراگاہ بنایا وہ نقیع تھی' اس میں شکار مکروہ نہ تھا۔

نوٹ:

یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں' حضرت عمر کو پتہ چلا کہ یعلی بن امیہ (یا امینہ) نے اپنے لئے چراگاہ بنا لی ہے تو آپ نے حکم دیا کہ مدینہ تک پیدل سفر کریں حالانکہ وہ ان دنوں یمن کے گورنر تھے چنانچہ وہ کئی دن تک مدینہ کی طرف پیدل سفر کرتے رہے اور جب انہیں پتہ چلا کہ حضرت عمر فوت ہو گئے ہیں تو سوار ہو گئے۔

حضرت امام شافعی وغیرہ بتاتے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنے غلام ھُنَیّ کو ایک چراگاہ پر مقرر کیا اور کہا اے ھُنی! لوگوں سے نرمی برتو اور مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے' میرے پاس اگر کوئی ضرورت مند اہل وعیال لے کر آ جائے اور کہے' اے امیر المؤمنین! تو کیا میں اس کی پرواہ نہ کروں' اگر میں اسے درہم و دینار نہ دے سکوں تو کیا پانی اور گھاس وغیرہ بھی نہ دوں؟ بخدا یہ تو میرے ذمہ ہے ورنہ یہ لوگ سمجھیں گے کہ میں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ تو انہیں کے شہر ہیں' دورِ جاہلیت میں یہ انہی میں لڑائیاں کرتے رہے اور دورِ اسلام میں یہیں یہ اسلام لائے۔ اگر میرے پاس انہیں دینے کے لئے مال نہیں ہے تو مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں ان کی ایک بالشت زمین بھی لے لوں۔

حضرت عثمان کے ایک غلام سخت گرمی کے موقع پر بالائی جانب آپ کی اراضی میں آپ کے ہمراہ تھے' انہوں

نے ایک آدمی کو دیکھا کہ دو جانور ہانکے لا رہا تھا' گرمی کی وجہ سے فرش بہت گرم تھا۔ وہ کہتے ہیں: اسے کیا ہو گیا ہے' کاش یہ مدینہ میں ٹھہرا رہتا اور گرمی ختم ہونے پر چلا آتا' اسے دیکھو تو سہی' میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔ میں نے کہا: یہ تو امیر المؤمنین ہیں۔ اس پر حضرت عثمان اُٹھے' دروازے سے سر نکال کر دیکھا تو سخت لُو چل رہی تھی۔ آپ نے سر ہٹایا اور ان کے سامنے ہو کر کہا' اس وقت آپ کو نکلنے کی کیا مجبوری تھی؟ انہوں نے کہا یہ دو جانور تھے جو پیچھے رہ گئے تھے' میں نے سوچا کہ انہیں بھی چراگاہ میں پہنچا دوں' مجھے خدشہ تھا کہ کہیں مر نہ جائیں اور مجھے بارگاہِ الٰہی میں جواب نہ دینا پڑے۔ حضرت عثمان نے کہا' آ جایئے' پانی اور گھاس موجود ہے اور آپ کی ضرورت بھی پوری ہو گی۔ حضرت عمر نے کہا کہ آپ سائے میں چلے جایئے اور خود چلے گئے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: جو کوئی ایک طاقتور اور امانت دار کو دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے' وہ انہیں دیکھ لے۔

مؤطا میں ہے' حضرت یحیٰی بن سعید نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سال میں چالیس ہزار اونٹوں پر بوجھ لادتے جبکہ شام کی طرف ایک آدمی اونٹ پر بوجھ لادتا اور عراق کی طرف دو آدمیوں کو ایک اونٹ پر بٹھاتے۔

حضرت مالک کہتے ہیں' ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ گھوڑے جنہیں حضرت عمر نے جہاد کے لئے کے لئے تیار کیا تھا' ان کی تعداد چالیس ہزار تھی۔

کہتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سالِ ''رمادہ'' میں اپنے گھوڑے کی لید میں جَو دیکھا تو کہا: میں اس کے لئے نقیع میں گھاس کا انتظام کروں گا جو اس کے لئے کافی ہو گا۔

فصل نمبر ۷

باقی چراگاہیں

چراگاہِ ''شرف''

انہی میں سے ایک چراگاہ ''شرف'' تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ قرار دیا تھا' یہ شرف الروحاء نہ تھی بلکہ نجد میں ایک جگہ تھی۔

علامہ نصر کہتے ہیں کہ ''شرف'' نجد کے درمیان میں تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ ایک عظیم وادی تھی جسے چراگاہِ ضریہ کے پہاڑ گھیرے ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ جس نے ضریہ اور ربذہ کی چراگاہوں کو الگ الگ شمار کیا ہے' اس کی مراد یہی ''شرف'' ہے۔

علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ ''شرف'' نجد کے درمیان تھی اور یہاں بنو آکل المرار رہتے تھے' یہیں آج کل ضریہ نامی چراگاہ ہے اور اس شرف کی ابتداء میں ربذہ ہے' یہ دا ہنی چراگاہ ہے جبکہ ''شریف'' اس کے پہلو میں ہے' ان دونوں

کے درمیان ''سریر'' واقع ہے' جو مشرق میں ہے' وہ شریف ہے اور جو مغرب میں ہے' وہ شرف ہے۔
یہ احتمال بھی ہے کہ چراگاہِ شرف و ربذہ کہنے سے ان کا مقصد ضریہّ اور ربذہ ہوں کیونکہ آگے ضریہ کے بارے میں آ رہا ہے کہ اس کے نگران کو عاملِ شرف کہتے تھے۔نجد کی چراگاہوں میں ھجری نے اکیلی شرف کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کی جگہ بتائی ہے' انہوں نے ضریہّ اور ربذہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا ذکر کیا ہے جو ان دونوں میں موجود ہے۔

چراگاہِ ربذہ

انہی میں سے ربذہ کی چراگاہ بھی ہے' یہ نجد میں ایک بستی تھی اور مدینہ کے تابع تھی' مدینہ سے تین دن کی مسافت پر تھی لیکن علامہ اسدی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ چار دن کی مسافت پر تھی' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہو کر یہاں چلے آئے تھے اور اپنے وصال تک یہیں ٹھہرے رہے تاہم اصمعی کے قول میں گذر چکا ہے کہ یہ ''شرف'' میں تھی جو داہنی طرف تھی۔علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ سلیلہ اور عقیق کے درمیان حاجیوں کے ٹھہرنے کا مقام تھا یعنی ذاتِ عرق میں تھا۔
تاریخ عبید اللہ اھوازی میں ہے کہ ۳۱۹ھ میں یہ برباد ہوگئی تھی کیونکہ یہاں کے رہنے والوں اور اہلِ ضریہّ کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں پھر اہلِ ضریہّ نے قرامطہ سے امن کا معاہدہ کر لیا' انہوں نے ان کی مدد کی' چنانچہ اہلِ ربذہ وہاں سے چلے گئے تو یہ برباد ہوگئی۔یہ مکہ کے راستے میں ٹھہرنے کی بہترین جگہ تھی۔
علامہ اسدی کہتے ہیں کہ ربذہ حضرت زبیر کی اولاد کے ایک گروہ کے پاس تھی' پہلے خزارہ کے سعد بن بکر کے قبضہ میں تھی۔اس کے بعد اسدی نے وہاں کے آثار کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہاں ایک کنواں تھا جسے بئر مسجد کہتے تھے یعنی حضرت ابوذر غفاری کی مسجد کا کنواں تھا۔
ابن ابی شیبہ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ کے اونٹوں کے لئے یہ چراگاہ چھوڑ دی تھی' یہی وجہ ہے علامہ ھجری نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر نے ربذہ کو چراگاہ قرار دیا تھا۔اس چراگاہ کی پیائش ہر طرف سے بارہ بارہ میل تھی' اس کے درمیان میں پتھریلی جگہ تھی' پھر اس میں بعد کے گورنروں نے اضافہ کیا اور سب سے آخر میں اپنے اونٹوں کے لئے اس میں اضافہ کیا تھا۔اہلِ مدینہ بھی اس میں جانور چراتے تھے۔
اس کی پہلی نشانی ''رحرحان'' تھی' یہ ربذہ کے مغرب میں چوبیس میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ تھا جو بنو ثعلبہ بن سعد کثیر قنان کی زمین میں تھا' کنوؤں میں سب سے قریبی کنواں ''کدید'' نام کا تھا۔پھر اس کی نشانی اروم پہاڑ تھا جو مصعد کی بائیں طرف تھا' اسے جندورہ کہتے تھے اور یہ بنو سلیم کی زمین میں تھا' اس کا نزدیکی کنواں بنو سلیم کا تھا جسے ذنوب کہتے تھے' یہ ربذہ سے بارہ میل کے فاصلے پر چراگاہ میں تھا' پھر ''یعملہ'' تھا اور یہاں بہت سے کنوئیں تھے' اس کے اور

ربذہ کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ تھا' پھر معدن کی بائیں جانب مضبات حمر تھا' یہ ربذہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا پھر عمود الحدث تھا' یہ سرخ رنگ کا تھا اور محارب کی زمین میں تھا' اس میں بھی کنوئیں تھے جنہیں اقعسیہ کہا جاتا تھا' یہ ربذہ سے چودہ میل کے فاصلے پر تھا اور ایک وسیع شہر تھا۔

چراگاہِ ضریہ

یہ بھی انہی میں سے ایک تھی۔ یہ ایک بستی تھی جس کا نام اس کنوئیں کے نام پر رکھا گیا تھا جسے ضریہ کہتے تھے۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ ضریہ کا نام ضریہ بنت نزار کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ یہ اُم حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اسے ضریہ بنت ربیعہ بن نزار کہتے تھے۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ ضریہ نجد میں ایک وسیع گوشہ تھا جس کی طرف ضریہ منسوب تھا' یہاں امیر مدینہ آتا اور بصرہ کے حاجی آیا کرتے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ایک قدیم بستی تھی جو بصرہ سے مکہ کو جاتے ہوئے راستے میں آتی تھی اور مکہ کے زیادہ قریب تھی البتہ یہ مدینہ کے کنٹرول میں تھی جس پر مدینہ کے گورنر کا حکم چلتا تھا۔

علامہ اسدی نے بصرہ کے راستے کی وضاحت کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ضریہ مکہ سے دس دن کی مسافت پر تھی لیکن واقف کاروں نے جو کچھ مجھے بتایا ہے' اس کے مطابق یہ مدینہ سے سات مرحلوں پر تھی اور مدینہ کے زیادہ قریب تھی۔

''شرف'' کے بارے میں اصمعی کے قول کے مطابق یہیں ضریہ موجود تھی' وہ کہتے ہیں: ضریہ ایک کنواں تھا جس کا پانی میٹھا اور ستھرا تھا۔

علامہ مجد لکھتے ہیں کہ سب سے مشہور چراگاہ ضریہ تھی' یہ کلیب بن وائل کے قبضہ میں تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جنگل میں ایک مشہور جگہ تھی جسے اکابر لوگ بڑوں سے سن کر بتاتے چلے آئے ہیں' اسی کی ایک جانب کلیب کی قبر تھی جو آج بھی مشہور ہے۔

مجھے یہ بات اہلِ نجد کے رئیس ابو الجود اجود بن جبر نے بتائی تھی جو اچھے عقیدہ کے مالک اور لوگوں پر سخاوت کرنے والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ کلیب کی قبر مشہور ہے جہاں عرب لوگ ثواب کی نیت سے جاتے تھے۔ مجھے بھی اس کی راہنمائی ایک شخص نے کی تھی کہ وہاں جاؤں جس پر میں نے کہا کہ وہ تو ایک جاہل شخص تھا۔

علامہ ہجری کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضریہ کو چراگاہ قرار دیا تھا تاکہ صدقہ کے اونٹ اور نمازیوں کے اونٹ یہاں چر سکیں چنانچہ اونٹ اپنی مرضی سے چرا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی اور پھر دورِ عثمان کے ابتدائی زمانے تک یہ یونہی رہی پھر اونٹ بہت ہو گئے اور چالیس ہزار کی تعداد کو پہنچ گئے تو یہ چراگاہ تنگ پڑ گئی چنانچہ حضرت عثمان نے ان اونٹوں کی خاطر اسے وسیع کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس

میں بہت سا اضافہ کر دیا گیا البتہ حضرت عثمان نے بنوضبیعہ سے ایک کنواں خریدا جو ضریہ کی طرف غنی کے کنوئیں کے قریب تھا جسے بکرہ کہتے تھے اور یہ ضریہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔

کہتے ہیں کہ یہ بکرہ حضرت عثمان کی چراگاہ میں شامل ہو گیا اور پھر گورنر مسلسل اس میں اضافہ کرتے رہے اور اسے چارے کا گھر بنا لیا۔ ان گورنروں میں سب سے زیادہ سخی ابراہیم بن ہشام مخزومی تھا' اس نے بھی اس میں اضافہ کیا اور گھر والوں کو تنگی دی' ہر رنگ کا اس میں ایک ایک ہزار اونٹ رکھا۔ ہر طرف سے چراگاہوں کے محافظ اس سے سخت جنگ کرتے رہے اور خون خرابہ ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ ابن ہشام کے محافظوں اور اہل مدینہ کے چرواہوں نے ان سے جنگ کی' یہ لوگ دو سو سے زیادہ تھے' جنگ بہت شدید تھی' غنوی لوگ کامیاب ہوئے اور انہوں نے ان کے بارہ افراد قتل کر دیئے اور پھر ہر ایک کے بدلے سو اونٹ تاوان دینے پر ان سے صلح کر لی۔

ضباب میں سے کچھ لوگ حضرت عثمان کے لڑکے کے پاس آئے اور ان سے اونٹوں کے لئے پانی مانگا' انہوں نے پلا دیا اور وہ اونٹ ان کے قبضے میں رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ کے باہر غنی کی زمین میں کنواں کھدوایا۔ یہ اس کنوئیں کی طرف تھا جسے نقی کہتے تھے اور یہ اضاخ سے پندرہ میل کے فاصلے پر تھا' آپ کے عاملوں نے وہاں محل بنایا' یہ کنواں نہ چلا تو عاملوں نے پہلے اسے چھوڑ دیا چنانچہ وہ پانی آج تک نہیں چل سکا۔

بنو تمیم کے کنوؤں میں سے اضاخ تک قریبی کنواں اُضیح تھا جو بنوجُہیم کا تھا۔ یہ ایک عرصہ تک دفن رہا تو بنو عبد اللہ بن عامر میں سے کچھ لوگوں نے بنوجُہیم میں سے اپنے رشتہ داروں سے کہا: ہم آل عثمان سے تمہارے لئے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس میں رغبت دکھائی' آلِ عثمان نے یہ بات مان لی تو جُہیموں نے اپنی قوم سے ان کی طرف جانے کو کہا' انہیں غنی کے چرواہے ملے' انہوں نے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ بنوعثمان نے اس معاملے کا والی بنایا ہے' انہیں غنی سے یہ اطلاع مل گئی تو انہوں نے وعدہ کیا کہ ان کے گھروں کے نزدیک ٹھہر جائیں گے چنانچہ بہت سارے جمع ہو گئے' بنوجُہیم کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ ثابت قدم رہے تو بڑی مصیبت پڑے گی تو رات کے وقت وہ ان کے گھروں کی طرف کوچ کر گئے' کچھ کو پتہ چل گیا کہ انہیں پکڑ لیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے کوچ کا ارادہ ترک کر دیا۔ چنانچہ جُہیموں کے رشتہ دار ناراض ہو گئے اور انہوں نے آلِ عثمان کو بھی ناراض ہونے کو کہا۔ جب حسن بن زید مدینہ میں آئے' ان کے ساتھ جُہیموں کے کچھ رشتہ دار بھی تھے تو انہوں نے آلِ عثمان سے کہا' ہم تمہارے پاس تمیم کے اچھے لوگ اور ضاخ کے مشائخ کو لائے ہیں جو تمہیں گواہی دیں گے چنانچہ آل عثمان نے غنی کے خلاف حسن بن زید سے مدد مانگی اور انہوں نے اضاخ کے مقام پر ان سے انصاف کے لئے جھگڑنے کا ارادہ ظاہر کیا کیونکہ وہ بنوتمیم کے قریب تھا' آل عثمان نے عبداللہ بن عمرو بن عبسہ عثمانی سے بات کی چنانچہ وہ ابومطرف کے پاس جمع ہوئے جو اضاخ میں لشکر کا نگران تھا اور غنی کی طرف سے جھگڑے کا ذمہ دار تھا چنانچہ جب بھی عثمانی تمیم کا گواہ لاتا تو غنوی دو گواہ لے آتے' عثمانی اپنے گھروں کے پاس چلا

گیا۔ان کے درمیان یہ جھگڑا ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں ہوا تھا۔

عبداللہ بن مطیع نے کنواں کھودا' یہ ضباب کے قبضہ میں تھا اور ضریہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر اضاخ کے راستے میں تھا جو شعبی کی جانب تھا' کندی لوگ وہاں سے پانی پیتے تھے' ان کے کنوئیں کا نام ثریا تھا؟

قنیع' عباس کندی کا کنواں تھا جو اہلِ بصرہ کے راستے میں تھا۔جب کندیوں کو قنیع سے جلا وطن کر دیا گیا تو بنو ابوبکر بن کلاب اور بنو جعفر میں جھگڑا پیدا ہو گیا' ابوبکر نے کہا کہ ہم اپنے حلیفوں کے کنوئیں کے زیادہ حقدار ہیں' جعفر یوں نے کہا کہ وہ ہمارے گھر کے نزدیک ہے لہٰذا ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ قنیع کے مقام پر انہوں نے ایک دوسرے کو جمع کر لیا' بنو جعفر کا سردار عبود بن خالد تھا اور ابوبکر کا سربراہ معروف بن عبدالکریم تھا جس کی بہن عبود کی بیوی تھی جو اس کے لڑکے طفیل کی والدہ تھی' بنو جعفر میں سے طفیل اپنے ننھیال کے مقابلے میں سخت تھا۔اس کی والدہ رات کے وقت اپنی قوم کی طرف نکلی اور کہنے لگی کہ بنو جعفر میں تمہارا سخت دشمن تمہاری بہن کا بیٹا ہے' وہ سب سے پہلے قتل ہو گا چنانچہ سلمہ بن عمرو عریقی کے فیصلے پر قوم صلح کے لئے تیار ہو گئی چنانچہ انہوں نے تحریر کر دی' گواہیاں ڈالیں اور وعدہ کر لیا کہ ان کے پاس ہر قبیلے میں سے چالیس آدمی وفاداری کریں گے اور مدتِ وعدہ گزارنے کے لئے وہ سلمہ کے پاس ٹھہر گئے۔وہ ان کے لئے روزانہ ایک اونٹ ذبح کرتا اور ہر ایک پر مہربانی کرتا۔انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ تم ہمارے لئے روزانہ ایک اونٹ ذبح کرو۔اس نے کہا کہ اے بنو کلاب! تمہیں مبارک ہو' تم میرے پاس ایسے کام کو آئے ہو جو بالکل واضح ہے' اگر تم لوگ میرا حکم نہ مانو تو میں تمہارا حاکم کس بات کا ہوں' چنانچہ ان سے پختہ وعدے لے لئے اور پھر کہنے لگا اے بنو کلاب! میں دیکھ رہا ہوں کہ ظالم تم ہو! تم رشتہ داری کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ قطع رحمی کرتے ہو' یہ تمہارا حق نہیں بنتا چنانچہ وہ سب راضی ہو گئے۔

بنو اردم کا اہلِ ضریہ کے راستے پر قدیم کنواں تھا جو مدینہ کے راستے پر ضریہ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھا' اسے جفر کہتے تھے' ان کے ہمراہ بنو عامر بن لؤی کے کچھ لوگ تھے چنانچہ سعید بن سلیمان ساحقی نے کنواں کھودا اور وہاں میل کے علاقے میں بہت سے درخت لگا دئے چنانچہ وہ علاقہ درختوں سے بھرپور ہرا بھرا ہو گیا۔

جب ابراہیم بن ہشام مدینہ کا حکمران بنا تو چراگاہ میں کنواں کھودا جو ضریہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور بکرہ سے ضریہ کے راستے میں تھا جس کا نام انہوں نے ''نامیہ'' رکھا اور دوسرا کنواں شعبی کی جانب ضریہ اور بنو اردم کے کنوئیں کے درمیان کھودا جو ضریہ سے سات میل کے فاصلے پر اس وادی میں تھا جسے فاضحہ کہتے تھے کیونکہ وہ پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ پر تھا اور جب ابن ہشام فوت ہو گیا تو جعفر بن مصعب بن زبیر نے ایک کنواں کھودا جو ابن ہشام کے کنوئیں کی ایک جانب فاضحہ میں تھا اور اپنے لڑکے کے ساتھ وہیں رہا اور وہیں فوت ہو گیا۔اس کا لڑکا اپنے باپ کی جگہ وہاں ٹھہرا حتیٰ کہ محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن حسن نکلا چنانچہ وہ محمد کے ہمراہ نکلا اور جب وہ قتل ہو گیا تو وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا' پھر فاضحہ کی طرف لوٹ آیا اور بنو جعفر میں شادی کر لی پھر بنو الطفیل میں کی' اس کے ہاں عبداللہ پیدا ہوا جس

کی شادی اس نے قاسم بن جندب فزاری کی لڑکی سے کی۔ یہ عرب کے نامور لوگوں میں سے تھا' جھنڈا بردار تھا' قاسم سفر پر نہ جاتا تھا اور نہ ہی اس نے حج کیا اور نہ ہی ضریہ کی طرف آیا جبکہ اس کی بیٹی سے عبداللہ کی اولاد' ان کی باقی اراضی میں رہی۔

پھر ابن ہشام کے غلام جرش نے گڑھا کھودا جو بنو ادوم کے گڑھوں اور مساحقی کے گڑھے سے دو یا تین میل کے فاصلے پر تھا اور اس کا نام جرشیہ رکھا پھر رافع بن خدیج کے لڑکوں سے کچھ لوگوں نے اسے خرید لیا اور پھر اس کے قریب سلطان کی زمین میں گڑھا کھودا' ان سے محمد بن جعفر بن مصعب کا بنو ادرم کے حق میں جھگڑا ہوا' یہ بہت سخت قسم کا تھا' وہ اکیلا ان سے لڑا چنانچہ وہ اکٹھے ہوئے اور ان میں سے دو آدمیوں نے اس کے سر پر ہلکی ضربیں لگائیں' اس نے دونوں کو قید کر لیا اور ضریہ میں سے گیا پھر مدینہ میں حسن بن زید سے ان کے خلاف مدد چاہی' انہوں نے انہیں ڈنڈوں سے مارا اور پھر معاف کر دیا پھر وہ جرشیہ اور حفیرہ کے بارے میں جھگڑے تو انہوں نے بنو ادرم اور مساحقی کے حق میں فیصلہ دیا۔

بنو ادرم اور بجیر قریشی تھے۔ ان میں شرارت پڑ گئی' ان کے ہمسائے قیس تھے جو ان کی عزت کرتے تھے' جب ان میں فساد برپا ہوا تو دونوں طرف کے لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف چور بھیجے چنانچہ بنو کلاب اور بنو خزارہ نے انہیں لوٹا اور ان کے کچھ لوگ قتل کر دئے۔ وہ مدینہ چلے گئے اور بکھر گئے۔

وسط

یہ ایک پہاڑ ہے جو ضریہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے جس کی چوٹی پر حاجی چڑھتے تھے اور اس کی بائیں طرف کھلا میدان ہے جو تین یا چار میل کشادہ ہے' قنیع اس کی بالائی جانب ہے اور یہ وسط اور عسعس کے درمیان ہے' اسے عسعس کا میدان بھی کہتے ہیں اور عسعس ایک سرخ رنگ کا پہاڑ ہے جو بیٹھے ہوئے آدمی کی شکل کا معلوم ہوتا ہے جس کا ایک سر اور دو کندھے دکھائی دیتے ہیں۔

رہا ضریہ کا چشمہ اور اس کا پانی تو کہتے ہیں کہ یہ عثمان بن عنبسہ بن ابوسفیان کے قبضے میں تھا' انہی کا کھودا ہوا تھا' انہوں نے ہی اس میں باغ لگوایا اور پتھر سے گڑھا بنایا تا کہ اس میں پانی ذخیرہ کیا جا سکے۔ یہ وہ بند تھا جو وادی کے درمیان آ گیا' اس نے پانی کی روک کر دی جس سے وہ ایک عرصہ کے لئے گڑھے میں محفوظ ہو گیا جب ابوالعباس ان کی قبضہ شدہ جگہ پر قائم ہوا تو اس کے آخری دور میں (جبکہ بنو جعفر بن کلاب میں سے اُم سلمہ مخزومیہ اس کی بیوی تھی جو معروف بن عبداللہ نے اس کے حوالے کی تھی) اس معروف کی عزت کی' اس نے اس سے عین ضریہ کا سوال کیا تو اس نے اسے دیدیا' یہ ایک بدو شخص کا شنکار تھا۔ جب اس میں تروتازگی آ گئی تو اس نے اپنے اہل و عیال یہاں آباد کر لئے۔ جب لوگوں نے وہاں کے پھل کا مطالبہ کیا تو اس نے کھجور کا پھل دیا۔ وہ مہمانوں کو وہاں کی کھجوریں پیش کرتا اور

اپنی اونٹنیوں کا دودھ لا کر دیتا۔ وہاں وہ دو ماہ ٹھہرا رہا' جب کھجوریں اس کے قبضے میں آ گئیں تو اس کے پاس مہمان آئے' اس نے انہیں تھوڑی سی کھجوریں دیں۔ ایلچی نے کہا: جو کچھ تم دیکھ رہے ہو' اس کے علاوہ کھجوریں ختم ہو گئیں۔ اس نے کہا: مجھے یہ بات بری لگتی ہے کہ میں اپنے مہمانوں کو تمہاری کھجوریں دوں۔ وہ اپنے کھیت سے ککڑیاں اور کچھ خربوزے لے آیا۔ اس نے کہا' یہ تم کیا لے آئے ہو۔ دیکھو کہیں میری بیوی اسے نہ دیکھ لے۔ اس نے باغ ناپسند کرتے ہوئے بیچنے کا ارادہ کیا چنانچہ حاکم یمامہ عبد اللہ ہاشمی نے اس سے خرید لیا اور دو ہزار درہم ادا کر دئے۔

چراگاہ کے پہاڑوں میں سے مصعد کے قریب والا پہاڑ جبل ستار تھا جو بصرہ کے راستے میں تھا' یہ سرخ رنگ کا مستطیل پہاڑ تھا' اس سے بصرہ کو راستہ جاتا تھا' اس کے اور اِمرہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ تھا۔

متالع

یہ سرخ رنگ کا بڑا پہاڑ تھا اور اِمرہ کی بائیں جانب تھا جو تین میل کے فاصلے پر تھا۔

"دلیثی عبس" گھاٹی میں ایک کنواں تھا جسے "اسودہ" کہتے تھے۔

شعر

یہ بھی ایک بڑا پہاڑ تھا جو "وضح" کے پہلو میں تھا' اس کے قریب ایک کنواں تھا جسے "شطون" کہتے تھے۔ شاعروں نے اس کا بہت ذکر کیا ہے چنانچہ خضری نے کہا تھا:

" اللہ تعالیٰ شطون شعر نامی کنوئیں میں کمی نہ آنے دے اور نہ ہی کواکب و غدیر میں پانی کی کمی آئے۔"

"وضح" کے مقام پر "عرائس" کی بائیں جانب پہاڑیاں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے کنوئیں تھے جن پر ریت پڑی تھی جو مہزول کی بالائی جانب تھے' یہ "اقبال بز" میں ایک وادی تھی' وہاں کی وادیوں کو "عثاعث" کہتے تھے۔ پھر اس عثاعث کے ساتھ ہی ذو عشث کی وادی تھی جو "تسریر" میں جا گرتی تھی اور پھر وادیٔ "مرعٰی" میں جاتی تھی' یہ چراگاہ کے پہلو میں تھی' اس کے ساتھ ہی "نضاد" تھی' یہ حقوق غنی میں داہنی طرف والے کنوئیں کی جانب تھی۔ اس کنوئیں کے ساتھ ہی بہت سے پہاڑ تھے' تسریر کے سیلاب اسی سے نکلتے تھے اور یہ نضاد اور عشث میں جا کر مل جاتے تھے پھر شحاث اور بقر نضاد کے آگے تھیں' چراگاہ سے مراد یہی تھی' پھر مصعد کی بائیں طرف سے اقعس سے جا ملتی تھیں' اس کا قریبی کنواں "دبیلبین" تھا۔ ھضب الیلبین اور ربذہ کے درمیان بیس سے کچھ زیادہ میل کا فاصلہ تھا پھر مصعد کی بائیں طرف ھضب الیلبین قنان ملتی تھی' اس کے اور ربذہ کے درمیان پندرہ میل کا فاصلہ تھا جو ربذہ سے شمالی جانب تھی' ان دونوں کے درمیان ھضب تھی جسے سنام کہتے تھے پھر جمارہ کے ساتھ پہاڑیاں تھیں جنہیں ھاربیہ کہا جاتا تھا' ان کے اور ربذہ کے درمیان چودہ میل کا فاصلہ تھا' اس کے بعد ھضب المنحر اور رحرحان تھیں۔

چراگاہِ فید

ان میں سے ایک چراگاہِ فید تھی' یہ نجد میں ایک مقام تھا جو عراقی حاجیوں کے راستے میں تھا۔اس میں کھجوروں کے درخت اور نالے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کا نام فید بن حام کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ سب سے پہلے یہاں اسی نے سکونت کی تھی۔

ابن جبیر کہتے ہیں کہ وہ مدینۂ منورہ سے نکلے' ہفتے کا دن تھا' عراقی سواروں کے ہمراہ چلے اور فیدا میں ہفتہ کے دن پہنچے' گھر سے نکلے انہیں نواں دن تھا۔علامہ اسدی کہتے ہیں کہ اس میں بنونبہاں کی رہائش تھی اسد اور ھمدان وغیرہ کے لوگ رہتے تھے اور وہاں تین کنوئیں تھے' ایک عین النخل تھا جسے حضرت عثمان بن عفان نے کھدوایا تھا' دوسرا ''حارۃ'' کے نام سے مشہور تھا جو حصن اور ستون کے درمیان تھا جسے منصور نے کھدوایا تھا اور تیسرا باردہ کے نام سے مشہور تھا جو گھر سے باہر راستے میں تھا جسے مہدی نے کھدوایا تھا جس میں ڈول کی چھوٹی رسیاں ڈالی جاتی ہیں۔

علامہ ھجری کہتے ہیں : رہا فید کا معاملہ تو مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو کہ اسے کس نے بنایا تھا' اتنا پتہ چلا ہے کہ یہ فید اس مقام پر تھا بنو اسد اور بنو طے کے درمیان بنجر زمین تھی' یہ طے پہاڑ کے قریب تھا۔یہاں سب سے پہلے جس شخص نے دورِ اسلام میں گڑھا کھودا تھا وہ فزارہ کا غلام ابو الدیلم تھا' اس نے وہ چشمہ کھودا جو آج کل قائم ہے اور وہاں درخت لگائے تھے' یہ انہی کے قبضے میں رہا اور پھر آخر میں اس پر بنو عباس نے قبضہ کر لیا چنانچہ آج کل یہ انہی کے قبضہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں' لگتا یہ ہے کہ شاید ھجری کو حضرت عثمان کے اس چشمے کا علم نہیں جس کا ذکر علامہ اسدی نے کیا ہے۔شاید سب سے پہلے انہوں نے ہی اسے چراگاہ بنایا تھا۔

علامہ ھجری کہتے ہیں' رہے اس چراگاہ کے پہاڑ تو ان میں سے ایک کوفہ کے راستے پر تھا' فید اور اجفر کے درمیان ایک پہاڑ تھا جسے جبیل کہتے تھے' یہ سرخ رنگ کا عظیم پہاڑ تھا اور بنو اسد کی سرزمین میں تھا جو فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا' فید اور کوفہ کے درمیان کوئی اور پہاڑ نہ تھا پھر اس کے ساتھ ہی عمر پہاڑ تھا' یہ سرخ رنگ کا تھا جو فید سے بیس میل لمبا تھا اور مکہ سے مصعد کی بائیں طرف تھا' اس کے پہلو میں کنواں تھا جسے رخیمہ کہتے تھے' ایک اور کنواں تھا جو مکہ سے مصعد کی بائیں طرف تھا' ایک اور کنواں تھا جسے ثعلبیہ کہتے تھے اور یہ سب چراگاہ میں تھے' پھر مصعد کی بائیں طرف ایک سیاہ ''قبہ'' تھا جسے ''اذنہ'' کہتے تھے' یہ فید سے سولہ میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ بنو اسعد کی زمین میں تھا' اس کی ایک جانب کنوئیں تھے جنہیں وراقہ کہا جاتا تھا پھر مصعد کی بائیں جانب بنو اسد کا ھضب الوراق تھا' اس کی ایک جانب کنوئیں تھے جنہیں افعیٰ کہا جاتا تھا اور کچھ کنوئیں تھے جنہیں وراقہ کہتے تھے۔پھر دو سیاہ پہاڑ تھے جنہیں قرنین کہتے تھے اور یہ بنو اسد کی زمین میں تھے' یہ فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھے' مکہ کی طرف جانے والا راستہ ان کے درمیان تھا پھر مصعد کی

دائیں طرف راستے میں سیاہ پہاڑ تھا جسے احول کہتے تھے اور یہ طے کی زمین میں تھا' یہ فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا' اس کا سب سے قریبی کنواں العند تھا پھر مصعد کی دائیں طرف ایک پہاڑ تھا جسے دخنان کہتے تھے اور جو بنو طے کی سر زمین میں تھا' یہ فید سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پھر ایک اور پہاڑ تھا جسے ضمر کہتے تھے' پھر دو اور پہاڑ تھے جنہیں جاش اور جلذ یہ کہتے تھے اور یہ بنو طے کی زمین میں تھے' یہ فید سے تیس میل سے زیادہ فاصلے پر تھے' یہاں چراگاہ وسیع تھی' پھر صدر پہاڑی تھی جو فید سے سینتیس میل کے فاصلے پر تھی' پھر صحراء تھا جس میں کوئی پہاڑ نہ تھا جسے صحراء مخلّہ کہتے تھے' یہ اجفر کی دائیں طرف تھا اور یہ فید سے چھتیس میل کے فاصلے پر تھا' اس کے کنوؤں (یا مومنوں) میں سے قریبی جنجاشہ تھا۔

کبد منی

پھر کبد منی پہاڑی تھی۔ یہ ایک عظیم چوٹی تھی' تنہا تھی اور منی کے مشرق میں تھی۔ یہ وہ پہاڑی تھی جو اردگرد کی پہاڑیوں سے اونچی دکھائی دیتی تھی' حاجی لوگ جب حج کر کے واپس آتے تو یہ سامنے دکھائی دیتی۔ حلیت اور منی کے درمیان ایک پہاڑ تھا جسے قادم کہتے تھے اور اسی کے پہلو میں قویدم تھا' اِن دونوں میں چشمے تھے جنہیں قادمہ کہا جاتا تھا جن کا پانی بہت ستھرا تھا۔ ان کی مٹھاس کی مثال دی جاتی تھی' اس کے اور منی کے درمیان دارۃ القہیدہ تھا۔

بحمدہٖ تعالیٰ 9 رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ رات ایک بجے وفاء الوفاء شریف کی تیسری جلد کا ترجمہ مکمل ہوا۔

وفاء الوفا

باخبار دار المصطفیٰ ﷺ

تالیف

الشیخ العلامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی

المتوفی ۹۱۱ھ

مترجم: شاہ محمد چشتی

نظر ثانی: محمد محسن

ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور ☎ 042-7323241

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فصل نمبر ۸

اس فصل میں مدینہ منورہ کے قطعات زمین کا ذکر ہے' عالموں اور اس کے اردگرد کا حال ہے' یہاں کی ندیوں' پہاڑوں اور ٹیلوں کا ذکر ہے' مشہور کنوؤں' پہاڑوں اور وادیوں کا بیان ہے نیز ان جگہوں کے ناموں کا ذکر ہے جہاں یہ سب کچھ موجود تھا' پھر مسجدوں اور قلعوں کا بیان ہے' یہاں کے غزوات کا ذکر ہے' مدینہ کے اطراف میں جو کچھ تھا' اس کے احوال کا بیان ہے۔ یہ سب کچھ ہم حروفِ تہجی کی ترتیب سے بیان کر رہے ہیں' جو کچھ پہلے ہے اس کا ذکر پہلے کر دیا ہے۔ بہت سے مقامات پر مرکب الفاظ میں میں نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو مشہور ہونے کی وجہ سے اس مقام کی طرف منسوب ہیں۔ ان سب الفاظ کی شدید ضرورت تھی خصوصاً ان لوگوں کو جو حدیث اور لغات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ علامہ مجد نے اپنی کتاب المغانم میں بیان کیا ہے۔ میں نے انہی کی کلام کا خلاصہ بیان کیا ہے البتہ وہ چیزیں چھوڑ دی ہیں جن کی چنداں ضرورت نہ تھی پھر ان اشیاء کا اضافہ کر دیا ہے جنہیں بیان کرنا فائدے سے خالی نہیں اور جو جو اضافے کئے ہیں ان کے امتیاز کے لئے ''ز'' کا حرف اس نام کے ساتھ ہی دے دیا ہے چنانچہ بیان کرتا ہوں۔

حرف الف

آرام

یہ ربذہ کے نزدیک پہاڑ کا نام ہے۔ شاید یہ لفظ اِرم کی جمع ہے۔ اِرم اس پتھر کو کہتے ہیں جو علامت کے طور پر گاڑ دیا جاتا ہے' اسی سلسلے میں ایک شاعر کہتا ہے:

''سنو! ہوسکتا ہے میری یہ بات یونہی ہو' کیا ہمارے بعد شابہ اور حضر کی نشانیاں غائب ہو جائیں گی۔ ان کے بعد شابہ ہے اور حصر بھی تو ہے کیا ''اُبلی'' اپنے سیاہ پہاڑ چھوڑ دے گی۔''

پھر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک اور پہاڑ بھی اسی نام کا ہے۔ ابو زید کہتے ہیں کہ ذباب کے پہاڑوں میں سے ایک سیاہ چوٹی کا نام ذات آرام تھا۔

آرہ

مزینہ کا ایک عظیم پہاڑ تھا جو قدس کے سر پر تھا اور فُرع سے ملتا تھا۔

عرّام کہتے ہیں کہ آرہ' قدس کے سامنے ایک بلند پہاڑ تھا جس کے پہلوؤں سے ہر بستی کی طرف چشمہ بہتا تھا'

انہی بستیوں میں سے فرع نام کی بستی کافی بڑی تھی اور پھر اُم العیال نامی بستی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال صدقہ کہلاتی تھی' پھر مضیق نامی بستی بھی قریب ہی تھی جو کافی بڑی تھی نیز محضہ' وبرہ' خضرہ اور فعوہ نامی بستیاں بھی تھیں جن میں سے ہر ایک میں کھجوروں کے باغ اور زرعی زمین تھی' ان کی وادیاں ابواء اور پھر ودّان میں جا گرتی تھیں' اس وادی آرہ کو حقیل کہتے تھے' وہیں ایک بستی تھی جسے وبعان کہتے تھے اور اس آرہ کے پیچھے وادی تھی جس میں اور بستیاں تھیں۔ انتہٰی۔

آنقہ

یہ وہ وادی تھی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور یہ وادیٔ عقیق میں گرتی تھی۔

آبار اور اُبَیر

یہ اَجْرَدَ کی وادیوں میں سے تھی جو ینبع میں گرتی تھیں۔

اَبُرق خترب

یہ ضَریّہ کی چراگاہ میں تھی اور یہاں چاندی کی کان تھی جسے بہت استعمال میں لایا جاتا تھا۔

اَبُرقُ الدّاث

یہ بھی چراگاہ میں تھی اور اس کی دلیل جبلہ کے ذکر میں آ رہی ہے اور داث ایک عظیم وادی تھی' اس کی بالائی جانب اور ضَریّہ کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ تھا۔

اَبُرقُ الغُرّاف

یہ مدینہ اور ربذہ کے درمیان' مدینہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھی' یہاں قدیم دور میں بھاری پانی کے کنوئیں تھے۔ آگے لفظِ غراف میں آ رہا ہے کہ اُس نام رکھنے کی وجہ یہاں جنات کی آوازیں تھیں چنانچہ ابن اسحاق کے کہتے ہیں کہ خریم بن فاتک نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا کہ کیا میں آپ کو اپنے اسلام لانے کا ابتدائی واقعہ نہ بتاؤں؟ میں اپنے اونٹ تلاش کرتا پھر رہا تھا' ابرق الغراف پہنچا' رات بیت رہی تھی کہ میں نے بلند آواز نکالی اور کہا: میں اس وادی کے بیوقوفوں سے اللہ عزیز کی پناہ مانگتا ہوں' یکا یک سنا تو آواز آئی:

''اے نوجوان! عظمت والے ربّ کی پناہ مانگو جو بزرگ ہے' نعمتیں دیتا ہے اور فضل و کرم فرماتا ہے'
پھر سورۂ انفال کی آیات پڑھا کرو' اللہ کی توحید بیان کرو اور پھر بے فکر ہو جاؤ۔''

یہ آواز سن کر میں بہت خوفزدہ ہوا' جب میں سنبھلا تو کہا:

''اے ہاتف! جو کچھ تم نے کہا ہے' کیا یہ درست ہے یا گمراہ کر رہے ہو؟ اللہ تمہیں ہدایت دے'

مجھے بتاؤ' اب میں کیا کروں؟''

ہاتف نے پھر جواب دیا:

''یہ دیکھو' اللہ کے رسول آئے ہیں جو بھلائی کی بات کرتے ہیں' بھلائی کی طرف بلاتے ہیں اور راہِ نجات کی راہنمائی کرتے ہیں' روزے اور نماز کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو مشکلات سے نکالتے ہیں۔''

پھر ابن اسحاق نے اور شعر ذکر کئے' پھر ان کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لانے کا ذکر کیا۔ یہ ابارق نامی وادیاں بہت سی تھیں۔ لغت میں ابرق اس زمین کو کہتے ہیں جس میں پتھر' ریت اور مٹی ہو۔

اُبْلٰی

یہ لفظ حُبْلٰی کے وزن پر ہے۔ علامہ حرّام' حجر اور رحضیہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: پھر مکہ کو جائے اور اس وادی کی طرف مڑے جسے عریفطان کہتے ہیں جو پہاڑوں کے سامنے ہے اور اسے ''اُبْلٰی'' کہا جاتا ہے۔

علامہ حرام نے اس کے بعد ان کنوؤں (چشموں) کا ذکر کیا جن کا ذکر آگے آ رہا ہے اور بتایا کہ یہ بنوسلیم کے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وادی آج کل سوارقیہ اور رحضیہ کے درمیان مشہور ہے اور مدینہ سے چار دن کی مسافت پر ہے چنانچہ زہری سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوسلیم کی اراضی کی طرف انہیں بھیجا اور وہ ان دنوں جرف اُبلیٰ میں بئر معاویہ پر تھے اور یہ ابلیٰ ارحضیہ اور قران کے درمیان تھی۔

اَبْواء

یہ لفظ حَلْواء کے وزن پر ہے۔ اس کا ذکر مسجدِ رمادہ اور مسجد ابواء میں گذر چکا ہے۔

کثیر عزہ سے پوچھا گیا کہ اس کا نام ابواء کیوں رکھا گیا تو انہوں نے کہا' اس لئے کہ لوگوں نے وہاں ٹھکانہ بنایا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ سیلابوں نے یہاں گھر کر رکھا تھا۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ فُرع کے ماتحت ایک بستی تھی' اس کے اور مدینہ کی طرف سے جحفہ کے درمیان تئیس میل کا فاصلہ تھا چنانچہ مدینہ سے اس کا فاصلہ پانچ دن کی مسافت بنتا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابواء آرہ کی دائیں طرف اور اس راستے کی دائیں طرف جو مکہ کی طرف جاتا تھا' وہاں ایک شہر بھی تھا جو اس پہاڑ کے نام پر مشہور تھا اور یہ حافظ ابن حجر کی زبان میں یوں ہے: ابواء فُرع کے زیرِ عمل ایک پہاڑ ہے' نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دل پر بھاری تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ سیلاب یہاں داخل ہو جایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں' سب معانی جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ یہ پہاڑ کا نام بھی ہے' بستی کا بھی اور وادی کا بھی' اس کا ذکر حدیثِ صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آتا ہے اور یہیں حضور ﷺ کی والدہ کی قبرِ انور بھی ہے (رضی اللہ

تعالیٰ عنہا) اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے والدِ گرامی کھجوریں لینے کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں فوت ہو گئے' آپ کی زوجہ محترمہ ہر سال ان کی قبرِ انور کی زیارت کے لئے جایا کرتیں اور جب رسول اللہ ﷺ چھ سال کے ہو گئے تو وہ آپ کو ہمراہ لئے نکلیں' حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے' کچھ کہتے ہیں کہ ابو طالب تھے نیز اُمِ ایمن بھی تھیں چنانچہ واپسی پر وہ یہاں انتقال فرما گئیں۔ایک روایت میں ہے کہ ان کی قبرِ انور مکہ میں ہے تاہم علامہ نووی کہتے ہیں کہ پہلی بات صحیح ہے۔

اَلْاُکْتُمہ

اس سے مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وادی ہے۔اس کا ذکر عقیق کی وادیوں میں گزر چکا ہے' علامہ ھجری کہتے ہیں کہ یہ ایک وسیع وادی تھی اور حضیر میں جا گرتی تھی' وہاں ابن زبیر کے نام سے ایک کنواں بھی مشہور ہے۔

اُثال

یہ وادی' وادی ستارہ میں شامل ہو جاتی تھی جسے قدید کہتے تھے' یہ اُم معبد کے خیموں کی وادی میں بہتی تھی۔

اُثایہ

علامہ مجد نے عیاض کی طرح اسے ہمزہ کی پیش اور زیر سے پڑھا ہے۔انہوں نے مساجد فتح میں اسے ترجیحی طور پر یونہی لکھا ہے۔ چنانچہ فضائل کے بیان میں ایک حدیث گذر چکی ہے: نبی کریم ﷺ جب مکہ سے واپس تشریف لاتے اور اُثایہ میں پہنچتے تو اپنی چادر بچھا لیتے اور فرماتے: کتنی پاکیزہ ہوائیں آ رہی ہیں پھر حضور ﷺ کے مکہ کو تشریف لے جانے کے ذکر میں مؤطا کے اندر یہ حدیث ملتی ہے: آپ تشریف لے گئے اور جب آپ رویثہ اور عرج کے درمیان اثایہ کے مقام پر پہنچے تو یکا یک دیکھا ایک ہرن چھاؤں میں بیٹھا تھا جس کے جسم میں تیر لگا ہوا تھا' آپ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ اس کے پاس کھڑا رہے تاکہ کوئی اسے تکلیف نہ پہنچائے۔

اُثْبَہ

یہ لفظ اثب کا واحد ہے اور یہ ایک مشہور درخت کا نام ہے۔عقیق وادی کے کنوؤں کے ذکر میں ذوالاثبہ کا ذکر آ چکا ہے چنانچہ ابو وجزہ کہتے ہیں:

''خواتین نے ذواثب کے باغوں کا ارادہ کیا کہ وہاں قیلولہ کر سکیں' وہ عقیق کے چشمہ کی رونق تھیں۔''

علامہ ھجری نے نقیع کی چراگاہ کے بارے میں کہا ہے: حرہ کے مشرق میں دو مثلث تھیں جن کا پانی صاف ستھرا تھا' ایک اثب اور دوسرا اثیب' پھر ان کی ترتیب بیان کرتے ہوئے بیان کیا کہ: پھر اثبہ تھا' وہاں ایک کنواں تھا جسے اثبہ

کہتے تھے اسی کی وجہ سے وادی کا نام اثیہ رکھا گیا' اسی جگہ عبد اللہ بن ضمرہ زبیری کی جائیداد تھی اور یحییٰ زبیری کا کھجوروں کا باغ بھی تھا۔

اُثَیفِیه

یہ مدینہ میں وادیٔ عقیق کے اندر ایک جگہ تھی۔ علامہ صغانی کہتے ہیں کہ اس کی وادیوں میں ذواثیفہ کا ذکر آ چکا ہے۔

اُثَیل

یہ اُثل کی تصغیر ہے' یہ جگہ بدر اور صفراء کے درمیان تھی' وہیں آلِ جعفر بن ابو طالب کا چشمہ تھا' جسے ذواثیل کہا جاتا تھا۔ ابن السکیت کہتے ہیں کہ یاء پر شدّ ہے (اثیّل)۔ چنانچہ جب بدر سے واپسی پر نضر بن حارث بن کلدہ کو قتل کر دیا گیا تو اس کی بیٹی قتیلہ نے مرثیہ لکھا اور نبی کریم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے اس لفظ کا استعمال یوں کیا تھا:

یـــا راکبـــا انّ الاثیـــل مظـنّة　　　مـن صبـح خـامسة و انت موفّق

جب رسول اللہ ﷺ نے اس کے یہ اشعار سنے تو نرم دل ہو گئے اور فرمایا: اگر میں نضر کے قتل سے پہلے اس کے یہ اشعار سن لیتا تو اس کا والد اس کے سپرد کر دیتا۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر سے واپسی پر "اثیل" کے مقام پر عصر کی نماز پڑھی تھی' جب ایک رکعت پڑھ لی تو تبسم فرمایا' آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے بتایا میرے ہاں سے حضرت میکائیل علیہ السلام گذرے ہیں' ان کے پروں پر گرد و غبار تھا' وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگے اور بتایا کہ میں کافروں کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں (کہ انہیں قتل کر سکوں)۔

یہ اثیل اس میدان میں ایک اور جگہ کا نام بھی تھا جس کا اکثر حصہ بنو کنانہ میں سے بنو ضمرہ کا تھا پھر اسی جگہ ایک اور مقامِ ذاتِ اجدال تھا جو صفراء کی تنگ جگہ میں تھا۔

اَجْرد

بصّہ کے نزدیک بنو خدرہ کا ایک قلعہ تھا نیز جہینہ کا پہاڑ تھا جو بواط جلسی شامی جانب تھا جو اشعر کے ساتھ تھا' اجرد ایک اور پہاڑ کا نام بھی ہے اور مدلجہ سے پہلے ایک جگہ کا نام بھی ہے۔

اَجَشّ

یہ قباء میں بنو انیف کا ایک قلعہ تھا۔

اَجْفَر

خزیمہ اور فید کے درمیان ایک جگہ کا نام تھا۔

اُجُمِ بنو ساعدہ

یہ بنو ساعدہ کے قلعے تھے جو ذباب کے قریب تھے۔ مدینہ کے اجم اور اطم وہاں کے قلعے کہلاتے تھے۔ابن السکیت کہتے تھے کہ اجم وہ قلعہ تھا جسے اہلِ مدینہ نے بنایا تھا نیز ہر گھر جو مربع شکل اور چھت والا ہوتا تھا' اسے اجم کہتے تھے۔

اُحَامِر

علامہ عرام کہتے ہیں کہ اُبلیٰ کے مقابلے میں ایک پہاڑ تھا جو اس کے مشرق میں تھا اور اسے ذوالموقعہ کہتے تھے' یہ بنوسلیم کا معدنی پہاڑ تھا' پھر اس کے بالمقابل دائیں جانب قبلہ کی طرف ایک پہاڑ تھا جسے احامر کہتے تھے۔علامہ یاقوت اپنی کتاب المشترک میں لکھتے ہیں کہ احامر البغیبغہ ایک سرخ پہاڑ تھا جو ضریہ کی چراگاہ کے پہاڑوں میں سے تھا۔

اَحْباب

یہ لفظ حبیب کی جمع ہے اور سوارقیہ کے پہلو میں ایک شہر ہے۔

اَحْجَار الزَّیت

یہ زوراء کے قریب وادی تھی چنانچہ علامہ یاقوت لکھتے ہیں' یہ وہ جگہ تھی جس میں پتھر بہت تھے' راستہ ان کے اوپر تھا چنانچہ وہ پتھر مٹی وغیرہ میں دفن ہو گئے۔ابن جبیر کہتے ہیں کہ یہ ایک پتھر تھا جو آج بھی موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔کہتے ہیں کہ اس میں سے حضورﷺ کے لئے زیتون کا تیل برس آیا تھا۔نمازِ استسقاء (بارش کے لئے) یہیں پڑھی جایا کرتی تھی۔جہاں پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ یہ پتھر شہداءِ اُحد کے ہاں سے لایا گیا تھا وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ مالک بن سنان اصحابِ عباء کے پاس دفن کئے گئے تھے۔

ابن زبالہ سے ایک روایت ہے کہ وہاں احجار زیت ہے اور حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مشہور ہے چنانچہ اس مزار کے قریب احجار زیت زوراء میں تھی جس کا تعلق بازار مدینہ سے تھا جیسے ابن شبہ کے کلام سے سمجھ آتا ہے۔

وہ کہتے ہیں' ابن ابی فدیک نے کہا کہ میں نے تین احجار زیت دیکھے جو اُمِ کلدب کے گھر کے سامنے تھے' وہ کہتے ہیں کہ آج کل اس کی پہچان بیت بنو اسد کے نام سے ہے' مٹی ان پتھروں پر چڑھ گئی تو وہ دفن ہو گئے تھے۔

حلال بن طلحہ عمری کہتے ہیں' انہیں حبیب بن سلمہ نے لکھا کہ حضرت کعب نے مجھ سے کہا کہ میں انہیں اپنی قوم

میں سے اس شخص کے بارے میں بتاؤں جو سرزمین میں کا عالم ہے چنانچہ جب حضرت کعب مدینہ آئے تو کسی ضرورت سے میرے پاس پہنچے اور کہا کہ زمین بھر میں عالم تم ہی ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں۔انہوں نے کہا کہ آئندہ دن میرے پاس آنا چنانچہ صبح ہوئی تو میں ان کے پاس گیا: انہوں نے کہا: کیا تم احجار زیت کے بارے میں جانتے ہو کہ کہاں ہے؟ میں نے کہا' ہاں جانتا ہوں۔زوراء میں کچھ پتھر تھے جن پر تیل لگانے والے تیل ڈالا کرتے تھے' میں ان کے پاس پہنچا اور کہا کہ یہ ہیں احجار زیت۔اس پر حضرت کعب نے کہا' بخدا احجار زیت یہ نہیں' نہ ہی ہماری کتاب میں اس کی شانی لکھی ہوئی ہے' میرے آگے آگے چلو کیونکہ تم راستے کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو'ہم چل پڑے اور بنو عبد الاشہل کے پاس پہنچے۔حضرت کعب نے کہا جن احجار زیت کے بارے میں کتاب اللہ بتاتی ہے' وہ یہاں ہیں' چاہو تو لوگوں سے پوچھ لو چنانچہ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔پھر کہا کہ عنقریب مدینہ میں اسی کے پاس گھمسان کی جنگ ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ احجار زیت دو مقام تھے' پہلا وہ جو ابو داؤد کی اس حدیث میں مذکور ہے: آبی اللحم کے غلام عمیر نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ زوراء کے مقام پر آپ نے احجار زیت کے نزدیک بارش کے لئے دعا کرنے کی خاطر اپنے ہاتھ مبارک چہرۂ انور کے سامنے اُٹھائے۔

ایک اور روایت میں ہے' حضرت محمد بن ابراہیم کہتے ہیں' مجھے اس شخص نے اطلاع دی جس نے نبی کریم ﷺ کو احجار زیت کے پاس ہتھیلیاں پھیلائے دعا فرماتے دیکھا تھا۔

دوسرا مقام وہ ہے جو حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو عبد الاشہل کے گھروں میں "حرۃ" سے مراد لیا ہے' واقعۂ حرہ یہیں ہوا تھا (جہاں ظالم یزید نے قتل و غارت کرائی تھی کہ اس کی بیعت ہو سکے) اور شاید اس حدیث میں بھی یہی مراد ہے: (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا) اے ابو ذر! اس وقت تمہاری حالت کیسی ہوگی جب تم احجار زیت کو دیکھو گے کہ خون میں نہا گیا ہوگا؟ وہ کہتے ہیں' میں نے عرض کی' جیسے اللہ و رسول اللہ ﷺ کو منظور ہوگا۔آپ نے فرمایا: اس وقت تمہیں اس کا ساتھ دینا ہوگا جس کے ساتھ ہو گے۔ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے: تم ان کے ساتھ ہو جانا جن سے تمہارا تعلق ہوگا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا تھا) لوگوں کو سولیاں دی جائیں گی اور احجار زیت خون میں نہا جائے گا۔احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد پہلی جگہ ہو کیونکہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کچھ حضرات کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ واقعہ محمد کے قتل سے تعلق رکھتا تھا جنہیں "نفسِ زکیہ" کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی احجار زیت کے قریب قتل کئے گئے تھے جیسے ان کے جائے شہادت کے بارے میں پہلے اشارہ دیا جا چکا ہے۔

علامہ مرجانی کہتے ہیں کہ حرہ کے مقام پر ایک زمینی ٹکڑا تھا جسے احجار زیت کہتے تھے کیونکہ اس کے پتھر سیاہ رنگ کے تھے' لگتا تھا جیسے ان پر زیتون کا تیل لگایا گیا ہو اور یہی وہ جگہ تھی جہاں حضور ﷺ نے بارش کی دعا فرمائی تھی۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں، علامہ مرجانی ان دونوں مقامات کی پہچان نہیں رکھ سکے کیونکہ بارش کی دعا آپ نے اس مقام پر فرمائی تھی جو زوراء کے قریب تھی جیسے بتایا جا چکا۔

اَحْجَار المراء

علامہ مجد کے مطابق یہ جگہ قباء میں تھی۔ اس کا ذکر بنو عمرو بن عوف کے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے اور نہایہ ابن الاثیر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احجار المراء کے قریب حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات فرمائی تھی لیکن علامہ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ جگہ قباء تھی۔

اُحُد

اس کا ذکر پانچویں باب کی ساتویں فصل میں اُحد کے فضائل میں آ چکا ہے۔

اَلْاَحْیَاء

یہ لفظ حَــــیّ کی جمع ہے جو عرب کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ ایک کنوئیں کا نام تھا جو رابغہ کے مقام پر ثنیۂ مرہ کی نچلی جانب تھا۔ یہیں عبیدہ بن حارث بن مطلب کا چھوٹا سا لشکر اترا تھا۔

اَلْاَخَارِج

ضریہ کی جانب بنو کلاب کے پہاڑوں میں سے ایک تھا۔

اَخْزَم

یہ لفظ اَحْمد کے وزن پر ہے، ملل اور روحاء کے درمیان ایک پہاڑ ہے، آج کل اسے خزیم کہتے ہیں۔

اَلْاَ خْضَر

یہ تبوک کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب تبوک تشریف لے گئے تھے تو یہاں قیام فرمایا تھا۔

اَدْیه

یہ سیاہ رنگ کی وادی تھی جو فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھی۔

اَذَاخِر

یہ لفظ اِذْخر کی جمع ہے جو مدینہ کی ایک وادی تھی جیسے پانچویں فصل میں بتا دیا گیا ہے، پھر یہ مکہ کے قریب ایک جگہ تھی جس کی طرف اذخر نامی بُوٹی منسوب تھی۔

اَذْبَل

یہ لفظ احمد کے وزن پر ہے۔ یہ ایک قلعہ تھا جسے اُراکہ کے پاس دارِ بنو سالم میں قبیلۂ سالم اور بنو غنم نے بنا رکھا تھا۔

اَرَابن

یہ مبرک کے مقام کے پیچھے ایک جگہ تھی جو جہینہ نامی پہاڑ کی نچلی جانب صفراء کی تنگ جگہ میں تھی چنانچہ کثیر نے کہا تھا:

''جب تم دارِ عزّہ کو یاد کرو تو اس کے قریب ہو جاؤ' پھر رحیب' ارابن اور نخال کو یاد کرو۔''

اَراك

یہ ایک پہاڑ ہے جس کے نزدیک اضم سے آنے والے سیلاب سمندر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اَرْثَد

یہ بھی احمد کے وزن پر ہے' یہ ابواء میں ایک وادی تھی چنانچہ کثیر کہتے ہیں:
''جب اَرْثد کے مقام پر ہمیں خیمے دکھائی دیں اور مرخثین دکادک کے پہاڑ نظر آئیں۔''

اَرْجَام

یہ مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔

اَرْحَضِيَّه

یہ انصار اور بنو سلیم کی ایک بستی تھی' یہاں بہت سے کنوئیں اور کھیتیاں تھیں۔ اس کے بالمقابل ایک بستی تھی جسے حجر کہتے تھے۔ یہ بات علامہ عرّام نے لکھی ہے اور علامہ مجد نے اس بات کا پتہ چلایا ہے کہ اُبلیٰ کے قریب تھی' آج کل اسے رُحْضِیّہ کہتے ہیں۔ علامہ عرّام کے نسخہ میں یونہی لکھا ہے اور راء سے شروع ہونے والے الفاظ میں علامہ نے اسے یونہی بیان کیا ہے جیسے آگے آ رہا ہے۔ علامہ اسدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ مدینہ منورہ اور معدن بنو سلیم کے راستے کے عین درمیان میں ہے اور دونوں مقامات میں سے ہر ایک سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے اور خلیفہ رشید مدینہ سے واپس آتا تو اسی راستے سے گذرتا نیز اسی نے اس کا نام ارحضیہ رکھا تھا۔

ارض جابر

حضرت جابر کی یہ زمین ان کے قرض خواہوں کو پیش کی گئی تھی' یہ رومہ کے راستے میں تھی۔ اس کا ذکر بئرِ قراصّہ

میں گذر چکا ہے۔

اَرْوٰی

یہ لفظ ''اُرْوِیَّۃ'' کی جمع ہے' پہاڑی بکری کو کہتے ہیں۔اَروی' عقیق کے قریب' حاج کے مقام پر بنوخزارہ کا کنواں تھا چنانچہ ان کا شاعر کہتا ہے:

''اروی کے مقام پر ایک کان ہے کہ اگر تم اسے کھود ڈالو تو بہت سے درہموں والے امیر بن جاؤ۔''

اُرُوْم

یہ ایک پہاڑ ہے جس کا ذکر ربذہ کی چراگاہ میں گذر چکا ہے۔ لفظ اراک کے ذکر میں اس کی وضاحت آ چکی ہے۔

اُرَیْکَۃ

یہ جہینہ کے وزن پر ہے اور ضریہ کی چراگاہ کے مغرب میں ایک جگہ کا نام ہے۔مدینہ میں جو سب سے پہلے آیا تو اس کی تصدیق یہیں ہوئی تھی۔

اُسْقُف

یہ رابوغ کی جانب ایک پہاڑ تھا۔اس کا ذکر خاخ میں موجود ہے۔

اَسْوَاف

یہ بقیع کی شامی جانب ایک جگہ کا نام ہے جس کا ذکر مدینہ کی مسجدوں میں آ چکا ہے۔ابن عبد البر کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ یہ حضرت زید بن ثابت کی اراضی تھی چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید کو مدینہ پر حکمران بنایا کرتے اور جب واپس آتے تو انہیں کھجوروں کا ایک باغ دیتے۔ ابو الزیاد کہتے ہیں' ہم آپس میں کہا کرتے کہ اساویف وہ مقام ہیں جو حضرت عمر نے انہیں دیئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اسواف کا کچھ حصہ وراثت کے طور پر عرب کے ایک گروہ کے قبضہ میں تھا جسے زیود کے نام سے جانتے تھے' شاید یہ لوگ حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔

طبرانی کی اوسط میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے تشریف لے گئے' ان کا گھر اسواف میں تھا' ان کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کے لئے کھجور کے درخت کے نیچے چٹائی بچھائی: آپ تشریف فرمایا ہوئے اور ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک آدمی آ رہا ہے جو جنتی ہے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔آپ نے دوبارہ

یونہی فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے پھر تیسری مرتبہ یونہی فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہو گئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اسواف میں ایک کنوئیں پر بیٹھے اور اس میں پاؤں لٹکا دیئے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکر' عمر اور عثمان کی آمد کا ذکر کیا جیسے بئر اریس کی حدیث میں ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان تینوں کو آنے کی اجازت دیں اور ساتھ ہی انہیں جنت کی بشارت دیں۔

حضرت واقدی کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اُحد میں قتل ہو گئے اور ان کے بھائی نے مالِ وراثت کی آیتِ اترنے سے پہلے ان کا مال لے لیا تو ان کی بیوی اسواف میں تھی' اس نے کھانا تیار کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو بلایا' آپ نے ہمیں فرمایا کہ میرے ساتھ چلو' چنانچہ ہم بیس افراد آپ کے ساتھ ہو لئے اور اسواف میں جا پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے تو ہم بھی وہاں داخل ہو گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نہ تو وہاں کوئی تکیہ تھا اور نہ ہی بچھونا' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اہلِ جنت میں سے ایک آدمی آ رہا ہے۔ ہم دیکھنے لگے کہ کون آتا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے' ہم اُٹھے اور انہیں جنت کی خوشخبری دی پھر انہوں نے سلام کہا تو سب نے سلام کا جواب دیا اور پھر بیٹھ گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے پھر فرمایا کہ تمہارے پاس ایک جنتی شخص آ رہے ہیں۔ ہم دیکھنے لگے کہ کون آتا ہے چنانچہ حضرت عمر حاضر ہوئے۔ ہم نے کھڑے ہو کر انہیں بشارت دی' انہوں نے سلام کہا اور بیٹھ گئے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ تمہارے پاس ایک جنتی آ رہا ہے' ہم نے اندر سے جھانکا تو حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے دکھائی دیئے' ہم نے انہیں جنت کی بشارت دی' وہ آئے اور بیٹھ گئے پھر کھانا لایا گیا' کھانا اتنا تھا کہ ایک یا دو شخص کا گذارہ ہو سکتا تھا' حضور ﷺ نے اس کھانے میں ہاتھ رکھا اور فرمایا: بسم اللہ شریف پڑھ کر کھاؤ' ہم نے کھانا شروع کیا اور سیر ہو کر کھایا اور اس میں سے ضائع نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کھانا اٹھا لو' انہوں نے اٹھا لیا تو پھر ہمارے سامنے' ایک طبق میں کھجوریں رکھ دی گئیں' وہ تھوڑی سی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بسم اللہ شریف پڑھ کر کھاؤ' ہم نے خوب کھائیں اور میں دیکھ رہا تھا کہ طبق میں کھجوریں اتنی کی اتنی ہی تھیں۔

پھر ظہر کا وقت ہو گیا' رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی اور پانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا' پھر مجھ سے گفتگو فرماتے رہے کہ اتنے میں عصر کا وقت ہو گیا اور پھر باقی کھانا لایا گیا' ہم نے سیر ہو کر کھایا' حضور ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہمیں نمازِ عصر پڑھائی لیکن پانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

اس کے بعد حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اُٹھیں اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد بن ربیع احد میں قتل ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے بھائی نے ان کا مال لینے کا قصہ بیان کیا جبکہ مال وراثت کا حکم بعد میں اترا تھا اور یہ بھی بتایا کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیٹی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھی۔ وہ ان دنوں حاملہ تھیں۔

اَشَاقِر

مکہ اور مدینہ کے درمیان یہ پہاڑ تھے۔

اَشْعَر

وہاں کا پہاڑ جہاں جہینہ رہتے تھے جو ینبع کی طرف نیچے کی طرف آ ملتا تھا۔ علامہ ھجری کہتے ہیں کہ میں نے اشعر اور اجرد نامی جہینہ کے دونوں پہاڑوں کو پایا اور یہ بھی پتہ چلا کہ قریش نے وہاں زمین لی تھی چنانچہ میں نے اسے اس حدیث کے لئے نقل کیا جو ان دونوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے فتنوں سے امن کے بارے میں آئی۔

علامہ اشعری کہتے ہیں کہ اسے یمن کی طرف سے وادیٔ روحاء گھیرے ہوئے تھی اور شامی جانب سے وادی بواطان۔ پھر فضیلت احد میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ: سب پہاڑوں میں سے احد' اشعر اور ورقان بہتر ہیں۔

اُشْنَف

یہ وہ قلعہ تھا جو مسجد خربہ کے سامنے تھا۔

اَشِيق

اسے استعمال کرتے وقت لفظ ھضب اس کی طرف مضاف کیا جاتا ہے تاہم عقیلی حضرات اسے شفیق پڑھتے تھے اس کا ذکر فید کی چراگاہ میں گذر چکا ہے۔ یہ ہموار زمین پر آباد شہر تھا اور اس کی مٹی سفید رنگ کی تھی جیسے کافور ہوتا ہے۔ اس میں سب سے بہتر کنواں ریان نامی اور پھر عرفجا تھا۔

اَضَاةُ بَنِیْ غَفَّار

یہ ھَصَاۃ کے وزن پر ہے' پاک صاف پانی کو کہتے ہیں۔ مشارق میں لکھا ہے کہ یہ مدینہ میں ایک جگہ کا نام تھا' اسی سلسلے میں ایک حدیث آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اضاۃِ بنی غفار کے پاس ہی حضرت جبریل سے ملے تھے۔ انتہی شاید یہ بنو غفار کے گھروں کے بیان میں گذرا ہے لیکن ''تناضب'' کے بیان میں آ رہا ہے کہ یہ مکہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

اُضَاح

یہ لفظ غُراب کے وزن پر ہے' اس میں ''واؤ'' ہمزہ بن گئی ہے۔ یہ عرفجا سے ایک رات کے فاصلے پر ایک بازار تھا۔

اَضَافِر

یہ ضفیرہ کے لفظ کی جمع ہے' ریت کے تودے کو کہا کرتے تھے۔ ان گھاٹیوں کو کہتے ہیں کہ بدر کو جاتے وقت

جب حضور علیہ السلام ذفران سے چلے تھے تو انہی سے گذرے تھے اور ذوالاضافر زمین پر پھیلی پہاڑیاں تھیں جو حرشی سے دو میل کے فاصلے پر تھیں؛ انہیں اَضافر بھی کہتے ہیں۔

اِضَمْ

عِنَبٌ کے وزن پر ہے۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ اس وادی کا نام ہے جس میں مدینہ طیبہ واقع ہے لیکن درست بات وہ ہے جو پانچویں فصل میں وادیوں کا بیان کرتے ہوئے گذر چکی ہے؛ علامہ هجری کی بات بھی اسی سے ملتی جلتی ہے کہ اِضَم سیلابوں کے اجتماع والی جگہ کو کہتے ہیں؛ احوص نے بھی اپنے اس قول سے اسی کو مراد لیا ہے:

''اے اضم کے مقام علیاء میں آگ سلگانے والے: جلائے جا کیونکہ تم نے اس شوق کو بھڑکایا ہے جو ختم ہونے کا نہیں۔''

وہ کہتے ہیں کہ مقامِ اضم میں کنوؤں پر قبیلۂ زعاب کی جائیداد تھی۔اسے اضم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سیلاب یہاں آ کر اکٹھے ہوتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اسے ''ضیقہ'' کہتے ہیں پھر اس وادی میں ایک پہاڑ ہے جسے اضم کہتے ہیں جیسے پہلے اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

علامہ مجد کی قاموس میں ہے کہ اضم ایک پہاڑ کا نام ہے اور وہ وادی جس میں نبی کریم علیہ السلام کا شہر مدینہ موجود ہے اور جو مدینہ کے قریب ہے؛ اسے قناۃ کہتے ہیں اور اس کی بالائی جانب بند کے نزدیک شظاۃ ہے اور اس کی نچلی طرف کو اضم کہتے ہیں۔انتہٰی اور مستدرک میں علامہ یاقوت نے لکھا ہے کہ اضم مدینہ میں ایک وادی کا نام ہے جسے مدینہ کے قریب آ کر قناۃ کہتے ہیں۔

علامہ بیہقی نے حضور علیہ السلام کی رکانہ پہلوان سے کشتی کے بارے میں لکھا ہے کہ رکانہ ایک وادی میں اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا جسے اضم کہتے تھے چنانچہ رسول اللہ علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے اس وادی کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

طبقاتِ ابن سعد میں حضرت ابو قتادہ کے اِضم کی طرف چھوٹا لشکر بھیجنے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ یہ ذی خشب اور ذی المروۃ کے درمیان تھی؛ اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان چھتیس میل کا فاصلہ تھا۔

اَلْاُطُول

مسجد خربہ (جسے بعد میں صالحہ کہا گیا) کے پاس قبلہ میں؛ بنو عبید کے گھروں کے پاس ایک قلعہ تھا۔

اَعشار

عقیق کی وادیوں میں سے ایک وادی یا مقام تھا۔پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام اعشار کی غار میں

تشریف لے گئے تھے۔

اَعْظُمْ

عظم (عذی) کی جمع ہے اور یہ ذات الجیش کی شمالی جانب ایک بڑا پہاڑ تھا (مجد)' علامہ مراغی اسے اَعْظَمْ پڑھتے ہیں پھر اسے عَظَم بھی پڑھا جاتا ہے' اہلِ مدینہ یہی لفظ بولتے ہیں اور کلام زبیر میں یہی لفظ موجود ہے اور اسی کے بارے میں عامل زبیری کا شعر ہے۔

''جس نے بنو اسد کے اس قبیلہ کا ارادہ کر لیا ہے' اسے کہہ دو کہ تم نے عیر اور اَعظم کی بلند چوٹیوں کا ارادہ کر لیا ہے۔''

کتاب ہجری میں مذکور ہے کہ محمد بن قلیح کے اکابر کہتے تھے کہ جب بھی عظم پر آسمان سے روشنی پڑتی تو زور دار بارش ہوا کرتی۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس کے اوپر کسی نبی یا نیک شخص کی قبر موجود ہے۔ محمد بن قلیح کہتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جب میں اپنی دونوں جائیدادوں سے دکھائی دیتا تو عظم میری منزل ہوتی یعنی میں اس کے لئے دعا کیا کرتا اور جب کبھی کبھار ہم پر بارش ہوتی تو ہمارا یہ عَظَم نیک بخت واقع ہوتا اور یہاں خوب بارش ہوتی۔

اَعْمادْ

یہ چار قلعے تھے جو مذاد اور ذُوَبُجُل کے درمیان تھے پھر یہ بنو عبید کا رہائشی پہاڑ تھا جس کا کچھ حصہ بنو عبید کا تھا اور کچھ بنو سلمہ میں سے بنو حرام کا تھا۔

اَعْواف

اسے عواف بھی بولتے ہیں' یہ حضور ﷺ کے صدقات اور کنوؤں میں سے تھا۔

اَلْاَعْوَص

یہ مدینہ کے مشرق میں ایک جگہ کا نام تھا جو بئر سائب اور بئر المطلب کے درمیانی راستے کی ایک جانب میں تھا' وہاں کئی گھر اور کنوئیں تھے۔ اعوص کہنے کی وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ میں سے ایک آدمی نے ارادہ کیا کہ وہاں ایک کنواں نکالے اسے مشکل پیش آئی' یہاں اسماعیل بن عمرو بن سعید الاشدق رہتا تھا۔ حضرت عمر بن العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس قول میں اسی کا ارادہ کیا تھا کہ: اگر میں معاہدہ کرتا تو دو آدمیوں میں سے آگے نہ بڑھتا یعنی صاحب اعوص اور بنو تمیم کے اعمش یعنی قاسم بن محمد سے۔

اَغْلَب

بنو سواد کا قلعہ تھا اور ان کے گھروں کے بیان میں اس کا ذکر آ چکا۔

أَفَاعِيَة

یہ ''مجاهده'' کے وزن پر ہے' مکہ کی طرف جاتے بلند ہوئے راستے میں بنو سلیم کا گھاٹ تھا اور معدن بنو سلیم سے ساڑھے چھبیس میل کے فاصلے پر تھا۔ اسدی کہتے ہیں: یہاں اونٹوں کا گلہ اور کئی کنوئیں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ صدیق اور زبیر کی اولاد کے پاس تھا اور کچھ حصہ قیس کے پاس تھا۔

أُفْرَاق

مشارق میں لکھا ہے کہ یہ گویا فرق کی جمع ہے۔ کچھ نے اسے اِفْراق بھی پڑھا ہے' یہ مدینہ کی اراضی اور اس کے باغوں میں سے ایک تھا۔ علامہ بکری نے اسے اُفْراق ہی پڑھا ہے۔

أُفْلُس

علامہ ہجری لکھتے ہیں کہ جب بقیع کے میدان سے عقیق کا سیلاب بہتا تو قراوہ اُفْلُس سے نکلتا' یہ چٹیل میدان تھا جس میں کوئی درخت نہ تھا اور اس کی زمین شیشے جیسی سفید تھی۔

أُقْعُس

ایک پہاڑ ہے جس کا ذکر ضریہ کی چراگاہ میں گذر چکا ہے۔

أُكْحَل

اسے صاحب المسالک والممالک نے مدینہ کے ماتحت علاقے میں شمار کیا ہے' یہاں حضرت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اراضی تھی اور چھٹی فصل میں گذر چکا ہے کہ سانہ اور اس کے قریب جند اور اُکْحَل کی طرف کا راستہ نقیع کی چراگاہ کے سامنے بائیں طرف آتا تھا یعنی جو مدینہ سے نکل کر اس کی طرف جاتا تھا۔

أَلَابُ

سَراب کے وزن پر ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مزینہ کے گھروں کا ایک وسیع حصہ زمین تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک مشہور وادی تھی جسے علامہ ہجری نے اَشعر کی وادیوں میں شمار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں یہ وادی مضیق الصفراء سے ''علا'' چشمے سے نچلی طرف مل جاتی تھی۔

أَلْبُنُ

اسے لفظِ یَلْبَن سے بنایا گیا ہے' یاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے۔

اُلْهَان

بنو قریظہ کی ایک جگہ کا نام تھا۔

اُمُّ الْعِيَال

لفظ آرہ کی وضاحت میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔علامہ عرّام کہتے ہیں کہ یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رفاہی زمین تھی' یہاں ایک چشمہ تھا جہاں ایک بستی تھی۔ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ حضرت جعفر بن طلحہ بن عبید اللہ تیمی کا چشمہ تھا جس پر انہوں نے دو لاکھ دینار خرچ کیے تھے۔اس کا پانی بیس ہزار کھجور کے درختوں کو سیراب کرتا تھا۔

اَمَجُ

یہ مدینہ کے ماتحت ایک شہر تھا۔ابو المنذر بن محمد کہتے ہیں کہ امج اور عران دو وادیاں تھیں جو حرۂ بنو سلیم سے شروع ہوتی تھیں اور سمندر میں جا گرتی تھیں۔

میں کہتا ہوں' علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ یہ امج' خلیص کے بعد مکہ کی جانب دو میل کے فاصلے پر تھی۔وہ مزید بتاتے ہیں کہ اس سے ایک میل کے فاصلے پر وادیٔ ازرق تھی جسے عران کہتے تھے۔امج بنو خزاعہ کی وادی تھی' اس میں بیس کے قریب کنوئیں تھے جن سے زراعت کی جاتی تھی۔انتہیٰ۔

ولید بن عباس قرشی کہتے ہیں کہ میں مکہ کی طرف اپنے بھگوڑے غلام کے پیچھے گیا' خوب چلا اور تیسرے دن صبح کے وقت امج میں پہنچا' میں تھک چکا تھا۔اپنی سواری کا سامان اُتارا اور پشت کے بل لیٹ گیا اور اشعار گنگنانے لگا:

> ''غادا اور مدلج میں سے کوئی زمین پر موجود ہے تو سنو' میری طرف سے امج کے گھر والوں سے سلام کہہ دو۔''

پھر مجھے پتہ ہی نہ چل سکا کہ ایک بوڑھا شخص عصا لئے لڑکھڑاتا ہوا میری طرف آ رہا تھا' اس نے آ کر کہا: اے جوان' میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ یہ اشعار دوبارہ پڑھو۔میں نے کہا کہ سر لگا کر پڑھوں؟ اس نے کہا ہاں سُر لگا کر پڑھو چنانچہ میں نے پڑھ دئے' وہ ناچنے لگا اور جب میں فارغ ہو گیا تو اس نے کہا: جانتے ہو کہ ان اشعار کا قائل کون ہے؟ میں نے کہا' نہیں۔انہوں نے کہا' بخدا میں انہیں اسّی سال سے پڑھ رہا ہوں۔مجھے اس وقت پتہ چلا کہ وہ امج میں سے تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا: کیا تم وہی ہو جس نے کہا ہے کہ حمید نے اپنے گھر کو دو شعروں سے گرایا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔حضرت عمر نے کہا' میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ تجھ سے دشمنی رکھتا ہے اور تم اس کی تعریف کر رہے ہو' اور اس سے ہٹتے ہی نہیں ہو۔اس نے کہا: کیا آپ نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ (الیٰ) وَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔اس پر حضرت عمر نے کہا' میں دیکھ رہا ہوں کہ

تم جنگل میں پھر رہے ہو! اے حمید! تم پر افسوس ہے' تمہارا باپ تو نیک شخص تھا لیکن تم برے آدمی ہو۔ اس نے کہا: اللہ تمہیں درست رکھے' باپ کی طرح کون ہوا کرتا ہے' تمہارا باپ تو بُرا تھا لیکن تم اچھے انسان ہو۔

ذُو اَمَر

اسدی کہتے ہیں کہ یہ فید کے راستے میں مدینہ کو جاتے ہوئے ایک وادی تھی جو مدینہ سے تین مرحلوں پر بستی نخیل میں واقع تھی' ابن حزم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جہینہ عوسجہ جہنی کو ہزار درہم دینے کا عہد کیا اور انہیں وادی اَمَـر دی تھی۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا ایک لڑکا ایک فتنہ کے موقع پر کسی وجہ کی بنا پر اضم سے الگ ہو گیا تھا۔

اِمَّرَہ

اِمَّعَـہ کے وزن پر ہے' اسے اَمَّرَہ بھی پڑھتے ہیں' یہ جگہ ضریہ کی چراگاہ کی ایک جانب تھی جو المنار پہاڑ کے قریب تھی۔ یہ عراق کے حاجیوں کے ٹھہرنے کا مقام تھا' وہاں بہت سے ستھرے کنوئیں تھے۔ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچوں ع کے نام پر اس کا یہ نام رکھا گیا۔

اُنسان

یہ وہ پہاڑ تھا جس کے درمیان پانی تھا جسے ''انسان'' کہا جاتا تھا۔ علامہ ہجری فید چراگاہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ رخام کی شرقی جانب ایک کنواں تھا جسے انسان کہتے تھے' یہ کعب بن سعد غنوی شاعر کا تھا' یہ پہاڑ اور ریت کے اس ٹیلے کی دائیں جانب تھا جسے انسان کا ٹیلہ کہا جاتا تھا۔

اُنْعُم

یہ عالیہ (مدینہ کا بالائی حصہ) میں ایک جگہ تھی۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے اوپر کچھ گھر آباد تھے۔

یہ تو مجد نے لکھا ہے لیکن درست قول جسے جریر نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو وادیٔ عاقل میں چراگاہِ ضریہ کے قریب تھا۔ علامہ مجد اسے عین کی زبر سے پڑھتے ہیں اور ان دونوں کو الگ الگ شمار کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ وادیٔ عاقل میں یہ یمامہ اور مدینہ کے درمیان تھا اور یہی وہ پہاڑ تھا جس پر مزنی اور جابر بن عبداللہ ربعی نے گھر بنا رکھا تھا۔

علامہ مجدؒ کا قول ''انه الذی بنی علیه المزنی'' اس ''اُنْعَم'' کے بارے میں ہے جس کے متعلق علامہ نصر نے کہا ہے کہ وہ مدینہ میں تھا۔ علامہ مجد نے وادیٔ عاقل میں موجود اُنْعَم کے بارے میں گذشتہ حدیث بھی بتائی ہے کہ حضور

علیہ السلام اس سرخ پہاڑ کی طرف نکلے جو منارتین میں تھا' جس کا نام انْعم تھا تو شاید نقل کرنے والے کو غلطی لگی۔

اھَاب

یہ لفظ کِتَـاب کے وزن پر ہے' مسلم شریف میں حدیث ہے کہ "مکانات" "اھاب" تک پہنچ جائیں گے' یا فرمایا یِھَاب تک حضرت عیاض کہتے ہیں کہ ہمارے تمام مشائخ اسدی اور صدفی وغیرہ نے اسے شک کی حالت ہی میں لکھا ہے کہ "یا یِھَاب" ہے' تمیمی بھی یونہی لکھتے ہیں۔ مجھے یہ لفظ اس حدیث کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں مل سکا۔ یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔ انتہی۔ علامہ مجد نے بھی انہی کی پیروی کی ہے جبکہ روایتِ احمد میں آ چکا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نکل کر بئرا ھاب پر تشریف لائے اور فرمایا: عنقریب مکانات اس جگہ تک بن جائیں گے پھر عباد زرقی سے حرم میں شکار کے بیان میں آ چکا ہے کہ وہ اِھاب کنوئیں پر چڑیوں کا شکار کرتے تھے اور یہی وہ کنواں ہے جس کا ذکر چھٹے باب کی ابتداء میں مبارک کنوؤں کے بیان میں گذر چکا' وہاں ہم نے بتایا تھا کہ یہ غربی حرہ (پتھریلی زمین) میں ہے اور ظاہر ہے کہ آج کل اسے "زمزم" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ذُو اُوَان

یہ لفظ اُوان بولا جاتا ہے جس کا معنٰی وقت ہوتا ہے' یہ مدینہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام جب تبوک سے واپس ہوئے تو ذی اوان میں ٹھہرے۔ یہ وہ مقام ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان ایک گھنٹہ کا سفر ہے' یہیں آپ کو مسجد ضرار کے بارے میں اطلاع ملی تھی۔

اُوسَاط

یہ لفظ مسجد قباء کے بیان میں آ چکا ہے کہ: آپ سعد بن عبادہ کے گھر میں ایک جنازہ میں شریک ہوئے' علامہ مراغی نے بھی اسے نقطوں کے بغیر لکھا ہے لہٰذا اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ مقام بنو ساعدہ کے گھروں میں تھا۔ لیکن دوسری روایت میں انہوں نے "بلحارث بن خزرج" کا نام لکھا ہے۔

اَیِّد

یہ وہ لفظ اید ہے جس کا معنٰی قوت اور سختی کرنا ہوتا ہے' 'اَدَ یَئِیْدُ اَیْدًا' سے' یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام تھا۔

حَرْفُ الباء

بئرِ اَرْمٰی

یہ وہ کنواں تھا جس کے قریب ہی ''غزوۂ ذات الرقاع'' واقع ہوا تھا' یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا' علامہ مجد نے یونہی لکھا ہے' انہوں نے اسے واقدی سے لیا ہے تاہم ہم بتائیں گے کہ صحیح تین دن کہنا ہے (تین میل نہیں)۔

بئرِ اَلْیَۃ

یہ لفظ اَلْیَۃُ الشَّاۃ (دنبے کی چکی) سے لیا گیا ہے۔ یہ بنوعوال کے حرم میں تھا اور مدینہ سے چالیس میل سے کچھ زائد فاصلے پر تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ فسح الحیا میں وادی کا نام تھا' یہ فسح' عرنہ میں ایک وادی ہے اور وادی عرفہ ایک باغ میں تھی جس کی نچلی طرف دورِ جاہلیت و اسلام میں گھوڑے چرائے جاتے تھے۔

بئرِ جُشَم

پانچویں فصل کے اندر وادیٔ رانونا کے ذکر میں اسے بیان کیا جا چکا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جشم بن خزارج کے نام سے مشہور تھی جو بنو مالک بن عصب کا دادا تھا' ان کی رہائش بنو بیاضہ میں تھی جو رانونا کے مغرب میں تھی۔

موطا میں حضرت عمرو بن سلیم زرقی سے ہے' وہ کہتے ہیں' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غلام ہے یافع جو ابھی بالغ نہیں ہوا اور بنوغسان سے ہے' اس کی وراثت شام میں ہے' وہ مالدار ہے لیکن یہاں اس کی ایک چچا زاد بہن ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسے اس کے لئے وصیت کرنی چاہئے چنانچہ اس نے کچھ زمین کی وصیت کر دی جسے بئر جشم کہتے تھے' وہ زمین تیس ہزار درہم میں بیچی گئی اور جس چچا زاد کے بارے میں اس نے وصیت کی' وہ اُم عمرو بن سلیم زرقی تھی۔

بنو بیاضہ کے گھروں کا بیان کر کے انہوں نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن عصب بن جشم' والدِ ابو جبلہ غسانی شام میں غسان پر حکمران تھے۔ اس سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور علامہ مجد نے جرف میں یاقوت کی پیروی میں کہا ہے کہ بئرِ جشم اسی مقام پر تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ کنواں اس کے علاوہ ہے جو رانونا کے سیلاب کے ذکر میں بیان ہوا ہے۔

بئرِ الحَرّہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ زیارت کے لئے آنے والے یہاں غسل کرتے تھے۔ شاید یہ بئر السقیا ہی

تھا۔

بئر خَارِجَة

مسلم میں حدیث ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے رسول اللہ ﷺ ہم میں سے اُٹھ گئے اور واپسی میں دیر کر دی ہم کو اندیشا ہوا کہ ہم سے اوجھل نہ ہو گئے ہوں ہم گھبرا گئے اور اُٹھ کھڑے ہوئے سب سے پہلے یہ خوف مجھ پر طاری ہوا چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے نکلا اور انصار بنونجار کے باغ میں پہنچا دروازہ ڈھونڈنے کے لئے اس کے گرد پھرا لیکن دروازہ نہ مل سکا۔ یکا یک دیکھا تو حضرت ربیع بئر خارجہ کی طرف سے نکلے اور باغ میں داخل ہوئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صاحب تحرز نے لکھا ہے کہ خارجہ وہ شخص تھا جس کی طرف یہ کنواں منسوب تھا۔

بئر خَرِيف

بئر اریس میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بئر اریس کو اپنے صدقہ کے مال میں شامل کر لیا تھا پھر ایک روایت میں ہے کہ انگوٹھی بھی اسی میں گری تھی۔

بئر الخصي

عنقریب خاء والے الفاظ میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

بئر خَطْمة

یہ وہی بئر ذرع ہے جس کا ذکر چھٹے باب کی ابتداء میں آ چکا ہے۔

بئر دُرُيْك

اس کے بارے میں بئر زریق کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ یہ علامہ مجد کا قول ہے اور بنو خطمہ کے گھروں کے ذکر میں ہے کہ انہوں نے ایک قلعہ بنایا تھا جو بئر درک پر تھا چنانچہ یہاں یہی مراد ہے۔

بئر ذَرْوَان

امام بخاری کے سب راویوں کے نزدیک ذَرْوان ہی ہے ابنِ حذّاء سے بھی یونہی مذکور ہے پھر بخاری کی کتاب الدعوات میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ذروان بنو زریق میں ایک کنواں تھا۔ علامہ جرجانی کہتے ہیں کہ مسلم شریف کے تمام راویوں کے ہاں اس کا نام بئر ذی اروان ہے علامہ اصیلی کے نزدیک یہ بئر ذی اوان ہے اس میں راہ نہیں ہے۔ حضرت عیاض لکھتے ہیں اور علامہ مجد نے بھی ان کی پیروی کی ہے کہ یہ وہم ہے کیونکہ ذی اوان ایک اور جگہ ہے جو مدینہ سے ایک گھنٹے کے سفر پر ہے اور یہ وہی جگہ تھی جہاں مسجد ضرار بنائی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کو جب مسجد ضرار کے بارے میں علم ہوا تو آپ ذی اوان میں تھے۔ابن حجر کہتے ہیں' گویا اصیلی کی روایت سے بئر ذی اروان کے نام کا پتہ چلتا ہے پھر اس سے راء گر گئی۔

وہ کہتے ہیں' روایت ذروان اور ذی اروان کو جمع کرنے کی صورت یوں بنتی ہے کہ اصل میں یہ لفظ ذی اروان تھا پھر کثرتِ استعمال سے ہمزہ میں تسہیل کی گئی تو یہ ذروان بن گیا۔اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابو عبیدہ بکری نے بئر کا نام اروان درست قرار دیا ہے اور جس نے ذروان کہا ہے' اس نے غلط کہا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ غلطی نہیں' ایک روایت میں یہ لفظ بئر اروان بھی آیا ہے' لفظ ذی شامل نہیں۔

میں کہتا ہوں' جس نے ذروان کہا ہے' اس نے اصل لفظ میں تبدیلی کی ہے' اسی لئے عیاض کہتے ہیں: اصمعی نے کہا: کچھ لوگ غلطی کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بئر ذروان اور جسے ابن قتیبہ نے صحیح کہا ہے وہ ذو اروان کا لفظ ہے۔

صحیحین وغیرہ میں اس کنوئیں سے متعلق حدیث لبید بن اعصم کے جادو کے بیان میں ہے' ایک روایت میں یہ نام اعصم سحولی لکھا ملتا ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ یہ شخص بنو زریق میں سے تھا' یہودیوں کا حلیف تھا اور منافق تھا۔اس نے آٹھویں سال میں رسول اللہ ﷺ پر کنگھی میں جادو کر کے اسے اس کنوئیں میں ایک پتھر کے نیچے رکھ دیا' جادو نے آپ پر اثر کر دیا پھر آپ کو یہ سب کچھ خواب میں دکھا دیا گیا اور آخر کا اسے کنوئیں سے نکال کر کھول دیا گیا۔

بخاری شریف ہی میں ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ کنوئیں پر گئے' آپ نے کنوئیں کو دیکھ کر فرمایا: یہ وہی کنواں ہے جو خواب میں مجھے دکھایا گیا ہے' اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف تشریف لے گئے۔حضرت عائشہ کہتی ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے وہ جادو کا تعویذ نکالا نہیں؟ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کی تھی: آپ نے اسے جلا نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا: نہیں کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں رکھا ہے' میں نہیں چاہتا کہ اس وجہ سے لوگوں میں آگ بھڑکے' میں نے کہا ہے کہ اسے دفن کر دو۔

ابن سعد کی ایک روایت ہے: آپ فرماتی ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ نکال کر آپ اسے لوگوں کو دکھا دیتے' آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے محفوظ فرما دیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اسے لوگوں کو دکھانے سے منع کیا گیا ہے۔کنوئیں سے نکالنا منع نہیں' اس سے سب روایات جمع ہو جاتی ہیں۔

امام نسائی نے لکھا ہے کہ ایک یہودی نے حضور ﷺ پر جادو کیا' آپ کو کئی دن تک تکلیف رہی' اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور اس نے گانٹھیں دے کر فلاں کنوئیں میں ڈال دیا ہے۔حضور ﷺ نے اسے نکالنے کے لئے کسی کو بھیجا' اسے نکلوایا اور کھول دیا چنانچہ آپ یوں اُٹھے جیسے رسی سے بندھا انسان اُٹھ کر چنگا بھلا ہو جاتا ہے اور بالکل تندرست ہو گئے۔

حضرت عکرمہ کے مطابق' معاف فرمانے کے بعد آپ اسے دیکھ کر چہرۂ انور ایک طرف فرما لیا کرتے تھے۔علامہ واقدی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ روایت اس روایت سے بہتر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نے

اسے قتل کرا دیا تھا۔

آپ ہی کی ایک روایت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور محرم آ گیا تو مدینہ میں اسلام ظاہر کرنے والے رئیس منافق' لبید بن اعصم کے پاس اکٹھے ہوئے (یہ شخص بنو زریق کا حلیف تھا' یہ جادو کیا کرتا تھا اور سارے یہودی جانتے تھے کہ وہ سب یہودیوں سے زیادہ جادو جانتا تھا) اور کہنے لگے: اے ابو الاعصم! تم ہم سب میں سے زیادہ جادوگر ہو' ہم نے تو محمد پر جادو کیا تھا لیکن کوئی اثر نہیں ہوا' تم دیکھ رہے ہو کہ اس کا ہم پر اثر ہے لہٰذا ہم تمہیں اجرت دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے کے لئے تین دینار دینے کا کہا چنانچہ اس نے کنگھی کے ذریعے سَر سے اترے ہوئے بال لئے' اس پر گانٹھیں لگائیں اور اس پر تھوکا' پھر اسے باندھ کر کنوئیں کی تہ میں دفن کر دیا۔ حضور ﷺ نے ایسی صورت دیکھی کہ آنکھ اسے دیکھ کر مان نہیں رہی تھی' ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ بتا دیا تو آپ نے حضرت جبیر بن ایاس زرقی کو بلایا جس نے آپ کو بتایا کہ بئر ذروان میں اسے یہاں پر پتھر کے نیچے دفن کیا گیا ہے' پھر لبید بن اعصم کو بلایا اور فرمایا: یہ کام تم نے کس وجہ سے کیا ہے؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے کہا کہ دیناروں کی محبت کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

اسحاق بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک کو اس بات کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ آپ کو اعصم کی بیٹیوں اور لبید کی بہنوں نے جادو کیا ہے' وہ لبید سے زیادہ ماہر اور خبیث ہیں' ہاں کنوئیں میں پتھر کے نیچے اسے لبید نے رکھا۔

حارث بن قیس نے عرض کی' یا رسول اللہ! کیا ہم کنوئیں کو ڈھا نہ دیں؟ آپ نے منہ پھیر لیا چنانچہ حارث اور ان کے ساتھیوں نے اسے گرا دیا حالانکہ اس کنوئیں سے میٹھا پانی پیا جاتا تھا۔

حارث کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک اور کنواں خریدا' حضور ﷺ بھی ان کی مدد فرماتے رہے اور آخر انہوں نے پانی نکال لیا' وہ بعد میں گرا دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وہ تعویذ قیس بن محصن نے نکالا تھا۔

ابن سعد سے بھی روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور عمار کو بلا کر حکم فرمایا کہ اس کنوئیں پر جائیں اور اس کا بندوبست کریں۔ وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ کنوئیں کا پانی مہندی رنگ کا ہو چکا تھا' وہ کنوئیں میں اترے' پتھر کو اُٹھایا تو وہ تعویذ نکلا جس میں گیارہ گانٹھیں لگائی گئی تھیں چنانچہ یہ دو سورتیں اتریں' سورۂ فلق اور سورۂ ناس' حضور ﷺ جیسے جیسے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے تو گانٹھ کھلتی جاتی تھی' یوں وہ ساری گانٹھیں کھل گئیں۔

بئر رئاب

مدینۂ منورہ میں یہ کنواں موجود تھا۔ اس کی دلیل کا ذکر منحیض میں آ رہا ہے۔

بئر رکانہ

عراق کے راستے میں مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں ایک حوض تھا' اس کی پچھلی طرف دو میل کے فاصلے پر بنو مطلب کا کنواں تھا۔

بئر زمزم

اس کا ذکر پچھلے باب کی ابتداء میں بئر اِہاب کے ذکر میں آ چکا ہے' نام اس وجہ سے پڑا کہ اس کے پانی کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔

بئر زیاد

عیون حسین میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

بئر السّائب

یہ مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر نجدی کے راستے میں تھا' اس کے اور "مشقرہ" کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ تھا۔ یہاں ایک محل' عمارتیں اور بازار تھا۔ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لوگوں کے لئے تیار کرایا تھا۔ اس کی وادی کو عرنیہ کہتے تھے' اس کا سیلابی پانی اَعواض میں جا گرتا تھا اور پھر قناۃ میں جا گرتا تھا۔ بئرِ سائب کے اوپر والے پہاڑ کو "شباع" کہتے تھے' کچھ دیہاتی بتاتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی اُوپر والی جانب میں اُترے تھے۔

بئر سمیحہ

اس کنوئیں کا ذکر حرف سین میں آ رہا ہے۔

بئر شَدّاد

مقام شحاشہ کی ایک جانب میں تھا۔

بئر عائشہ

عائشہ نامی شخص قبیلۂ بنو واقف سے تعلق رکھتا تھا' پورا نام عائشہ بن نمیر بن واقف تھا' یہاں اس کا قلعہ موجود تھا اور ان کے مکانات مسجد الفضیح کے قبیلہ کی طرف واقع تھے۔

بئر عَذْق

یہ لفظ عَذْقُ النخلہ سے لیا گیا ہے (یعنی کھجور کا درخت کاٹنا) یہ قباء میں مشہور کنواں تھا' بنو انیف کے گھروں کے

بیان میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

بئر عروہ بن زُبیر

یہاں کے محل سمیت اس کنوئیں کا ذکر عقیق میں گذر چکا ہے۔ یہ مشہور کنواں تھا پھر بند ہو گیا تھا' علامہ مجد کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔

بئر ذَاتُ الْعَلَم

یہ روحاء کے سامنے تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہاں جن کو قتل کیا تھا' یہ ھرشی کے بعد انتہائی آخری کنواں تھا۔

بئر غَامِر

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے صدقہ بئر اریس میں داخل کیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال میں سے تھا جیسے صدقات میں بتایا گیا۔

بئر غَدَق

یہ لفظ غدقت العین سے لیا گیا ہے' جب آنکھ سے آنسو نکلیں تو بولتے ہیں۔ یہ مدینہ میں ایک کنواں تھا جو بلوائیوں (حضرت عثمان پر حملہ کرنے والوں) کے قلعے کے پاس تھا۔ مجھے اس کی اصل کا پتہ نہیں چل سکا' ہاں اس کا ذکر یہود کے منازل میں گذر چکا ہے جہاں یہ آتا ہے کہ یہ لوگ قباء میں تھے' بئر غدق کے قریب بنو انیف کا قلعہ تھا۔ علامہ مجد نے اس میدان کا نام نہیں بتایا جہاں یہ موجود تھا۔ یہ نام آج کل عین کے حرف سے بولا جاتا ہے (عدق) علامہ مجد نے اس کا ذکر نہیں کیا اور اگر ان کی مراد یہی ہے تو پھر انہوں نے اس کے مشہور نام کی مخالفت کی ہے۔

بئر فاطمہ

یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ولید کے اضافے میں گذر چکا: ابن زبالہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام منصور سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت فاطمہؓ اپنی دادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے اس وقت نکلیں جب ان کا مکان مسجد میں شامل کیا گیا اور وہ حرہ کے مقام پر گئیں جہاں انہوں نے اپنا مکان بنوایا' اس وقت وہ راح میں ٹھہری ہوئی تھیں' ان کا یہ گھر ذکوان اور ابراہیم بن ہشام کے مکان کے درمیان تھا اور جب انہوں نے اسے بنایا تو کہا: مجھے وضو اور ایسی ضرورتوں کے لئے کنوئیں کی ضرورت ہے چنانچہ انہوں نے اپنے اس گھر کی جگہ پر دو رکعت نفل پڑھے اور اللہ سے دعا مانگی پھر بیلچہ پکڑا اور کنواں کھودا اور مزدوروں سے کام کرایا۔ چنانچہ پانی نکل آیا اور حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد جب ابراہیم بن ہشام

نے حرہ میں اپنا مکان بنایا اور بازار اس طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو حوض میں گڑھے کو اسی طرح بنایا جیسے فاطمہ نے بنایا تھا۔ ابراہیم بن ہشام نے حضرت عبد اللہ بن حسن بن حسن (فاطمہ بنت حسین کے بیٹے) سے پوچھا کہ فاطمہ کا گھر انہیں بیچ دیں چنانچہ انہوں نے انہیں تین ہزار دینار کے بدلے میں بیچ دیا۔

بئرِ اِھاب میں علامہ مطری کی ترجیح گذر چکی کیونکہ آج کل یہ کنواں زمزم کے نام سے مشہور ہے اور یہ قبلہ کی طرف زمزم کے نام سے مشہور ہے لیکن ہمارے نزدیک اس بات کو اولیت ہے کہ یہ بئرِ اِھاب تھا کیونکہ بئر فاطمہ اس کے قریب تھا' شاید یہ کنواں اس باغ کی شامی جانب تھا۔

بئرِ فُجَّار

اس کا ذکر "شطبیہ" میں آ رہا ہے۔

بئرِ مِدرٰی

مِدرٰی وہ لفظ ہے جس کا معنی کھرچنا ہوتا ہے۔ یہ مدینہ کے ان کنوؤں میں سے تھا جو غزارہ اور طیب کے نام سے معروف تھے۔ زبیر کہتے ہیں کہ بنو قریظہ میں سے ایک شخص نے بلحارث بن خزرج کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا کہ کیا اس کی بئر مدرٰی' ھامات' ذی وشیع یا بئر فجار میں جائیداد ہے؟ اور خود وہ بئرِ اریس میں تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ خبر شطبیہ کے ذکر میں آ چکی ہے اور انہی الفاظ میں ہے چنانچہ ان کا قول ہے "وھی بئر اریس" اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جس کے لئے خبر آئی ہے تو وہ شطبیہ ہے' بئر مدرٰی نہیں اور پھر لوگ جانتے ہیں کہ بئرِ اریس قباء میں تھا اور اگر تمام کنوئیں مراد لیتے ہیں تو پھر بھی یہی مراد ہے کیونکہ شطبیہ انہی میں سے ہے اور یہ اعواف کی جانب تھا اور اگر اس سے انہوں نے بئرِ فجار مراد لیا ہے تو یہ مشہور نہیں اور مہزور کے سیلاب کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے بئرِ مدرٰی کے پاس والا بند باندھا تھا تاکہ مہزور کے سیلاب کو مسجد کی طرف آنے سے روکا جا سکے۔

ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ سرح جسے مدرٰی کہتے تھے وہ آپ کی اراضی میں مہزور سے نکلتا تھا اور اریس تک آ جاتا تھا۔

بئرِ مَرُق

یہ لفظ راء کی زبر اور جزم سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ مدینہ کا ایک کنواں تھا۔ اس کا ذکر ہجرت کی حدیث میں آتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا ذکر تیسرے باب کی ساتویں فصل میں موجود ہے۔ روایت بیہقی میں ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ ایک دن دارِ بنو عبد الاشہل کی طرف حضرت مصعب بن عمیر کی طرف گئے اور بنو ظفر کے ایک باغ میں چلے

گئے۔ (یہ بنوعبد الاشہل کے قریب بنوظفر کی بستی تھی یہ دونوں چچا زاد تھے) اسے بئر مرق کہتے تھے۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ دارِ بنوظفر اور بنوعبد الاشہل کے قریب تھا' وہاں مسجدِ اِجابہ کی ایک جانب کھجور کا باغ تھا جسے مرقیہ کہتے تھے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ اسی کی طرف منسوب تھا۔

بئرِ مُطَّلِب

یہ مدینہ منورہ سے سات میل کے فاصلے پر تھا اور مطلب بن عبد اللہ بن حنطب مخزومی کے نام سے منسوب تھا۔ یہ قول تو علامہ مجد کا ہے اور اسدی نے اسے نجدی کے راستے میں بتایا ہے' وہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے پانچ میل کے فاصلے پر تھا اور چھٹا میل حرۂ واقم پر تھا جو مدینہ کی اوپر والی جانب تھا' شائد یہی بئرِ بنومطلب تھا۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ صخر بن جعد محاربی مدینہ کو آیا تو سیار نامی تاجر کے پاس پہنچا' ان سے گندم اور عطر خریدا اور اس سے کہا کہ کل میرے پاس آنا' میں تمہاری ضرورت پوری کر دوں گا اور پھر اسی رات جنگل کو چلا گیا' صبح ہوئی تو سیار نے ان کے متعلق پوچھا' پھر انہی کے پیچھے سوار ہو کر چل دیا اور بئرِ مطلب پر پہنچا جو مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر تھا' کچھ لوگ ہمراہ تھے' انہیں گرمی کا سامنا ہوا چنانچہ وہاں جا ٹھہرے اور اپنے پاس سے کھجوریں کھائیں نیز اپنے گھوڑوں کو راحت وسکون دیا اور پھر واپس آ گئے۔

بئرِ مَعُوْنَہ

غلطی سے اسے بئرِ معاویہ کا نام بھی دیا جاتا ہے جو عسفان اور مکہ کے درمیان تھا' معاویہ وہی جو ابوسفیان کے لڑکے تھے حالانکہ یہ کنواں وہاں موجود ہی نہیں کیونکہ یہ نون کے ساتھ ہے' یہ تو اُبَــلٰـی نامی پہاڑ کے درمیان ہے' یہ اس راستے میں تھا جو مدینہ سے مکہ کو جاتا ہے اور یہ بنوسلیم کا تھا۔ یہ بات علامہ مجد نے قول عرّام سے لے کر بتائی ہے جو عنقریب لفظ نازیہ میں آ رہا ہے کہ: اُبَــلٰـی میں کئی کنوئیں ہیں جن میں سے بئرِ معونہ' ذوساعدہ' ذوجاجم یا حماحم اور ابوسیا ہیں' یہ بنوسلیم کے تھے۔

ابلیٰ کا بیان پہلے آ چکا ہے جو سوارقیہ اور رحضیّہ کے درمیان تھا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ معونہ وہاں ایک مشہور وادی تھی جیسے مجھے امیرِ مدینہ سیّد شریف فسیطل نے بتایا تھا اور علامہ نووی کا تہذیب میں یہ قول اس کی تائید کرتا ہے: بئرِ معونہ نجد کی طرف تھا جو بنوعامر کی زمین اور حرۂ بنوسلیم کے درمیان تھا اور جو کچھ زہری نے ابلیٰ کے بارے میں لکھا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے لیکن علامہ عیاض نے المشارق میں اس کے خلاف لکھا ہے اور اسے اس کے درمیان بتایا ہے جو عسفان اور مکہ کے درمیان تھا' ان کی پیروی ایک جماعت نے کی ہے جن میں سے آخری حافظ ابن حجر تھے۔

علامہ مجد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ بئرِ معونہ بنوسلیم اور بنوکلاب کی زمین میں تھا اور قصۂ رجیع اسی مقام پر

ہوا تھا' اس میں علامہ عیاض کی کلام کی ترجیح پائی جاتی ہے کیونکہ رجیع وہ جگہ تھی جس کے قرب میں عاصم بن ثابت اور حبیب کا قصہ ہوا تھا' علامہ بخاری نے اسے غزوۃ الرجیع کا نام دیا ہے اور پھر امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے' وہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر عین کی طرف بھیجا جس پر عاصم بن ثابت کو امیر بنایا' وہ چلتے گئے اور جب عسفان و مکہ کے درمیان پہنچے تو ھذیل کا ایک قبیلہ یاد آ گیا۔ وہ ان کے پیچھے گئے اور جہاں وہ ٹھہرے تھے' وہاں پہنچ گئے' انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس مدینہ کی کھجوریں تھیں جو وہ مدینہ سے لے گئے تھے۔ پھر باقی قصہ بیان کیا۔ ابو معشر نے اپنی مغازی میں بیان کیا ہے کہ وہی جگہ رجیع تھی چنانچہ کہا کہ وہ سحری کے وقت رجیع میں جا ٹھہرے' وہاں عجوہ کھجوریں کھائیں جن میں سے ایک گٹھلی زمین پر گر گئی' یہ لوگ رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ اتنے میں ھذیل سے ایک عورت چلائی کہ تم آ گئے چنانچہ وہ انہیں تلاش کرنے آئے تو دیکھا کہ وہ پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ جب وہ "ھدأۃ" پہنچے۔ یہ لفظ انہوں نے "بین عسفان و مکۃ" کی جگہ لیا ہے' ابن اسحاق نے یہ لفظ ھدّۃ بتایا ہے' ہمزہ نہیں لکھا۔ کہتے ہیں کہ یہ مقام عسفان سے نو میل کے فاصلے پر تھا۔

پھر امام بخاری نے باب غزوۃ الرجیع میں بئر معونہ والوں کا واقعہ بیان کیا چنانچہ اس میں اس طرف اشارہ ہے جو علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ یہ ایک ہی جگہ تھی اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ عسفان اور مکہ کے درمیان تھی لیکن جو کچھ علامہ مجد نے لکھا ہے' اس کی گواہی ابن اسحاق کے کام سے ملتی ہے کیونکہ انہوں نے غزوۂ رجیع کے بارے میں کہا: جب وہ رجیع (ھدّہ کی ابتداء میں حجاز کی جانب ہذیل کا کنواں) پہنچے تو ان سے دھوکا کیا۔

پھر غزوۂ معونہ کے بارے میں لکھا کہ ابو براء عامر بن مالک ملاعب الاسنۃ نے عرض کی: اے محمد! کاش آپ اپنے صحابہ میں سے کچھ آدمی اھلِ نجد کی طرف بھیجتے جو آپ کی اطاعت پر انہیں آمادہ کرتے۔ اس کے بعد قاریوں کے بھیجنے کا ذکر کیا اور کہا: وہ چلے اور بئرِ معونہ پر جا قیام کیا' یہ مقام بنو عامر کی زمین اور حرّۂ بنو سلیم کے درمیان تھا' دونوں شہر اسی میں تھے اور یہ حرّۂ بنو سلیم کے زیادہ قریب تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں الگ الگ مقام تھے' الٰہی انہیں مدینہ کے مشرق میں گھیرے ہوئے تھی چنانچہ جو کچھ علامہ مجد نے ذکر کیا ہے وہ ابن اسحاق کے کلام کے موافق ہے۔

بئر المَلِك

یہ بادشاہ تبّع یمانی تھا' اس کنوئیں کو اس نے قناۃ والے اپنے گھر میں اس وقت کھودا تھا جب وہ مدینہ میں آیا تھا چنانچہ یہ نام اسی کی وجہ سے پڑا تھا۔ اس نے دیکھا تو یہ شہر وباء والا تھا۔ اسے بئرِ رومہ سے پانی لا کر دیا جاتا تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ مدینہ کے صدقات میں سے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قناۃ کے مقام پر ایک کنواں تھا جسے بئر الملک کہتے تھے۔

بئر الهجيم

یہ اس قلعہ کی طرف منسوب تھا جسے عصبہ میں ہجیم کہتے تھے۔ مسجد توبہ کے بیان میں گزر چکا کہ عصبہ میں مسجدیں تھیں جن کی معین جگہوں کا کوئی علم نہیں۔ مطری نے اسے بئر ہجم لکھا ہے، مراغی کی تحریر میں حاء پر زبر ہے۔ ابن شبہ نے مدینہ کے کنوؤں میں ایک کنوئیں کا ذکر کیا ہے جسے ہجیر کہتے تھے۔

بأَلَى

تبوک کی مسجدوں میں بھی اس کا ذکر آ رہا ہے۔

بتراء

اس کا ذکر بھی تبوک کی مسجدوں میں آ گیا اور شاید یہ وہ بتراء نہیں جو مدینہ سے ایک مرحلہ (ایک دن) کے فاصلے پر تھا۔ حضور ﷺ غزوۂ بنولحیان کے موقع پر اس میں سے شام کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے چھپ کر گزرے تھے اور غراب کو تشریف لے گئے، پھر مخیض کو اور پھر بتراء کی طرف تشریف لے گئے، پھر بائیں جانب ہوئے، پھر بین کی طرف، پھر صخیرات الثمام کی طرف تشریف لے گئے اور پھر سیدھے محجہ کے راستے پر چلے۔

بَجَرَات

اس کی تصغیر بناتے ہوئے بجیرات بولتے ہیں، یہاں جبل شوران میں آسمانی پانی جمع ہوتا تھا۔

بجدان

یہ مدینہ سے ایک رات کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے، اسے صاحب نہایہ نے ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ: چلتے جاؤ، یہ بجدان ہے کیونکہ تنہا جانے والے آگے نکل گئے۔ زہری نے یونہی ذکر کیا ہے تاہم اکثر حضرات نے اسے جمدان لکھا ہے جیسے آگے آ رہا ہے۔

بُحْرَان

باء پر پیش ہے تاہم ابن الفرات نے اسے باء کی زبر سے پڑھا ہے۔ ابن اسحاق نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے لشکر کے بارے میں لکھا ہے: وہ حجاز کے راستے پر چلتے گئے اور جب فرع کے اوپر معدن پر پہنچے جسے بحران کہتے تھے۔

پھر غزوہ ذی أمرکے بعد کہا: پھر حضور ﷺ قریش کا ارادہ لے کر غزوہ کے لئے چلے اور بحران تک جا پہنچے جو حجاز میں فُرع کی طرف کان تھی، وہاں آپ ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے مہینوں میں ٹھہرے، پھر واپس تشریف لے آئے اور مقابلہ کی نوبت نہ آئی۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے تین سو افراد کو لے کر چلے اور بحران تک جا پہنچے' دیکھا تو بنوسلیم اپنے اپنے کنوؤں کی طرف بکھر گئے۔آپ وہاں دس راتوں تک چھپے رہے۔

بَخْرَج

قباء میں بنو عمرو و بن عوف کا قلعہ تھا۔

بَدَا

وادیٔ قرٰی کے قریب ایک جگہ کا نام ہے' یہاں علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اور ان کی اولاد کی رہائش تھی۔

بدائع

مسجد شیخین میں بتایا جا چکا ہے کہ مدینہ میں اس کی معین جگہ معلوم نہ ہو سکی۔

بَدْر

یہ وہ کنواں تھا جسے بنو غفار میں سے ایک شخص نے کھودا تھا' اس کا نام بدر بن قریش بن مخلد بن نضر بن کنانہ تھا۔یہ بھی کہتے ہیں کہ بدر' بنو ضمرہ میں سے ایک شخص تھا جو اس مقام پر ٹھہرا تھا چنانچہ یہ جگہ اس کے نام سے منسوب ہو گئی اور پھر اس پر یہی نام بولا جانے لگا۔ زبیر کہتے ہیں: قریش بن حارث بن مخلد اور کہتے ہیں کہ مخلد بن نضر کی وجہ سے قریش کو قریش کہتے ہیں کیونکہ اس نے اس کا پتہ بتایا تھا اور وہ ان کا وارث تھا چنانچہ جو لوگ کہتے تھے: قریش کا لشکر آیا۔اس کا بیٹا بدر بن قریش تھا اور اسی کے نام پر بدر کا نام رکھا گیا جہاں جنگِ بدر کا مبارک واقعہ پیش آیا کیونکہ اسے اسی نے کھودا تھا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ بدر اس کنوئیں کا نام تھا جس کی وجہ سے یہ نام پڑا کیونکہ وہ گولائی میں تھا یا اس لئے کہ اس کا پانی صاف تھا کیونکہ چودھویں کا رات اس میں دیکھا جا سکتا تھا لیکن واقدی نے بنو غفار کے بوڑھوں کے حوالے سے اس کا انکار کیا ہے' وہ کہتے تھے: یہی ہمارا ٹھکانہ ہے' ہمارے گھر یہیں ہیں اور ایسا کوئی نہیں جو بدر کے نام سے اس کا مالک ہوا ہو' یہ اس کا نام ویسے ہی ہے جیسے دوسرے شہروں پر بولا جاتا ہے جیسے بدر الموعد' بدر القتال' بدر الاولیٰ' بدر الثانیہ اور بدر الثالثہ' یہ سب ایک ہی جگہ کے نام ہیں' اس واقعۂ بدر میں (جب اللہ نے اسلام کو غالب فرمایا) چودہ آدمی شہید ہوئے تھے جن میں سے ابو عبیدہ بن حارث وہ شخص تھے' جو دیر سے فوت ہوئے' اس وقت وہ صفراء میں پہنچ گئے تھے۔اہلِ سیرت کی کلام سے پتہ چلتا ہے کہ باقی شہداءِ بدر میں دفن ہوئے تھے۔یہیں مسجد عمامہ تھی۔

میں نے ''منازل الحاج'' میں لکھا دیکھا ہے کہ بدر میں پہاڑ کے اندر داخلے تک کا فاصلہ تقریباً نصف فرسخ (چار

کلومیٹر) تھا اور یہ وہ غار تھی جس میں نبی کریم ﷺ داخل ہوئے تھے' انتہی ۔ یہ غار بدر سے آتے ہوئے دائیں طرف آتی تھی' میں نے خود دیکھا کہ حاجی حضرات اس میں برکت کے لئے نفل پڑھتے تھے۔

علامہ مرجانی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عضب نامی تلوار لے کر اس جنگ میں شریک ہوئے تھے اور اس میں فتح کا طبل بجا دیا تھا چنانچہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ انتہی ۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اسی جگہ پر سنی جائیگی اور یہ مدینہ سے چار مرحلہ دور تھی' وہ ایک چشمہ اور کھجور کا باغ تھا۔

بَرَاق

یہ قول کثیر میں اسی مذکور بدر کی طرف مضاف ہے چنانچہ کہتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ انہوں نے ''راق بدر'' کو دائیں طرف رکھا اور ''عنابہ'' کو شمالی جانب۔''

بَرَاق حَوُرہ

اشعر کی وادیوں میں ایک جگہ کا نام ہے جو قبلہ کی طرف تھا۔

بَرَاق خَبُت

یہ ایک جنگلی علاقہ تھا جو بدر سے مکّہ جانے والے کی دائیں طرف آتا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بنو بنوکلب کا ایک کنواں تھا (یا وادی تھی) چنانچہ شاعر بشر نے کہا:

''لوی کی وادیاں ہیں' پھر براق خبت ہے جسے تیز ہواؤں نے مٹا کر رکھ دیا ہے۔''

بَرَام

یہ خیمہ کی شکل کا پہاڑ تھا جو بقیع سے شروع ہوتا تھا' یہ مغرب میں اس پہاڑ کی علامت اور پہچان تھا اور مشرق میں اس کے مقابل عسیب تھا۔

بُرثان

یہ ملل اور اولات الجیش کے درمیان ایک وادی تھی جس پر چل کر رسول اللہ ﷺ بدر کو تشریف لے گئے تھے۔ شاید یہ اس تربان کی بگڑی شکل ہے جو تاء کے الفاظ میں آ رہا ہے۔ علامہ مجد نے یونہی لکھا ہے۔

بَرَج

بنو نضیر کا ایک قلعہ تھا۔

برریان

یہ حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے استعمال میں زمین کے دو پلاٹ تھے' میرے خیال میں مدینے کے بالائی حصے میں یہ دونوں بررہ اور بریہ کے نام سے مشہور ہیں۔

بُرق

یہ لفظ اسی کڑک سے لیا گیا ہے جو بادلوں میں چمکتی ہے اور یہ خیبر کے نزدیک ایک بستی ہے' ان دونوں میں سے ایک کا نام برق بھی تھا۔

بُرقۃ

حضور ﷺ کا رفاہی مال تھا' رہا ''برقة العبرات '' تو یہ ایک خوبصورت علاقہ تھا جو ''ضریہ'' اور ''بستان'' کے درمیان تھا اور یہاں سے نصف میل کے فاصلے پر تھا۔امرئ القیس کے اس شعر میں جو لفظ حلیت میں آ رہا ہے' یہی پتھریلا علاقہ مراد ہے۔

بُرك

مقام شواحط کے سامنے ایک وادی تھی جو سوارقیہ کی ایک جانب تھی جہاں سلم اور عروط کے بہت سے درخت تھے اور اس میں چشمے بھی تھے۔آگے لفظ مبرك میں آ رہا ہے کہ اسے بَرك بھی کہتے تھے۔

برکة

ازرق نامی چشمے کے پانی جمع ہونے کی جگہ تھی۔وہاں امیروں کا ایک خوبصورت باغ تھا۔

بدُمَه

بلاکث کے نزدیک خیبر اور وادئ قرٰی کے درمیان مدینہ کی وادی تھی' وہاں کنوئیں اور قریش کا کھجوروں کا باغ تھا' اسے ذوالبیضہ کہتے تھے۔

بُرُود

جبل جہینہ یعنی اشعر کے درمیان ایک جگہ تھی اور حرۃ النار کے پہلو میں ایک اور جگہ کا نام تھا۔

بُزُرَه

مدینہ سے تین دن کے فاصلے پر ایک جانب کو کہتے تھے' یہ مقام اس جانب اور رویثہ کے درمیان تھا۔علامہ یاقوت' ابن السکیت سے بتاتے ہیں کہ یہ لفظ بزرتان ہے' یہ دو وادیاں تھیں جو مقام رویثہ کے قریب تھیں اور یہ ورج مضیق

میں گرتی تھیں۔

بَزُوراء

ساحلِ سمندر سے اونچا صاف شہر تھا جو جارُ ودان اور طیبہ کے درمیان تھا۔ یہاں سخت گرمی پڑتی تھی' یہاں بنو بکر میں سے بنو ضمرہ رہتے تھے۔

بُصّہ

چھٹے باب کی ابتداء میں ایک کنواں تھا جو اس کی طرف منسوب تھا۔

بُضَیع

ابن السکیت کہتے ہیں کہ غفاریوں کے چشمے کی نچلی طرف داخل ہونے والے کی بائیں طرف وادی تھی۔ میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ یہ وادی وہی ہے جو حرفِ نون میں آ رہی ہے۔

بُطْحَاء

اس میں عظم شامی وادی گرتی تھی اور صلعین بھی اسی میں گرتی تھی پھر یہ دو پہاڑوں میں سے ہوتی ہوئی عقیق میں جا گرتی تھی۔ شاید یہ بطحاءِ ابن زبیر ہے۔

بُطْحان

محدثین اسے یونہی پڑھتے ہیں لیکن اہلِ لغت پہلے حرف کو زبر اور دوسرے کو زیر دیتے ہیں چنانچہ ابوعلی قالی کہتے ہیں کہ اس کے سوا کسی اور طرح اسے پڑھنا صحیح نہیں لیکن میں نے ٹھوس اور ماہر شخص ابو الطیب احمد بن احمد بن شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ بَطْحان میں باء پر زبر اور طاء پر جزم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کچھ حضرات نے ابوعبید قاسم بن سلام سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ لفظ باء پر پیش اور طاء پر جزم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ نام فراخی اور وسعت کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ بَـطـح سے لیا گیا ہے اور اس کا معنٰی فراخی ہے۔ پانچویں فصل میں یہ لفظ گذر چکا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے:

"اے سعد! میں تمہارے بعد شوق کی وجہ سے مصیبت میں رہا ہوں' جس نے مجھے گھیر رکھا ہے' سلع پیاس دور کرتی ہے اور بطحان کے اردگرد زندگی کا سامان ہے' میں شوق کی بناء پر شام کو ان کی طرف جاتا ہوں اور غموں کو غموں سے دور کرتا ہوں۔"

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ بطحان بنو ضباب کے کنوؤں میں ہے چنانچہ یہ اور جگہ تھی۔

بطن اِضم

اضم کے بیان میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

بَطن ذی صُلب

اس کا ذکر پانچویں فصل میں آ چکا ہے۔

بَطن نَخُل

یہ لفظ نَخلة کی جمع ہے اور بصرہ کی طرف جاتے ہوئے مدینہ کے قریب ایک بستی تھی اور جب کوئی مدینہ کو جاتا تو برق العراف کے سامنے آتا۔ یہ مجد کا قول ہے اور علامہ اسدی فید کا راستہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بطنِ نخل سے ''طرق'' کی جانب بیس میل کا فاصلہ تھا جبکہ ''طرف'' سے مدینہ کی طرف پندرہ میل تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ بطنِ نخل قبیلۂ بنو قیس میں سے بنوفزارہ کا تھا' وہاں تین سو سے زیادہ کنوئیں تھے جو سب کے سب ستھرے تھے' ربذہ کا راستہ یہیں سے گذرتا تھا اور ربذہ سے یہ پینتالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ جموم میں ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ بطنِ نخل کی ایک جانب تھا اور اس کی بائیں طرف تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ بطنِ نخل مدینہ سے چار برد (اڑتالیس میل) کے فاصلے پر تھا۔

فقہاء نے بطن نخل میں خاز خوف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غطفان کی سرزمین کی یہ جگہ نجد میں تھی۔ پھر حضرت عثمان کے مسجد نبوی میں اضافے میں اس لفظ کا ذکر یوں ملتا ہے کہ: چونا بطن نخل سے لایا گیا تھا اور اسی کا ذکر کرتے ہوئے مراغی نے کہا ہے کہ بطنِ نخل مدینہ سے چار میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر یہ جگہ پہلی سے الگ ہے' شاید یہ ذو القصہ تھی اور آگے آ رہا ہے کہ یہ ربذہ کے راستے میں مدینہ سے پانچ میل کے فاصلے پر تھی۔

بُطَیحان

یہ لفظ بطحان کی تصغیر ہے۔ اس کا ذکر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسجد نبوی میں اضافے کے بیان میں آ چکا ہے۔

بعاث

باء پر تینوں حرکتیں ہیں لیکن عیاض کہتے ہیں کہ صرف باء پر پیش آتی ہے۔ یہ کھلی جگہ مدینہ کے قریب تھی' یہاں دورِ جاہلیت کے درمیان اوس وخزرج میں کئی جنگیں ہوئی تھیں۔ ابو عبید بکری اسے غین سے پڑھتے ہیں لیکن ان کے سوا کسی اور نے اسے یوں نہیں بتایا۔ المطالع اور المشارق میں اسے بُعاث پڑھا گیا ہے' علامہ قابسی اسے بغاث پڑھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ کے مطابق اسے غین سے پڑھتے ہیں' یہ ایک مکان تھا اور کچھ اسے قلعہ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بنوقریظہ کے نزدیک زرعی زمین تھی جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ علامہ زرکشی کہتے

ہیں کہ یہ اوس کا ایک قلعہ تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ کی جائیداد تھی' یہاں قابل کاشت زمین تھی جسے "قوری" کہتے تھے۔ علامہ رزین کہتے ہیں کہ قروراء کے پاس ایک اونچی جگہ تھی۔ چنانچہ کثیر کہتے ہیں کہ ہماری دوشیزاؤں کے کجاوے اس وقت غیقہ میں نظر آئے جب ہم براث گئے' یہ چچازاد کنواریاں مثیب میں تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ شاید قرورا' قوری کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور شعر میں اس کا ذکر صدقات میں آ چکا ہے کہ یہ دلال اور صافیہ کے ساتھ ہی تھی پھر اس دلال وادی کی نچلی طرف کھجور کا باغ تھا جسے قوران کہتے تھے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ قوری ہے جیسے آگے آ رہا ہے چنانچہ وادئ بعاث اسی جہت میں تھی۔ اس کی دلیل حضرت کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں محمد بن مسلمہ کا قول ہے' وہ کہتے ہیں: ہم ان کے قتل کے بعد نکلے اور بنو امیہ بن زید کے پاس پہنچے' پھر بنو قریظہ کے پاس گئے' پھر بعاث کے پاس اور پھر حرۃ العریض پہنچے۔ اسی سے عیاض اور ان کے بعد والوں کے اس قول کی کمزوری دکھائی دیتی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ یہ مدینہ سے دو راتوں کے فاصلے پر تھی۔

بُعبح

یہ ایک قلعہ تھا جو قباء میں بنو عمرو بن عوف کے گھروں میں تھا۔

بُغَیبغَہ

یہ لفظ بَـغُبَـغ کی تصغیر ہے۔ یہ رشاء کے قریب ایک کنواں تھا۔ ابن شبہ بتاتے ہیں کہ جب مقامِ ینبع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ گیا تو سب سے پہلے آپ نے بُغَیبغہ میں عمل دخل کیا اور جب یہ آپ کا ہو گیا' آپ کو اس کی خوشخبری سنائی گئی تو آپ نے کہا تھا: وارث کو خوشی تو ہوا ہی کرتی ہے اور پھر کہا تھا کہ آج سے یہ مسکینوں' مسافروں اور قریبی ضرورت مندوں کے استعمال میں آئے گا۔ علامہ واقدی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس کی پیداوار ہزار وسق تک پہنچ گئی تھی۔

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ینبع میں بغیبغات کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبضہ ہو گیا' یہ کئی چشمے تھے جن میں سے ایک چشمے کو خیف الارک کہتے تھے' ایک کو خیف لیلی اور ایک کو خیف بسطاس کہتے تھے۔ محمد کہتے ہیں کہ بغیبغات حضرت علی کے قبضے میں آیا تو آپ نے اسے لوگوں کے لئے وقف کر دیا' یہ آپ کے صدقات میں شامل رہا پھر حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب کو دے دیا کہ اس کا پھل کھاتے رہیں' قرض اتاریں اور اپنی ضرورتیں پوری کریں لیکن اس کے لئے شرط یہ تھی کہ اپنی بیٹی یزید بن معاویہ سے نہ بیاہیں چنانچہ عبداللہ نے یہ سب کچھ معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور جب بنو ہاشم کا دور آیا تو صوافی (جس زمین کا کوئی وارث نہ ہو) قبضے میں لے لی گئیں چنانچہ اس بارے میں عبداللہ بن حسن بن حسن نے ابو العباس سے بات کی' وہ اس وقت خلیفہ تھے چنانچہ انہوں نے اسے صدقۂ علی میں واپس کر دیا' یہ اسی حال میں رہی اور پھر ابو جعفر نے اپنے دورِ خلافت میں

اسے قبضہ میں لے لیا' پھر حسن بن زید مہدی نے اپنے دور میں اس بارے میں بات کی تو اسے حضرت علی کے مال میں واپس کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جگہ ینبع میں آج کل جانی پہچانی ہے لیکن ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو اپنے آپ کو اس کا مالک ظاہر کرتے ہیں۔

مبرد کہتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسن کو وصیت کی تھی تو ابو نیزر بغیبغہ کا کنواں انہیں وقف کر دیا تھا۔ یہ مدینہ میں ایک بستی تھی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وہ زمین تھی جس میں کھجور کے بہت سے درخت تھے اور یہاں کا پانی گہرا تھا۔

اہلِ سیرت لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو لکھا تھا: اما بعد: امیر المؤمنین کا خیال یہ ہے کہ سلسلۂ الفت کو بحال کرے' ناراضگی دور کر دے اور صلہ رحمی سے کام لے لہٰذا تم ایسا کرو کہ عبد اللہ بن جعفر سے ان کی بیٹی اُم کلثوم کا امیر المؤمنین کے بیٹے کے لئے رشتہ مانگو اور انہیں حق مہر کا لالچ دو۔

مروان یہ خط لے کر عبد اللہ کے پاس پہنچا' خط پڑھا اور سلسلۂ الفت و محبت کی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ میرے خالو ینبع میں ہیں' کوئی اور ہے نہیں جس سے مشورہ کر سکوں لہٰذا ان کے آنے تک مجھے مہلت دو۔

وہ جب آ گئے تو انہوں نے ان سے بات کی' وہ اُٹھے اور لڑکی (اُم کلثوم) کے پاس گئے اور کہا کہ تمہارے چچا زاد قاسم بن محمد بن جعفر تمہارے ساتھ نکاح کے زیادہ حقدار ہیں' شائد تمہیں حق مہر کا شوق ہے تو وہ تمہیں بغیبات دے دیں گے۔

جب لوگ اکٹھے ہوئے تو مروان نے حضرت معاویہ کی بات کہہ سنائی۔ ادھر حضرت حسین نے بات کر کے اُم کلثوم کا نکاح قاسم سے کر دیا تو مروان نے ان سے کہا: اے حسین! یہ تم نے کیا دھوکا کیا؟ انہوں نے کہا کہ ابتداء تمہاری جانب سے ہوئی ہے چنانچہ اُم کلثوم کی طرف سے یہ مال بنو عبد اللہ کے قبضہ میں رہا' وہ اس کے وارث رہے اور یہ سلسلہ مامون الرشید تک جاری رہا۔ پھر ان کے ساتھ اس بارے میں بات ہوئی تو انہوں نے کہا' ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حضرت علی کا وقف شدہ مال ہے چنانچہ انہوں نے اسے چھین لیا اور اس کے عوض انہیں اور کچھ دیدیا' اسے اپنی پہلی حالت پر بحال کر دیا۔

بقّال

حضرت زبیر نے طلحہ کے ذکر میں کہا تھا: ان کا گھر مدینے میں بقال کے مقام پر بقیع زبیر کے پہلو میں ہے اور اُمہات المومنین کی قبروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ یہ قبریں ان کے گھر کے روشن دان سے اس گلی تک تھیں جو بقال کو جا نکلتی تھی اور یہ کہ ابو رافع کا وہ گھر جسے انہوں نے بقال میں سعد سے لیا تھا وہ بقیع میں محمد بن زید بن علی بن حسین کے

جھونپڑے کے ساتھ ہی تھا جبکہ اسماعیل بن جعفر کے مشہد کے بیان میں آ چکا کہ وہ حضرت زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گھر تھا تو بقال وہیں ہوا۔

بَقْعَاء

بنجر زمین کو کہتے ہیں' یہ جگہ مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف اس وقت گئے تھے جب آپ مرتد ہونے والوں کے خلاف مسلمانوں کو تیار کر رہے تھے۔اسے بقعاء ذی القصہ بھی کہتے تھے جیسے یاقوت نے لکھا ہے۔

بُقع

یہ مدینہ میں ایک کنواں تھا۔واقدی کہتے ہیں کہ بُقع وہ کنواں تھا جو بنو دینار کے پہاڑی راستے میں تھا۔علامہ یاقوت نے اپنی ''المشترک'' میں لکھا ہے کہ بُقع مدینہ میں ایک کنوئیں کا نام تھا۔

بقیع بطحان

بقیع کا یہ لفظ وادئ بطحان کی طرف مضاف ہے جس کا ذکر پہلے گذرا۔صحیح بخاری میں حضرت ابوموسےٰ سے ہے:

''میں اور میرے وہ ساتھی جو میرے ساتھ بقیع بطحان میں اترنے کے لئے آئے۔''

بَقِیع خَبْجَبَه

علامہ مجد کہتے ہیں کہ ابوداؤد نے اسے اپنی سنن میں یونہی ذکر کیا ہے اور خبجبہ وہ درخت تھا جس کی وجہ سے اس جگہ کی پہچان تھی۔سہیلی کہتے ہیں کہ یہ بات کمزور ہے جبکہ سب راویوں نے اسے دوجیم سے ذکر کیا ہے' انتہٰی۔

سنن ابوداؤد میں اس کی حرکتوں (زبر' زیر' پیش) کا ذکر نہیں بلکہ انہوں نے اسے جنائز سے پہلے ''باب قصة المقداد حين وجدبه الدنانير'' میں ذکر کیا ہے لیکن حرکتیں نہیں بتائیں' شائد مراد یہ ہے کہ اس میں یہ روایت انہی حرکتوں سے ہے لیکن ابن الاثیر نے اپنی ''نہایہ'' میں دو خاء سے لکھا ہے جن کے درمیان یاء موجود ہے (یعنی خیخبہ) قاموس میں خبجبہ کا لفظ ہے جو ایک درخت کا نام تھا اور اسی سے مدینہ میں بقیع الخبجبہ کا ذکر ملتا ہے کیونکہ وہ درخت یہیں تھا یا یہ لفظ دوجیموں سے ہے (خَبْجَبَهُ) انتہٰی۔

علامہ اقشہری کے قلم سے میں نے لکھا دیکھا ہے کہ یہ دوجیم سے ہے جن میں سے پہلی پر پیش ہے۔اس کا ذکر اس مقام پر گذر چکا ہے جہاں ان اینٹوں کا ذکر ہے جو مسجد نبوی کے لئے بنائی گئی تھیں۔

ابن ابی شبہ نے ضباعہ بنت زبیر سے مقداد کا قصہ ذکر کیا ہے' یہ مقداد کی بیوی تھیں' وہ کہتی ہیں: لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے دو یا تین دنوں کے لئے جاتے تھے تو یوں مینگنیاں کرتے تھے جیسے اونٹ کرتے ہیں چنانچہ ایک دن کسی

ضرورت سے حضرت مقداد نکلے اور خبجبہ تک جا پہنچے' یہ جگہ بقیع الغرقد میں تھی' وہ اپنی ضرورت سے نکلے' ابھی وہ بیٹھے تھے کہ ایک چوہے نے اپنے سوراخ سے ایک دینار باہر نکال رکھا' پھر ایک ایک کر کے لاتا چلا گیا اور سترہ دینار تک نکال دیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ دینار لے لئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے سوراخ میں ہاتھ تو نہیں ڈالا تھا؟ میں نے عرض کی' اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دین دے کر بھیجا ہے' میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ان دیناروں کی وجہ سے تم پر صدقہ نہیں' اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس میں برکت رکھے۔ ضباعہ بتاتی ہیں کہ یہ دینار آخر تک آپ کے ہاں سے ختم نہ ہوئے اور ان کے گھر میں بے شمار دولت رہی۔

بقیع الخیل

یہ مدینہ کی مشرقی جانب ایک جگہ تھی جو مصلّے کے ساتھ ہی تھی۔

بقیع الزبیر

یہ جگہ بنو غنم کے گھروں کے ساتھ تھی اور بنو زریق کے گھروں کے مشرق میں تھی' اسی کے پہلو میں مشرقی جانب بقال تھی۔

ابن شبہ حضرت کعب بن اشرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جس کا ذکر بازار مدینہ میں گزرا' نبی کریم ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ بقیع زبیر کو بازار بنا لیں تو واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت کعب قتل ہو گئے تو حضرت زبیر نے نبی کریم ﷺ سے زمین کا ایک ٹکڑا مانگا جو آپ نے انہیں دے دیا چنانچہ یہ بقیع زبیر کہلایا چنانچہ اس میں حضرت زبیر نے گھر بنائے' ایک دارِ عروہ تھا پھر اس کے مشرق میں حضرت عروہ کی گلی تک دارِ منذر تھا اور جب تم بنو مازن کے پاس جانے کا ارادہ کرو تو تمہاری بائیں طرف دارِ مصعب بن جبیر تھا' پھر اس میں اس گلی کے دروازے پر جو تمہیں دارِ نفیس بن محمد تک لے جاتی تھی' دارِ آل عکاشہ بن مصعب تھا' پھر اسی میں دارِ آلِ عبد اللہ بن زبیر تھا جو دارِ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پھیلا ہوا تھا اور پھر اسی میں اس مقام پر جہاں راستے بکھرتے تھے' حضرت نافع زبیری کا گھر تھا' یہ سب حضرت زبیر کی طرف سے ان کی اولاد پر صدقہ تھا۔

ابن شبہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عباس بن ربیعہ نے اپنا گھر بنو غنم میں بنایا تھا جو دارِ اُم کلثوم بنت صدیق اور زمین کے اس ٹکڑے کے درمیان تھا جو تمہیں بقیع زبیر کی طرف لے جاتا تھا۔ ان گھروں کا ذکر بع بقال' بنو مزینہ میں سے بنو اوس کے گھروں میں آ چکا ہے۔

بقیع الغَرقد

یہ ایک کانٹے دار بڑا درخت تھا جو بقیع میں اُگا ہوا تھا۔ بقیع مسلمانوں کا قبرستان تھا اور جب یہ قبرستان بنا تو وہ

درخت کاٹ دیا گیا تھا جیسے پہلے بیان ہو چکا اور وہاں اس کی فضیلت بھی بتائی جا چکی اور بقیع ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں کئی قسم کے درخت ہوں۔

عمرو بن نعمان بیاضی اپنی قوم کے قتل ہو جانے والوں کا مرثیہ لکھتا ہے جنھیں باغ میں بند کر دیا گیا تھا' وہ لڑے جس کے نتیجے میں وہ سب قتل ہو گئے تھے:

''وہ لوگ کہاں ہیں جن سے میں غبطہ کرتا تھا؟ وہ عقیق سے لے کر بقیع الغرقد تک پھیلے تھے۔''

بکرات

ضریہ کی چراگاہ کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی وضاحت لفظ حلیت میں آ رہی ہے۔

بَلَاط

اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔

بَلَاکِث

یہ برمہ کی جانب تھی۔ یعقوب کہتے ہیں کہ بلکثہ ایک عظیم پہاڑی تھی جو اِضَم' ذی خشب اور ذی المروہ کے درمیان تھی۔

بَلْحان

یہ کعب بن اِسد قرظی کا وہ قلعہ تھا جو شجرہ نامی جگہ میں تھا۔ آج کل اسے شجیرہ کہا جاتا ہے۔

بُلْدُود

باء پر پیش ہے اور کبھی اس پر زبر پڑھی جاتی ہے' صغانی نے اسے دو زبروں سے پڑھا ہے (بَلَدُوْد) یہ مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ تھی۔

بَلْدة اور بُلَيْدَة

یہ پہلے لفظ کی تصغیر ہے۔ یہ دونوں وادیاں اشعر کی وادیوں سے باغ کی نچلی طرف مشہور تھیں۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ بُلَیْد زبیر کے وزن پر ہے جو مدینہ کے قریب ایک وادی تھی' یہ ینبع میں جا گرتی تھی۔

نہایہ میں ہے کہ بُلَیْد آلِ علی کی بستی تھی جو ینبع کے قریب وادی میں تھی' انتہی۔

میں بھی کہتا ہوں کہ بُـلَیْد اسمِ تصغیر ہے' اس کا ذکر پہلے آ چکا کیونکہ یاقوت کہتے ہیں بُـلَیْد کا لفظ بـلد کی تصغیر ہے اور یہ دو جگہیں تھیں:

(۱) مدینہ کے قریب اس وادی میں ایک جگہ تھی جو آلِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وادی میں ینبع کے اندر جا گرتی تھی۔

(۲) حجاز میں آل سعید بن عنبسہ بن سعید بن عاص کا ایک گوشہ تھا۔

بواطان

علامہ ہجری کہتے ہیں کہ یہ اشعر میں تھی' اسے شام کی طرف سے بواطانِ غوری و جلسی گھیرے ہوئے تھیں' یہ دو پہاڑ تھے جن کے سرے الگ الگ تھے جبکہ دونوں کی جڑ ایک ہی تھی' ان کے درمیان پہاڑی تھی جس میں سے بوجھ لدے اونٹ گذرتے تھے' رسول اکرم ﷺ غزوۂ ذی العشیرہ کی طرف جاتے ہوئے یہاں سے گذرے تھے' بواط جلسی میں رہنے والے بنو ذبیان اور بنو ربعہ تھے جن کا تعلق جہینہ سے تھا۔ یہ ملتحتین کے ساتھ ملتی تھی۔

عیاض کہتے ہیں کہ بــــواط میں باء پر پیش ہے پھر اصیلی سے ہمیں یہ لفظ باء کی زبر اور پیش سے ملتا ہے اور یہ مشہور ہے' یہ جہینہ کا ایک پہاڑ تھا۔ اس وادی کا ذکر اس جگہ ملتا ہے جہاں مدینہ کی وادیوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے' یہیں غزوۂ بواط واقع ہوا تھا۔

بُوَيْرَمَه

بنو حارث بن خزرج کا کنواں تھا جیسے ابن شبہ سے لکھا ملتا ہے اور شاید یہی کنواں بویرہ تھا جو آگے آ رہا ہے۔

بُوَيْرَہ

لفظِ بئر کی تصغیر ہے جس سے پانی پیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نضیر کا باغ جلایا گیا' یہ بویرہ تھا۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ بویرہ' بنو نضیر کے گھروں کی جگہ تھی۔ مرجانی نے اس کا ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے: کہتے ہیں کہ ان جگہوں میں سے ایک خاص جگہ تھی۔ پہلے قول کو جمل بن جوال تغلبی نے ترجیح دی ہے جبکہ دوسرے کو حافظ ابن حجر نے پہلا درجہ کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے بویلہ کہا جاتا ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زبیر بن عوام اور ابو سلمہ کو بُـوَیْـلـہ دیا جو بنو نضیر کی اراضی تھی پھر پہلے آ چکا ہے کہ بـویلہ بنو نضیر کے گھروں میں ایک قلعہ تھا۔ ابن زبالہ کہتے ہیں' یہ ان کے ایک قبیلہ کے پاس تھا جو یمن سے جا ملے تھے تو شاید یہ بُوَیَرہ کے پاس تھا لہٰذا اس نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے علامہ رزین وغیرہ کی اتباع کی ہے کہ "بویرہ وہ جگہ ہے جو مغربی جانب سے قبلۂ مسجد قباء میں مشہور ہے۔" علامہ رزین لکھتے ہیں: "اسی مقام پر نضیر اور قریظہ کے گھر' پھر ان کا قلعہ موجود تھا اور یہ جگہ حضور ﷺ کا مالِ صدقہ کہلاتی تھی۔"

پھر دوسری فصل' بیان صدقات میں اس کا بیان اور پھر ردّ گذر چکا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ وہم کیونکر پیدا ہوا۔

علامہ ابن زبالہ نے مساجد مدینہ اور حضور ﷺ کے مقامات کے بیان میں تربتِ صعیب کی حدیث لکھی ہے جو

آج کل دیار بنو حارث میں حدیقۃ' جشو نیہ کے گوشے میں مشہور ہے' پھر کہا کہ یہ صعیب مرجشہ نامی باغ کے قریب تھا جو بویرہ کے مکانوں میں راستے پر تھا۔ پھر انصار کے گھروں کی فضیلت کے موقع پر بتایا جا چکا کہ نبی کریم ﷺ بویرہ کے بالمقابل راستے میں کھڑے ہوئے تھے اور فرمایا تھا: سب سے بہتر مرد و زن ان گھروں میں رہتے ہیں' آپ کا اشارہ دار بنو سالم' دار بلحبلی اور دار بلحارث بن خزرج کی طرف تھا جبکہ یہ صفت اس جگہ پر بھی نہیں آتی جو مسجد قباء کے قبلہ میں ہے کیونکہ وہ بہت دور تھی۔

جہاں تک میں سمجھا ہوں کہ جو بویرہ' بنو نضیر سے تعلق رکھتا تھا' جہاں آگ لگنے کا واقعہ ہوا تھا اور جو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں آیا ہے' وہ نہیں جو قباء میں تھا بلکہ یہ ان میں تھا جن کا ذکر پہلے اپنے مقام پر گذر چکا اور یہ گذر چکا ہے کہ ان کے کچھ گھر غرس کی جانب تھے چنانچہ یہ اس بات کے مطابق ہے کہ یہ صعیب و بلحارث کی قبروں کے قریب تھے۔

بیداء

علامہ مطری اور ان کے پیروکار کہتے ہیں' یہ وہ مقام تھا کہ جب حاجی لوگ ذوالحلیفہ سے کوچ کرتے تھے تو مغرب کی طرف اسے سامنے دیکھتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ "بیداء" وادی سے اوپر چڑھنے والے کے لئے ذوالحلیفہ کی دو علامتوں سے اوپر کی طرف تھا۔ یہ بات ابو عبید البکری وغیرہ نے کی ہے۔ انتہی۔ چنانچہ بیداء کی ابتداء ذوالحلیفہ کے اخیر سے ہوتی تھی' ان دونوں کے درمیان امتیاز کے لئے وہاں دو علامتیں موجود تھیں چنانچہ راستے میں ان علامات کی تعداد بتاتے ہوئے علامہ اسدی کہتے ہیں: مدینہ سے باہر ہونے کی دو علامتیں ہیں اور یونہی ذوالحلیفہ میں داخل ہونے کی بھی دو علامتیں ہیں۔

ابن حجر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "بیداء ذوالحلیفہ کی دو علامتوں کی اوپر والی جانب آتا ہے اور وہ اس وقت جب وادی سے اُوپر آئیں اور پھر بیداء کی ابتداء میں کنواں موجود ہے' انتہی اور یہ بیداء ذوالحلیفہ و ذات الجیش کے درمیان ہے۔

آیت تیمم کے نازل ہونے کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے:

"جب ہم "بیداء" میں تھے یا ذات الجیش میں" ایک اور حدیث میں آتا ہے: بلاشبہ کچھ لوگ بیت اللہ والوں سے لڑنے آئیں گے چنانچہ جب وہ بیداء میں اُترے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا: اے بیداء! ان مخالفین کو تباہ کر دے۔"

ابن شبہ سے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا: "ایک آدمی رکن اسود اور مقا'

ابراہیم کے درمیان اہلِ بدر جتنے لوگوں کے ساتھ ہوگا' اس کے پاس عراق کے سوار اور شام کے ابدال آئیں گے' ان سے اہل شام کا لشکر جنگ کرے گا اور جب وہ بیداء میں ہوں گے تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا' پھر ان سے قریش کا ایک شخص جنگ کرلے گا جس کے ننھیال قریش ہوں گے' وہ مقابلہ کریں گے تو اللہ انہیں شکست سے دوچار کرے گا چنانچہ خسارہ میں وہی رہے گا جو بنو کلب کے مالِ غنیمت سے محروم ہوگا۔"

انہی کی ایک اور روایت ہے' فرمان نبوی ہے: میری اُمت کا ایک لشکر ایک آدمی کے لشکر کی خاطر شام سے مکہ کو جانے کا ارادہ لئے آئے گا اور جب وہ دشمن ذوالحلیفہ کی طرف سے بیداء پر پہنچیں گے تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا' وہ لوگ کئی جگہوں سے آئیں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! انہیں اکٹھے کیسے دھنسایا جائے گا جبکہ وہ الگ الگ مقام سے ہوں گے؟ فرمایا' ان میں سے ایک نے ظلم کیا ہوگا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ "جب بیداء میں لشکر کفار کو دھنسا دیا جائے گا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ مہدی آنے والے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک لشکر شام کی طرف سے آئے گا اور مدینہ میں داخل ہوگا' وہ جنگ کریں گے' عورتوں کے پیٹ پھاڑ دیں گے اور حمل والی عورتوں سے کہیں گے' شر کی بنیاد بننے والے ان بچوں کو قتل کر دو' اور جب وہ ذوالحلیفہ کی طرف سے بیداء میں پہنچیں گے تو انہیں زمین نگل لے گی' یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ ان میں سے اعلیٰ کون ہے اور گھٹیا کون۔

ابوالھرم کہتے ہیں کہ جب ابن دبحہ کا لشکر آیا تو ہم نے سمجھا کہ یہ وہی لشکر ہے حالانکہ یہ لوگ وہ نہیں تھے۔

بَلِیْسان

یہ جگہ خیبر اور مدینہ کے درمیان تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ قرد کے موقع پر ایک کنوئیں پر آئے جسے بیسان کہتے تھے۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اسے بیسان کہتے ہیں' یہ نمکین تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا نام نعمان رکھو' وہ ستھرا ہوگا۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام تبدیل کیا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا ذائقہ تبدیل کر دیا۔ اسے حضرت طلحہ نے خرید کر مالِ صدقہ بنا دیا تھا' پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کو اس کی اطلاع دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے طلحہ! تم تو فیاض ہو چنانچہ حضرت طلحہ کو فیاض کہا جانے لگا۔

حَرْفُ التّاء

تاراء

یہ لفظ مساجدِ تبوک میں آچکا ہے۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ شام میں ایک جگہ کا نام تھا۔

تبوک

یہ صَبُور کے وزن پر ہے' وادیٔ قری اور شام کے درمیان ایک وادی تھی جو مدینہ سے بارہ دن کی مسافت (مرحلہ) پر تھی۔ کہتے ہیں کہ وہاں یہ اونٹ بٹھانے کی جگہ تھی۔ ابو زیاد کہتے ہیں کہ تبوک' حجر اور شام کی ابتداء میں ایک جگہ تھی جو حجر سے چار دن کی مسافت پر گویا شام کے آدھے راستے میں تھی' یہ ایک قلعہ تھا جہاں چشمہ' کھجور کے درخت اور باغ تھا جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اصحاب الایکہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے' یہیں رہتے تھے' حضرت شعیب علیہ السلام ان میں سے نہ تھے بلکہ مدین میں سے تھے۔ یہ مدین بحرِ قلزم پر تبوک سے چھ دن کے فاصلے پر تھا۔

اہل سیرت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ہجرت کے نویں سال تبوک کی طرف متوجہ ہوئے' یہ آپ کا آخری غزوہ تھا' آپ پہنچے تو وہاں روم' عاملہ' لخم اور جذام سے آئے لوگ تھے' آپ نے دیکھا تو بکھر گئے' ان سے جنگ نہ ہوئی' وہ ایک چشمے پر اُترے تو حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائیں' دو آدمی آگے بڑھے تو پانی خشک ہو چکا تھا' دونوں نے پانی میں بڑھانے کے لئے اس میں تیر مارے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: تم انہیں کب تک چلاتے رہو گے' اسی وجہ سے اسے تبوک کہنے لگے' پھر آپ نے اس میں تین نیزے گاڑے تو تین چشمے پھوٹ پڑے چنانچہ آج تک بے تحاشا پانی دے رہے ہیں۔

تبوک کے چشمے کی حدیث مسلم شریف میں ہے' اس میں ہے کہ آپ نے اس کے پانی سے اپنا چہرہ اور ہاتھ مبارک دھوئے اور باقی پانی اس میں ڈال دیا چنانچہ چشمے کا پانی بڑھ گیا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ اس چشمے کا پانی پھوٹ پڑا تھا۔

حضور ﷺ تبوک میں کچھ دن ٹھہرے اور جب اہلِ تبوک نے آپ سے صلح کر لی تو حضرت خالد بن ولید دومۃ الجندل کو چلے گئے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ ہم نے تبوک کا ذکر کر دیا ہے حالانکہ یہ ذکر ضروری نہ تھا کیونکہ یہ مدینہ سے دور تھا کیونکہ احادیث میں اس کا ذکر بہت آیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سین کے حروف میں علامہ مجد نے ''سرغ'' کا ذکر کیا ہے۔ یہ مقام وادیٔ تبوک میں مدینہ سے تیرہ دن کی مسافت پر تھا' یہ مدینہ کی آخری حد تھی اور تبوک کے بعد آتی تھی پھر عنقریب مدین کے ذکر میں آ رہا ہے کہ یہ مدینہ کی حدود میں شامل تھا اور تبوک کے بالمقابل تھا۔

علاقمہ اقشہری کے مطابق صاحب ''المسالک والممالک'' بتاتے ہیں کہ بنو قریظہ و بنو نضیر مدینہ پر حکومت کرتے تھے' وہاں اوس و خزارج رہتے تھے' مدینہ و تہامہ پر دورِ جاہلیت میں مرزبان کا عامل ہوا کرتا تھا جو ان سے خراج وصول کرتا

تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ تیماء بھی مدینہ کے تابع تھا' وہ ان کا قلعہ تھا پھر دومۃ الجندل بھی اسی کے ماتحت تھا جو مدینہ سے تیرہ دن کی مسافت پر تھا' اس کا قلعہ "مارد" تھا۔

نُختم

نون پر پیش اور زبر ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس میں دو "تاء" ہیں' دوسری پر زیر یا پیش آتی ہے۔ یہ مدینہ کا ایک پہاڑ تھا۔

تُربان

یہ ذات الجیش اور ذات الملل کے درمیان ایک وادی تھی' یہ ابو زیاد کا قول ہے۔ابن ہشام بدر کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں تو ابن اسحاق نے کہا کہ آپ مدینہ کے پہاڑی راستے سے چلے' پھر عقیق اور ذوالحلیفہ سے گذرے اور پھر ذات الجیش سے گذرے' (ابن ہشام ذات الجیش لکھتے ہیں) پھر آپ تربان سے گذرے اور پھر ملل سے گزرے۔

حدود حرم میں بیان ہو چکا کہ ذات الجیش حفیرہ کے درمیان پہاڑی راستہ تھا۔علامہ اسدی کہتے ہیں کہ حفیرہ اور ملل کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا اور تربان اسی مسافت کے درمیان تھا' اس کے اور مفرح پہاڑی کے درمیان ایک جگہ تھی جسے سمہان کہتے تھے۔

تُرعہ

یہ وہ وادی تھی جو قبلہ کی طرف سے اِضم کے ساتھ ملتی تھی۔زبیر اسے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "ترعہ" کے بارے میں بشر سلمی نے لکھا:

"میں اپنے اونٹ دیکھ رہا ہوں' ان میں سے اونٹنیاں ترعہ کے مقام پر گنگناتی ہیں' وہ اُمید رکھتی ہیں کہ انہیں اہلی میں داخل کیا جائے گا۔"

ابن شبہ نے صدقات علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک وادی کا ذکر کیا ہے جسے ترعہ کہتے تھے' یہ فدک کے قریب اور حرہ کے دونوں اطراف کے درمیان تھی۔

تُرُن

یہ زُفَر کے وزن پر ہے' مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جانب کو کہتے ہیں۔

تُرَیم

حُذَیم کے وزن پر ہے جو مضایق اور وادیٔ ینبع کے درمیان ایک وادی تھی۔

تسریر

یہ ضریہ نامی چراگاہ میں' اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان تھی۔ کچھ نے اسے "سریر" لکھا ہے جس کا معنٰی چارپائی ہوتا ہے' یہ غلط ہے چنانچہ ابوزیاد کلابی لکھتے ہیں:

"جب وہ کہتے ہیں کہ تمہیں کس شے سے شفاء ہو گی' میں ان سے کہتا ہوں' اس دھوئیں سے جو تسریر سے نکلتا ہے' وہ میرے لئے شفاء ہوتا ہے۔"

تُضَارُع

اسے تُضَارِع بھی پڑھا جاتا ہے پھر تاء پر زبر اور راء پر پیش بھی پڑھتے ہیں۔ یہ تضارع کی اس چراگاہ کا نام ہے جس کا ذکر عقیق میں آ چکا پھر تضارع اور تضرع' تہامہ یا نجد میں بنوکنانہ کے دو پہاڑ بھی تھے۔

تِعَار

اسے تِعار بھی پڑھتے ہیں۔ علامہ عزّام اُبلی کی طرف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"قبلہ کی جانب ایک پہاڑ ہے جسے یَرَمْرَم کہتے تھے ایک پہاڑ ہے جسے تعار کہتے تھے' یہ بلندی ہیں' ان میں کوئی شے اُگتی نہیں' اور شیر بہت ہیں۔"

بعید کہتے ہیں: میں عرصہ سے موجود ہوں اور یرموم و تعار کو دیکھتا آ رہا ہوں۔

تَعَانِیق

عالیہ کی طرف ایک جگہ تھی۔

تَعْهِن

ابو ذر ھروی کہتے ہیں' انہوں نے اس جگہ کے بارے میں عربوں سے سُنا کہ تیسرے حرف کو زبر دیتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو پہلے حرف کو پیش' عین کو زبر اور ھاء کو زیر دیتے ہیں البتہ ابوموسےٰ مزینی نے عجیب لکھا کہ تاء پر پیش پھر عین پر پیش اور ھاء پر شدّ پڑھی جاتی ہے۔ اسماعیلی کی روایت میں دعھن ہے' اسے تُعَاھِن بھی پڑھتے ہیں۔ مساجد کے بیان میں اسدی سے گذرا کہ یہ تعھن اس کنوئیں کے بعد تھا جو مکہ کے راستے میں تھا اور مکہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خراب پانی کا کنواں تھا۔ اس کے قریب ایک عورت رہتی تھی جسے اُمِ عقی کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ہاں سے گذرے اور اس سے پانی مانگا لیکن اس نے انکار کر دیا' آپ نے اس کے خلاف دعا فرمائی چنانچہ پتھر بن گئی۔ کچھ کہتے ہیں کہ اسے اُمِ حبیب راعیہ کہتے تھے' اس کے نام اور خود اس کے بارے خبروں میں اختلاف ہے' انتہی۔

سہیلی کہتے ہیں کہ تعہن میں ایک پتھر تھا جسے اُم عقی کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک عورت تعہن میں رہتی تھی جسے ام عقی کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سفرِ ہجرت میں اس کے ہاں سے گذرے اور پانی مانگا لیکن اس نے انکار کردیا۔

عیاض کہتے ہیں کہ تعہن پانی کا چشمہ تھا جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام تعہن پڑ گیا' یہ سقیا سے تین میل کے فاصلے پر تھا' علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ قاحہ اور سقیا کے درمیان تھا' یہ پہلی روایت کے خلاف ہے کیونکہ قاحہ' سقیا سے ایک میل پہلے تھا جبکہ تعہن سقیا سے تین میل کے فاصلے پر تھا لہٰذا یہ قاحہ اور سقیا کے درمیان کیسے ہوسکتا ہے لیکن حدیث ابو قتادہ میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کے بارے میں ابو ذر غفاری سے سوال کیا گیا تھا' آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو تعہن میں چھوڑا ہے' وہ سقیا میں قیلولہ فرما رہے ہیں' یہ واقعہ قاحہ میں حضرت ابو قتادہ کے جنگلی گدھے کو شکار کرنے کے بعد ہوا تھا کیونکہ انہوں نے احرام نہ باندھا تھا۔

حضرت ابو ذر کا کہنا: ''وھو قائل السقیا'' تو اگر یہ لفظِ قائل قیلولہ سے لیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے آپ کو تعہن میں چھوڑا تھا' آپ کا ارادہ تھا کہ سقیا میں قیلولہ فرمائیں چنانچہ تعہن' قاحہ اور سقیا کے درمیان تھا جیسے مجد نے کہا اور قائل کا معنٰی قول لیا جائے تو بھی یہی معنٰی ہے کہ سقیا کا ارادہ کیا' حالانکہ میں نے ایسے شخص سے پوچھا جو ان مقامات کو جانتا تھا تو اس نے کہا کہ آج کل یہ قاحہ کے نام سے مشہور ہے جو مدینہ سے ملتا تھا' پھر سقیا مکہ کی طرف تھا اور تعہن اس کے بعد تھا' پھر میں نے کئی اور لوگوں سے بھی پوچھا تو سب نے یہی بتایا حالانکہ یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے ہاں یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ لفظ قابل السقیا ہے۔

تَمَنِّي

یہ وہ زمین تھی جس میں ہر شی کے اترنے والا اس وقت داخل ہوتا تھا جب وہ مدینہ کو جا رہا ہوتا تھا' وہاں پر سفید پہاڑ موجود تھے۔

تَنَاضُب

دوداء کی ایک گھاٹی تھی اور یہ وہ وادی تھی جو عقیق میں گرتی تھی' رہی تَنَاضُب تو حدیث عمر میں آنے والی یہ دوسری جگہ تھی' وہ کہتے ہیں: جب میں نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو میرے ساتھ عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص بھی تھے۔ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے' تناضب' سرف کے اوپر والی جانب بنو غفار کا تالاب تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ جو یہاں صبح تک نہیں پہنچے گا وہ قید ہو چکا ہوگا لہٰذا وہ دونوں چلے گئے' میں اور عیاش صبح تناصب کے قریب پہنچ گئے لیکن ھشام قید ہو گیا اور سخت آزمائش میں پڑ گیا اور ہم مدینہ کو واپس آ گئے۔

تُهُمَل

یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔ اسے تَهْمَل بھی پڑھتے ہیں۔

تَیۡدَدُ

یہ لفظ مدینہ کے ناموں میں آ چکا ہے۔ یہ اجرد کی وادیوں میں سے ایک اور جگہ کا نام بھی تھا جو وادیٔ حاضر سے ملتی تھی جہاں چھوٹے چھوٹے چشمے تھے' ان میں سے بہتر کا نام اذینہ تھا' ایک اور چشمہ تھا جسے طلیلہ کہتے تھے اور حیدد کے تمام چشمے اسنان الجبل میں گرتے تھے۔

تَیِّس

مینڈھے کے معنٰی میں ہے۔ یہ بنو ساعدہ میں سے بنو عنان کا قلعہ تھا جو ان کے گھروں میں تھا۔

تَیَم

ابن نجار اور ان کے پیروکاروں نے اسے ثیت سے تعبیر کیا ہے' یہ مدینہ کی شرقی جانب ایک پہاڑ تھا جیسے حدود حرم میں لکھا جا چکا ہے۔

تَیماء

یہ مدینہ سے آٹھ دن کی مسافت پر ایک شہر تھا جو مدینہ اور شام کے درمیان تھا اور تبوک کے بیان میں گذر چکا ہے کہ یہ تیماء مدینہ کے ماتحت تھا۔

حَرفُ الثّاء

ثاجّه

یہ تیج نامی تھا جو حرض کے مقام پر تھا' حراض ایک اور جگہ تھی۔

ثافل

یہ ثافل اصغر اور ثافل اکبر نامی دو پہاڑ تھے جو غیقہ کے بائیں کنارے پر تھے اور شام سے مکہ جانے والوں کے بائیں طرف آتے تھے جبکہ مدینہ سے جانے والے کی دائیں طرف تھے' دونوں کے درمیان پہاڑی تھی' یہ ضمرہ کے پہاڑ تھے جو اصحاب غلال و بیسار کہلاتے تھے' ان دونوں اور رضویٰ و غرور کے درمیان دو راتوں کا سفری فاصلہ تھا۔

علامہ اسدی کہتے ہیں کہ وہ پہاڑ جو دائیں طرف قشیری چشمے کے بالمقابل تھا' اسے ثافل کہتے تھے۔ یہ عرج کے قریب دو میل کے فاصلے پر چشمہ کے ساتھ اس راستے کی طرف مڑتا تھا جو اُثایہ کے بالمقابل تھا۔

ثِبَار

یہ کِتَاب کے وزن پر ہے اور خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا۔ یہیں اسیر بن رزام یہودی کو عبد اللہ بن انیس نے قتل کیا تھا۔

ثُجل

یہ عالیہ کی طرف ایک جگہ تھی۔ اس کا ذکر لفظ تعانیق میں گذر چکا ہے۔

ثِرَا

یہ رویثہ اور صفراء کے درمیان ایک جگہ تھی جو وادیٔ جی کی نچلی طرف تھی۔

ثُرَیّا

آسمانی ستارے کا نام ہے' یہ ضریہ کی چراگاہ میں ضباب کا چشمہ تھا' یونہی شعبی پہاڑ میں بنو محارب کا چشمہ تھا۔

ثُعال

غُراب کے وزن پر ہے' روحاء اور رویثہ کے درمیان ایک نالی تھی۔

ثُغْرَہ

مدینہ کے ماتحت ایک جانب تھی۔

ثُمَام

یہ ثمامہ بھی کہلاتی تھی' یہ لفظ ثمام کا واحد ہے' یہ ایک جڑی بوٹی ہوتی ہے۔ یہ صخیرات میں ایک مشہور جگہ تھی۔ ابن اسحاق حضور ﷺ کے سفر بدر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ تربان سے گذرے' پھر ملل پر' پھر مرتین سے عمیس الحمائم پر' پھر صخیرات الیمام پر اور پھر سیالہ کے مقام سے گذرے۔

ثَمغ

خیبر میں یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد تھی۔ دار قطنی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تھی جسے ثـمـغ کہتے تھے' انہوں نے اس بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: اصل زمین اپنے پاس رکھو اور اس کا پھل تقسیم کر دیا کرو۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جس مال کو تقسیم کرتے تھے' اسے ثمغ کہتے تھے' یہ کھجور کے درخت تھے لیکن یہودیوں کے گھروں کے بیان میں گذرا کہ بنو مزانہ بنو حارثہ کی شامی جانب تھے' وہاں ان کے

قلعوں میں سے ایک قلعہ تھا جسے شعبان کہتے تھے جو ثمغ میں تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مالِ صدقہ تھا۔ ابن شبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو حارثہ کے یہودیوں سے زمین ملی جسے ثمغ کہتے تھے۔ علامہ واقدی نے خندق پر واقعۂ حرّہ کے وقت اہلِ مدینہ کی صف بندی کا ذکر کیا' پھر جنگ کی دعوت کا ذکر کیا اور کہا کہ ابو الحمراء کا ٹیلہ ثمغ کی بستی تھی۔

ابوبکر بکری کہتے ہیں کہ ثمغ مدینہ کی طرف حضرت عمر کی زمین تھی۔ ابن شبہ نے ثمغ کو مدینہ میں حضرت عمر کے صدقات میں شمار کیا ہے پھر اس کے اور آپ کے خیبر والی زمین میں غیریت بتائی ہے (کہ یہ دونوں الگ الگ تھیں)۔

حضرت عمرو بن سعید بن قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے اسلام میں سب سے پہلی زمین کے بارے میں پوچھا کہ کیسے ملی تھی تو ایک شخص نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا صدقہ تھا۔ یہ انصار کا قول لیکن مہاجرین نے کہا کہ حضرت عمر نے لی تھی اور وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اوّلاً مدینہ شریف میں تشریف لائے تو یہاں زھرہ میں اصل رائح وحیکہ کی وسیع زمین دیکھی' یہ لوگ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے جلا وطن کر دئے گئے تھے' انہوں نے راح کے مقام پر وسیع زمین چھوڑی تھی' اس میں وہ وادی تھی جس میں پانی نہ آتا تھا' اسے حشاشین کہتے تھے۔ اس میں سے حضرت عمر کو ثمغ والی جگہ ملی' حضرت عمر نے اسے یہودیوں سے خریدا تھا' یہ جگہ بہت عمدہ تھی' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کی کہ میرے پاس مال ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اصل زمین اپنے پاس محفوظ رکھو اور اس کا پھل تقسیم کر دیا کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ مدینہ میں تھی اور اس کی شامی جانب تھی اور وہ جو دار قطنی میں آتا ہے اس میں راوی نے تبدیلی کر دی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ثمغ' اسلام میں سب سے پہلی وہ جگہ تھی جو مالِ صدقہ بنی۔

ابن کعب کہتے ہیں کہ سب سے پہلا مال جس پر صدقہ کا لفظ بولا گیا' وہ رسول اللہ ﷺ کا وقف مال تھا۔ حضرت مسور کہتے ہیں' میں نے کہا: لوگ تو کہتے ہیں یہ صدقۂ عمر تھا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مال پر قبضہ فرمایا جو آپ کے لئے مخیّریق نے بطور وصیت دیا تھا' یہ ہجرت کا بائیسواں مہینہ تھا چنانچہ آپ نے اسے لوگوں میں تقسیم فرمایا' حضرت عمر نے تو ثمغ والا مال تقسیم کیا تھا اور یہ اس وقت' جب آپ خیبر سے ہجرت کے ساتویں سال واپس آئے تھے۔

ثنیّۃ البول

یہ پہاڑی' ذی خشب اور مدینہ کے درمیان تھی۔

ثَنیّۃ الحوض

طبرانی کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ عقیق سے

واپس آیا اور جب ہم اس پہاڑی کے قریب پہنچے جو عقیق میں ثنیۃ الحوض کہلاتی تھی تو آپ نے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا۔

گویا کہ یہ پہاڑی حوضِ مروان کی طرف منسوب تھی جس کا ذکر عقیق میں قصر ابو ہاشم بن مغیرہ میں گذرا' لیکن میرے خیال میں یہ مدرج کی پہاڑی تھی۔

ثَنِیّۃ الشَّرید

چوتھی فصل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

ثَنیّۃ العایر

اسے غائر بھی پڑھتے ہیں لیکن عین کے ساتھ زیادہ مشہور ہے' یہ وادی رکوبہ کے دائیں طرف تھی۔ ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام اس میں سے گذرے تھے۔

ثَنیّۃ عَثْعَث

یہ ایک پہاڑ کی طرف منسوب تھی جسے سلیع کہتے تھے جیسے عثعث میں بتایا جائے گا۔ ابن شبہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ پہاڑی تھی جو چھوٹے سے اس پہاڑ کے قریب تھی جس پر امیرِ مدینہ کا قلعہ تھا' اسی چھوٹی پہاڑی کو سلیع کہتے تھے۔

ثَنِیّۃ مِدْران

اس کا ذکر مساجدِ تبوک میں آ چکا ہے۔

ثَنیّۃُ الْمِرّۃ

یہ رابغ میں کنوئیں کے قریب تھی جسے احیـــاء کہا جاتا تھا۔ اسی مقام پر ابو عبیدہ بن حارث مشرکین کے مقابلے میں چھوٹا سا لشکر لے کر آئے تھے۔ اس کا ذکر عبیدہ بن حارث کے لشکر میں بھی آیا ہے۔ رہا لفظِ ثنیۃ المراد تو اس کی میم پر پیش یا زیر ہوتی ہے جیسے شک کی بناء پر اسے مسلم نے ذکر کیا ہے' کچھ نے میم پر زبر پڑھی ہے۔ عیاض کہتے ہیں' میرے خیال میں یہ اُحد کی جانب تھی۔

میں کہتا ہوں' درست وہ ہے جو نووی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیبیہ کے قریب تھی۔

ثَنیّۃ الوَداع

اس گھاٹی کا ذکر وہاں آیا ہے جہاں مدینہ کے مکانوں اور وباء سے ان کی حفاظت کا ذکر ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو بھی مدینہ میں داخل ہوتا تھا' اسی گھاٹی سے گذرتا تھا پھر اگر وہ یہاں تعشیر نہ کرتا تو نکلنے سے

پہلے مر جاتا اور جب وہ اس گھاٹی پر چلا جاتا تو کہا جاتا کہ الوداع ہو گیا ہے لہٰذا اسے ثنیۃ الوداع کہا جاتا تھا۔اسی دوران عروہ بن ورد آیا' اس نے تعشیر (دس مرتبہ وہاں آ کر کتے کی طرح آواز نکالنا) نہ کی پھر مدینہ میں داخل ہوا اور یہودیوں سے کہا کہ یہ تعشیر کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اگر باہر سے آنے والا یہاں تعشیر نہیں کرتا تو مر جاتا ہے اور اگر ثنیۃ الوداع کے علاوہ کسی اور راستے سے آتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے۔اور مر جاتا ہے پھر جب عروہ نے تعشیر نہ کی تو اور لوگوں نے بھی اسے چھوڑ دیا اور ہر طرف سے آنے لگے۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ اسے ثنیۃ الوداع کہنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے تشریف لائے تو بہت سے مسلمان آپ کے ہمراہ تھے' انہوں نے نکاحِ متعہ کر رکھا تھا۔آپ جب مدینہ میں داخل ہو گئے تو فرمایا کہ متعہ والی عورتوں کو چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے چھوڑ دیں تو اسے ثنیۃ الوداع کہا جانے لگا۔(متعہ کہتے ہیں رقم طے کر کے کسی عورت سے طے شدہ دنوں کے لئے ہم بستری کرنا' اب یہ حرام ہے۔۱۲چشتی)

اوسط میں ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہمارے ساتھ وہ عورتیں تھیں جن سے ہم متعہ کئے ہوئے تھے۔ہم ثنیۃ الرکاب میں پہنچے تو عرض کی یا رسول اللہ! یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے متعہ کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ قیامت تک کے لئے حرام کر دی گئی ہیں چنانچہ ہم نے اسی وقت انہیں چھوڑ دیا' اسی لئے اسے ثنیۃ الوداع کہا گیا حالانکہ پہلے اسے ثنیۃ الرکاب کہتے تھے۔

بخاری شریف میں ان الفاظ سے ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور جب عقبہ کے قریب پہنچے تو وہ عورتیں آئیں جن سے ہم نے متعہ کیا تھا' وہ ہماری سواریوں کے گرد گھومنے لگیں' اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' ہم نے آپ کو بتایا تو آپ غصے میں آئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد خطبہ دیتے ہوئے ہمیں متعہ سے منع فرمایا چنانچہ ہم نے انہیں اسی دن چھوڑ دیا۔اسی وجہ سے اس گھاٹی کو ثنیۃ الوداع کہا جانے لگا۔

ابو یعلیٰ و ابن حبان کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کو چلے اور ثنیۃ الوداع کے مقام پر اُترے۔رسول اللہ ﷺ نے چراغ دیکھے اور عورتوں کو متعہ کی وجہ سے روتے دیکھا چنانچہ فرمایا کہ یہ کام حرام ہے یا فرمایا کہ ایسا متعہ' نکاح' طلاق' عدت گذارنا اور وراثت کا سلسلہ حرام ہے۔

ابن اسحاق غزوۂ تبوک کے بارے میں بتاتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ چل پڑے تو اپنا لشکر ثنیۃ الوداع پر لا کھڑا کیا' ادھر عبداللہ بن اُبی نے اس کی نچلی طرف ذباب کی جانب اپنا لشکر جمع کیا۔

ابن سعد دمشق کے قریب ہونے والی جنگِ موتہ کے لشکر کے بارے میں کہا تھا: رسول اللہ ﷺ ساتھیوں کو لے کر ثنیۃ الوداع پر پہنچے' وہاں ٹھہرے' انہیں الوداع کیا اور جرف میں لشکر انداز ہوئے۔

بخاری شریف میں حضرت سائب بن یزید کی روایت ہے' کہتے ہیں: مجھے یاد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میں بچوں کے ہمراہ آپ سے ملاقات کے لئے ثنیۃ الوداع پہنچا۔

یہ سب روایات بتاتی ہیں کہ یہ ثنیۃ الوداع ان دنوں مدینہ کی شامی جانب مسجد رایہ اور مشہدِ نفس زکیہ کے درمیان مشہور تھی۔ یہیں سے لوگ گذرتے تھے' یہ سلع کے قریب تھی۔ یہی بازار مدینہ تھا۔

اس گھر میں جسے ابن ہشام نے بازار مدینہ میں بنایا تھا' اس بات کی شہادت ملتی ہے اور ابن مکدم جب شام سے آیا اور ثنیۃ الوداع پر پہنچا تو چلایا کہ احول مر گیا ہے' لوگوں نے اس سے بازار والے گھر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ اسے گرا دو چنانچہ لوگوں نے اسے گرا دیا۔

غزوۃ العالیہ میں روایت اسحاق اسی کی وضاحت کرتی ہے' وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے نذر مانی وہ سلمہ تھا' وہ چلے' قوس ساتھ تھی' وہ غابہ کی طرف روانہ تھا' جب ثنیۃ الوداع پر پہنچ تو پہاڑ کی طرف دیکھا اور پھر سلعہ پر چڑھ کر چلایا کہ واصباحاہ! انتھیٰ۔

بیہقی کہتے ہیں کہ ابو قتادہ نے گھوڑے پر زین ڈالی اور پھر زوراء پر پہنچا۔ اسے ایک آدمی ملا اور کہنے لگا اے ابو قتادہ! اپنا گھوڑا تیار کرو' اونٹنیاں چرا لی گئی ہیں' رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ انہیں تلاش کرنے نکلے ہیں۔ اس نے کہا کدھر گئے ہیں؟ اس نے ثنیۃ الوداع کی طرف اشارہ کیا۔ اچانک دیکھا تو نبی کریم ﷺ اپنے کچھ صحابہ کو لئے گھروں کے پاس بیٹھے تھے۔

مقامِ زوراء اس گھاٹی سے قبلہ کی طرف تھا جبکہ ذباب اس کی شامی جانب تھا۔

حافظ ابن حجر نے حدیثِ ہجرت میں ذکر کیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو بچیاں کہہ رہی تھیں:

"ہمارے ہاں چودھویں کے چاند آ رہے ہیں جو ثنیۃ الوداع کی طرف سے تشریف لائے ہیں تو جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا موجود ہے ہم پر اس بات کا شکر کرنا لازم ہو گیا ہے۔"

راوی کہتے ہیں' شاید یہ واقعہ اس وقت ہوا جب آپ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔

میں کہتا ہوں' یہ اس لئے کہ ثنیۃ الوداع مکہ کی جانب نہ تھی' علاوہ ازیں میں یہ کہتا ہوں کہ اس بات میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں کہ یہ واقعہ ہجرت کے موقع پر ہوا ہو' جب آپ مسجد قباء سے تشریف لائے تھے کیونکہ اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے' اس کی لگام ڈھیلی کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے جانے دو کیونکہ یہ حکم الٰہی پر چل رہی ہے۔ پھر آپ انصار کے گھروں کی طرف گذرے اور چلتے چلتے بنو ساعدہ کے پاس پہنچے' ان کے گھر مدینہ کی شامی جانب ثنیۃ الوداع کے قریب تھے لہٰذا آپ اسی راستے سے مدینہ میں تشریف لائے اور اپنی جگہ پر پہنچے۔ پھر بدر سے واپسی پر آپ ثنیۃ الوداع کی طرف پہنچے۔

علامہ بیہقی نے دلائل میں حضور ﷺ کے غزوۂ تبوک سے واپسی کی خبر دی ہے کہ عورتیں' بچے اور بچیاں طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا الخ پڑھ رہے تھے۔ پھر کہا کہ علماءِ مدینہ' مکہ سے آپ کی مدینہ میں تشریف آوری کے موقع پر بھی یہی کچھ

بیان کرتے ہیں، ہم نے وہاں اسے ذکر کر دیا ہے البتہ آپ مدینہ میں ثنیۃ الوداع کی طرف سے اس وقت تشریف لائے جب تبوک سے واپسی ہوئی انتہٰی۔

عیاض کہتے ہیں کہ ثنیۃ الوداع مدینہ میں ہے اور مکہ کے راستے پر ہے۔ یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی یہاں پہنچ کر وہ مدینے سے جانے والے کو الوداع کہتے تھے۔

کچھ حضرات کہتے ہیں وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نے مدینہ میں رہنے والے کچھ لوگوں کو یہاں سے جاتے وقت الوداع کیا تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ آپ نے یہاں اپنے کچھ امیرانِ لشکر کو الوداع فرمایا تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ وداع، مکہ میں ایک وادی تھی جیسے مظفر نے اپنی کتاب میں کہا۔

یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ اہلِ مکہ کی لونڈیوں نے یہ اشعار فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے موقع پر پڑھے تھے نہ کہ اس وقت جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تھے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ انصار نے حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے پر یہ ذکر کیا تھا چنانچہ معلوم ہو گیا کہ ثنیۃ کا نام ثنیۃ الوداع قدیم تھا۔

ابن حجر نے حضرت سائب بن یزید کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ داؤدی نے اس بات کا انکار کیا ہے، ابن قیم نے بھی ان کی پیروی کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ثنیۃ الوداع مکہ کی جانب تھی، تبوک کی طرف نہ تھی۔ تبوک و مکہ کی جہت میں مشرق و مغرب جیسا فرق ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ وہاں کوئی اور ثنیۃ ہو۔ ابن حجر اس کے بعد لکھتے ہیں: اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ ثنیۃ مکہ کی طرف ہو اور شام کی طرف جانے والا اسی ثنیۃ سے جاتا ہو۔

علامہ داؤدی نے جہاں ثنیۃ کے بارے میں لکھا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ وہ جگہ تھی کہ اس سے نکلنے والا شام کی طرف نہیں جاتا تھا تو اس کا جواب کیسے دیا جائے گا؟ عنقریب مدرج میں آ رہا ہے کہ یہ وہی ثنیۃ جو عقیق اور مدینہ سے دکھائی دیتی تھی اور یہ ثنیۃ الوداع تھی یہ اس شخص کے نزدیک ہے جو اس طرف گیا ہے کہ وہ مکہ کی جانب تھی۔ یہاں انہوں نے کہا کہ یہ وہی ثنیۃ تھی جو مدینہ سے دکھائی دیتی تھی اور اس سے مکہ کو جانے والا گذرتا تھا، یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شام کو جانے کا ارادہ کرتا تھا۔

ثنیۃ الوداع کے نام رکھنے میں اختلاف ہے چنانچہ کہتے ہیں: یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ مسافروں کے مدینہ سے مکہ جانے والوں کے لئے مقام الوداع تھا، یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آخری مرتبہ مدینہ سے نکلتے وقت حاکمِ مدینہ کو مقرر کرتے وقت کسی کو یہاں الوداع فرمایا تھا، یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی لشکر کو یہاں الوداع فرمایا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ الوداع مکہ میں ایک وادی کا نام تھا جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ دورِ جاہلیت کا قدیم نام ہے، یہ نام مسافروں کو یہاں الوداع کہنے سے پڑ گیا تھا اور یونہی اہلِ سیرت و تاریخ اور اصحابِ مسالک کہتے ہیں کہ یہ مکہ کی جانب تھی تاہم آج کل اہلِ مدینہ اسے شام کی طرف شمار کرتے ہیں، شاید ان لوگوں نے ابن قیم کے اس قول پر بھروسہ کر رکھا ہے جو انہوں نے اپنی ھدی میں کہا ہے کہ: شام کی جانب ثنیات الوداع ہیں اور مکہ سے آنے والا اس سے نہیں گزرتا۔

دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ دونوں گھاٹیوں ہی کو ثنیۃ الوداع کہہ دیں گے اور ظاہر یہ ہے کہ جو لوگ ثنیہ کو مکہ کی جانب قرار دیتے ہیں' ان کے پاس دلیل عورتوں کا وہ قول ہے جو بتا دیا گیا (طلع البدر) اور انہوں نے یہ اس وقت گایا تھا جب آپ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے حالانکہ یہ لوگ اس وجہ سے غافل ہیں جو ہم نے بیان کی ہے' اور دراصل یہ ان لوگوں کے لئے دلیل بن جاتی ہے جو ثنیہ کو شام کی طرف قرار دیتے ہیں۔ میں کئی دفتر چھان مارے ہیں کہ اسے مکہ کی طرف ثابت کر دیں لیکن مجھے کہیں سے یہ ثبوت نہیں مل سکا کہ یہ ثنیہ مکہ کی طرف تھی اور جو کچھ علامہ مجد نے نقل کیا ہے وہ ابن قیم کی کتاب ''ھدی'' میں موجود ہے کیونکہ انہوں نے تبوک سے آپ کی واپسی کے بارے میں لکھا ہے: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب تشریف لے آئے تو لوگ آپ سے ملاقات کے لئے نکل کھڑے ہوئے' عورتیں' لڑکے اور لڑکیاں نکلیں جو یوں پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعٰى لِلّٰهِ دَاعِ

کچھ راویوں کو وہم ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ: یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب آپ مکہ سے مدینہ میں تشریف لائے تھے اور یہ وہم بالکل واضح ہے کیونکہ ثنیات الوداع شام ہی کی طرف تھیں' انہیں وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے جو مکہ سے مدینہ کو آئیں' اس ثنیہ سے تبھی گذر سکتے تھے جب وہ شام کو متوجہ ہوں اور یہ بات حافظ ابن حجر کی نقل کے خلاف جاتی ہے اور اگر ان دونوں روایتوں کا جمع ہونا تسلیم کر لیا جائے جسے علامہ مجد نے بیان کیا ہے کہ دونوں ہی ثنیات کہلاتی تھیں تو ان گذشتہ تمام خبروں سے مراد وہ جگہ ہو گی جس کا بیان مدینہ کی شامی جانب گذرا۔

ثُور

یہ بمعنٰی بیل ہے جو گائے کا مذکر ہوتا ہے۔ اس کا بیان حدودِ حرم میں آ چکا ہے۔

ثَیب

اس کا ذکر بھی حدودِ حرم میں آ چکا ہے۔

حَرْفُ الجِیم

الجَار

یہ وہ بستی تھی جہاں بہت سے لوگ رہتے تھے اور جہاں کافی مکانات تھے' یہ ساحلِ سمندر پر واقع تھا جہاں کشتیاں آتی تھیں۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ یہ یمن کے ساحلِ سمندر پر ایک شہر تھا اور مدینہ کا سرحدی شہر تھا' اس کے اور مدینہ

کے درمیان دن رات کے سفر کی مسافت کا فاصلہ تھا۔ یہاں مروان بن حکم کا غلام عبد الملک جاری رہتا تھا اور عنقریب علامہ مجد سے آ رہا ہے کہ سریرٗ اس جار کے قریب تھا' یہ سریرٗ مصر اور حبشہ کی طرف نے مدینہ کی طرف آنے والے کشتی سواروں کی بندرگاہ تھی۔ اس کے بعد علامہ مجد کہتے ہیں کہ جار اور مدینہ کے درمیان ایک دن رات کے سفر کا فاصلہ تھا' اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بندرگاہ سریر تھی' جار نہ تھی اور پھر آگے آ رہا ہے کہ جار مدینہ کے قریب سمندر پر ایک شہر تھا۔

جَاعِس

یہ بنو حرام کے گھروں میں ایک قلعہ تھا جو مساجد فتح کے مغرب میں تھا۔

جَبَّار

سرزمینِ غطفان سے حباب کی طرف ایک جگہ تھی۔

جَبَّانَہ

یہ ندمانہ کے وزن پر ہے' اصل میں قبرستان کو کہتے ہیں' یہ مدینہ کی شامی جانب میں ایک جگہ تھی' آگے ذباب میں آ رہا ہے کہ بکری کے مطابق یہ مقام جبانہ میں تھا۔ اس کا ذکر قبائل کے گھروں کے بیان میں آ چکا ہے یعنی بنو الدیل' بنو ذکوان اور بنو مالک بن حمار کے گھروں میں' پھر اس کا ذکر وہاں آیا ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی شامی جانب اضافہ فرمایا تھا' آپ نے فرمایا تھا: اگر ہم اس میں اضافہ کرتے ہوئے جبانہ تک بھی لے جائیں تو یہ مسجد رسول اللہ ﷺ ہی ہو گی۔

جَبَل بنی عُبَیْد

یہ مساجدِ فتح کی مغربی جانب ان کے گھروں کے قریب پہاڑ تھا۔

جَبَل جُهَیْنہ

جہینہ کے گھروں میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

جُبُوب

سخت قسم کی زمین کو کہتے ہیں اور جبوب المصلّٰی مدینہ میں بھی۔

جُشا

اصل میں سخت پتھر کو کہتے ہیں (جس میں نرمی نہ ہو) یہ فدک اور خیبر کے درمیان ایک جگہ تھی۔

جَشُجَائِه

مساجد مدینہ کا بیان کرتے ہوئے آخر میں اس کا بیان آ چکا اور یہ بھی بتایا جا چکا کہ عقیق کا سیلاب اسی میں گرتا تھا پھر حمراء الاسد میں گرتا تھا۔ یہ فید کی چراگاہ میں ایک چشمہ (یا کنواں) تھا پھر انہوں نے کہا کہ ضریہ کی چراگاہ کے قریب تھا پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے جنگلوں میں سے ایک جنگل تھا۔

جَحَّاف

عالیہ میں جائیداد تھی جو سمجہ کی جانب تھی' قدیم دور میں اسے مالِ جحّاف کہا جاتا تھا۔ یہ وہاں پر رہنے والے ایک یہودی کا قلعہ تھا۔

جُحْفَه

حج کے میقاتوں میں سے ایک میقات ہے' یہ ایک بڑا شہر تھا جو مدینہ سے تین دن کی مسافت سے زیادہ فاصلے پر تھا جبکہ مکہ سے ساڑھے چار دن کی مسافت پر تھا۔ پہلے اسے مھیعہ کہتے تھے۔

جَداجد

یہ لفظ جدجد کی جمع ہے' ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ سفرِ ہجرت میں اس کا ذکر یوں آتا ہے: آپ بطنِ کشب میں چلے' پھر جداجد پر اور پھر اجرد پر۔ علامہ مجد کہتے ہیں: لگتا ہے یہ کنوئیں تھے کیونکہ حدیث میں ہے: "ہم بئر جدجد پر پہنچے۔" ابوعبید کہتے ہیں کہ درست لفظ "بئرِ جد" ہے اور اسے بئر جدجد بھی کہتے ہیں۔

جُدّالاَثافی

اثافی' اثفیہ کی جمع ہے' یہ وہ پتھر ہوتا ہے جس پر ہنڈیا رکھی جاتی ہے اور یہ عقیق میں ایک جگہ تھی۔

جُدّالهَوالی

یہ بھی عقیق میں ایک جگہ تھی۔ عقیق کی وادیوں میں گذر چکا ہے:

جد الموالی پھر جد الاثافی اور پھر ذوالثیفیّہ۔

ذُوالجدُر

جدَار کو جدر بھی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ قباء کی طرف مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک چراگاہ تھی' یہیں وہ اونٹنیاں تھیں جنہیں لوٹ لیا گیا تھا۔ بطحان کا سیلاب ذی الجدار سے شروع ہوتا تھا جیسے ابن شیبہ کی طرف سے بتایا جا چکا ہے۔ یہ ایک پہاڑ تھا۔

جُذْمَان

یہ لفظ عثمان کے وزن پر ہے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ تھا۔ ایک زمین کا ٹکڑا جہاں غزوہ کے وقت تبع نے کھجور کے درخت اُگائے تھے۔ جَذْمٌ ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ پہلے گذر چکا ہے کہ تبع نے احیحہ بن جلاح جحجبی کے باغ کو اس وقت جلانے کا حکم دیا تھا جب وہ قلعہ میں محفوظ ہو گیا تھا۔ احیحہ اوس میں سے تھا۔

جَرَادِیح

یہ سیاہ پہاڑیاں تھیں جو سویقہ اور مشعر کے درمیان تھیں۔

جُرُف

یہ حرکات مجد نے یاقوت کی پیروی میں بتائی ہیں لیکن ابوبکر الحازی اور ابو عبید بکری نے اسے جیم اور راء پر پیش سے پڑھا ہے۔ یہ مدینہ میں ایک جگہ تھی۔ یہاں قبیلۂ جرف کی اراضی تھی اور یہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین تھی اور شام کی جانب یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جُـرُف میں فوت ہوئے تھے' یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی' انہیں لوگوں کی گردنوں پر اُٹھوا کر بقیع میں دفن کیا گیا اور عقیق کی حد بندی بیان کرتے ہوئے آ چکا ہے کہ جُـــرُف' محجّہ شام (راستہ کا درمیان) سے قصاصین تک کے درمیان تھا۔ پہلے گذر چکا ہے کہ کھلا میدانی حصہ جس میں بئرِ رومہ تھا' وہ جرف میں مل کر وسیع ہو جاتا تھا۔ جرف کو اس لئے جرف کہتے ہیں کہ جب تبع قناۃ میں اپنے گھر سے نکلا تو اس نے ادھر دیکھ کر کہا تھا کہ یہ زمین کا ''جرف'' ہے۔ اس سے پہلے اس جگہ کو ''عرض'' کہا جاتا تھا۔

ابن زبالہ نے روایت کی ہے کہ تبع نے ایک جاسوس بھیجا تھا کہ مدینہ کی زرعی زمین کو دیکھے' وہ دیکھ آیا اور کہا کہ میں دیکھ آیا ہوں: رہی وادی قناۃ تو وہاں دانہ ہے' بھوسا نہیں ہے' جرار میں نہ تو دانہ ہے' نہ ہی بھوسا اور رہا جرف تو وہاں دانہ بھی ہے اور بھوسا بھی اور عنقریب حرف زاء میں ''زین'' کا لفظ آ رہا ہے جو جرف میں زرعی زمین تھی جہاں حضور ﷺ نے کاشت فرمائی تھی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر کو جرف کا مالک بنا دیا تھا۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خلیج بنائی اور اسے جرف کے ایک شہر میں داخل کر دیا اور یہ جگہ اپنی بیٹی نائلہ بنت فرافصہ کو دیدی۔ یہاں آپ نے تین ہزار عجمی قیدی رکھے تھے پھر یہ بھی ذکر کیا کہ جرف کے اموال ہی میں سے بئر جشم اور بئر جمل بھی تھے۔

جرّ ہشام

یہ ہشام بن اسماعیل کے ہاں پانی پینے کا مقام تھا۔اس کا ذکر عقیق کے مقام پر ابو ہاشم کے محل کے بیان میں گذر چکا ہے۔

جَزُل

لغت میں خشک لکڑی کو کہتے ہیں۔اس کی طرف وہ وادی منسوب تھی جو ذی المروہ میں اِضم سے جا ملتی تھی اور اسی کی طرف سقیا کی نسبت تھی (سقیا الجزل) اور نہیں پر طویس نامی مُخنّث (نہ مرد نہ عورت) گویا کی قبر تھی۔

جَزِیرَۃُ الْعَرب

مدینہ کے ناموں میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔علامہ اعرابی کہتے ہیں کہ یہ ابوموسیٰ کا کنواں تھا جو بصرہ سے حضر موت تک عذیب کی طرف پانچ دن کے سفر پر تھا اور پھر جدّہ سے ساحلِ یمن تک شام کی طرف پھیل گیا تھا۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ یہ طول میں عذیب سے عدن تک پھیلا ہوا تھا اور چوڑائی میں ایلہ سے جدّہ تک تھا۔

اس جزیرہ میں چار مقام شامل ہیں: یمنؔ نجدؔ حجاز اور غور جسے تہامہ کہتے تھے۔کہتے ہیں کہ اسے جزیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر طرف سے اسے سمندر نے گھیر رکھا ہے یعنی بحرِ حبشہ، بحرِ فارس، دجلہ اور فرات پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر وہ شہر جو روم اور فارس کی ملکیت میں نہ رہا ہو اسے جزیرہ کہتے ہیں۔

جسر بطحان

بنو قینقاع کا بازار اسی کے قریب تھا پھر بطحان کے بیان میں گذر چکا ہے کہ یہاں جب بھی سیلاب آتا تو بنو خطمہ اور اعرس کے میدان میں پھیل جاتا پھر وہاں سے چل کر جَسر میں آ جاتا اور پھر وادیٔ بطحان میں داخل ہو جاتا تھا چنانچہ یہ جَسر بطحان کی بالائی جانب زقاق بیض کی طرف تھا۔

جفَاف

یہ عالیہ میں مشہور مقام تھا جہاں خوبصورت باغ تھے۔

جفر

بکری کا چار ماہ کا بچہ نیز اس کنوئیں کو کہتے ہیں جب اسے لپیٹا نہ جائے یا اس کا کچھ حصہ لپیٹا جائے۔یہ صریہ کی جانب ایک چشمے کا نام تھا اور پھر فرش ملل کے قریب کنواں تھا جو آج کل جفر کے نام سے مشہور ہے اور آگے دور معلّی کے ذکر میں ھجری نے جس کا ذکر کیا ہے اس سے یہی مراد ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: معلّی الحرومہ میں کنواں تھا جسے جفر الرغباء کہتے تھے، یہ طلق بن اسعد کا تھا اور پھر عبداللہ بن حسن کا ہو گیا۔

اَلْجَلسی

نجد کی زمین تھی اور جلسی' ارض قبلیہ میں سے وہ زمین ہوتی ہے جو بلندی میں ہو جبکہ غوری' پست کو کہتے ہیں۔

جُلَیَّہ

یہ بَجَلِیؓ کی تصغیر ہے جس کا معنیٰ واضح ہوتا ہے۔ھاء تانیث کی ہے۔یہ وادیٔ قرٰی کے قریب ایک جگہ تھی۔

جَماوات

جـمـاء کی جمع ہے' یہ تین مقام تھے' چوتھی فصل میں اس کا ذکر آ چکا ہے لیکن مجد نے ایک ہی بتایا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جـمـاء مدینہ میں ایک پہاڑ تھا جو عقیق سے جرف کو جاتے ہوئے ایک طرف تین میل کے فاصلے پر پھیلا ہوا تھا۔ زمخشری کہتے ہیں کہ جـمّـاء مدینہ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا' اسے جُبَیْـل کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں دو پہاڑ تھے جن میں سے یہ چھوٹا تھا تو گویا یہ ابھرا ہوا تھا۔

ابوالحسن مہلبی کہتے ہیں کہ یہ دو جماء تھے اور یہ راستے کی دائیں طرف زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ پھر مجد نے وہی گنتی بتائی جو ہم نے لکھی ہے۔اس جماء کا ذکر حضرت سعید بن عاص کے محل کے ذکر میں آ چکا ہے۔

جُمْدان

یہ بنو اسلم کے گھروں میں سے تھا جو قدید اور عسفان کے درمیان تھا' پھر ابوبکر بن موسےٰ کہتے ہیں کہ یہ ینبع اور عیص کے درمیان ایک پہاڑ تھا جو مدینہ سے ایک رات کی مسافت پر تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ثنیۂ عزال اور اَمج کے درمیان ایک وادی تھی۔

علامہ اسدی کہتے ہیں کہ امج کی پچھلی طرف ایک میل کے فاصلے پر وادیٔ ازرق تھی' اس وادی میں ایک چشمہ تھا پھر چشمے اور وادی کے درمیان ایک پہاڑ تھا جسے جمدان کہتے تھے' یہ راستے کی دائیں طرف تھا' حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمدان کے قریب سے گذرے تو فرمایا' ''چلتے جاؤ' یہ جمدان ہے' آگے جانے والے سابق اور پہلے شمار ہوں گے۔''

علامہ ازہری کہتے ہیں: حضور ﷺ مکہ کے راستے میں ایک پہاڑ سے گذرے جسے بجدان کہتے تھے۔ان کے نزدیک یہ لفظ باء کے ساتھ ہے لیکن دوسروں کے ہاں جمدان ہے جو جمد کا تثنیہ ہے اور گویا جب نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ کو زید بن عمرو عدوی یا ورقہ بن نوفل کا یہ شعر یاد آ گیا تھا:

> ''عرش کا مالک پاک ہے اور یہ پاکیزگی ہمیشہ سے اس کی صفت ہے' ہم سے پہلے جُودی اور جمد اللہ کی پاکیزگی بیان کر چکے ہیں۔''

چنانچہ آپ نے اپنے ان ساتھیوں کو جمد کی تسبیح کی بناء پر یاد کیا جو اس نے دورِ جاہلیت میں کی تھی حالانکہ وہ ایک پتھر تھا کیونکہ وہ نجد کی طرف ہونصر کا تھا' اسی لئے آپ نے دورِ جاہلیت کو یاد کیا جبکہ اللہ کا ذکر آگے بڑھنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔یہ بھی احتمال ہے کہ جب ذکر الٰہی وادی میں اُوپر چڑھتے اور اُترتے وقت مطلوب ہوتا ہے تو آپ نے جمدان کے دیکھنے کو دو امور میں سے ایک کے ساتھ ملا دیا اور انہیں یاد کیا کہ یہ جمدان ہے جس کی چوٹی پر تم چڑھے ہو یا اس کی وادی میں اُترے ہو تو اللہ کا ذکر کرو' یا پھر یہ آگے بڑھنے کا سبب ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضورﷺ نے اسے دیکھ کر حضرت موسےٰ علیہ السلام کا تلبیہ (لبیک کہنا) یاد کیا ہو کیونکہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریمﷺ وادیٔ ازرق سے گذرے تو فرمایا: یوں سمجھو جیسے میں موسیٰ علیہ السلام کو ثنیہ سے اترتے دیکھ رہا ہوں' وہ ذکر کر رہے ہیں اور یہ جمدان وادیٔ ازرق ہی میں تھا لہٰذا جو کچھ علامہ یاقوت کو اشکال ہوا تھا وہ واضح ہو گیا کیونکہ انہوں نے کہا تھا: میں نہیں جانتا کہ مفردین کے آگے جانے اور جمدان کو دیکھنے کو کونسی چیز جمع کرتی ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ذکر کرنے والا ہی آگے ہوتا ہے۔اس بارے میں میں نے کسی کو کچھ بتاتے نہیں دیکھا۔

جُمُوح

یہ قباء اور مران کے درمیان بصرہ کے راستے کی طرف تھی اور ابوعبیدہ نے جموح اور عرفہ کا ذکر کیا جو مکہ میں ہے اور پھر کہا ''اور جموح جو قباء کے نزدیک تھی۔'' انتہٰی۔اس سے مراد مدینہ کا مقامِ قباء نہیں جیسے عنقریب اس کی طرف اشارہ آ رہا ہے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ جموح بھی بنو سلیم کی زمین تھی' یہاں حضورﷺ ایک غزوہ کے لئے تشریف لائے تھے' آپ نے زید بن حارثہ کو بنوسلیم کی طرف بھیجا' وہ جموح پہنچے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد وہی جموح ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔

جَمَّہ

علامہ کمال دمیری کہتے ہیں کہ یہ خیبر کی ایک وادی میں چشمہ تھا' حضورﷺ نے اس کا نام قسمة الملائکۃ رکھا تھا' اس کا دو تہائی پانی فلج (چھوٹی نہر) میں جاتا تھا اور دوسرا تہائی دوسرے فلج میں جاتا تھا جبکہ راستہ ایک ہی تھا۔

جناب

یہ خیبر کی ایک جانب جگہ تھی۔کچھ کہتے ہیں کہ بنو مازن کے گھروں میں سے ایک گھر تھا۔علامہ نصر کہتے ہیں کہ جناب بنو فزارہ کے گھروں میں سے تھا جو مدینہ اور فید کے درمیان تھا اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ جناب عذرہ اور بلی کے درمیان جگہ تھی۔

جَنَفَاء (یا جنفا)

جیم پر پیش بھی پڑھی جاتی ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہاں ابو الشموس بلوی صحابی آیا کرتے تھے۔ ابنِ شہاب کہتے ہیں کہ بنو فزارہ ان لوگوں میں تھے جو اہلِ خیبر کے پاس ان کی امداد کو آئے' حضور ﷺ نے انہیں پیغام بھیجا کہ ان کی امداد نہ کریں اور ان میں سے نکل جائیں' اس پر انہیں خیبر میں سے اتنا مال ملے گا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے خیبر میں فتح دیدی تو کہنے لگے کہ ہمیں وہ حصہ دیجئے جس کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا حصہ خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ذو الرقیبہ میں ہے' وہ کہنے لگے کہ ہم آپ سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے جنفاء میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں چنانچہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ جنفاء بنو فزارہ کا ایک کنواں تھا اور پھر یہ خیبر اور فید کے درمیان ایک جگہ تھی۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ یہ وہی تھی جس کا ذکر غزوۂ خیبر میں آتا ہے پھر ضلع الجفاء ربذہ اور ضریّہ کے درمیان ایک جگہ تھی اور اس راستے پر تھی جو مدینہ کو جاتا تھا۔

جُنَیْنَه

یہ لفظ جَـنّة بمعنٰی باغ کا اسمِ تصغیر ہے' اس کا ذکر عقیق کی وادیوں میں آ چکا ہے پھر یہ ایک چشمہ بھی تھا جس کا پانی اِضم میں گرتا تھا اور یہ وادیٔ عقیق کے قریب تھی۔

جوَاء

ضریّہ کی چراگاہ میں ایک کنواں تھا۔

جُوَانِیَّه

ایک جگہ کا نام تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مدینہ کے نزدیک ایک بستی تھی' بنو الجوانی اسی کی طرف منسوب تھے۔ عیاض کے مطابق علامہ بکری کہتے ہیں کہ گویا یہ لوگ جوان کی طرف منسوب تھے۔ یہ زمین فُرع کی طرف سے مدینہ میں داخل تھی۔ انتہی۔ لیکن نووی کا صحیح قول یہ ہے کہ یہ احد کے قریب ایک جگہ تھی اور مدینہ کی شامی جانب تھی کیونکہ اس کا ذکر مدینہ کے یہودیوں کے گھروں میں ملتا ہے اور پہلے آ چکا ہے کہ ان کے یہاں صرار اور ریان نامی دو قلعے تھے' یہ دونوں بنو حارثہ کے ہو گئے تھے اور ان کا ذکر ان کے گھروں میں ملتا ہے لہٰذا جوانیہ وہاں شام کی جانب والے حرۂ شرقیہ میں تھا۔ حدیث معاویہ بن حکم سلمی میں ابو داؤد لکھتے ہیں کہ ایک لونڈی نے مجھ سے کہا جو اُحد اور جوانیہ کی جانب کچھ بکریاں چراتی تھی۔ الحدیث۔

جبُار

کتاب کے وزن پر ہے یہ خیبر کی سرزمین میں ایک جگہ تھی۔

ذاتُ الجیش

اسے اولات الجیش بھی کہتے ہیں' اس کا ذکر حرم کے بیان میں آ چکا ہے' یہ ذوالحلیفہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھی جبکہ ابن وھب کہتے ہیں کہ یہ عقیق سے چھ میل کے فاصلے پر تھی۔لگتا ہے انہوں نے یہ پیمائش ذوالحلیفہ کی جانب سے لی تھی' ابن وضاح کا قول بھی اس کے قریب ہی ہے' وہ کہتے ہیں کہ یہ عقیق سے سات میل کے فاصلے پر تھی۔ابن قاسم کہتے ہیں کہ اس کے اور وادیٔ عقیق کے درمیان دس میل کا فاصلہ تھا۔ثعلبی بارہ میل کا بتاتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان دو میل کا فاصلہ تھا۔کہتے ہیں کہ نزار بن معد اور ان کے بیٹے ربیعہ کی قبریں ذات الجیش میں تھیں۔یہ رسول اللہ ﷺ کی ایک منزل تھی جب آپ بدر کو تشریف لے گئے تھے' یونہی غزوہ بنو المصطلق کو جاتے ہوئے بھی یہاں ٹھہرے تھے' یہیں آیتِ تیمم اُتری تھی اور یہ مکہ کی طرف جانے کا راستہ تھا۔

ذُوالجیُفَہ

یہ مدینہ اور تبوک کے درمیان ایک جگہ تھی۔

جیّ

اس کا ذکر مکہ کے راستے پر مسجدوں میں آ گیا ہے۔علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ یہاں کئی گھر تھے اور میٹھے پانی کے دو کنوئیں تھے۔انتہی۔یہ اس پہاڑ کے دامن میں تھی جو وہاں سوئے لوگوں کو بہا لے گیا تھا۔ورقان یہیں تک تھا۔

حَرفُ الحَاء

حاجر

یہ نقا کی غربی جانب ایک جگہ تھی جو حرہ وبُرہ تک چلی جاتی تھی اور جو وادیٔ عقیق میں تھی' مدح اور اس کے اردگرد والی جگہ اسی میں شامل تھی' یہی حاجر ہے جس کا ذکر شعروں میں ملتا ہے وہ نہیں جو بیداء میں حاجر الثمیا مکہ کے راستے میں مشہور جگہ تھی۔

حَاطِب

مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک راستہ تھا۔مرحب کے ذکر میں اس کی حدیث آ رہی ہے۔

حَالَة

یہ لفظ حال کا واحد ہے۔ حرۃ الرجلاء کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔

حائط بني المَدَاش

یہ وادیٔ قریٰ میں ایک جگہ تھی' حضورﷺ نے یہ جگہ بنو المداش کو دے دی تھی لہٰذا یہ انہی سے منسوب ہوگئی۔

حُبُرَہ

مدینہ میں ایک قلعہ کا نام تھا۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ بنو قینقاع کے حشاشین کے نزدیک دو قلعے تھے' یہ اس جائیداد کے قریب تھے جسے خبیر کہتے تھے۔

حُبُس

یہ بنو مرہ کا پہاڑ تھا۔ یہ زمخشری کا قول ہے جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ یہ حرۃ بنو سلیم اور سوارقیہ کے درمیان ایک جگہ تھی' حدیث پاک میں ہے کہ ''حبس سیل سے آگ نکلے گی۔'' علامہ نصر لکھتے ہیں کہ حبس سیل بنو سلیم کا ایک حرہ تھا۔ یہ دو حرے تھے جن کے درمیان خالی جگہ تھی' دونوں کے درمیان ایک میل سے کم کا فاصلہ تھا اور اصمعی کہتے ہیں کہ حبس ''معلما'' پر اُبھرا ہوا پہاڑ ہے' اگر اُلٹ جائے تو ان پر گر پڑے' یہ لوگ بنو قرہ تھے اور آج کل اس بند کو حبس کہتے ہیں جو آگ نے باندھ دیا تھا۔

حُبَیش

بنو عبید کے گھروں میں ان کا ایک قلعہ تھا جو مسجد فتح کی جانب غرب میں تھا اور بنو عبید کے پہاڑ کے قریب تھا۔

حُتّ

جہینہ میں سے بنو عرک کے قبلہ والے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ۔

حِثاث

مدینہ کی وادیوں میں سے تھی۔

حِجَاز

یہ مکہ' مدینہ اور یمامہ کے اردگرد کے علاقے پر بولا جاتا ہے۔ علامہ عیاض کہتے ہیں کہ یہ نجد اور سَراۃ کا درمیانی علاقہ ہے۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں: اسے حجاز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانچ حروں میں گھرا ہوا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ جزیرۃ العرب کی پہلی تقسیم میں سے جو حصہ بطن رمہ سے ابھرا ہوا ہے وہ ذات عرق تک نجد

کہلاتا ہے اور جو حرّہ سوران' حرّہ لیلیٰ' حرّہ واقم' حرّہ نار اور بنوسلیم کے عام گھروں سے مدینہ تک ہے تو وہ حصہ سارے کا سارا حجاز کہلاتا ہے اور جو ذاتِ عِرق سے سمندر تک ہے' وہ تہامہ کی ہموار زمین ہے اور پھر حجاز کی طرف سے تہامہ والی جانب' مدارج العرج کہلاتی ہے تو گویا یہ پانچواں حرّہ بنوسلیم ہے' اسی وجہ سے مدینہ' حجاز کہلاتا ہے نہ کہ مکہ چنانچہ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ حجاز کے بارہ حصے ہیں: مدینہ' خیبر' فدک' مروہ' دار بلی' دار اشجع' دار مزینہ' دار جہینہ' ہوازن کے لوگ' سلیم کا بڑا حصہ' ھلال کا حصہ اور حرّہ لیلیٰ کا بالائی حصہ اور پھر تیسری حد جو تہامہ سے ملتی ہے وہ بدر' سقیا' رھاط اور عکاظ تھی اور چوتھی حد' شانہ اور ودّان تھی پھر بطن نجد پہلے حصے سے مل جاتا ہے۔ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ حجاز' صنعا کی سرحد تک ہے اور غیلاء و تبالہ' شام کی سرحد تک ہے۔اسے حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تہامہ اور نجد کے درمیان گھرا ہوا ہے چنانچہ مکہ تو تہامی کہلاتا ہے جبکہ مدینہ حجاز یہ ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں: عمارہ نے کہا: جو حرّہ بنوسلیم اور حرّہ لیلیٰ تک جاتا ہے وہ سرحد ہے اور آگے سمندر ہے اور جو ذاتِ عِرق سے مغرب میں ہے وہ حجاز ہے جسے تہامہ کاٹتا ہے اور یہ سیاہ پتھر ہیں جو نجد اور تہامہ میں گھرے ہوئے ہیں اور پھر جو ذاتِ عِرق سے سامنے کی طرف ہے وہ نجد ہے جسے عراق کاٹتا ہے۔

اصمعی کہتے ہیں: اسے حجاز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہاڑوں میں گھرا ہے۔

دمیری کہتے ہیں کہ حجاز کو حجاز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تہامہ و نجد میں گھرا ہوا ہے۔یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ پانچ حرّوں میں گھرا ہے جو یہ ہیں: حرّہ واقم' حرّہ راجل' حرّہ لیلیٰ' حرّہ بنوسلیم' حرّۃ النار اور حرّہ وبرہ۔انتہی۔

ابو المنذر کہتے ہیں کہ حجاز' طی کے دونوں پہاڑوں کے درمیان عراق کے راستے تک ہے' اسے حجاز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تہامہ اور نجد کے درمیان گھرا ہے۔

کچھ کہتے ہیں کہ سراۃ نامی پہاڑ عرب کا سب سے بڑا ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ تہامہ و نجد کے درمیان ایک حد ہے اور یہ اس لئے کہ یہ یمن کے اندر سے سامنے آتا ہے اور شام کے کنارے تک پہنچتا ہے چنانچہ عربی لوگ اسے حجاز کہتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے جزیرۃ العرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے: تہامہ' حجاز' نجد' عروض اور یمن۔عرام کہتے ہیں کہ حجاز' معدنِ بصرہ سے جنیبہ تک کو کہتے ہیں چنانچہ آدھا مدینہ حجازی کہلاتا ہے اور آدھا تہامی' پھر حجازی شہروں میں سے بطنِ نخل اور نجد ہیں۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ مدینہ حجازی کہلاتا ہے۔علامہ حرّتی کہتے ہیں کہ تبوک اور فلسطین حجاز میں شامل ہیں جبکہ مدینہ میں آگ ظاہر ہونے کے بیان میں بتا دیا گیا ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ یمانی شہر پھر یہ حدیث بھی موجود ہے کہ شام' یمن میں شامل ہے اور امام نووی کہتے ہیں کہ مدینہ نہ تو شامی ہے اور نہ ہی یمانی بلکہ حجازی کہلاتا ہے پھر ''العروض'' میں مدینہ کے ناموں کے ذکر میں اسے نجدی لکھا ہے اور ایسے ہوتا رہتا ہے کہ کچھ نام ایک دوسرے پر بول

دیا کرتے ہیں، شاعر لوگ اکثر حجاز کا لفظ استعمال کیا کرتے ہیں چنانچہ اشجع بن عمرو اسلمی کہتے ہیں:

''حجاز میں ہر طرف ھوٰی (خواہشات و عشق) کا دور دورہ ہے، یہ مجھے اس وقت بیدار کرتا ہے جب آنکھیں بہتی ہیں۔''

ایک اعرابی کہتا ہے:

''میرے لئے یہی غم کیا کم ہے کہ میں بغداد میں رہتا ہوں اور میرا دل حجاز کے اطراف میں لگا ہوا۔''

حِجر

مدینہ میں رہنے والے عام لوگ حاء پر زبر پڑھتے ہیں لیکن درست زیر دینا ہی ہے چنانچہ علامہ عَرام مدینہ کے اردگرد کا ذکر کرتے اور اُرْحَضِیّہ کا نام لیتے ہوئے کہتے ہیں: اُرحضیّہ کے بالمقابل ایک بستی ہے جسے حجر کہتے ہیں، وہاں خاص طور پر بنوسلیم کے کنوئیں اور چشمے موجود ہیں، پھر اس کے مقابل ایک پہاڑ ہے جسے **قبّة الحجر** کہتے ہیں۔ علامہ مجد اپنے گمان میں کہتے ہیں کہ عرام وہ بستی مراد لے رہے ہیں جو فُرع کے نزدیک حِجر کے نام سے مشہور ہے۔

آج کل اُرحضیہ کے قریب ایک جگہ ہے جسے حِجریّہ کہتے ہیں، وہاں کنوئیں اور کھیتیاں موجود ہیں، عرام اپنی کلام میں اسی کا ذکر کر رہے ہیں۔ یونہی یاقوت کی بھی یہی مراد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: حِجر زیر سے ہے اور اس پر زبر بھی پڑھتے ہیں، یہ بنوسلیم کے گھروں کی ایک بستی ہے جو قلّہ اور ذی رولان کے قریب ہے۔

پھر حِجر نامی ایک اور بستی بھی ہے جو وادی قُریٰ سے ایک دن کے سفر پر ہے، یہ بستی پہاڑوں کے درمیان ہے، ثمود کے گھر یہیں تھے، ان کے گھر بہت سے پہاڑوں میں تھے جنہیں اثالث کہتے تھے اور وہاں ثمود کا کنواں بھی تھا۔

حُدَیْلَہ

جُھَیْنَہ کے وزن پر ہے۔ جب بنوحدیلہ کے گھر کہتے ہیں تو یہی مراد ہوتا ہے، یہ بنونجار سے تھے، وہیں عبد الملک بن مروان کا گھر تھا۔

حُراض

مقامِ اشعر کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی جو حورہ کی شامی جانب تھی، وہاں صرف سیلاب کا پانی ہوتا تھا جسے ثاجیہ کہتے تھے۔

حَربی

اس مقام کا نام تھا جو مسجد قبلتین سے مذاذ تک کے درمیان تھی' حضورﷺ نے اس کا نام تبدیل فرما کر "صلحه" رکھ دیا جیسے صـــاد کے حروف میں آ رہا ہے۔ یہاں مجد نے بھی کہا ہے لیکن اپنی قاموس میں اس کی مخالفت کرتے ہوئے اسے خاء کے حروف میں لکھا ہے اور پھر بتایا کہ آپ نے اس کا نام صالحه رکھا تھا۔

حُرُض

اُحد کے قریب ایک وادی تھی۔ راء پر زبر بھی پڑھتے ہیں لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ لغت میں اس کا معنی اُشنان موجود ہے' یہاں جڑی بوٹیاں بکثرت ہوتی تھیں۔ اسی وجہ سے اسے ذو حرض کہتے ہیں۔

ابن السکیت کہتے ہیں کہ حـــــرض یہاں پر قناۃ کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی یعنی وہی جس کا ذکر پہلے گذرا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ذو حرض' معدنِ بصرہ سے پانچ میل کے فاصلے پر تھی یہ بنو عبداللہ بن غطفان کی تھی۔

حَرّۃُ اَشجع

اس کا ذکر حرّۃ النار میں آ رہا ہے۔

حرّہ حقل

وادیٔ آرہ میں تھی۔

حرّۃ الحوض

مدینہ اور عقیق کے درمیان تھی۔ اسے حرّۃ حوض زیاد بن ابی سفیان کہتے ہیں۔

حرّۃ راجل

یہ بنو عبس کے شہروں میں تھا۔

حرّۃ الرجلی

یہ بنو قین کے گھروں میں مدینہ اور شام کے درمیاں تھا۔ یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں پیدل چلنا مشکل ہوتا۔ صحاح کی احادیث میں ہے: حرۃ رجلی ہموار زمین تھی جہاں پتھر بہت تھے جن میں چلنا مشکل تھا۔

قاموس میں ہے کہ حـرۃ رجلی سکری کے وزن پر ہے' اسے سکراء بھی پڑھتے ہیں' یہ ایک سخت زمین تھی جس میں چلنا دشوار تھا یا یہ معنی ہے کہ وہاں پتھر بہت ہے۔

ابن شبہ نے صدقاتِ علی میں لکھا ہے کہ: ان کی حرۃ الرجلیٰ میں شعب زید کی جانب ایک وادی تھی جسے اَحـمـر کہتے تھے' اس کا آدھا حصہ صدقہ میں شامل تھا اور آدھا آل مناع و بنو عدی کے قبضے میں تھا' حضرت علی نے انہیں بطور عطیہ دیا تھا پھر ان کے ہاں حرۃ الرجلیٰ میں بھی ایک وادی تھی جسے بیـضـاء کہا جاتا تھا' اس میں زرعی اور بنجر زمین تھی' وہ زمین بھی صدقہ ہی میں شامل تھی۔

پھر کہتے ہیں کہ ان کے پاس حرۃ الرجلیٰ کی اوپر والی جانب فدک کی طرف اراضی تھی جسے قُصَیْبَہ کہتے تھے اور روضۃ الاجداد میں آگے آ رہا ہے کہ وادی قصیبہ' خیبر کی جانب اور وادیٔ عصر کی شرقی جانب تھی۔

حَرَّۃ رُمَاح

یہ دھناء کے مقام پر تھی۔

حرّہ زُھْرہ

یہ حرۂ واقم کے پاس تھی۔

حرّہ بنی سُلَیم

یہ نقیع کی ہموار زمین یعنی چراگاہ میں شرقی جانب تھی' وہاں باغ اور کھلی جگہ تھی' یہ وادی بقیع کے کھلے میدان میں گرتی تھی۔

حرّۃ شوران

اس کا ذکر حرف شین میں آ رہا ہے۔ یہ وادیٔ مہزور کی ابتداء میں تھی۔

حرّۃ عباد

مدینہ کے قریب پتھریلی زمین تھی۔

حرّۃ بنی العُضَیْدیّہ

وادیٔ بطحان کی غربی جانب تھی۔

حرّۃ قباء

مدینہ کی ایک جانب تھی۔ حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

حرّۃ لیلی

نام مرّہ بن عوف بن سعد تھا اور غطفان سے تعلق تھا۔ شامی حاجی مدینہ کو جاتے وقت یہاں سے گذرتے۔ کچھ

کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی جانب سے وادیٔ قرٰی کی پچھلی جانب تھی' وہاں کھجور کا باغ اور چشمے تھے۔کچھ کہتے ہیں کہ یہ پتھریلی زمین بنو کلاب کے شہروں میں تھی۔

حرّۃ مِعْصَم

یہ بالائی پتھریلی جگہ تھی' ذوالجدر یہیں تھی' بطحان کا سیلاب یہیں سے شروع ہوتا۔

حرّۃ میطان

بنو قریظہ کی شرقی جانب پہاڑ تھا۔

حرّۃ النّار

نار سے مراد یہی جلانے والی آگ ہے۔یہ حرہ لیلیٰ کے قریب تھی۔یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حرۂ بنو سلیم تھی۔کچھ کہتے ہیں کہ بنو جذام کے گھروں میں تھی اور عذرا کے قریب تھی۔

قاموس میں ہے کہ یہ خیبر کے قریب تھی۔نصر کہتے ہیں کہ حرۃ النار' وادیٔ قرٰی اور تیماء کے درمیان تھی جہاں معدنیات تھیں۔

اصمعی نے وادیوں کی حد بندی بتاتے ہوئے حرہ فدك کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ حرۃ النار' فدک ہی ہے اور فدک ایک بستی تھی جہاں کھجور کے درخت اور ویران زمین تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فدک میں تھی اور یہ وہی بستی ہے جہاں سے آگ نکلی تھی جسے حضرت خالد بن سنان نے اپنی قوم سے ہٹایا تھا اور حجاز کی آگ کے بیان میں گذر چکا ہے کہ ان کی قوم پر حرۃ النار سے آگ آئی تھی جو خیبر کی طرف سے چلی تھی' وہ دونوں طرف سے چلی آئی تھی۔ایک روایت میں ہے کہ حرۂ اشجع میں پہاڑ سے آگ نکلے گی۔ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے ایمان کی خاطر دعا مانگی تھی کہ حرہ سے آگ نکلے' انہوں نے دعا فرمائی تو آگ آ گئی۔راوی کہتے ہیں کہ ربذہ کے دونوں طرف اس آگ کی روشنی میں ہم اونٹ چراتے تھے۔ایک اور روایت میں ہے کہ نار الحدیان حرۃ النار سے نکلی تھی چنانچہ گیارہ راتوں تک اس کی روشنی میں اونٹ چرتے رہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا تو آپ نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: جمرہ۔آپ نے پوچھا: کس کے فرزند ہو؟ اس نے کہا: ابن شہاب ہوں۔آپ نے پوچھا کن میں سے ہو؟ اس نے کہا کہ ''حرقہ'' سے۔آپ نے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا: حرّۃ النار میں۔آپ نے پوچھا: وہ کس طرح بھڑکتی ہے؟ اس نے کہا: شعلے نکلتے ہیں۔آپ نے کہا: اپنے قبیلہ کو سنبھالو' کہیں جل نہ جائیں۔ایک روایت میں ہے کہ: ''وہ جل گئے ہیں'' چنانچہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ آگ نے انہیں گھیر رکھا تھا۔

حرّۃ واقم

مدینہ کے مشرق میں پتھریلی زمین تھی۔اس کا نام عمالقہ میں سے ایک شخص کے نام پر رکھا گیا جو وہاں رہتا تھا۔ابن زبالہ نے واقم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ یہ بنوعبد الاشہل کا قلعہ تھا' اسی کے نام پر اس جانب کا نام واقم رکھ دیا گیا۔اسے حرۂ بنوقریظہ بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اس کے قبلہ کی طرف رہتے تھے۔اسے حرۂ زھرہ کہتے تھے۔اسی حرہ میں قتل و غارت ہوئی تھی (جو یزید نے کرائی تھی)۔

ایک حدیث گذر چکی ہے کہ ''حرۂ زھرہ میں میری اُمت کے بہترین لوگ قتل ہوں گے۔''

کتاب الحرۃ میں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دور معاویہ میں حرۂ زھرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے' اس دوران کہا: یہاں کے بارے یہوذا کی کتاب میں ایک ٹھوس واقعہ کا ذکر ہے کہ یہاں جنگ ہو گی' یہاں ایسے لوگ قتل ہوں گے جو قیامت کے دن تلواریں گردنوں پر تانے کھڑے ہوں گے۔ پھر رحمٰن کے پاس آئیں گے' اس کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہم یہاں تیرے نام پر قتل ہوئے تھے۔

ابن زبالہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بارش ہوئی تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کیا اس بارے میں کسی کے پاس کوئی حدیث ہے؟ جو ہمارے لئے باعث برکت ہو اور ہمیں سیراب کر دے اور اگر ادھر سے کوئی سوار آئے تو ہم اس کے ہاتھ چومیں؟ وہ وہاں سے نکلے اور حرۂ واقم پہنچے' وہاں پانی بہہ رہا تھا' انہوں نے اس سے پانی پیا اور وضو کیا۔اس پر حضرت کعب نے کہا: اے امیر المؤمنین! بخدا ایک دن اس وادی میں لوگوں کا خون بہے گا جیسے یہ پانی بہہ رہا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: اب ان باتوں کو چھوڑیئے' اتنے میں ابن زبیر ان کے قریب ہوئے اور پوچھا اے ابواسحاق! ایسا کب ہوگا؟ انہوں نے کہا: اے عیس! یہ واقعہ چند قدموں یا ہاتھوں پر ہے۔

اس موقع کے لئے عبد الرحمٰن نے کہا تھا (ان کے والد سعید ان دس میں سے تھے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی) یہ عبد الرحمٰن واقعۂ حرہ میں موجود تھے (چنانچہ کہتے ہیں):

''اگر تم حرۂ واقم میں ہم سے لڑو گے تو ہم اسلام کے نام پر پہلے قتل ہوں گے۔''

حرّۃ بنی بَیاضہ

رہا غربی حرہ تو اسے حرہ بنی بیاضہ کہتے تھے۔ یہیں حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگسار کیا گیا تھا۔

حرّۃ الوَبَرَہ

مجد نے باء پر جزم پڑھنا جائز بتایا ہے۔ یہ جگہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ حدیثِ اُضیان میں اس کا ذکر موجود ہے۔ وبرہ کے بیان میں حدیثِ اضیان کا ذکر آ رہا ہے' مجد نے وہاں بتایا ہے کہ مدینہ سے دور تھی۔ یہاں قابلِ اعتماد بات وہ ہے جسے عقیق میں عروہ کے محل میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس مقام کو ''خیف حرۃ الوبرہ'' کہتے تھے اور علامہ

ہجری کہتے ہیں کہ عروہ کی زرعی زمین اور ان کا محل حرۃ الوبرہ میں تھا اور حاجر کے بیان میں گذر چکا ہے کہ یہ نقا کے غرب میں حرۃ الوبر کی انتہاء میں تھی تو یہ وادیٔ عقیق کی بالائی جانب ہوئی' اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مسلم میں ہے' فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے' جب حرۃ الوبرہ پہنچے تو ایک آدمی ملا جس کی بہادری کا چرچا تھا' اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ خوش ہوئے۔آپ نے دیکھا تو اس نے عرض کی' یا رسول اللہ! میں آپ کی فرمانبرداری کی خاطر حاضر ہوا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے نام پر شہید ہو جاؤں۔آپ نے فرمایا: تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے عرض کی' نہیں۔آپ نے فرمایا: چلے جاؤ کیونکہ مجھے ایک مشرک کی امداد کی ضرورت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ وہاں سے چلے۔جب شجرہ یعنی ذوالحلیفہ پہنچے تو ایک اور آدمی ملا' اس نے بھی وہی کچھ کہا جو پہلے نے کہا تھا۔اس پر نبی کریم ﷺ نے وہی کچھ فرمایا جو پہلے سے فرمایا تھا' اس نے بھی کہا' نہیں۔اس پر فرمایا: چلے جاؤ کیونکہ مجھے مشرک کے تعاون کی ضرورت نہیں۔پھر آپ واپس ہوئے تو اسے بیداء میں دیکھا اور وہی کچھ فرمایا جو پہلے فرما چکے تھے' اس نے عرض کی' ہاں ایمان لاتا ہوں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ آ جاؤ۔

حَزْوَرَہ

اشعر کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی جو فقارہ میں گرتی تھی' وہاں بنو عبداللہ بن حصین اسلمی رہتے تھے' وہیں ملیحہ تھی جس کی نچلی جانب چشمہ تھا جسے سویقہ کہتے تھے۔

حَزْمُ بَنِي عَوال

یہ "طرف" کے قریب تھی' یہاں ایک کنواں بئرِ اَلْیَه تھا۔

حزن

مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک راستے کا نام تھا۔حضور ﷺ اس راستے میں چلنے سے رُک گئے تھے اور مرحب میں چلے تھے۔بنو یربوع کا حزن عرب کی بہترین چراگاہ تھی' اس میں باغ اور میدان تھے۔

حُسْنیٰ

ینبع کے قریب ایک پہاڑ تھا اور حسنیٰ نام ہی کا ایک صحراء تھا جو عذیبہ اور جار کے درمیان تھا۔میں بتاتا ہوں کہ حسنیٰ' حضور ﷺ کے صدقات میں شامل تھی لیکن مراغی نے اسے حُسْنیٰ پڑھا ہے۔

حُسَیْکَه

یہ حَسَکَۃ کا اسمِ تصغیر ہے۔ذباب کی جانب ایک جگہ تھی۔وہاں یہودیوں کے کچھ لوگ رہتے تھے' ابوالفتح اسکندری کہتے ہیں کہ یہ مساجدِ فتح اور ذباب کے درمیان ایک جگہ تھی۔اس کا ذکر کعب بن مالک کے شعروں میں ملتا ہے۔ابن شبہ بتاتے ہیں' محمد بن یحییٰ نے کہا کہ میں نے عبد العزیز بن عمران سے پوچھا کہ حسیکہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ابن ماقیہ کی زمین کی طرف ہے' ابن ابوعمرو رابض کے محل کی طرف' پھر ابن شمعل کے محل کی جانب سارے جرف کے قریب واقع ہے۔

حَشَا

لغت میں ان انتڑیوں کو کہتے ہیں جن کے گرد پسلیاں ہوتی ہیں۔یہ آرہ کی دائیں جانب ایک جگہ تھی اور ابوالفتح سکندری کہتے ہیں کہ یہ حجاز میں ایک وادی تھی پھر ابواء میں ایک پہاڑ بھی ہے۔

حِشان

لفظِ حَشّ کی جمع ہے' باغ کو کہتے ہیں۔یہ شہداء اُحد کی طرف جانے والے راستے کی دائیں طرف یہودیوں کا ایک قلعہ تھا اور اسی میں سے حَشّاشین (جمع) بنوقینقاع کے گھروں میں جگہ تھی۔

حَشّ طلحه

یہ ابن ابوطلحہ انصاری تھے۔اس حَشّ کا ذکر مسجد نبوی کی شامی جانب' مسجد کو گھیرنے والے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے اور اس بلاط میں بھی آیا ہے جو مسجد کی شامی جانب تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان گھروں کی جگہ تھا جو مسجد کی شامی جانب تھے جو مشرق سے ملتا تھا (یعنی شمال مشرق میں) یہ جگہ حضرت عبد الرحمٰن کی تھی۔اس کا ذکر چوتھے باب کی تینتیسویں فصل کے شروع میں آچکا ہے۔

حصن (خَلّ)

یہ قصرِ خل کہلاتا تھا۔

حِضْوَه

مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔کہتے ہیں کہ یہ وہاں سے تین کی مسافت پر تھی۔پہلے اس کا نام "عِفْوَه" تھا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام حِضوہ رکھا۔

حدیث پاک میں ہے کہ اہل حضوہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں شکایت کی کہ ان کے ہاں وباء آچکی ہے۔آپ نے فرمایا تھا: کاش تم اسے چھوڑ دو۔انہوں نے کہا کہ ہم آباء واجداد سے یہاں رہتے ہیں اور یہ

ہمارا وطن ہے۔آپ نے حارث بن کلدہ سے فرمایا کہ اس بارے میں کوئی روایت ہے تو بتاؤ۔انہوں نے کہا اس جگہ درخت اور مچھر رہتے ہیں' یہ وباء کا گھر ہے' ان لوگوں کو یہاں سے نکل کر میٹھے پانی والی زمین مُرتبع النجم میں چلا جانا چاہئے' وہاں یہ لوگ پیاز اور گندنا کھائیں' گھی پئیں' خوشبو لگائیں' ننگے پاؤں نہ چلیں اور دن کو نہ سوئیں۔اگر انہوں نے اس پر عمل کر لیا تو مجھے اُمید ہے کہ یہ تندرست ہو جائیں گے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

حَضِیْر

امیر کے وزن پر ہے۔یہ کھلا میدان تھا جس میں کنوئیں اور زرعی زمین تھی' یہاں وادیٔ نقیع ختم ہوتی اور عقیق شروع ہوتی تھی۔

حَفْیاء

مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ تھی' یہاں سے کمزور گھوڑے ثنیۃ الوداع کی طرف لیجائے جاتے تھے۔کچھ لوگوں نے اسے 'حُفْی' پڑھا ہے اور یہ غلطی ہے۔کچھ نے اسے حَیْفاء پڑھا ہے۔امام بخاری کے مطابق سفیان نے کہا کہ حفیاء سے ثنیہ تک کا فاصلہ پانچ یا چھ میل تھا۔ابن عقبہ نے کہا کہ چھ یا سات میل تھا۔علامہ مجد نے کہا غالب خیال یہ ہے کہ باڑے کے قریب تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ سے شامی جانب چشمے کی تنگ جگہ پر تھا کیونکہ علامہ ھجری نے زغابہ میں سیلابی پانی جمع ہونے کی جگہ کا ذکر کر کے کہا ہے: پھر سیلاب مدینہ کی نچلی جانب غابہ میں عین الصور بن کے مقام پر جاتا' وہاں حفیاء والی جگہ تھی جو حضرت حسن بن زید بن علی کا صدقہ تھی۔

زبر کی عبارت یہ ہے: سیلاب ابو زیاد کے چشمے کی طرف جاتا اور غابہ میں صورین پر پہنچتا چنانچہ جس حفیاء کا ذکر ھجری نے کیا وہ غابہ کے نزدیک حیفاء میں تھا چنانچہ اسی وجہ سے حدیث میں یوں آیا کہ غابہ سے فلاں مقام تک۔

حُفَیْر

امیر کے وزن پر ہے' مکہ اور مدینہ کے درمیان جگہ تھی اور ''حفر'' اس کے پہلو میں ایک اور جگہ تھی۔یاقوت کہتے ہیں کہ حَفْر' وادیٔ مہزول کے کنوؤں میں سے تھا۔انتہٰی لیکن آج کل آلِ زبان میں سے اشراف کی جگہ کو کہتے ہیں' وہاں کنوئیں اور زرعی زمین موجود ہے' یہ وہ حفر نہیں جس کا ذکر جزیرۃ العرب کی حدود میں آتا ہے کیونکہ اسے حَفَرْ کہتے تھے اور یہ بصرہ کے قریب تھا اور حُفَیْر اسمِ تصغیر ہے' یہ ذوالحلیفہ اور ملل کے درمیان ٹھہرنے کی ایک جگہ تھی جہاں سے حاجی گذرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ جگہ تھی جسے حفیرہ کہتے تھے اور جس کا بیان حدودِ حرم میں گزرا۔

حَقْل

آرہ اس کی طرف منسوب کر کے اسے آرۃ حقل کہتے تھے۔

حَلاءۃ

اس کا واحد حلاۃ ہے۔علامہ عرام کہتے ہیں: اس کے بالمقابل ایک پہاڑ ہے جسے سن کہتے ہیں اور پھر کچھ بڑے اُٹھے ہوئے پہاڑ ہیں جنہیں حلاءۃ کہتے ہیں جہاں کوئی چیز نہیں اُگتی' نہ ہی ان سے کوئی فائدہ ہوتا ہے ہاں اسے کاٹ کر چکیاں بنائی جاتی ہیں اور مدینہ میں عمارت بنائی جاتی ہیں۔

حِلائیُ صعب

یہ دو وادیاں یا پہاڑ ہیں جو مدینہ سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر ہیں اور پہلے آ چکا ہے کہ بطحان کا سیلاب حلائی صعب سے آتا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ پہلے ذکر کردہ حلاءۃ سے ہیں کیونکہ ان کی جانب اور مسافت ایک جیسی ہے۔

حَلائق

یہ حلیقہ کی جمع لگتی ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ بطحاءِ ابن ازھر سے چلے اور حلائق کی بائیں جانب اُترے۔ کچھ حضرات نے اسے خلائق لکھا ہے۔میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کیونکہ آگے اس کا ذکر خلائق کے لفظ میں کر رہا ہوں۔

حِلّیت

سِجِّین کے وزن پر ہے۔ چراگاہ فید میں اس کا ذکر ہو چکا۔

حُلَیف

لفظ حلف کا اسمِ تصغیر ہے' یہ نجد میں ایک جگہ تھی۔بنو کلاب کا تصدیق کرنے والا مدینہ سے نکلے گا تو یہیں ٹھہرے گا۔

حُلَیفَه

جُهَینه کے وزن پہ ہے اور حَلَفَۃ کی تصغیر ہے جو حلفاء کا واحد ہے۔یہ ایک مشہور بُوٹی ہوتی ہے' علامہ مجد کہتے ہیں: یہ ایک بستی تھی؛ اس کے اور مدینہ کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا' یہی ذوالحلیفہ ہے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے' یہ بنو جشم کا کنواں تھا ان کے اور بنو خفاجہ کے درمیان عقیل رہتے تھے۔انتہٰی۔

باب کی ابتداء میں حدود عقیق کے بیان میں علامہ عیاض کی روایت گذری ہے کہ وادئ ذوالحلیفہ عقیق میں سے تھی اور عقیق مدینہ کے شہروں میں سے تھا اور یہ مشہور ہے لیکن یہاں جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ذوالحلیفہ کی نسبت بنو جشم کی طرف ہے تو یہ بات مشہور نہیں' شائد انہیں اس حلیفہ کا شبہ پڑا ہے جو تہامہ میں سے تھا کیونکہ جو انہوں نے مسافت بتائی ہے وہ اسی کے مطابق ہے جسے غزالی کی طرح نووی نے صحیح قرار دیا ہے کہ یہ چھ میل کے فاصلے پر ہے' امام شافعی کا المعرفۃ میں یہ قول اس کی دلیل بنتا ہے: حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوھریرہ شجرہ میں رہتے تھے جو چھ میل سے کم فاصلے پر تھا' وہ جمعہ پڑھنے آیا کرتے اور شجرہ کو چھوڑ آتے' شجرہ سے مراد ذوالحلیفہ ہے کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسجد شجرہ وہیں تھی اور اسی مقام پر مسجد معرس بھی تھی۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ معرس' مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھی جبکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ معرس بیداء کے قریب تھی چنانچہ وہ حلیفہ کے آخر میں تھی لہٰذا یہ اس کے خلاف نہیں جو شافعی نے کہا ہے' یہی معنٰی اس سے بھی لیا جائے گا جو احمد' طبرانی اور بزاز نے کہا ہے' ابو اروی کہتے ہیں: میں نماز عصر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں پڑھا کرتا اور پھر ذوالحلیفہ آ جاتا' ابھی سورج غروب نہ ہوا کرتا' ذوالحلیفہ دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔

ابن صلاح کی طرح علامہ رافعی کہتے ہیں کہ ذوالحلیفہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا حالانکہ اسے رد کیا جا چکا ہے کیونکہ مشاہدہ اس کا انکار کرتا ہے' شائد انہوں نے یہ مسافت عقیق کے محلات سے لی ہو گی کیونکہ وہ عمارتیں مدینہ سے ملحق تھیں۔ علامہ اسنوی لکھتے ہیں کہ درست بات' مشہور اور مشاہدہ میں آنے والی یہ ہے کہ وہ ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا جو تین میل یا کچھ زائد بنتی ہے۔ انتہٰی۔

ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ یہ مدینہ سے چار میل کے فاصلے پر تھا اور خود میں نے اسے مسجد نبوی کے مشہور دروازے باب السلام سے ذوالحلیفہ میں مسجد الشجرہ تک پیائش کی ہے تو یہ دستی ذراع سے انیس ہزار سات سو ساڑھے بتیس ہاتھ تھی' یہ پیائش سو ہاتھ کم پانچ میل اور دو تہائی میل بنتی ہے' یہ مسجد اس مقام کی ابتداء میں نہ تھی کیونکہ ابوعبداللہ اسدی (جو قدیم شخص تھے) کہتے ہیں کہ: مدینہ سے ذوالحلیفہ کا سفر (اسے شجرہ کہتے ہیں اور یہیں سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں) ساڑھے پانچ میل تھا اور اس میل پر لکھا ہوا ہے جو اس کے پیچھے دو نشانوں کے قریب تھا: چھ میل' اور اسی میل سے حضور ﷺ نے تلبیہ پڑھنا شروع فرمایا تھا چنانچہ وہ میل مسجد کے قریب تھا کیونکہ وہ حضور ﷺ کے تلبیہ پڑھنے کا مقام تھا اور ذوالحلیفہ سے نصف میل پہلے تھا۔

یہ جو انہوں نے کہا ہے "دو نشانوں کے قریب" تو اس میں احتمال یہ ہے کہ انہوں نے ذوالحلیفہ میں داخلے کی علامتیں مراد لی ہوں گی کیونکہ وہ علامات کی تعداد یوں بتاتے ہیں: "ذوالحلیفہ میں داخلے کی دو علامات تھیں۔" اس سے حلیفہ کی انتہاء کا پتہ چلتا ہے لیکن جیسے انہوں نے بیداء میں ذکر کیا ہے' ذوالحلیفہ سے نکلنے کی جگہ پر دو اور علامات تھیں اور بیداء حلیفہ کی علامتوں کی بالائی جانب تھا اور یہ اس وقت جب تم وادی پر چڑھو اور احتمال یہ ہے کہ انہوں نے "قریب

من العلمین '' سے مراد حلیفہ سے نکلنے کی دو علامتیں مراد لی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجد حلیفہ کے آخر کے قریب تھی اور یہ ظاہر ہے کیونکہ بیداء وہی جگہ ہے جو ذوالحلیفہ سے اوپر والی جانب میں تھی اور یہ اس مسجد سے اتنی دور تھی جتنا تیر پھینکنے کی مسافت ہوتی ہے لیکن آج کل یہ علامات موجود نہیں ہیں۔

علامہ عز بن جماعہ کہتے ہیں کہ ذوالحلیفہ میں وہ کنواں تھا جسے عام لوگ بئر علی کہتے ہیں اور اسے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ آپ نے وہاں جن کو قتل کیا تھا حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اہلِ علم اس بات کو نہیں مانتے اور وہاں پتھر وغیرہ نہیں پھینکا جاتا جیسے جاہل کیا کرتے ہیں۔

پھر مسجد ذوالحلیفہ میں بیان ہو چکا کہ ان لوگوں نے کنوؤں میں اُترنے کے لئے سیڑھیاں بنا رکھی تھیں اور پھر چوتھی فصل کے آخر میں بتایا جا چکا ہے کہ ذوالحلیفہ کی اُوپر والی جانب عقیق سے اُوپر ایک جگہ تھی جسے حلیفہ عُلیا کہتے تھے تو معلوم ہوا کہ احرام باندھنے والے حلیفہ سُفلیٰ سے احرام باندھتے تھے حالانکہ ان کے علاوہ یہ بات کسی نے نہیں لکھی، شائد یہ مقام خلیقہ تھا جیسے آگے آ رہا ہے۔

رہا ذوالحلیفہ تو یہ بھی وادیٔ عقیق میں شمار ہوتا تھا' اسی لئے حضرت امام ابو حنیفہ نے اپنی جامع المسانید میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے' فرماتے ہیں: ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! تلبیہ کس مقام سے شروع ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اہلِ مدینہ عقیق سے شروع کریں' اہلِ شام جحفہ سے اور اہلِ نجد قرن سے چنانچہ آپ نے ذوالحلیفہ کو عقیق کا نام دیا۔

پھر ذوالحلیفہ نامی جگہ حادہ اور ذات عرق کے درمیان بھی ہے' اسی بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے' فرمایا: ہم تہامہ کے مقام ذوالحلیفہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے تو ہماری بکریاں چوری ہو گئیں۔ پھر مساجدِ تبوک میں گذر چکا ہے کہ ذوالحلیفہ مدینہ اور تبوک کے درمیان بھی ایک جگہ تھی۔

حماتان

بلیدہ کے قریب ایک جگہ تھی جس میں حرم کی اس کی طرف نسبت ہے (حرم الحماتین) اور اس کی دلیل بلدہ اور بلیدہ کے لفظوں کے بیان میں گذر چکی۔

حُمَام

ذات الحمام مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے اور غمیس الحمام' فرش اور ملل کے درمیان ایک جگہ تھی جیسے حرفِ عین میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

ذات الحُمَّاط

یہ لفظ عقیق کی وادیوں اور مسجدوں کے ذکر میں آ چکا ہے۔ مرابد کے ذکر میں اس کی دلیل موجود ہے۔ حاء پر پیش

اور میم پر شدّ ہے' یہ ایک باغ تھا جس کا ذکر بنو بیاضہ کے گھروں میں آ چکا۔

حَمُت

ورقان نامی پہاڑ کا نام ہے جیسے آگے حدیث میں آ رہا ہے۔علامہ عرام کہتے ہیں کہ قدس ابیض اور قدس اسود کے درمیان ایک گھاٹی تھی جسے حَمُت کہتے تھے۔لفظ رہم میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔حمت اور صوری' ابن زبیر کی رہائش گاہ کے شروع میں تھے۔

حمراء الاسد

اسد بمعنی شیر ہے۔یہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔حضورﷺ جب اُحد سے واپسی پر مشرکین کو تلاش کر رہے تھے تو تین دن تک یہاں قیام فرمایا۔مسلمان روزانہ یہاں پانچ سو مرتبہ آگ جلاتے تا کہ دور سے دیکھا جا سکے۔عقیق کے بیان میں گذر چکا کہ حمراء الاسد' ثنیۃ الشرید کے اوپر تھی۔

علامہ ھجری کہتے ہیں کہ یہاں بہت سے قریشیوں کے گھر تھے۔یہ مکان عقیق سے یوں دکھائی دیتے تھے جیسے مکہ کا راستہ یعنی اس کی بائیں طرف۔ھجری کہتے ہیں کہ حمراء الایسر کے کنارے پر منشد اور دائیں طرف مشرق میں خاخ کا مقام تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ذوالحلیفہ سے بائیں طرف اوپر ایک پہاڑ تھا جو حمراءِ تَملہ کے نام سے مشہور تھا' ظاہر یہ ہے کہ یہ منشد تھا' حمراء نہ تھا نیز حمراء کئی اور جگہوں کے نام بھی تھے جن میں سے ایک صفراء سے ذرا پہلے ایک جگہ تھی جہاں کھجور کے بہت سے درخت تھے۔

حُمَیراء

حمراء کا اسمِ تصغیر ہے۔یہ مدینہ کے قریب کھجوروں والی ایک جگہ تھی اور شاید یہ وہی حمراء تھی جو صفراء کے قریب تھی لیکن اسے تصغیر بنا کر پڑھا ہے۔

حِمٰی

چھٹی اور ساتویں فصل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

حمیّہ

صاحب ''المسالک والممالک'' نے اسے مدینہ کی ذیلی آبادی اور صوبہ شمار کیا ہے۔

حَنَان

اس کا لغوی معنٰی رحمت ہوتا ہے' یہ بڑی چوٹی کا نام ہے جو پہاڑ جیسی ہوتی ہے۔علامہ نصر کہتے ہیں کہ حَنّان

بدر کے قریب ایک ریتلی جگہ تھی' وہ پہاڑ کی طرح ریت کا بڑا ٹیلہ تھی۔

ابن اسحاق حضورﷺ کے ذفران کی طرف چلنے کے بعد بدر کو جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "پھر آپ وہاں سے چلے تو ان گھاٹیوں تک پہنچے جنہیں اصافر کہتے تھے پھر ایک شہر کی طرف اُترے جسے دبہ کہتے تھے اور حنان کو دائیں طرف چھوڑا۔ وہ ریت کا عظیم ٹیلا تھا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ "ابرق الحنان" اسی کو کہتے تھے۔ یہ بنوفزارہ کا رہائشی مقام تھا' کثیر لکھتے ہیں:

"ابرق الحنان میں یہ گھر کس کے ہیں؟"

تاہم یاقوت لکھتے ہیں کہ یہ وہ حنان نہیں جس کا ذکر پہلے آ چکا۔

حُنُذ

یہ اُحیحہ بن جلاح کی بستی تھی اور مدینہ کے ماتحت تھی جس میں کھجوروں کے درخت تھے۔

حَوُرتان

یہ یمنی اور شامی دو وادیاں تھیں' آج کل انہیں حَورُہ اور حُوَیرہ کہا جاتا ہے' یہ اشعر کی وادیاں تھیں۔ علامہ ہجری لکھتے ہیں کہ یہ دونوں وادیاں بنوکلب اور بنو ذھل کی تھیں جن کا تعلق عوف اور پھر جہینہ سے تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حورہ یمانیہ میں ایک وادی تھی جسے ذوالھدی کہتے تھے کیونکہ شداد بن امیہ ذھلی حضورﷺ کے پاس شہد نچوڑ لایا' آپ نے پوچھا' کہاں سے نچوڑ لائے ہو؟ تو اس نے عرض کی: وادیٔ ذوالضلالہ سے' آپ نے فرمایا: یوں نہ کہو' یہ تو ذوالہدی ہے' انتہی۔ آگے خضرہ کے لفظ میں ابوداؤد سے اس کی دلیل آ رہی ہے۔

حورۂ یمانیہ مشہور تھی جبکہ وادی مشہور نہ تھی' مدینہ میں فغرہ سے لائی جانے والی گندم اور شہد اسی مقام سے لائے جاتے تھے' وہیں ایک جگہ تھی جسے مخاضہ کہتے تھے' اسی مقام سے پھلکوی لائی جاتی تھی جسے ذوالشب کہتے تھے۔

حورۃ الشامیہ بنودینار کی تھی جوکلب بن کبیر جہنی کے غلام تھے' یہ عبدالملک بن مروانی کا طبیب تھا' اسی کی اولاد سے عرارہ درزی تھا جو مدینہ میں رہتا تھا۔ عبدالملک نے حورہ شامیہ میں گھر بنا رکھے تھے جسے ذوالحماط کہتے تھے۔

حوضي

تبوک کی مسجدوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

حوض عمرو

یہ مدینہ میں تھا جو عمرو بن زبیر بن عوام سے منسوب تھا۔

حُوض مروان

اس کا ذکر بئرِ مغیرہ کے ساتھ گذر چکا جو ابو ہاشم مغیرہ بن ابو العاص کے محل کے ساتھ عقیق میں تھا۔

حوض ابن ہاشم

یہ حرۂ غربیہ میں تھا' اس کا ذکر بئرِ اھاب اور بئرِ فاطمہ کے بیان میں آ چکا ہے۔

حیفاء

حفیاء بھی اسی کو کہتے ہیں۔

حرف الخاء

خاخ

اسے روضۃ خاخ کہتے ہیں۔ علامہ ھجری کہتے ہیں کہ داہنی طرف والے حمراء الاسد کے کونے میں خاخ ہے' یہ ایک شہر تھا جہاں محمد بن جعفر بن محمد اور علی بن موسیٰ رضا وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر تھے پھر حضرت محمد بن جعفر اور علی بن موسےٰ کے کنوئیں تھے اور ان دونوں کی زرعی زمین تھی جسے حضر کہتے تھے۔ خاخ کا ذکر عقیق کی وادیوں میں آ چکا ہے' اسی لئے ابن الفقیہ نے انہیں ان کی حدود میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شوظا اور ناصفہ کے درمیان میں تھیں۔

واقدی لکھتے ہیں کہ روضۂ خاخ ذوالحلیفہ کے قریب تھا یعنی مدینہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت شدہ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے مجھے' حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا اور فرمایا چلتے جاؤ اور روضہ خاخ پر پہنچو' وہاں ایک خاتون ہوں گی جس کے پاس ایک خط ہو گا۔ الحدیث۔

کچھ حضرات نے اسے حاطب بن عبد الرحمٰن سے روایت کیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مکان مدینہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر تھا اور خاخ عبد اللہ بن ابی احمد کے خلیفہ کے پاس ہو گا' ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ اسے ابن ابی احمد کے کنوئیں کے قریب پا لینا۔ شاعروں نے خاخ کا ذکر اپنے اشعار میں بہت کیا ہے چنانچہ احوص کہتے ہیں:

''خاخ میں تمہاری گذری راتیں پھر نہ آئیں گی جیسے تم جانتے ہی ہو اور نہ ذی سلم کے دن آئیں گے۔''

یہ شعر معبد نے گنگنائے اور یہ مشہور ہو گئے' اس نے حضرت سکینہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے گائے تھے' کچھ کہتے ہیں کہ عائشہ بنت سعد بن ابو وقاص کے لئے پڑھے تھے تو انہوں نے کہا: خاخ کے بارے میں بہت سے

شاعروں نے شعر کہے ہیں' میں بھی اسے دیکھنا چاہوں گی چنانچہ اپنے غلام فند کو بلا لیا' اس نے انہیں خچر پر بٹھا لیا' انہوں نے اسے ریشم کے کپڑے پہنا دیئے اور کہا: بخدا میں اس وقت ارادہ نہ کروں گی جب تک اسے نہ لایا جائے جو اس کی ہجو کرے۔ انہوں نے شاعر کو یاد کرنا شروع کیا' اسی دوران فند نے کہا کہ بخدا میں اس کی ہجو کروں گا' انہوں نے کہا پھر کرو چنانچہ اس نے کہا خاخ خاخ خاخ اخ' پھر اس پر تھوک دیا چنانچہ وہ کہنے لگیں' بخدا تم نے اس کی خوب ہجو کی ہے لہٰذا یہ خچر بھی تمہارا اور لباس بھی تمہارا ہو گیا۔

خاص

خیبر میں ایک وادی تھی۔

خَبُأ

مدینہ میں قباء کی جانب ایک وادی تھی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ٹیلے کی طرف تھی۔ اسی نام کی ایک اور جگہ نجد میں بھی تھی۔

خَبَار

سَحَاب (بادل) کے وزن پر ہے۔ اس کا ذکر مساجدِ مدینہ میں مسجد فیفاء الخبار میں گذر چکا' اسے فیف الخبار بھی کہا جاتا تھا۔

محاورہ ہے من تجنّب الخبار امن من العثار ۔فیفاء یا فیفاء الخبار مدینہ میں عقیق کے اردگرد ایک جگہ کو کہتے ہیں۔

ابن شہاب کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے جن کا عرینہ سے تعلق تھا' آپ نے انہیں بٹھایا' انہوں نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے جانے دیں' آپ نے چراگاہ کی پچھلی طرف کتف الخبار کی طرف نکال دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جمادی الاولیٰ میں رسول اللہ ﷺ نے قریش سے غزوہ کرنے کو بنو دینار کے ایک راستہ پر سفر کیا' پھر فیفاء الخبار پر چلے۔

حارثی کہتے ہیں کہ ابن الفرات کے مطابق یہ لفظ خَبّار ہے لیکن مشہور اور درست پہلا ہے۔

خُبُان

یہ عثمان کے وزن پر ہے' معدن نقرہ (چاندی کی کان) اور فدک کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔

خبراء العِذق

مقامِ صمان کی جانب ایک میدان تھا۔ قاموس میں ہے کہ صمان کی جانب ایک جگہ تھی جہاں پانی اور بہت سے

بیری کے درخت تھے۔

خبراء صائف

یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

خبزہ

خبز بمعنی روٹی' اس کا واحد ہے یہ ینبع کے زیر عمل ایک قلعہ تھا۔

خَرّار

مدینہ میں ایک وادی کا نام تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ ایک کنواں تھا' کچھ کے نزدیک خیبر میں ایک جگہ کا نام تھا' یہ بھی کہتے ہیں کہ حجاز میں ایک جگہ کا نام تھا' کچھ جحفہ میں بتاتے ہیں پھر مشعر کی شامی جانب ایک کنوئیں کو بھی خرار کہتے تھے اور سفرِ ہجرت میں خرار سے مراد بظاہر جحفہ تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ۱ھ یا ۲ھ کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابو وقاص کو آٹھ مہاجر افراد کے ہمراہ بھیجا' وہ چلے اور حجاز میں خرار کے مقام پر پہنچے' وہاں سے واپس آ گئے' جنگ نہ ہو سکی۔

خُرُبٰی

حُبْلٰی کے وزن پر ہے' یہ مسجد قبلتین سے مذاذ تک کے درمیان بنوسلمہ کی رہائش گاہ تھی' حضور ﷺ نے اس کا نام بدل کر صَالِحَہ رکھ دیا۔

خُرُمَاء

لفظِ اَخرم کا مؤنث ہے جس کا معنیٰ پھٹے ہونٹوں والا شخص ہوتا ہے' یہ وادیٔ صفراء میں ایک چشمہ تھا۔

خَرِیق

اَمِیر کے وزن پر ہے' یہ ینبع سے متصل' جار کے نزدیک ایک وادی تھی۔

خُرَیم

زُبَیــــر کے وزن پر ہے' مدینہ اور اور جار کے درمیان دو پہاڑوں میں ایک گھاٹی تھی' کچھ مدینہ اور روحاء کے درمیان بتاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ بدر سے واپس تشریف لائے تو اس راستے سے گذرے تھے چنانچہ شاعر کثیر کہتے ہیں:

''وہ جلدی سے بین میں جمع ہوئیں اور مجھے فیفا خُرَیم میں حیران کھڑا چھوڑ دیا۔''

خُزَیمِیّہ

اجفر اور ثعلبیہ کے درمیان عراقی حاجیوں کے ٹھہرنے کی جگہ تھی۔

خَشَاش

سَحاب کے وزن پر ہے' خشاشان دو تھے' یہ عمق کے قریب فُرع میں دو پہاڑ تھے۔عمق میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

خُشُب

مدینہ سے ایک رات کی مسافت پر ایک وادی تھی' اس کا ذکر حدیث اور جنگوں میں آتا ہے۔اسے ذوخشب کہتے ہیں جس کا ذکر اضم میں گرنے والی وادیوں میں کیا جا چکا ہے اور مساجدِ تبوک میں بھی آیا ہے' یہاں مروان بن حکم کا محل تھا' علاوہ ازیں کئی اور گھر بھی تھے' یہیں بنو امیہ اس وقت اُترے تھے جب انہیں واقعۂ حرہ سے کچھ دیر پہلے شام کی طرف نکال دیا گیا تھا چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے پھر عبداللہ بن حنظلہ نے ان کو پیغام بھیجا اور بری طرح یہاں سے نکال دیئے گئے' ایک شاعر لکھتا ہے:

''ذوخشب میں میری آنکھوں نے سونے سے انکار کر دیا' اسے گھروں اور خیموں نے رُلا دیا۔''

خشرمہ

ینبع کے قریب ایک وادی تھی جو سمندر میں جا گرتی تھی۔

خُشَیْن

لفظ خُشُن کی تصغیر ہے' ایک پہاڑ تھا۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ سرزمین خشین کے مقام جذام میں غزوہ کے لئے گئے۔کہاوت مشہور ہے کہ ''خشین' خشن ہی سے لیا گیا ہے۔'' یہ دو پہاڑ تھے جن میں سے ایک' دوسرے سے چھوٹا تھا۔

خَصِیّ

یہ فعیل کے وزن پر ہے' جب کسی کا خصیہ نکال لیتے ہیں تو کہا جاتا ہے خصاہ یعنی اس نے خصیہ نکال لیا۔مسجد قباء کی شرقی جانب ایک قلعہ تھا جو بئر الخصی کے کنارے پر تھا' یہ بنو سلم کا تھا اور خصی بھی بنو حارثہ کے گھروں میں ایک قلعہ تھا۔

خَضِرَہ

آرہ کے مقام پر ایک بستی تھی اور پھر نجد میں محارب کی زمین کو بھی کہتے تھے' کچھ تہامہ میں بتاتے ہیں۔ابن سعد کہتے ہیں کہ خضرہ کی طرف حضرت ابو قتادہ چھوٹا لشکر لے کر گئے تھے' یہ نجد میں محارب کی جگہ تھی۔ابوداؤد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عفرہ نامی زمین کا نام تبدیل کیا اور خضرہ رکھ دیا پھر شعب الضلالہ کا نام شعب الھدیٰ رکھا تھا پھر بنو زنیہ میں تبدیلی کر کے بنو الرشدہ فرمایا۔

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ عَفرۃ' سوراخ کو کہتے ہیں اور اس زمین کو بھی کہتے ہیں جہاں کچھ پیدا نہ ہو سکے چنانچہ آپ نے تفاؤل کے لئے اسے خُضُرہ فرمایا تا کہ سرسبز ہو جائے۔

خطمی

تبوک کی مسجدوں میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

خَفِینَن

یہ ایک وادی تھی' یہ بھی کہتے ہیں کہ بستی تھی جو ینبع اور مدینہ کے درمیان تھی۔یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی دو شاخیں تھیں' ایک تو ینبع میں گرتی تھی اور دوسری خشرمہ میں۔

خَفِیَّہ

مدینہ میں عقیق کے ایک جگہ کا نام تھا۔

اَلْخَلائق

مدینہ کے اردگرد ایک زمین تھی جو عبداللہ بن احمد بن جحش کی ملکیت میں تھی' یہ لفظ خَلِیقَه کی جمع ہے' علامہ ہجری کہتے ہیں کہ عقیق کا سیلاب نقیع سے نکلتا تو آگے وادئ ریم آ جاتی اور جب یہ دونوں اکٹھی ہو جاتیں تو مل کر عبداللہ بن ابو احمد بن جحش کی وادئ خلیقہ میں جا گرتیں' یہاں محلات بھی تھے اور زرعی زمین بھی' پھر آل زبیر اور آل ابو احمد کے کھجور کے باغ تھے۔انتہی۔

آگے مجد کی روایت سے آ رہا ہے کہ یہ مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھی۔مطری سے گذر چکا ہے کہ نقیع کا سیلاب اوپر والی جانب برعلی سے ملتا جسے خلیقہ کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ درب المشیان کے نام سے مشہور ہے' یہی جگہ خلیقہ عبداللہ کہلاتی تھی۔

ابن ھشام کی تہذیب میں ابن اسحاق کی روایت سے غزوۃ العشیرہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو دینار کے پہاڑی راستے سے گذرے تھے' پھر فیفاء الخبار پر چلے اور ابن ازھر کے بطحاء میں ایک درخت کے نیچے ٹھہرے پھر وہاں

سے چلے اور بائیں طرف خلائق میں ٹھہرے، پھر ایک راستے پر چلے جو شعبۂ عبد اللہ کے نام سے مشہور تھا۔ پھر پانی سے گذرے اور لیل میں پہنچے، وہاں سیلابوں کے جمع ہونے کی جگہ مجتمع الصبوعہ پہنچے، پھر راہ فرش پر چلے اور صخیرات الیمام کے راستے میں پہنچے اور پھر ایک طرف مڑ گئے۔

خلائق

خلائق اور الخلائق بھی، ذروۂ صمان میں جنگل تھا۔

خُلائل

مدینہ میں ایک جگہ تھی۔

خَلُص

اس کا ذکر ''آرہ'' میں آ چکا، جہاں بتایا گیا ہے کہ وہاں یہ ایک وادی تھی جس میں بستیاں تھیں پھر حکیم بن خرام کہتے ہیں کہ میں نے یوم بدر پر دیکھا کہ وادیٔ خَلُص میں آسمان سے ایک غول اترا جس نے آسمان کو گھیر لیا، یکا یک دیکھا تو وادی میں بے شمار کیڑیاں چل رہی تھیں، میرے دل میں آیا کہ یہ آسمان سے حضور ﷺ کی تائید کے لئے اُتری ہیں چنانچہ کفار کو شکست ہوئی۔ یہ فرشتے تھے۔

خل

مرج کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی اور وہ خل جس کی طرف قصر منسوب ہے، اس کے بارے میں آ رہا ہے کہ وہ حرہ کے نزدیک اس میں راستہ تھا۔

خَلِیقَه

سَکِینه کے وزن پر ہے، اس کا ذکر خلائق میں آ چکا ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک منزل تھی جو مدینہ اور دیار سلیم کے درمیان تھی۔

خُمّ

یہ ایک بہادر شخص کا نام تھا جس سے وہ کنواں منسوب تھا جو جحفہ کے قریب تھا یا یہ وہاں ایک وادی تھی۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ ایک جھنڈ کا نام تھا جو جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا، وہاں ایک مشہور کنواں تھا جو اسی جھاڑی کی طرف منسوب تھا۔

حافظ منذری لکھتے ہیں کہ اس مقام پر کوئی پیدا ہونے والا بچہ سالِ شعور تک پہنچ کر زندہ نہ رہتا تھا، ہاں یہاں سے چلا جاتا تو بچ جاتا کیونکہ یہاں وباء اور بخار کی بہتات تھی، رسول اللہ ﷺ نے دعاء فرمائی تھی کہ مدینہ سے بخار نکل کر

یہاں چلا آئے۔ علامہ اسدی سے بیان کیا جا چکا کہ جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر یہاں مذکور مسجد کے بالمقابل ایک کھلا راستہ تھا' اس کے ساتھ ہی عیضہ تھا' یہ خم میں کنواں تھا' یہ جحفہ سے چار میل کے فاصلے پر تھا اور وہ چشمہ جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا' خم کا چشمہ تھا جس کا پانی پینے سے گریز کرتے تھے چنانچہ کہا جاتا تھا کہ جو بھی اس سے پانی پیتا' اسے بخار ہو جاتا۔

عرام کہتے ہیں کہ جحفہ کے قریب ایک میل کے فاصلے پر خم کا کنواں تھا اور یہ وادی سمندر میں جا گرتی تھی۔ یہ کنواں سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر تھا' یہاں بارش کا پانی ختم نہ ہوتا تھا' وہاں خزاعہ اور کنانہ کے کچھ لوگ رہتے تھے۔

خندق

علامہ مطری کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وادئ بطحان کی بالائی جانب وادی کی مغربی جہت میں حرہ کو شامل کر کے مصلائے عید کی مغربی جانب مسجد فتح تک اور پھر دو چھوٹے مغربی پہاڑوں تک خندق کھدوائی' مسلمانوں نے اپنی پیٹھیں سلع پہاڑ کی طرف کی تھیں' حضور ﷺ نے اپنا خیمہ سلع کی غربی جانب لگوایا جہاں آج کل مسجد فتح موجود ہے' یہ خندق ان کے اور مشرکین کے درمیان تھی' آپ اسے کھدوا کر چھ دن بعد فارغ ہوئے تھے' اس کام میں تمام مسلمان شریک ہوئے تھے' ان دنوں وہ تین ہزار تھے۔ یہ خندق آج بھی موجود ہے' اس میں سے ایک نالی قباء میں چشمے کی طرف آتی تھی۔ اس خندق میں کھجور کے درخت بھی تھے' اس کا اکثر حصہ گر چکا ہے اور دیواریں بھی گر چکی ہیں۔ انتہٰی۔

اسی خندق کے بارے میں طبرانی کی روایت ہے' حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس خندق کی کھدائی کے لئے ہر دس افراد کے لئے چالیس چالیس ہاتھ پر نشان لگائے تھے' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مہاجرین و انصار میں جھگڑا ہوا تھا' وہ ایک طاقتور آدمی تھے' مہاجرین نے کہا کہ سلمان ہمارے ساتھ ہوں گے لیکن انصار نے کہا کہ ہمارے ساتھ ہیں' اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہم سے ہیں اور میرے اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے سال اجمِ سمر سے جو بنو حارثہ کی طرف تھی' نشانِ خندق لگایا اور مداد تک جا پہنچے پھر چالیس چالیس ہاتھ بھر جگہ ہر دس دس آدمیوں کو دیدی (کہ کھود سکیں)۔ پھر بیہقی نے اس کے بعد حضرت سلمان کے بارے میں جھگڑے کا ذکر کیا۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو اس کی ہر جانب قوم کو لگایا تھا' مہاجرین کے پاس راتج سے ذباب تک کا حصہ تھا اور انصار' ذباب سے جبل بنو عبید تک کھود رہے تھے' مدینہ قلعہ کی طرح محفوظ ہو گیا۔ بنو دینار نے خربیٰ سے دار ابن ابی الجنوب تک کھودنا تھی' اور ان کی طرف سے بنو عبد الاشہل نے راتج سے

پچھلی طرف کھودنا تھی، یہ بنو حارثہ والی جانب تھی، وہ کہتے ہیں کہ یہ خندق مسجد کے اوپر کی طرف سے بنائی گئی، لوگ اسے کھود کر چھ دنوں میں فارغ ہوئے۔

علامہ واقدی نے کتاب الحرہ میں وضاحت کی ہے چنانچہ نقل کیا ہے کہ جب یزید کا لشکر قریب ہوا تو تو اھلِ مدینہ نے خندق کے بارے میں باہم مشورہ کیا اور کئی دن تک اختلاف رہے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خندق کا پختہ ارادہ کیا اور مدینہ کے ہر طرف مضبوط تعمیر کر دی۔

حنظلہ بن قیس زرقی لکھتے ہیں کہ ہم نے خندق میں (سالِ حرہ میں) پندرہ دن تک کام کیا، قریش کے پاس راتج سے مسجد احزاب تک کا حصہ تھا اور انصار کے پاس مسجد احزاب سے بنو سلمہ تک کا حصہ تھا جبکہ غلاموں کے پاس راتج سے بنو عبد الاشہل تک کا حصہ تھا۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ خندق مدینہ کے شامی جانب حرۂ شرقیہ سے حرۂ غربیہ تک تھی اور یہ جو انہوں نے ابن سعد کا قول نقل کیا ہے کہ: بنو دینار نے خربٰی کے نزدیک سے کھدائی شروع کی (اس سے مراد بنو سلمہ کے گھر تھے) اور دار ابن ابی الجنوب تک لے گئے، اس سے مراد وہ گھر ہے جو مصلّٰے کے نزدیک بطحان کے غرب میں تھا، چنانچہ یہ خندق وہ پہلی نہ تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک ہوئے تھے، وہ ان دنوں آزاد ہو چکے تھے چنانچہ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم جب فارس (ایران) میں تھے تو اپنے گرد خندق کھودی تھی چنانچہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مضبوط خندق کھدوالی جبکہ مدینہ کی ایک جانب کھلا رکھی، باقی ہر طرف سے اسے مضبوط کر دیا۔ کھجوریں اس قدر تھیں کہ دشمن اندر نہیں آ سکتا تھا، انتہی چنانچہ یہی وہ جانب تھی جس کا بیان گذر چکا۔

تفسیر ثعلبی میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سالِ احزاب میں خندق کھودنے کے لئے نشان لگائے اور پھر ہر چالیس ہاتھ زمین کھودنے کے لئے دس آدمی مقرر فرمائے، انہوں نے اس کام کے لئے بنو قریظہ سے بیلچے اور ہتھوڑے وغیرہ کرایہ پر لئے پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں شوق پیدا کرنے کے لئے خود کام کیا، بسا اوقات کھودتے کھودتے آپ تھک جاتے چنانچہ بیٹھ جاتے اور آرام فرماتے حالانکہ صحابہ کرام عرض کرتے، یا رسول اللہ! اس کام کے لئے ہم کافی ہیں لیکن آپ فرماتے، میں چاہتا ہوں کہ ثواب میں تمہارے ساتھ شامل رہوں اور اجر حاصل کروں۔

اس کے بعد حضرت عبد اللہ نے حضرت سلمان فارسی کے بارے میں جھگڑے کا ذکر کیا پھر فرمایا کہ میں، سلمان، حذیفہ اور نعمان بن مقرن مزنی انصار کے چھ آدمیوں کے ساتھ تھے جنہیں چالیس ہاتھ جگہ میں خندق کھودنا تھی، چنانچہ ہم کھودتے رہے اور جب ہم ذوباب کے نچلے حصے پر پہنچے تو اللہ کے حکم سے خندق کے نیچے ایک ایسا پتھر نکلا جس سے

ہمارے ہتھوڑے ٹوٹ گئے ہمیں سخت مشکل پیش آئی۔ ہم نے کہا: اے سلمان! اوپر چڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو اس پتھر کے بارے میں بتاؤ پھر یا تو ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں یا پھر آپ کوئی اور ارشاد فرما دیں کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کے لگے نشان سے اِدھر اُدھر ہوں۔

حضرت سلمان اُوپر چڑھے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ترکی خیمے کے نیچے بیٹھے تھے چنانچہ حضرت سلمان کو لے کر نیچے اُترے حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال لیا اور اس پتھر پر مار کر اسے توڑ دیا' اس سے چمک نکلی جس نے مدینہ کے اردگرد کو روشن کر دیا' روشنی یوں معلوم ہوئی کہ گویا اندھیرے گھر میں چراغ موجود ہو' حضور ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس پر دوبارہ ضرب لگائی پھر تیسری ضرب سے اسے توڑ کر رکھ دیا چنانچہ اس سے پھر روشنی نکلی۔

اسی دوران حضرت سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے وہ کچھ دیکھا ہے جو آج تک نہیں دیکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم سن رہے ہو' سلمان کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی' ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: میں نے جب پہلی ضرب لگائی تو تم نے وہ روشنی دیکھی' جس کی وجہ سے میں نے حیرہ اور مدائنِ کسریٰ کے محل دیکھے' وہ ایسے صاف نظر آئے جیسے کتوں کے دانت ہوتے ہیں' اسی دوران جبریل نے مجھے بتایا کہ میری اُمت یہاں تک کا علاقہ فتح کرے گی پھر میں نے دوسری ضرب لگائی تو جو روشنی تم نے دیکھی' اس سے مجھے روم کے سرخ محل دکھائی دیئے جیسے کتے کے صاف دانت ہوتے ہیں چنانچہ جبریل نے بتایا کہ میری اُمت یہ علاقہ فتح کرے گی پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو جو روشنی تمہیں دکھائی دی اس میں مجھے صنعاء کے محل صاف دکھائی دیئے' اس پر جبریل نے مجھے بتایا کہ میری اُمت یہ علاقہ بھی فتح کرے گی چنانچہ خوشیاں مناؤ' مسلمان خوش ہوئے اور کہنے لگے' اس اللہ کا شکر ہے جس کا وعدہ سچا ہے' اس نے محاصرہ کے بعد ہم سے امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔

منافق بولے: تم اس بات سے تعجب نہیں کرتے ہو کہ یہ تمہیں اُمیدیں دلا رہے ہیں اور جھوٹے وعدے کرتے ہیں پھر تمہیں بتا رہے ہیں کہ انہوں نے یثرب سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محل دیکھے ہیں' یہ بھی بتایا کہ تم اسے فتح کرو گے حالانکہ تم تو خندق کھودتے ہوئے گھبرا رہے ہو' تمہیں جنگ کی تو ہمت ہی نہیں۔ اس پر یہ آیت اُتری:

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۝

(سورۂ احزاب' ۱۲)

''اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا' ہمیں اللہ و رسول نے وعدہ نہ دیا تھا مگر فریب کا۔''

پھر اسی واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ۝ (سورۂ آل عمران' ۲۶)

''یوں عرض کر' اے اللہ! ملک کے مالک''

انہوں نے ذوباب کا لفظ ذکر کیا ہے' اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ بھی ذباب کا نام ہوگا کیونکہ خندق میں خیمہ نہیں لگا تھا' مجھے مدینہ کی کسی جگہ کا نام ذوباب دیکھنے کو نہیں ملا۔

علامہ واقدی نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خندق کے دن کدال مارتے تھے' اسی دوران ان کے سامنے ایک سخت پتھر آ گیا' حضورﷺ اس وقت جبلِ بنو عبید پر تھے' کدال آپ نے پکڑ لیا' آپ نے ضرب لگائی تو اس سے نکلنے والی چمک یمن تک گئی' دوسری ضرب لگائی تو روشنی شام تک گئی' پھر تیسری ضرب پر روشنی مشرق تک گئی اور اس تیسری ضرب میں پتھر ٹوٹ گیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں' مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا' پتھر بالکل نرم معلوم ہونے لگا تھا' آپ جب بھی ضرب لگاتے' حضرت سلمان دیکھ رہے ہوتے' ہر ضرب پر چمک دیکھتے چنانچہ بتاتے ہیں کہ میں نے دیکھا جب بھی آپ کدال مارتے تو نیچے سے روشنی نکلتی' حضورﷺ نے فرمایا: تم دیکھ نہیں رہے ہو؟ آپ نے کہا: ہاں دیکھ رہا ہوں۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ پہلی ضرب میں میں نے یمن کے محل دیکھے' دوسری میں شام کے محل دیکھے اور تیسری ضرب میں میں نے مدائن میں کسریٰ کا محل دیکھا۔ حضورﷺ حضرت سلمان کو سب کچھ بتا رہے تھے تو انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ آپ سچ فرما رہے ہیں بالکل ایسے ہی ہے' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: اے سلمان! یہ وہ علاقے ہیں جنہیں تم میرے بعد فتح کر لو گے' شام فتح ہوگا اور ہرقل دور اپنے ملک میں سے بھاگ جائے گا' تمہیں شام پر غلبہ ملے گا' کوئی مقابلہ میں نہ آ سکے گا پھر تم یمن فتح کرو گے اور یہ مشرقی علاقہ بھی فتح کرو گے' کسریٰ (شاہِ ایران) قتل ہو جائے گا' اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے تھے کہ یہ سب کچھ میں نے یونہی دیکھا۔

پہلے جو گذرا ہے کہ خندق سے چھ دن بعد فارغ ہوئے تھے تو یہ مشہور ہے لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں: مغازی ابن عقبہ میں ہے کہ وہ لوگ کام میں لگے رہے اور بیس راتوں تک کام جاری رہا۔ علامہ واقدی چوبیس راتیں بتاتے ہیں' علامہ نووی کی ''روضہ'' میں پندرہ دنوں کا ذکر ہے' ابن قیم کی الھدی میں ہے کہ یہ کام ایک ماہ تک جاری رہا۔ انتہیٰ۔

جو کچھ انہوں نے الھدی میں لکھا ہے کہ: مشرکین نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا تو یہ مدت محاصرے کی ہے لیکن ابن سید الناس نے ابن سعد کے حوالے سے بتایا ہے کہ خندق میں چھ دن تک کام ہوا۔ کچھ دس سے زیادہ دن بتاتے ہیں اور چوبیس دن بھی بتائے گئے ہیں۔

خُوَیْفَه

صاحب المسالک والممالک نے اسے مدینہ میں شامل کیا ہے۔

خَیبَر

یہ اس علاقے کا نام ہے جہاں بہت سے قلعے تھے' زرعی زمینیں تھیں اور کھجوروں کے باغ تھے۔ یہودیوں کی بولی میں خیبر قلعہ کو کہتے ہیں' اسی لئے اسے خیابو بھی کہا گیا ہے کیونکہ وہاں قلعے بہت تھے۔

ابو القاسم زجاجی کہتے ہیں کہ خیبر کا نام یثرب کے بھائی قانیہ بن مہلیل بن ارم بن عبیل کے نام پر رکھا گیا' یہ عبیل' حضرت عاد کا بھائی تھا جبکہ ربذہ' زرود اور سفرہ کا چچا تھا' یہی سب سے پہلے یہاں ٹھہرا تھا۔ یہ خیبر مدینہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر ہے اور شام کی بائیں طرف تھا' حضور ﷺ یہاں ایک ماہ تک ٹھہرے اور ایک ایک قلعہ کر کے اسے فتح کیا' سب سے پہلے قلعۂ ناعم فتح کیا پھر قموص کو فتح کیا' یہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا یہیں کے قیدیوں میں سے آپ نے حضرت صفیہ کو حاصل کیا' پھر قلعے فتح کرتے رہے اور مال حاصل کرتے رہے اور یوں وطیح وسلالم تک پہنچ گئے' یہ فتح کیا جانے والا آخری قلعہ تھا' دس دن سے زیادہ تک اس کا محاصرہ رہا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے تو انہوں نے صلح کر لی۔ انہوں نے عہد کیا کہ صفراء بیضاء (سونا چاندی اوز دیگر سامان چھوڑ جائیں گے' صرف وہی لیں گے جو ان کے جسم پر ہوگا اور پھر کچھ چھپائیں گے بھی نہیں اور شرط یہ کی کہ اگر وہ ایسا کریں تو ان کا ذمہ نہ ہوگا چنانچہ وہ مسک میں چلے گئے' یہاں حُیَیّ بن اخطب تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم مسک فتح کریں گے چنانچہ ابن ابی الحقیق قتل ہو گیا' اس کی عورتیں اور اولاد قید ہو گئی۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ انہیں خیبر سے جلا وطن کر دیں' اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں یہیں رہنے دیں اور کام کرنے دیں کیونکہ ہماری زمین ہے چنانچہ آپ نے انہیں وہیں رہنے دیا اور طے فرمایا کہ کھجوروں اور گندم وغیرہ کا آدھا حصہ دیا کریں گے پھر فرمایا کہ ہم جب تک چاہیں گے یا اللہ چاہے گا' تمہیں یہاں رہنے دیں گے چنانچہ وہ وہیں رہے اور آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں وہاں سے نکال دیا۔

ابن شبہ' حسیل بن خارجہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ اہل وطیح اور سلالم نے ان دونوں علاقوں پر نبی کریم ﷺ سے صلح کر لی چنانچہ یہ حضور ﷺ کی ملکیت میں آ گئے جسے آپ نے بطور ترکہ چھوڑا اور کتیبہ خمس میں شامل کیا گیا' یہ وطیح اور سلالم سے ملتا تھا۔ چنانچہ خیبر حضور ﷺ کے صدقات میں شمار ہوا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ تو جنگ سے فتح ہوا اور باقی صلح سے اور یہی وہ بات ہے جسے ابن وھب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں: خیبر کا کچھ حصہ جنگ سے فتح ہوا اور کچھ صلح سے جبکہ کتیبہ کا اکثر حصہ جنگ سے فتح ہوا اور اسی میں صلح بھی ہوئی۔ میں نے مالک سے پوچھا: یہ کتیبہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ خیبر کی زمین ہے۔ یہ چار ہزار کھجور کے درخت تھے۔

میں کہتا ہوں' مراد یہ ہے کہ کتیبہ خیبر کا ایک حصہ تھا نہ کہ پورا خیبر' خیبر کی سرزمین میں کھجور کثرت سے ہوتی تھی۔ اس میں چراگاہیں بھی بہت تھیں' یہاں ایک اعرابی اپنے اہل و عیال لے کر آیا تھا' اسے بخار آیا تو وہ مر گیا لیکن اس

کی اولاد وہیں رہی۔

خَیُط

یہ غُھُوط کا واحد ہے۔ یہ بنو سواط کا قلعہ تھا' مسجد قبلتین کی شرقی جانب حرہ کی بالائی جانب تھا۔

خَیُل

یہی وہی لفظ خیل (گھوڑا) ہے جس پر سواری کی جاتی ہے' اسی کی طرف بقیع منسوب تھا جس کا ذکر بازار مدینہ کے بیان میں گذرا اور یہ زید بن ثابت کے گھر کے پاس تھا۔ خیل ایک پہاڑ کا نام بھی تھا جو جبب اور صرار کے درمیان تھا' مغازی (جنگوں) میں اس کا ذکر ملتا ہے اور روضۃ الخیل نجد کی سرزمین میں ہے۔

حَرُفُ الدَّال

دار القضاء

اس کا ذکر وہاں گذر چکا ہے جہاں مسجد نبوی کے دروازوں کے زیادہ کرنے کا بیان ہوا۔

دَارُ ابن مکمل

اس کا ذکر ان گھروں کے بیان میں گزرا جو مسجد نبوی کے اردگرد تھے۔

دَارُ النابغه

اس کا ذکر دار النابغہ کی مسجد کے بیان میں گذرا۔

دار نَخُلَه

یہ لفظ نخل کے واحد کی طرف منسوب ہے' بازار مدینہ کے بیان میں اس کا ذکر موجود ہے۔

دَبَّه

مضیق صفراء میں ایک جگہ تھی جسے دَبَّۃُ الْمُسْتَعْجَلَہ کہتے تھے۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ محدثین اسے دَبَّۃُ پڑھتے ہیں حالانکہ درست دَبَّہ ہی ہے کیونکہ اس کا معنٰی ریت جمع ہونے کی جگہ ہے۔ یہ بھی ایک جگہ تھی جو اضافر اور بدر کے درمیان تھی' نبی کریم ﷺ بدر کی طرف جاتے ہوئے ذفران سے گذرے تو یہیں سے گذرے تھے۔ قاموس میں ہے کہ: دَبَّہ' بدر کے قریب ایک جگہ تھی۔

دَرّ

یہ ایک کنواں تھا جو نقیع پر حرہ بنو سلیم کی نچلی طرف تھا۔

دَرَك

یہ وہ جگہ تھی جہاں اوس اور خزرج کے درمیان دورِ جاہلیت میں جنگ ہوئی تھی۔ یہ دَرْك بھی پڑھا جاتا ہے' میرے خیال میں یہ وہی ہے جس کا ذکر بئر دُرَیك میں گذرا۔

دَعان

مدینہ اور ینبع کے درمیان ایک جگہ تھی اور یہی وہ جگہ تھی جسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس قول میں مراد لیا تھا: ''رہا دعان تو اس نے مجھے اپنے نفس سے منع کیا۔'' لفظ داس میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

دَفّ

اس سے مراد وہی ڈھولک ہے جو بجائی جاتی ہے۔ یہ جگہ عسفان کی ایک جانب حدان میں تھی۔

دِمَاخ

چراگاہِ ضریہ میں بڑے پہاڑ ہیں اور دمخ الدماخ ان سب سے بڑا پہاڑ ہے۔

دھما مرضوض

بقیع کی چراگاہ کے گرد ایک جگہ تھی جو مزینہ کے قبضے میں تھی۔

دَھْناء (دَھْنٰی)

مدینہ اور ینبع کے درمیان ایک جگہ تھی۔ یہ دھناء ریت کے سات ٹیلے تھے جو تمیم کے گھروں میں تھے' ہر دو ٹیلوں کے درمیان خالی جگہ تھی' یہاں پانی کی کمی تھی اور جب یہاں سبزہ ہوتا تو سب عرب یہاں آتے کیونکہ جگہ وسیع تھی' درخت بہت تھے۔ یہاں کے رہنے والے بخار کا نام تک نہ جانتے تھے کیونکہ یہاں کی مٹی اور آب و ہوا ستھری تھی۔ یہاں کی وادی منعج میں گرتی اور پھر دومہ میں۔

دَوْدَاء

درقان کے قریب ایک جگہ تھی۔

دُوران

حُوران کے وزن پر ہے' یہ قدید کے پہلو میں ایک وادی تھی جو جحفہ سے مل جاتی تھی۔

دُوَمَہ

بئرِ اریس میں اس کا ذکر گذر چکا۔آج کل اس نام پر ایک باغ مشہور ہے جو بنو قریظہ کے قریب تھا' اسی کے پہلو میں دُوَیمہ تھا۔

دُوْمَۃُ الْجَنْدل

ابن درید نے ذبر کا انکار کیا ہے' ایک روایت میں یہ لفظ دوما الجندل آیا ہے' ابن الفقیہ نے اسے مدینہ کے زیرِ عمل قرار دیا ہے۔اس کا نام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے دوما کے نام پر پڑا۔علامہ زجاجی دومان بن اسماعیل کہتے ہیں لیکن ابن کلبی یہ نام دوما بن اسمٰعیل بتاتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تہامہ میں بہت سی ہوگئی تو دوما وہاں سے چل پڑے اور اپنی اس جگہ دومہ میں آ بسے' وہاں ایک قلعہ بنایا جسے دوما کہا جانے لگا اور قلعہ اس کی طرف منسوب ہوگیا۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ دومۃ الجندل ایک قلعہ اور بستی تھی جو شام اور مدینہ کے درمیان جبلِ طی کے قریب تھی۔وہ کہتے ہیں کہ دومہ وادی القریٰ کی بستیوں میں سے ایک بستی تھی پھر بتایا کہ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جسے مارد کہتے تھے۔یہ بادشاہ اکیدر کا قلعہ تھا' حضور ﷺ نے تبوک سے اس کی طرف حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ عنقریب تم وہاں پہنچو گے تو اکیدر شکار کر رہا ہوگا چنانچہ ایک گائے آئی اس کے اپنے سینگ اس کے قلعے سے رگڑے تو رات کو وہ اسے شکار کرنے نکلا' اسی دوران حضرت خالد بن ولید نے اس پر حملہ کر دیا اور قید کرلیا اور اس کے بھائی حسان کو قتل کر دیا اور جنگ کے نتیجے میں دَومہ کو اچانک فتح کرلیا پھر اکیدر کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا چنانچہ بجیر طائی نے کہا تھا:

> "بابرکت گائیوں کو ہانکنے والا' میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر ھادی کو ہدایت دیتا ہے تو کون ہے جو ذو تبوک سے روکے' ہمیں تو جہاد کا حکم ہے۔"

پھر حضور ﷺ نے دومۃ الجندل پر اس سے صلح کر لی اور جزیہ کی شرط پر اسے وہاں برقرار رکھا' یہ نصرانی تھا' بعد میں اکیدر نے معاہدہ توڑ دیا تھا' اس پر حضرت عمر نے اسے حیرہ کی طرف جلا وطن کر دیا تھا چنانچہ وہ عین التمر میں جا ٹھہرا اور وہاں گھر بنائے جس کا نام اپنے قلعے کے نام پر دومہ رکھا جو وادی القریٰ میں تھا۔

ابن سعد نے کہا کہ دومۃ الجندل شام کا ایک کنارہ تھا' اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ راتوں کے سفر کی مسافت تھی جبکہ اس کے اور مدینہ کے درمیان پندرہ یا سولہ راتوں کے سفر کی مسافت تھی۔ابن سعد نے بتایا کہ نبی کریم

ﷺ نے اس پر چڑھائی فرمائی اور وہاں قیام فرمایا' جنگ کا موقع نہ بنا چنانچہ کچھ دن وہاں ٹھہرے اور پھر لشکر پھیلا دیا۔
ابن ہشام غزوۂ دومہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوہ میں صلح سے پہلے واپس آ گئے۔ کہتے ہیں کہ اکیدر اس سے پہلے دومۃ الحیرہ میں رہتا تھا' اپنے ننھیال کو ملنے جایا کرتا' ایک مرتبہ ان کے ساتھ شکار کو نکلا تو شہر تباہ شدہ نظر آیا' اس کی صرف دیواریں بچی تھیں جو پتھروں سے بنی تھیں چنانچہ اس نے اسے دوبارہ بنایا' وہاں زیتون وغیرہ کے درخت لگائے اور نام دومۃ الجندل رکھا تاکہ اس کے اور دومۃ الحیرہ کے درمیان فرق ہو سکے۔ اکیدر وہاں آیا جاتا کرتا تھا۔

کچھ کا خیال ہے کہ دو حکم مقرر کرنے کا معاملہ (دورِ علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں) دومۃ الجندل ہی میں گذرا تھا۔ کتاب الخوارج میں عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں دومۃ الجندل میں ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گیا تو انہوں نے بتایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں سے اس مقام پر ظلم میں دو حکم مقرر ہوئے تھے اور عنقریب میری اُمت میں بھی اسی مقام پر حکم مقرر کئے جائیں گے جن سے ظلم ہو گا۔
دن گذرتے گئے' آخرکار جب حضرت ابو موسےٰ اور حضرت عمرو بن عاص کو حکم بنایا گیا تو میں ان سے ملا اور کہا: اے ابو موسےٰ تو نے مجھے حضور ﷺ کی حدیث بتائی تھی تو انہوں نے کہا: اللہ ہی مددگار ہے۔

دُوَیْخِل

بنو عبید کا پہاڑ تھا۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ وادیٔ بطحان اور مساجدِ فتح کے مغرب میں پائے جانے والے دو پہاڑوں میں سے چھوٹا تھا۔

حَرْفُ الذَّال

ذَات اَجدال

صفراء کی گھاٹی میں ہے۔

ذات القطب

عقیق کی وادیوں میں سے ایک وادی۔

ذات النُّصُب

یہ وہ جگہ ہے جو حضور ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تھی چنانچہ مؤطا میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ''ذات النصب'' کی طرف تشریف لے گئے تو نماز کو قصر کر کے پڑھا۔

مالک کہتے ہیں کہ ذات النصب اور مدینہ کے درمیان چار برد (اڑتالیس میل) کا فاصلہ تھا۔

ذُبَاب

اسے غُراب اور کِتَاب کے وزن پر دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔علامہ بکری کہتے ہیں کہ ذباب' صحرائے مدینہ میں ایک پہاڑ تھا پھر مساجد کے ذکر میں آ چکا ہے کہ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر مسجد الرایہ ہے' نیز خندق کے بیان میں گذر چکا ہے کہ اس کا نام ذو باب بھی تھا۔

ذرع

بنو خطمہ کے کنوئیں کا نام تھا۔

ذروان

بنو زریق کے گھروں میں' ان گھروں سے پہلے ایک جگہ تھی' جو مسجد کی قبلہ والی جانب تھے' اسی کی طرف اس کنوئیں کی نسبت تھی اسے بئر ذروان کہتے تھے۔

ذَفْران

مکہ کے راستے میں موجود مسجدوں کے ذکر میں اس کا بیان آ چکا ہے۔

ذو حدہ

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمانِ الٰہی لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں لکھا ہے: حضرت ابن ابی اور ان کے ساتھی اس وقت ذی حدہ کی طرف نکلے (جو ثنیۃ الوداع کی نچلی طرف تھی) جب وہ حضور ﷺ کے ہمراہ تبوک کو چل پڑے تھے۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنا لشکر ثنیۃ الوداع پر اتارا' حضرت عبد اللہ بن ابی نے اس کی نچلی طرف ذباب کی جانب اپنا لشکر ''حِدَہ'' میں اتارا۔

بیہقی کی دلائل النبوہ میں ابن اسحاق کہتے ہیں: جب حضور ﷺ چل پڑے تو اپنا لشکر ثنیۃ الوداع پر اتارا' آپ کے ہمراہ تیس ہزار لوگ تھے' حضرت عبد اللہ بن ابی نے اس کی نچلی جانب ذی حدہ میں لشکر اتارا۔

ذَهَبَان

مروہ کی نچلی طرف جُہینہ کا ایک پہاڑ تھا جو اس کے اور سقیاء کے درمیان تھا اور ایک بستی تھی جو حدۃ اور قدید کے درمیان تھی۔

حَرْفُ الرَّاء

رائع

عرب لوگ کہتے ہیں فَرَسٌ رائعٌ یعنی تیز گھوڑا اور شَیْءٌ رَائعٌ یعنی خوبصورت شئے' کیونکہ وہ اپنے حسن کی وجہ سے حیران کر دیتی ہے۔ یہ مدینہ کے کھلے میدانوں میں سے ایک میدان تھا' یہ یاقوت نے کہا ہے' مجد نے بھی یونہی لکھا ہے۔ علامہ یاقوت کی المشترك میں میں نے اسے رَابِعٌ لکھا دیکھا ہے' اس کا ذکر عقیق میں عنبسہ کے گھر کے بیان میں آ چکا ہے۔

رَابِغ

یہ جحفہ میں ایک وادی ہے۔ اس کا قدیم نام رابوع تھا جیسے عقیق کے کنوؤں میں اس کا ذکر حضرت زبیر سے گذرا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں کا پانی ختم نہ ہوتا تھا' کم ہونے پر بھی تھوڑا سا مل جاتا' یہ عقیق میں موجود کنوئیں کی سب سے نچلی طرف تھا البتہ سیالہ اس سے ذرا آگے تھا۔ انتہٰی' شاید یہی آج کل ''حسی'' کے نام سے مشہور ہے۔

رَاتِج

یہ ایک قلعہ تھا اور پھر اس جانب کا نام پڑ گیا' یہ یہودیوں کا تھا پھر بنو جذماء نے لے لیا اور پھر اہلِ راتج کا ہو گیا جو بنو عبد الاشہل کے حلیفے تھے۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ اہلِ راتج بنو زغورا ابن جشم کو کہتے ہیں جو عبد الاشہل کے بھائی اور حارث بن خزرج اصغر کی اولاد میں سے تھے۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ شرعی' راتج اور مزاحم' مدینہ میں قلعے تھے اور یہ بنو جشم بن حارث بن خزرج اصغر کے تھے پھر مسجد راتج میں آ چکا ہے کہ یہ ذباب کی شرقی جانب شام کی طرف مائل تھا اسی لئے بنو عبد الاشہل نے یہاں سے اپنے حرہ (پتھریلی زمین) کی طرف خندق کھودی تھی' یہ بنو حارثہ کی جانب تھی۔ علامہ مطری نے ہماری موافقت نہیں کی بلکہ کہا ہے کہ: اس پہاڑ کو جو بنو عبید کے پہاڑ کے پہلو میں' بطحان کے مغرب میں تھا' راتج کہتے تھے' کچھ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے پہاڑوں میں سے تھا یعنی ذباب' سلع' راتج اور جبل بنو عبید۔

راذان

مدینہ کی ہمسائیگی میں ایک بستی تھی نیز عراق میں اسی نام کی دو بستیاں بھی تھیں جنہیں بالائی اور نچلی طرف والی کہا جاتا تھا۔ علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ راذان مدینہ کے گرد تھا اور حدیث ابن مسعود میں اس کا ذکر موجود ہے۔

رامه

یہ عراقی حاجیوں کے راستے میں' امرہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے' حضرت ابوعبیدہ نے اس کا نام رامغان رکھا ہے چنانچہ حاجیوں کے راستے میں منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "رہے رامتان تو یہ عورت کے دو پستانوں کی طرح ذونشان ہوتے ہیں۔" پھر "امرۃ" کا ذکر کیا۔

رانوناء

عاشوراء کے وزن پر ہے اور اسے رانون بھی کہتے ہیں جیسے پانچویں فصل میں گذرا۔

رایة الاعلیٰ

وادیٔ عقیق میں سے ایک وادی۔

رایۃ الغراب

یہ بھی اسی کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی۔

رَبَاب

سَحَاب کے وزن پر' یہ مدینہ کا ایک پہاڑ تھا جو فید کے راستے میں تھا' اس کے بالمقابل "حَوْلَۃ" پہاڑ تھا' یہ راستے کی دائیں اور بائیں جانب تھے۔

رُبا

یہ رَبْوَۃ کی جمع ہے' یہ مکہ کے راستے میں اَبواء اور سُقیا کے درمیان تھا۔

رَبَذَۃ

ساتویں فصل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

رَبِیْع

یہ ایک وقت ہوتا ہے' یہ مدینہ کے نزدیک ایک جگہ تھی۔ "یومُ الربیع" اوس اور خزرج کا ایک خاص دن تھا' قیس بن خطیم نے کہا تھا:

"ہم نے یومِ ربیع پر سواری کی' دشمن جانتا تھا کہ ہم کیسے سوار ہیں۔"

رِجَام

کِتـــاب کے وزن پر ہے۔ یہ اہل اُضاخ کے راستے میں "ضریہ" سے تیرہ میل کے فاصلے پر سرخ اور مستطیل پہاڑ تھا' اس کی غربی جانب میٹھے پانی کا چشمہ تھا جسے رجسام کہتے تھے' اس کے اور طخفہ کے درمیان پہاڑی گھاٹی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا اور اسی کے پاس حضرت ابوبکر کا لشکر بیٹھا تھا جب آپ مرتد ہونے والوں سے جنگ کرنے گئے تھے۔

رجلاء

حرّۃ الرجلاء میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

رَجِیْع

اَمِیر کے وزن پر ہے' یہ خیبر کے نزدیک ایک وادی تھی۔ ابن اسحاق' خیبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پھر آپ آگے بڑھے اور اس وادی میں اترے جسے رجیـــع کہتے تھے چنانچہ آپ ان کے اور غطفان کے درمیان اُترے تاکہ ان کے درمیان اس بات میں حیلہ کریں کہ وہ اہلِ خیبر کی امداد کریں چنانچہ وہاں لشکر بٹھایا' وقفے وقفے سے جنگ کرتے' سامان' عورتیں اور زخمی رجیع میں لاتے۔ یہ مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔

رَحَابہ

غَمَامہ کے وزن پر ہے' یہ بنو بیاضہ میں حرّہ غربیہ پر ایک جگہ تھی۔

رَحَبَہ

رَقَبَـــہ کے وزن پر ہے۔ یہ عذرہ کے شہر تھے جو وادیٔ قری اور سقیا الجزل کے قریب تھے۔ صاحب المسالک و الممالک نے اسے مدینہ کے زیرِ عمل اور اردگرد میں شمار کیا ہے۔

رَحْرَحان

اس کا ذکر ربذہ کی چراگاہ میں گذر چکا ہے۔

رُحْضِیّہ

رِنجیّہ کے وزن پر ہے' پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ علامہ صغانی کہتے ہیں کہ رُحضیّہ انصار کی ایک بستی تھی اور اس کے بالمقابل ایک اور بستی تھی جسے حـــجـــر کہتے تھے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ انصار اور بنو سلیم کی تھی' وہاں کئی کنوئیں تھے جہاں زرعی زمین اور کھجور کے باغ تھے۔

رُحقَان

یہ نازیہ سے مستعجلہ جانے والے کی دائیں طرف ایک وادی تھی' مستعجلہ کی بائیں طرف سے اس کا سیلابی پانی خیف بنو سالم میں میں جاتا تھا لہٰذا ابن اسحاق نے بدر کے سفر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں کہا ہے کہ: پھر آپ اس کی ایک جانب چلے یعنی نازیہ کی طرف اور اس وادی کو پار کر گئے جسے رحقان کہتے تھے اور جو نازیہ اور صفراء کی گھاٹی میں تھی یعنی آپ نے اس وادی کو کاٹا جو مستعجلہ سے ملتی تھی۔

رَدِیهه

عقیق کے سیلابی مقام میں سے ایک وادی تھی۔

رُحَیب

نُفَیر کے وزن پر رحب کا اسمِ تصغیر ہے' یہ ''اِدَاین'' کے قریب ایک پہاڑ تھا۔

رُحَیَّہ

رحا کا اسمِ تصغیر ہے۔ یہ مدینہ اور جحفہ کے درمیان ایک کنواں تھا۔

رَسّ

''قبلیہ'' میں ایک وادی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ نجد میں بنو منقذ کا کنواں تھا' ان کا تعلق بنو اسد سے تھا۔ ابن درید کہتے ہیں کہ رس اور رسیس نجد میں دو وادیاں تھیں یا دو جگہیں تھیں اور وہ رَس جس کا ذکر قرآن میں ہے' یہ وادیٔ آذربیجان سے پہلے ایک وادی تھی' یہ عجیب وادی تھی جس میں ایسا انار تھا کہ اس جیسا کہیں نظر نہ آیا' اس کی کشمش تنوروں میں خشک کی جاتی کیونکہ دھند چھائے رہنے سے وہاں دھوپ نہ ہوتی تھی۔ اس پر ہزار شہر کا گذارہ تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا تو انہوں نے انہیں جھٹلا دیا' انہوں نے ان کے لئے تباہی کی دعا کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دو پہاڑ گرا دئے اور وہ ان کے نیچے آ گئے۔

رَشاد

اَجرد کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی' اسے غَوی کہتے تھے' یہ بنو عنان کی تھی جو جہینہ سے تعلق رکھتے تھے' حضور ﷺ نے اس کا نام رَشاد رکھ دیا' آپ نے فرمایا تھا: تم لوگ بنو رشدان ہو۔

ذَات الرَّضَم

یہ وادیٔ قُرای سے چھ میل کے فاصلے پر تھی۔

رَضَمَہ

مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

رَضوٰی

سَکْرٰی کے وزن پر ہے۔ یہ ینبع کے قریب ایک پہاڑ تھا' اس کی کئی شاخیں اور وادیاں تھیں' یہاں کنوئیں اور درخت تھے' سان بنانے کے لئے یہیں سے پتھر لئے جاتے تھے۔ ابن السکیت لکھتے ہیں: رضوٰی کی پچھلی طرف حجاز ہے اور اس کے اندر غور' یہ جہینہ کا تھا۔ علامہ عزام کہتے ہیں کہ یہ تہامہ کا پہلا پہاڑ تھا جو ینبع سے ایک دن کے سفر پر اور مدینہ سے سات دن کے سفر پر تھا' اس کی دائیں طرف مکہ کو راستہ جاتا تھا پھر احد پہاڑ کی فضیلت کا بیان کرتے ہوئے پانچویں باب میں گذر چکا ہے کہ رضوٰی اس پہاڑ سے کٹ کر مدینہ میں گرا تھا جس پر اللہ تعالٰی نے تجلی فرمائی تھی' اللہ کے ڈر سے اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے تھے۔

ابو غسان نے لکھا ہے کہ رہا رضوٰی تو یہ ینبع میں ہے جو مدینہ سے چار راتوں کے سفر پر ہے۔ ان دونوں کے درمیان یہی مسافت مشہور ہے۔

وہیں یہ بھی بیان ہوا تھا کہ رضوٰی جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ ان پہاڑوں میں سے ہے جس سے خانہ کعبہ بنا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رضوٰی پر اللہ راضی ہے اور قدس کو اللہ پاکیزہ بنائے جبکہ احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے۔ کیسانیہ فرقہ کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ رضوٰی میں ٹھہرے ہوئے ہیں' وہیں انہیں روزی ملتی ہے۔

رَعْل

بنو عبد الاشہل کے گھروں میں ایک قلعہ تھا اور جب بنو حارثہ نے انہیں یہاں سے نکالا تو حضیر بن سماک نے ایک دن کہا تھا: مجھے اُوپر اٹھاؤ تاکہ میں رعل کو دیکھ سکوں' اس پر اساف بن عدی حارثی نے کہا تھا:

''تمہیں ننھیال کی بچیوں کی قسم! تم اسے مدت تک اور جب تک کبوتر بولتے ہیں' نہیں دیکھ سکو گے' کیونکہ رعل کو جب تم نے سلامت رہنے دیا ہے تو واقم کا میدان تم سے حرام ہو گیا۔''

ذَاتُ الرِّقَاع

لفظ رِقْعَہ کی جمع ہے۔ علامہ واقدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر کھجور کے باغ کے قریب تھا۔ یہ دورِ جاہلیت کا کنواں تھا' ذات الرقاع کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمین میں سفید' سرخ اور سیاہ مکان تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک پہاڑ تھا جس میں سفید' سرخ اور سیاہ رنگ کا پتھر تھا تو گویا یہ پہاڑ کے حصے اور ٹکڑے تھے۔ حافظ ابن حجر

کہتے ہیں کہ غزوہ کو ذات الرقاع ان کھجور کے درختوں کی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ ان میں پانی رُکنے کی جگہیں تھیں۔
نخل کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع یہیں ہوا تھا۔ ابن ہشام وغیرہ کہتے ہیں' اسے ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے جھنڈوں کے ٹکڑے کر دئے تھے۔ علامہ داؤدی کہتے ہیں کہ نمازِ خوف یہاں پڑھی گئی تھی تو چونکہ وہ حصے کر کے پڑھی گئی' اس لئے اسے ذات الرقاع کہتے ہیں۔ ابو موسےٰ اشعری کہتے ہیں' نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے پاؤں میں کپڑے کے ٹکڑے لپیٹے تھے جیسے صحیح مسلم میں ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ نام ایک درخت کی وجہ سے رکھا گیا تھا جو وہاں موجود تھا' اسے ذات الرقاع کہتے تھے۔ یہ وجہ بھی ہے کہ ان کے گھوڑوں پر سیاہ و سفید رنگ تھا۔

رُقْعَه

وادیٔ قریٰ کے قریب ایک جگہ تھی' اس میں نبی کریم ﷺ کی مسجد تھی۔ یہ مجد کا قول ہے جو مطری کے اس قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے مساجدِ تبوک کے ذکر میں کہا ہے کہ یہ لفظ رقعة الثوب (کپڑے کے ٹکڑے) سے لیا گیا ہے۔

رقمتان

مدینہ کے حرۂ غربیہ میں ایک جگہ تھی' یہ وہاں اونچی دو جگہیں تھیں جن کا رنگ سرخ زردی مائل تھا اور وہ حرہ (پتھریلی زمین) سیاہ تھا چنانچہ دونوں کا نام رقمتان رکھ دیا گیا۔ کبھی صرف رقمه (واحد) کے معنے میں بھی لے لیتے ہیں چنانچہ علامہ اصمعی کہتے ہیں: رقمتان میں سے ایک مدینہ کے قریب اور دوسرا بصرہ کے قریب تھا۔ علامہ عمرانی کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک بصرۃ میں اور دوسرا نجد میں تھا۔

رَقَم

کبھی اسے رَقُـم بھی پڑھ لیتے ہیں' یہ مدینہ میں ایک جگہ تھی' تیر اس کی طرف منسوب تھے (رقم کے تیر) علامہ نصر کہتے ہیں کہ رقم' غطفان کے گھروں میں پہاڑ تھے جن کے نزدیک چشمہ تھا۔
ابونعیم نے عامر بن طفیل اور اربد بن صیفی کا وہ واقعہ لکھا ہے جس میں ان دونوں نے مدینہ میں حضور ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا' اربد نے جب اپنا ہاتھ تلوار پر رکھا تو وہ خشک ہو گیا' وہ تلوار نہ تان سکا چنانچہ وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے' جب حرۂ واقم میں پہنچے تو حضرت سعد بن معاذ اور اسد بن زہیر ان کے پاس آئے اور کہا' اے اللہ کے دشمنو! اوپر دیکھو' اللہ تم پر لعنت کرے۔ وہ وہاں سے نکل پڑے' جب مقامِ رقم میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اربد پر آسمانی بجلی ڈالی جس نے اسے قتل کر دیا جبکہ عامر وہاں سے نکل گیا' جب وہ حریث کے مقام پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جسم پر پھوڑا نکلا پھر ابونعیم نے اس کی موت کا ذکر کیا۔

رُقَيبَه

رُقَبہ (گردن) کا اسمِ تصغیر ہے۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ لفظ سُفَینہ کے وزن پر ہے۔ یہ خیبر میں ایک پہاڑ تھا۔ فتح خیبر میں عینیہ بن حصین کے واقعہ کے اندر اس کا ذکر موجود ہے۔

رِکابیّہ

رِکاب (اونٹ) کی طرف منسوب ہے' یہ مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔

رَکنَان

وادیٔ قرٰی کے قریب ایک جگہ تھی۔

رَکُوبہ

حَلُوبَۃ کے وزن پر ہے۔ یہ عرج کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گھاٹی تھی جو مدینہ کی طرف عرج سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔

ابن اسحاق سفر ہجرت کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دونوں کا راہبر عرج سے لے کر نکلا اور غابر کی گھاٹی کو لے چلا جو رکوبہ کی دائیں جانب تھی۔

علامہ مجد لکھتے ہیں کہ رکوبہ ایک مشکل گھاٹی تھی' اس کے مشکل ہونے کی مثال دی جاتی تھی' حضورﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرماتے ہوئے اس میں سے گذرے تھے' یہ ورقان پہاڑ اور قدس ابیض کے قریب تھی' تب آپ کے ہمراہ ذوالبجادین تھے۔

یہ رکوبہ' عرج کے پاس تھی' اس میں سے حضورﷺ گذرے تھے' آپ کو اس طرف لے جانے والے عبداللہ ذوالبجادین تھے۔ انتہٰی۔

یہ رکوبہ اور غابر کی گھاٹیاں عقبۃ العرج میں تھیں' عقبہ مدارج ہی کو کہتے ہیں جیسے آگے آ رہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے عجیب بات کہہ دی' وہ حجاز کی آگ کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: رکوبہ' ایک مشکل قسم کی گھاٹی تھی جو مدینہ سے شام کے راستے میں تھی' حضورﷺ تبوک جاتے ہوئے یہاں سے گذرے تھے' اسے بکری نے ذکر کیا۔ انتہٰی۔

اگر ابن حجر کی یہ بات درست ہے تو یہ کوئی اور رکوبہ تھی اور آگے عرام سے ورقان کے ذکر میں آ رہا ہے کہ وہ عرج اور رویثہ کے درمیان ایک قبیلے کے سامنے جھکے تھے' اس کے اور قدس ابیض کے درمیان ایک گھاٹی تھی جسے رکوبہ کہتے تھے۔

الرُّمَّہ

نجد میں ایک کھلا میدان تھا۔علامہ اصمعی لکھتے ہیں کہ اسے رُمَّہُ اور رُمَّہ پڑھا جاتا ہے' اس کی نچلی طرف اُوپر والی جانب حرۂ فدک سے قصیم تک سات راتوں کا سفر تھا۔دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ رمہ غطفان کے شہروں میں تھا اور فید سے مدینہ جانے والے راستے پر تھا۔

رُوَاوَہ

زُرَارہ کے وزن پر ہے۔ابن السکیت کہتے ہیں کہ رواوہ' مبیضی اور ذوالسلاسل' فرع اور مدینہ کے درمیان وادیاں تھیں۔ انتہی۔

علامہ ہجری کا بیان گذر چکا ہے کہ عقیق کا سیلاب غذیر تک جاتا تھا جسے رواۃ کہتے تھے۔ابوالحسن کہتے ہیں کہ رواۃ' ابن ابی احمد کے خلیقہ (وادی) میں گرتی تھی' ابن شبہ سے گذر چکا ہے کہ عقیق کا سیلابی پانی یلبن میں گرتا تھا پھر وہاں سے رواوتین میں جاتا تھا۔چنانچہ انہوں نے اسے تثنیہ کا لفظ بنا کر ذکر کیا ہے۔

رَوْحَاء

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مقام فُرع کے ماتحت مدینہ سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا جبکہ صحیح مسلم میں یہ فاصلہ چھتیس میل لکھا ہے اور کتاب ابن شبہ میں تیس میل لکھا ہے۔ابوغسان کہتے ہیں کہ ورقان روحاء میں مدینہ سے چار برد (اڑتالیس میل) کے فاصلے پر تھا۔

ابوعبید بکری لکھتے ہیں کہ مضر بن نزار کی قبر روحاء میں تھی جو مدینہ سے دو راتوں کے سفر پر تھی' روحاء اور مدینہ کے درمیان اکتالیس میل کا فاصلہ تھا۔

علامہ اسدی کہتے ہیں کہ یہ فاصلہ پینتیس یا چھتیس میل کا تھا' ایک اور جگہ بیالیس میل لکھا ہے' پھر لکھا ہے کہ روحاء میں داخل ہونے کے مقام پر دو علامتیں تھیں اور یونہی نکلنے کے مقام پر بھی دو ہی تھیں' انہیں جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ روحاء ایک وادی کا نام تھا اور اسی کے درمیان حاجیوں کی منزل تھی' چنانچہ سب سے کم مسافت پہلے مقام کے ارادے سے لی جائے گی جو مدینہ سے ملتا تھا اور اکثر مسافت آخر میں جبکہ درمیانی ' درمیانے مقام میں لی جائے گی۔

ابن الکلبی کہتے ہیں کہ جب تبع اہلِ مدینہ سے جنگ کے بعد واپس ہوا تو روحاء میں ٹھہرا اور وہاں آرام کیا چنانچہ اسے روحاء کا نام دیا۔علامہ کثیر سے پوچھا گیا کہ اسے روحاء کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ یہاں آرام ملتا ہے۔

راویٔ روحاء کی عظمت کے بیان میں گذر چکا ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: یہ جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے' یہ الفاظ وادیٔ روحاء کے بارے میں فرمائے تھے۔اس کا نام سجاسج بھی تھا' پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ حضرت

موسےٰ بن عمران علیہ السلام ستر ہزار لوگوں کو لے کر روحاء سے گذرے تھے اور پھر یہ بھی بتایا کہ اس وادی میں ستر ہزار نبیوں نے نماز پڑھی تھی۔

ابن اسحاق حضورﷺ کے بدر کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: آپ ججیج میں ٹھہرے' یہی بر روحاء کہلاتا تھا۔علامہ اسدی لکھتے ہیں: روحاء میں حضورﷺ کے آثار ملتے ہیں' وہاں دو محل ہیں اور بہت سے کنوئیں ہیں جن میں سے ایک کا نام مروان ہے جس کے قریب خلیفہ رشید کے اونٹ بٹھانے کی جگہ تھی' یہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کنواں تھا' ایک کنواں حضرت عمر بن عبد العزیز کے نام سے مشہور تھا' ایک کنوئیں کا نام واثق تھا' یہ یہاں کے سب کنوؤں سے بڑا تھا۔اس کی گہرائی ساٹھ ہاتھ تھی۔آج کل اس جگہ اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جہاں حاجی اونٹ بٹھاتے ہیں' اسے برکۃ طار کہتے ہیں' شاید حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے نئے سرے سے بنایا تھا اور پھر وقف کر دیا تھا۔

بقیع غرقد کے فضائل میں جو کچھ بیان ہو چکا ہے' اس سے اس کے درمیان ایک قبرستان کا نام رکھا ملتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار شریف روحاء میں ہونے کا ثبوت موجود ہے۔

روضة الاجاول

ودّان کے قریب ایک جگہ تھی' یہاں نصیب نامی شاعر کے مکان تھے۔

رَوضةُ الاَجُدَاد

غطفان کے شہروں میں ایک بستی تھی جو وادیٔ قصیبہ میں تھی جو خیبر سے پہلے اور وادیٔ عصیرہ کے مشرق میں تھی۔

ھیثم بن عدی لکھتے ہیں کہ عروہ الصعالیک اور اس کے ساتھی چھپ کر خیبر کی طرف گئے' وہاں جا کر گدھے کی آواز نکالی' ان کا خیال تھا کہ یوں ان سے وباء دور ہو جائے گی لیکن عروہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔

ھیثم کہتے ہیں کہ وہ اس میں داخل ہوئے' پھر واپس آ گئے اور جب روضۃ الاجداد میں پہنچے تو عروہ کے علاوہ سب کے سب مر گئے۔

روضة الُجَام

اسے روضۃ آجام بھی کہتے تھے' نقیع کی طرف ایک مقام تھا۔علامہ ھجری نے اسے وادیٔ عقیق میں گرنے والی وادیوں میں شمار کیا ہے۔یہ حرہ میں تھی۔

روضة خَاخ

خاخ کے بیان میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

روضة الخُرج

مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

روضة الخُرجَین

یہ لفظ خرج کا تثنیہ ہے جس کا ذکر اوپر آ گیا' شاید یہ وہی ہے۔

روضة الخَزرج

یہ وہی لفظ خزرج ہے جو انصار کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ مدینہ کے قریب تھا' حفص اموی لکھتے ہیں:

''دھیان کرو' کیا تم ان کی عورتوں کو بارقیہ یا روض الخزرج میں دیکھ رہے ہو؟''

روضة الحماط

اسی کا نام روضۃ ذات الحماط تھا اور ذات الحماط' عقیق کی ایک وادی تھی۔

روضة ذی الغُصن

غصن بمعنی ٹہنی والا لفظ ہے' یہ روضہ (باغ) ذی الغصن کی طرف منسوب ہے' یہ بھی عقیق کی ایک وادی تھی۔

رَوضةُ الصُّهَا

یہ مدینہ کے شمال میں مدینہ سے تین دنوں کے سفر پر تھی۔ صَہا' صَهوة کی جمع ہے' اس نام کے وہاں کئی پہاڑ ہیں' اسی وجہ سے اسے روضۃ الصہاء کہتے تھے۔

روضة عُرَینه

جُهَینہ کے وزن پر ہے۔ یہ رحضیّہ کی طرف ایک وادی تھی' یہاں گھوڑے چرا کرتے تھے پھر دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام میں اس کی نچلی جانب قلھی تھی' یہ بنو جذیمہ بن مالک کا ایک کنواں تھا۔

روضة العقیق

مدینہ میں عقیق کا ایک مقام تھا۔

رَوضةُ الفِلاج

فلجہ میں اس کا ذکر آ رہا ہے' یہ بھی عقیق کی وادیوں میں سے تھی۔

رَوْضةُ مَرَخ

یہ مدینہ میں ایک مقام تھا۔

روضة نَسر

حرف نون میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

ذو رَولان

رھفیہ کے قریب بنو سلیم کی ایک وادی جہاں قلھی تھی۔

رُوَیثه

ابن السکیت کہتے ہیں کہ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گھاٹ تھی اور جب تُبّع مدینہ میں لڑائی کے بعد واپس ہوا تھا تو اسی رویثہ میں ٹھہرا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا لہٰذا اس کا نام رویثہ رکھا کیونکہ عرب رَاثَ کہتے ہیں تو اس کا معنٰی ڈھیل کرنا لیتے ہیں۔ یہ مدینہ سے ایک رات کے سفر پر تھی۔ یہ تو مجد نے کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ دو رات کی مسافت پر تھی کیونکہ یہ وادیٔ روحاء کے بعد دس سے کچھ زائد میل پر تھی' اسی لئے اسدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔

رُھَاط

غُراب کے وزن پر ہے' ینبع کی سرزمین میں ایک جگہ تھی۔ یہاں ھذیل نامی قبیلہ کا بت ''سواع'' رکھا تھا۔ یہ تو ابن کلبی نے لکھا ہے لیکن راشد بن عبد ربہ کہتے ہیں کہ سواع' رھاط کی اونچی جگہ پر تھا' قبیلۂ ذہیل اور سلیم میں سے بنو ظفر اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس کے بعد راشدؓ نے سواع میں ہاتف کی آواز کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے حضورﷺ کی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ پھر یہ بتایا ہے کہ انہوں نے وہاں دو سانپ دیکھے تھے جو سواع کے اردگرد کو چاٹتے تھے اور جو کچھ لوگ وہاں رکھ جاتے تھے' اسے کھا لیتے تھے اور پھر سواع پر پیشاب کر دیتے تھے چنانچہ یہ شعر پڑھا:

''کیا یہ ربّ ہے' جس کے سر پر دو سانپ پیشاب کرتے ہیں' وہ بھی تو یقیناً ذلیل ہوتا ہے
جس پر لومڑیاں پیشاب کر جائیں۔''

پھر یہ ذکر کیا ہے کہ وہ حضورﷺ کی خدمت میں پہنچے کہ رھاط سے کچھ جگہ لیں چنانچہ آپ نے انہیں اتنی جگہ دی جو گھوڑا دوڑانے اور تین مرتبہ پتھر پھینکنے جتنی تھی پھر آپ نے انہیں پانی کا ایک برتن دیا جس میں تھوک دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ اسے اس جگہ پر چھڑک دو اور لوگوں کو یہاں آنے سے نہ روکو' انہوں نے یونہی کیا چنانچہ وہ پانی اُبل پڑا' انہوں نے اسے محفوظ کیا اور وہاں کھجور کے درخت لگا دئے۔ اس سارے رھاط سے لوگ پانی پیتے اور انہوں نے اس کا نام ''ماء

الرّسول ﷺ" رکھ دیا۔ اھل رحاط اس پانی سے نہایا کرتے اور شفاء حاصل کیا کرتے۔

علامہ عرام کہتے ہیں کہ یہاں ھمصیر نامی پہاڑ کے گرد ایک بستی تھی جسے رھاط کہتے تھے' یہ مکہ کے قریب تھی اور مدینہ کو جانے والے راستے پر تھی' اسی کے قریب حدیبیہ تھا۔ یہ بنو سعد اور بنو مسروح کے گھر تھے جن میں حضور ﷺ نے پرورش پائی تھی۔

صاحب المسالک و الممالک علامہ اقشھری سے روایت کرتے ہیں کہ سایۂ رحاط اور عران' مدینہ کے ماتحت تھے۔

رَیَّان (سیر ہو جانا)

یہ لفظ عطشان (پیاسا ہونا) کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ یہ بنو حارثہ کا قلعہ تھا' یونہی بنو زریق کا بھی قلعہ تھا۔ اس نام کی وہاں ایک وادی بھی تھی اور بنو عامر کا ایک پہاڑ بھی تھا پھر اسی نام کی معدن بنو سلیم میں ایک جگہ تھی جہاں ایک محل تھا' ہارون رشید حج کو جاتا تو یہاں ٹھہرا کرتا تھا۔

رُیْدان

یہ آل حارثہ بن سہل بن اوس کا مدینہ میں ایک قلعہ تھا۔ اسے یاقوت نے نقل کر کے کہا ہے: میں انصار کی ایسی شاخ کو نہیں جانتا جسے آلِ حارثہ کہا جاتا ہو۔

میں کہتا ہوں' وہ جو ابن زبالہ نے ذکر کیا ہے کہ بنو واقف بن امرئ القیس بن مالک بن اوس نے ایک قلعہ بنایا تھا جسے ریدان کہتے تھے' اس کا مقام مسجد فضیخ کے قبلہ کی جانب تھا' اسی کے بارے میں قیس بن رفاعہ نے کہا تھا:

"ان کے بعد میں مزید زندگی کی اُمید کیونکر رکھوں اور پھر وہ بھی اس وقت جب اھلِ ریدان جا چکے ہیں۔"

رِئْم

اسے عیاض نے یونہی لکھا ہے لیکن علامہ مجد نے اسے ضعیف کہا ہے' وہ لکھتے ہیں: یہ لفظ ساکن ہمزہ سے ہے (رِئم) یہ مزینہ کی وادی تھی جس میں ورقان آ گرتی تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ عقیق کی وادیوں میں سے تھی جو اسے ملتی اور پھر ابن ابی احمد کی وادی میں گر جاتی چنانچہ مؤطا میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ وہ سوار ہو کر ریم کو گئے اور اس سفر میں آپ نے نماز قصر پڑھی۔ یحییٰ کہتے ہیں: مالک نے کہا کہ یہ تقریباً چار برو (اڑتالیس میل) کے فاصلے پر تھی۔ علامہ عیاض لکھتے ہیں کہ مصنفِ عبد الرزاق میں تیس میل کا فاصلہ لکھا ہے لیکن جو کچھ علامہ مجد نے لکھا ہے وہ مالک اور مصنفِ عبد الرزاق کے خلاف ہے۔ پھر طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطن ریم میں اترے تھے جو مدینہ سے تیس میل کے فاصلے پر تھی چنانچہ ان روایات کو جمع کرنا پوشیدہ نہ رہا پھر سفر ہجرت میں

یوں آتا ہے: حضور ﷺ چلے اور بطنِ ریم میں اُترے پھر وہاں سے قباء کو تشریف لے گئے چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''ہم نہ تو ریم میں گئے' نہ حمت میں اور نہ ہی صَـــوَرٰی میں' ہم تو جولان کی ایک گھاٹی میں گئے جو وہاں موجود تھی۔''

یہ جولان' دمشق میں ایک بستی تھی۔

ریمہ

یہ دِیمہ کے وزن پر ہے جو مدینہ کے قریب باغ کی بالائی جانب بنوشیبہ کی وادی تھی۔

ذوریش

رِیش کا لفظ ریش الطائر (پرندے کے پَر) سے لیا گیا ہے۔اس کا ذکر مدینہ کی وادیوں کے بیان میں گذر چکا ہے۔

حَرفُ الزّای

زبالة الزّجّ

یہ جگہ مدینہ کے شمال میں تھی' جو مدینہ اور یثرب کے درمیان تھی' یہاں رہنے والوں کے دو قلعے تھے اور یہ وہی تھے جن کا ذکر ابو الحمراءؔ کے ٹیلے میں گزر چکا ہے پھر عراق کے راستے میں بھی زبالہ نامی ایک جگہ تھی جو مدینہ کے ماتحت نہیں تھی۔

زُجّ

علامہ مجد نے یونہی لکھا ہے لیکن ابن سیّد الناس نے زُخّ لکھا ہے' یہ ضریہؔ وادی کی جانب ایک مقام تھا' رسول اللہ ﷺ نے اصید بن سلمہ بن قرط کو ضحاک الکلابی کے ہمراہ قُرطاء کی طرف بھیجا تھا۔یہ قرط' قریط اور قریط قبیلے ابوبکر بن کلاب سے تعلق رکھتے تھے' وہ انہیں اسلام کی دعوت دینے گئے تھے' انہوں نے ان سے جنگ کی اور شکست دی چنانچہ اصید اپنے باپ سلمہ سے زج میں ملا جو ضریہ کی جانب تھا۔زج نامی جگہ وہ بھی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے عداء بن خالد کو دیدی تھی جو بنو ربیعہ بن عامر سے تعلق رکھتے تھے۔

زِرَاب

یہ کِتَاب کے وزن پر ہے' اسے ذات الزراب بھی کہتے تھے' مساجد تبوک میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

زُرُود

یہ ابرق العزاف کے قریب ایک جگہ تھی جیسے صحیح بخاری و مسلم میں عزاف کے بیان سے پتہ چلتا ہے پھر خیبر کے بیان مین جو کچھ بتایا جا چکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس شخص کا نام تھا جو اولادِ عاد میں سے سب سے پہلے یہاں ٹھہرا تھا۔

زُرَیق

اسم تصغیر ہے۔اسے بنو زریق کی بستی بھی کہا جاتا تھا اور مسجد بنی زریق بھی' دونوں کا ذکر ہو چکا۔

زَغَابہ

سَحَابہ کے وزن پر ہے۔یہ عقیق کے آخر میں' حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی مغربی جانب وہ جگہ تھی جہاں سیلاب جمع ہوتے تھے' یہ اضم کی بالائی جانب تھی جیسے ھجری وغیرہ سے بیان کیا جا چکا' ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ قریش وادیٔ رومہ میں جرف اور زغابہ کے درمیان سیلابوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ اُترے تھے۔

ابو عبید بکری نے اسے زُعَابہ لکھا ہے۔محمد بن جریر کہتے ہیں کہ یہ جرف اور غابہ کے درمیان عمدہ جگہ تھی کیونکہ زعابہ کو کوئی نہیں جانتا۔یا قوت کہتے ہیں: ایسی بات نہیں کیونکہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: کیا تم اس اعرابی سے تعجب نہیں کرتے' اس نے مجھے میری اونٹنی ھدیہ میں دی جسے میں جانتا تھا' یہ مجھ سے یومِ زعابہ پر چلی گئی تھی۔میں نے اسے چھ بکرات دیں تو یہ ناراض ہو گیا' اور پھر یہ لفظِ زعابہ ایک اور حدیث میں بھی آتا ہے تو غیر معروف کیسے ہوا؟

زَمْزَم

اس کنوئیں کا نام ہے جو عقیق کی طرف جانے والے کی دائیں طرف آتا تھا' یہ جادہ سے دور تھا جیسے کنوؤں کے بیان میں آ چکا۔اس کا یہ نام اس لئے پڑا کہ لوگ اس کے پانی کو بڑا متبرک سمجھتے تھے اور دنیا بھر میں لے جاتے تھے۔

زُوْر

حجاز میں ایک پہاڑ ہے یا سوارقیہ کے قریب ایک وادی تھی۔اس کی وضاحت لفظ منور میں آئے گی۔

زَوْراء

اس کا ذکر بـلاط اور بازارِ مدینہ میں آ چکا اور ابن شبہ نے حضرت عباس کے گھروں میں بیان کیا کہ: ان میں سے وہ گھر تھا جو زوراء میں تھا' مدینہ کے بازار میں احجارِ زیت کے پاس اور پہلے آ چکا ہے کہ احجارِ زیت حضرت مالک بن سنان کی قبر کے نزدیک تھا کیونکہ ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے انہیں بازار میں دفن کیا چنانچہ انہیں اصحابِ

عباء کی مسجد کے قریب دفن کیا' وہیں احجار زیت والی جگہ تھی' چنانچہ زوراء' مدینہ کے بازار سے وہ جگہ تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ زوراء مدینہ کے بازار کا نام تھا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام زوراء میں تھے اور یہ زوراء مدینہ میں بازار کے اندر تھا۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جمعہ میں) تیسری اذان کا اضافہ زوراء میں فرمایا تھا' امام بخاری کہتے ہیں کہ زوراء بازار میں ایک جگہ تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہاں دوسری اذان کا اضافہ فرمایا تھا۔

یہ جو انہوں نے تیسری اذان کہا ہے تو اس کا مطلب اقامت (تکبیر تحریمہ) ہے۔ ابن ماجہ میں ہے: بازار میں ایک گھر میں اذان کا ذکر کیا ہے جسے زوراء کہتے تھے اور دار السوق کی وضاحت سے (جسے ابن ہشام نے لیا تھا) پتہ چلتا ہے کہ بازار میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک گھر تھا جسے زوراء کہا جاتا تھا' اسی لئے ابن شبہ نے لکھا ہے کہ: حضرت عثمان نے گھر بنایا تھا جسے زوراء کہا جاتا تھا تو یہ وہی تھا جس میں آپ نے اذان کا اضافہ فرمایا تھا اور گویا کہ بازار میں اسے اسی جگہ کی وجہ سے زوراء کہا گیا (قائلِ زیارت)۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ: ابن بطال کو یقین ہے زوراء مسجد کے دروازے کے قریب ایک پتھر تھا' لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ ابن اسحاق کی روایت میں' جو زہری سے ہے' ابن خزیمہ اور ابو داؤد نے لکھا ہے کہ: حضرت عثمان نے تیسری اذان کا اضافہ بازار والے گھر میں کیا جسے زوراء کہتے تھے۔

ابن حجر بھی اس حدیث انس میں بتاتے ہیں' جس میں پانی زیادہ کرنے کا ذکر ہے: یہ جو انہوں نے زوراء کہا ہے تو وہ مدینے میں بازار کے پاس مشہور جگہ تھی۔

داؤدی کا خیال ہے کہ یہ جگہ منارہ کی طرح بلند تھی' شائد یہ مفہوم انہوں نے حضرت عثمان کے اس حکم سے نکالا ہے کہ آپ نے اس جگہ پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا تھا اور یہ جگہ' جہاں اذان پڑھی جاتی تھی۔ زوراء میں تھی' خود زوراء نہ تھی۔

عتبیہ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ زوراء میں بازار مدینہ کے اندر ایک منارہ تھا اور شاید یہ اسی گھر میں تھا جس پر اذان پڑھی جاتی تھی۔

اس پچھلے بیان سے' جس میں بقیع غرقد کی فضیلت موجود ہے' یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زوراء اس جگہ کا نام بھی تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دفن ہیں۔

علامہ برھان بن فرحون کہتے ہیں: ابن حبیب نے کہا: نبی کریم ﷺ جب منبر پر چڑھ جاتے تو بیٹھ جاتے' پھر مؤذن اذانیں کہتے' یہ لوگ تین افراد تھے جو مناروں پر یکے بعد دیگرے اذانیں پڑھا کرتے تھے اور جب تیسرا شخص

اذان پڑھ لیتا تو آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے یہ سلسلہ جاری رہا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور لوگ گھنے ہو گئے تو آپ نے حکم دیا کہ زوال ہونے پر زوراء میں اذان پڑھیں' یہ جگہ بازار میں تھی' اذان کا مقصد یہ ہوتا کہ لوگ صفیں بنا کر بیٹھ جائیں۔ یہ جگہ بقیع کی طرف تھی۔ جب آپ منبر پر بیٹھ جاتے تو اذان کہنے والے منبر پر اذان کہتے۔ پھر ہشام بن عبد الملک نے زوراء میں کہی جانے والی اذان کی جگہ تبدیل کر دی اور مسجد نبوی میں شروع کرا دی' یہاں زوال کے بعد منار پر ایک شخص کھڑا ہو کر اذان کہتا تھا اور جب ہشام باہر نکلتا تو سارے موذن اس کے سامنے کھڑے ہو کر اذان کہتے۔

یہ جو انہوں نے کہا ہے: فی ناحیة البقیع ''وہ بقیع کے پہلو میں تھی' اس میں ''بقیع'' سے مراد بازار مدینہ میں بقیع خیل ہے' بقیع الغرقد نہیں کیونکہ بازار مدینہ اس کے پہلو میں نہ تھا۔

زُہرَہ

یہ وہی زُہــرہ والی جگہ ہے' یہ حرہ اور سافلہ کے درمیان ''قف'' کے ساتھ ایک نرم ہموار زمین تھی اور یہ مدینہ کی سب سے بڑی بستی تھی' اس بستی میں تین سو کاریگر تھے۔ ان کے دو قلعے تھے جو ''عرض'' کے راستے پر وہاں آتے تھے یہاں حرہ سے نیچے جاتے تھے' اس حرہ سے حرہ شرقیہ مراد ہے کیونکہ اسے حرہ زہرہ کے نام سے جانا جاتا تھا' اس کا مقصد یہ ہے کہ زہرہ وہ تھا جو عالیہ سے ملتا تھا اور وہ جو اس سے اُترتا' وہ سافلہ ہوتا اور عالیہ کے نزدیک مسجد سے ایک میل تھا جیسے آ رہا ہے اور اس کی ترجیح ان کا یہ قول ہے: ''جو قف سے ملتا ہے'' کیونکہ آگے آ رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے رفاہی مال کے قریب تھا۔

الزَّین

یہ لفظ شَین (عیب لگانا) کے مقابلے کا ہے۔ یہ جرف میں زرعی مقام تھا۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ کھیتی بوئی تھی جسے ''زین'' کہا جاتا تھا' یہ ''جرف'' میں تھی۔

حَرفُ السِّین

سائر

یہ لفظ صَابِر کے وزن پر ہے' مدینہ کے نزدیک ایک جگہ تھی۔

سَافِلہ

عَالِیہ (بالائی) کے مقابلے میں بولا جاتا ہے' عالیہ کا قریبی مقام ''سخ'' تھا جو مسجد سے ایک میل کے فاصلے پر

تھا اور جو اس سے نچلی طرف (مدینے کو) تھا' اسے سافلہ کہا جاتا تھا' یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے درمیان وہ جگہ ہو جسے واسطہ کہا جائے کیونکہ زھرہ کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حرہ اور سافلہ کے درمیان تھی' آج کل لوگ یہ لفظ بول کر وہ حصہ مراد لیتے ہیں جو مدینہ کی شامی جانب ہے اور عالیہ سے مراد وہ حصہ لیا جاتا ہے جو اس کے قبلہ والی جانب ہے۔ پہلے کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو ابنِ اسحاق سے ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بدر میں کامیاب ہو گئے تو ابن رواحہ کو بشارت دینے کے لئے اھلِ عالیہ کی طرف بھیجا جبکہ حضرت زید بن حارثہ کو اھلِ سافلہ کی طرف بھیجا تھا۔

حضرت اُسامہ بن زید کہتے ہیں: ہمارے پاس اس وقت فتح کی یہ اطلاع پہنچی جب ہم حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر مٹی برابر کر چکے تھے پتہ چلا کہ حضرت زید بن حارثہ آئے ہیں' جب وہ مصلّے کے قریب تھے تو میں اُن کے پاس گیا' لوگوں نے انہیں گھیر رکھا تھا۔

سَاھِیَہ

وادیٔ عقیق میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

سَایَہ

غـایہ کے وزن پر ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے ماتحت ایک وادی تھی' اس پر والی ہمیشہ مدینہ ہی کا ہوتا تھا البتہ ہمارے اس دور میں یوں نہیں ہے' اب وہ مدینہ کی ماتحتی سے دوسرے مقامات کی طرح نکل چکا ہے۔ اس مقام "سایہ" میں کھجور کے درخت' زرعی زمین' کیلا' انار اور انگور کے درخت تھے۔ بنیادی طور پر یہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کا تھا' یہاں سے جبلِ سَراۃ دکھائی دیتا تھا نہ کہ عسفان۔

ابن جنّی کہتے ہیں کہ شمنصیر "سایہ" کا پہاڑ تھا' یہ عظیم وادی تھی' اس میں ستّر سے زائد چشمے تھے' یہ وادی "اُلج" کہلاتی تھی۔

سُبَّر

یہ تُیَّــــب کے وزن پر ہے' بدر اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بدر کی غنیمتیں یہیں تقسیم فرمائی تھیں۔

سِتَار

۱ ضریّہ کی چراگاہ میں ایک پہاڑ تھا' ایک اور پہاڑ بھی تھا جو عالیہ کے اندر دیارِ سلیم میں تھا پھر سیاہ رنگ کے پہاڑ تھے جو ینبع سے تین دن کی مسافت پر تھے۔

سَجاسِج

یہ وادیٔ روحاء کا نام ہے۔ ابن شبہ کہتے ہیں کہ سجسج وہ ہوا ہے جس میں نہ گرمی ہو اور نہ سردی۔

سُدّ

یہ عبداللہ بن عمرو بن عثمان کا بند تھا' اسی سے رانوناء آتی تھی' وہاں ایک اور بند بھی تھا جو "عیر" کے قریب تھا جسے آج کل "سدِّ عنتر" کہتے ہیں۔ علامہ عرام کہتے ہیں کہ "سد" جبلِ شوران پر بارش کا پانی ہوتا تھا جسے حضورﷺ نے بند کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس سدّ سے قباء تک ایک نالہ جاتا تھا۔ گویا وہ پہلی سدّ مراد لیتے ہیں کیونکہ شوران میں ان کی کلام سے یہی نکلتا ہے کہ وہ جبلِ عیر تھا۔

کچھ کہتے ہیں کہ سدّ' مدینہ میں ایک جگہ تھی جس میں اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی بیٹھا کرتے تھے چنانچہ انہی کے نام سے منسوب ہوگئی۔

علامہ حارثی کہتے ہیں کہ سدّ' آسمانی پانی تھا جو بنوعوال کی سخت زمین میں اترتا تھا تو شاید یہ وہی سدّ ہے جو اس راستے میں موجود تھی جس میں سے خلیفہ ہارون رشید مدینہ سے معدن بنوسلیم کی طرف جاتے گذرتے تھے' یہ مدینہ اور رضیہ کے درمیان مدینہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھی۔ علامہ اسدی کہتے ہیں کہ وہاں بہت سا پانی موجود تھا جس کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بند باندھا تھا تاکہ وہ پانی وہاں روکا جاسکے۔

مجھے ایک امیرِ مدینہ نے بتایا تھا کہ یہ جگہ "ھکر" کے قریب مشہور ہے۔

بخاری کی اس حدیث میں ہے جس میں حضورﷺ کے حضرت صفیہ کو ہمراہ لئے خیبر سے واپسی کا ذکر ہے کہ:
"آپ حضرت صفیہ کو لے کر چلے اور جب سدّ الروحاء تک پہنچے تو وہ حلال ہوگئیں۔" یہ روحاء خیبر کے راستے پر نہ تھا' اسی وجہ سے علامہ کرمانی نے کہا ہے: کہتے ہیں کہ درست نام سدّ الصہباء تھا اور یہ بات بخاری کی ایک اور روایت میں ملتی ہے: آپ حضرت صفیہ کو لے کر چلے اور ہم سدّ الصہباء میں پہنچے۔ اسے حافظ ابن حجر نے درست کہا ہے اور یہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے۔ ابن سعد نے خیبر کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ جگہ جہاں حضرت صفیہ سے ہم بستری ہوئی' خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر تھی۔

علامہ عیاض کہتے ہیں سدّ الروحاء اس کا پہاڑ تھا' اسے سُدّ اور سَدّ پڑھا جاتا ہے' سدّ الصہباء بھی یونہی ہے۔ سَدّ بمعنی مبہ بھی ہے' وہ کہتے ہیں کہ سُدّ' خلقت کے معنی میں ہے اور سَدّ انسان کے فعل کو کہتے ہیں۔ علامہ کسائی کہتے ہیں کہ دونوں لفظ ایک جیسے ہیں۔ انتہٰی۔

علامہ یاقوت کی کلام سے پتہ چلتا ہے کہ جو جگہ ہمارے اس دور میں "حبس" کے نام سے مشہور ہے اور وادیٔ قناۃ کی بالائی جانب ہے' اسے بھی سدّ کہا جاتا ہے۔

سَرَاۃ

حجاز کے بیان میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

ذُوالسَّرح

یہ ملل کے نزدیک ایک وادی تھی۔

سِرّ

یہ جَہر (بلند آواز) کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ یہ نجد میں بنو اسد کی جگہ تھی اور پھر بنو تمیم کے علاقے میں بھی ایک جگہ تھی اور سین پر پیش (سُرّ) سے حجاز میں ایک جگہ تھی جو بنو مُزینہ کے علاقے میں تھی۔

سَرَّارہ

اس کا ذکر بنو بیاضہ کے گھروں کے بیان میں آ چکا ہے اور رانوناء میں بھی آ چکا ہے۔ یہ وہ باغ نہیں جو آج کل قباء کے نزدیک "سرارہ" کے نام سے مشہور ہے۔

سَرغ

وادیٔ تبوک میں ایک بستی تھی جو مدینہ سے تیرہ دن کی مسافت پر تھی' یہ مدینہ کی آخری جگہ تھی۔

سُرَیر

یہ زُبَیر کے وزن پر ہے۔ یہ مدینہ کے قریب ایک وادی تھی۔ سریر "جار" کے قریب ایک جگہ تھی۔ یہ کشتی والوں کی بندرگاہ تھی جو حبشہ سے مدینے کو آئے تھے۔ پھر سریر نامی ایک وادی بھی تھی جو خیبر کے نزدیک تھی۔

سَعد

یہ وہ جگہ تھی جس کے قریب غزوۂ ذات الرقاع ہوا تھا۔ علامہ نصر کہتے ہیں: یہ ایک پہاڑ تھا جو "کدید" سے تیس میل کے فاصلے پر تھا' اس کے پاس گھر تھے' بازار تھا اور میٹھا پانی تھا اور یہ فید کے راستے میں تھا اور اس شخص نے غلطی کی جو یہ کہتا ہے کہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔

سَفا

قَفا کے وزن پر ہے۔ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

سَفَان

پہلے لفظ سفا کا تثنیہ ہے۔ یہ وہ وادی تھی جو سمندر کے قریب اِضَم میں گرتی تھی۔

سَفَوآن

بدر کی جانب ایک وادی تھی۔ بدر اولیٰ کے موقع پر حضورﷺ کرز فہری کو تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے جس نے مدینے کے میدان میں ڈاکہ ڈالا تھا۔

سِقَایة سلیمان

یہ سلیمان بن عبد الملک کا جرف کے مقام پر کنواں تھا۔ مدینہ سے شام کو جانے والے یہاں لشکر ٹھہراتے تھے اور یونہی قدیم دور میں مصر کی جانب جانے والے یہاں رکتے تھے۔

سُقْیا

حرہ غربیہ میں حضرت سعد کا کنواں تھا جیسے کنوؤں کے بیان میں بتایا جا چکا۔ یہ فُرع کے ماتحت حاجیوں کے راستے میں ایک بڑی بستی تھی۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں: اسے سقیا کہنے کی وجہ یہاں کے بہت سارے کنوئیں تھے اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

علامہ کثیر سے پوچھا گیا: اس کا نام سقیا کیوں رکھا گیا؟ تو انہوں نے کہا' اس لئے کہ وہاں یہ لوگ میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔

ابن الفقیہ لکھتے ہیں کہ تُبّع جب مدینے سے واپس ہوا تو سقیا میں ٹھہرا تھا' اسے پیاس لگی تو یہاں بارش ہو گئی چنانچہ اس نے اس کا نام سقیا رکھ دیا۔

خوارزمی کہتے ہیں کہ سقیا' سمندر کے قریب ایک بڑی بستی تھی جو مدینہ سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر تھی جبکہ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھی۔ مجد نے یہ پیائش ابو داؤد سے لی ہے چنانچہ قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ وہ کنواں تھا کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان دو دن کی مسافت تھی۔ ابو داؤد نے یہ بات وہاں لکھی ہے جہاں سقیا سے میٹھا پانی پینے کا ذکر ہے جبکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ میٹھے پانی والی حدیث سعد کے کنوئیں کے بارے میں تھی جو مدینہ میں تھا اور اس کے باوجود یہ بات قاحہ کے بارے میں علامہ مجد کے قول کے مخالف ہے کہ یہ سقیا سے ایک میل پہلے اور مدینہ سے تین دن کی مسافت پر تھا بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ابواء' مدینہ سے تقریباً پانچ دن کی مسافت پر تھا حالانکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ سقیا کے بعد گیارہ میل کے فاصلے پر تھا چنانچہ سقیا' مدینہ سے تقریباً چار دن کی مسافت پر ہوا' اسدی نے اسی کی تصریح کی ہے کیونکہ ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان

چھیانویں میل کا فاصلہ تھا اور سقیا آج کل اسی مسافت پر مشہور ہے' مجد کا یہ قول اسی کے موافق ہے: فُرع' سقیا کی بائیں جانب مدینہ سے چھیانویں میل کے فاصلے پر تھا۔

سقيفه بني ساعده

اس کا ذکر بنو ساعدہ کے گھروں اور مسجدوں کے ذکر میں گذر چکا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ سقیفۂ بنو ساعدہ ایک چھپر تھا جس کے نیچے یہ لوگ بیٹھا کرتے تھے' یہ بئر بضاعہ کے قریب تھا۔شائد انہوں نے اس کا قرب بئرِ بضاعہ کی طرف سے تھا کیونکہ گذر چکا ہے کہ یہ رھط سعد کی منزل میں تھا' حضرت سعد ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے بیعتِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر کہا تھا: امیر کبھی تم میں سے ہوگا اور کبھی ہم میں سے' اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی' انہیں ایک قول کے مطابق حوران میں جنّ نے قتل کر دیا تھا۔

سِکَاب

قِطام کے وزن پر ہے' قبلہ کی جانب والے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھا۔

سِلَاح

قطام کے وزن پر ہے' یہ خیبر کی نچلی طرف ایک جگہ تھی' یہیں بشیر بن سعد انصاری' بنو غطفان کی جماعت سے ملے تھے جب وہ یمن اور جبار کی طرف لشکر لئے جا رہے تھے۔سلاح کے نام سے بنو کلاب کا ایک کنواں بھی تھا' جو بھی اس سے پانی پیتا' اسے پاخانہ آ جاتا تھا۔

سلاسل

یہ لفظِ سلسلہ کی جمع ہے۔جذام کی سرزمین میں ایک کنواں تھا جو مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا' یہ وادی القریٰ کی پچھلی طرف تھا' غزوہ کا نام اسی کی وجہ سے پڑا تھا۔

سُلَالم

یہ خیبر میں فتح ہونے والا آخری قلعہ تھا۔

ذو السّلائل

فُرع اور مدینہ کے درمیان ایک وادی تھی۔

سَلع

یہ مدینہ میں ایک مشہور پہاڑ ہے۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک کی ایک لونڈی اس چھوٹے سے

پہاڑ کے قریب ان کی بکریاں چراتی تھی' یہ چھوٹا پہاڑ سلع تھا اور مساجدِ فتح میں آ چکا ہے کہ وہاں بنو حرام کی غار تھی' حضور ﷺ اس میں داخل ہوئے تھے اور رات گذاری تھی۔ اسے جبلِ بواب بھی کہتے تھے۔

علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ یزید بن عبد الملک کی لونڈی حبابہ نے شعر کہے' یہ بہت خوبصورت تھی' اسے سلع سے محبت تھی چنانچہ کہا:

"تمہاری حیاتی کی قسم! مجھے سلع سے پیار ہے' میں اسے دیکھتی ہوں اور اس کے اردگرد کا نظارا کرتی ہوں' اس کے قرب سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے لیکن اس سے مجھے ڈر رہتا ہے کہ کہیں مجھے تکلیف نہ پہنچائے۔"

ذُوسَلَم

مدلجۂ تعہن کے اندر ایک جگہ تھی' حضور ﷺ کے سفر ہجرت میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

سُلَیْع

سَلْع کا اسم تصغیر ہے۔ مدینہ میں ایک پہاڑ تھا' اس پر اسلم بن افصیٰ کے گھر تھے۔ ان کے گھروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سلع کے بالمقابل جو چھوٹا پہاڑ تھا اس پر آج کل امیرِ مدینہ کا قلعہ ہے۔ اسے اس کی امامت کے دنوں میں امیر ابن شیحہ نے بنوایا تھا' یہ ۷۶۰ھ سے پہلے کی بات ہے۔ اس نے اسے اپنی حفاظت کے لئے بنوایا تھا۔ اس سے مدینہ کا اردگرد دکھائی دیتا تھا۔ اس سے پہلے امراء کے قلعے باب السلام کے قریب ہوتے تھے' آج کل وہاں مدرسہ اشرفیہ ہے۔

سَلِیل

امیر کے وزن پر ہے۔ عقیق کے میدان کا نام تھا۔

سلیلہ

یہ ربذہ کی ایک جگہ تھی۔

سُلَیم

سلم کا اسم تصغیر ہے اور ذات السُّلَیم عقیق کی ایک وادی تھی۔

سمران

خیبر میں ایک پہاڑ ہے' عام لوگ اسے مسمران کہتے ہیں۔ کچھ نے اسے شمران لکھا ہے' ابن زبالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر نماز پڑھی تھی' اسے سمران کہتے تھے۔

ذو سمر

عقیق کی ایک وادی تھی۔

سُمَیْحَہ

سَمُحَہ کا اسمِ تصغیر ہے۔ یہ مدینہ میں ایک مشہور کنواں تھا۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں وہ قدیم کنواں تھا جس کا پانی سب سے گہرا تھا۔

علامہ یعقوب کہتے ہیں کہ سمیحہ مدینہ میں کنواں تھا' وہاں عبید اللہ بن موسے کا باغ تھا۔

سنام

ربذہ کے قریب پانی جمع ہونے کی جگہ تھی۔

سُنْح

یہ حارث کے دونوں بیٹوں جشم اور زید کا قلعہ تھا۔ کنوئیں کی جانب کو سنح کہتے تھے۔ پہلے آ چکا ہے کہ یہ مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا جہاں آپ کی انصاری زوجہ رہتی تھیں' جب حضورﷺ کا وصال ہوا تو یہیں آپ کو اطلاع ہوئی تھی۔

ابن عساکر اپنی تحفہ میں لکھتے ہیں کہ سُنُح یا سُنْح مدینہ کی بالائی جانب ایک جگہ تھی جس میں بنو حارث کے گھر تھے۔ ہمارے شیخ ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ سنح وہ جگہ تھی جہاں مساجد فتح تھیں۔

سُنْحَہ

مدینہ منورہ میں ایک جگہ ہے۔

سِنّ

شوران یا میطان کے بالمقابل ایک پہاڑ ہے۔

سُوَاج

ضریہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جہاں جن رہتے ہیں' اسے سواج ملحقہ بھی کہا جاتا ہے۔

سَوَارِق

سوارقیہ کے قریب ایک وادی تھی' جہاں کا پانی میٹھا تھا۔

سُوَارِقیّہ

اسے سویر یقیہ بھی پڑھا جاتا ہے' یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بستی تھی' پہلے بنو سلیم کے پاس تھی۔ علامہ عرام کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑی بستی تھی جس میں مسجد' منبر اور بازار تھا۔ بنو نجار کے لوگ یہاں ہر طرف سے آیا کرتے تھے۔ بنو سلیم میں سے ہر ایک کا یہاں حصہ تھا' یہاں ان کی زرعی زمین تھی' کھجور کے بہت سے درخت تھے' کیلے' انگور' تین' انار' بہی دانہ اور شفتالو تھے' ان کے یہاں اونٹ' گھوڑے اور بکریاں تھیں۔

سوق اَھدٰی

اَحْوٰی کے وزن پر ہے۔ یہ جگہ ربذہ میں تھی۔

سوق بنی قُیْنقاع

بطحان کی پل کے نزدیک دورِ جاہلیت میں یہ ایک بڑا بازار تھا۔ یہ سال میں کئی بار لگتا تھا' لوگ اس پر فخر کرتے اور اس کے بارے میں شعر پڑھا کرتے تھے۔

سُوَیْدَاء

سوداء کا اسمِ تصغیر ہے۔ یہ ذی خشب کے بعد ایک جگہ تھی جو مدینہ سے دو رات کے سفر پر تھی۔

سوید

بنو اسود کا قلعہ تھا' بنو بیاضہ کے گھروں میں حماضہ کی شامی جانب تھا۔

سُوَیْقَہ

ســـاق کا اسمِ تصغیر ہے۔ یہ زمین پر پھیلا سرخ پہاڑ تھا جو ضریہ سے تیس میل یا اس سے زیادہ کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ ایک میٹھا چشمہ بھی تھا جو حرزہ کی نچلی جانب تھا' سیالہ سے ایک میل کے فاصلے پر مکہ کو جانے والے کی داہنی طرف تھا۔ یہ عبداللہ بن حسن کے قبضے میں تھا۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ سویقہ وہ جگہ تھی جو مدینہ کے قریب تھی' اس میں آل علی بن ابو طالب کے لوگ رہتے تھے۔ محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسےٰ حسنی خلیفہ متوکل کے خلاف نکلا' ابو الساج کو ایک بڑا لشکر دے کر بھیجا' وہ اس کے خلاف کامیاب ہوا۔ اس نے اس کے اہل و عیال کو گرفتار کر لیا اور کچھ کو قتل کر دیا' سویقہ کو برباد کر دیا' درخت اجاڑ دیے اور ان کے گھر برباد کر دیے۔ سویقہ اس کے بعد آباد نہ ہو سکا' یہ حضرت علی کے صدقات میں سے تھا۔ پھر کہا کہ سویقہ سیالہ کے قریب تھا۔ انتہیٰ۔

علامہ یاقوت' ابن السکیت سے نقل کر کے بتاتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جو ینبع اور مدینہ کے درمیان

تھا۔

سیّ

یہ مقام مدینہ سے پانچ رات کے سفر پر تھا۔

سَیَالہ

سَحَابہ کے وزن پر ہے۔اس کا ذکر مسجد شرف الروحاء میں گذر چکا ہے۔ابن السکیت کہتے ہیں کہ تبع جب مدینہ سے واپس ہوا تو سیالہ میں ٹھہرا تھا۔وہاں ایک وادی بہتی تھی چنانچہ اسی وجہ سے اس کا نام سیالہ رکھا' اس وادی کے آخر میں شرف الروحاء تھی' یہ مدینہ سے تیس میل کے فاصلے پر تھی۔

سِیُح

سَاحَ یَسِیُحُ سِیُحًا کی مصدر ہے۔یہ اس جگہ کا نام تھا جو مساجد فتح کی غربی جانب تھی۔ابن نجار کہتے ہیں کہ وہاں خندق میں سے ایک نالہ نکلتا تھا جو مدینہ کی نچلی جانب سے سیح تک آتا تھا۔اس کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ جشم اور اس کا بھائی زید یہاں ٹھہرے ہوئے تھے' انہوں نے یہاں قلعہ بنایا تھا جسے سیح کہا جاتا تھا' اسی وجہ سے اس جانب کا نام پڑ گیا۔

سَیَر

یہ جَبَل کے وزن پر ہے۔مدینہ اور بدر کے درمیان ایک ٹیلا تھا' کہتے ہیں کہ بدر کا مالِ غنیمت یہیں تقسیم کیا گیا تھا۔یہ علامہ مجد نے لکھا ہے' وہ کہتے ہیں: ابوبکر بن موسےٰ کہتے تھے کہ اس لفظ میں اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید ان کا اشارہ لفظ سبو کی طرف ہے کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ یہ مالِ غنیمت سبو میں تقسیم ہوا تھا۔علاوہ ازیں ابوبکر سے مراد حارثی ہے' تہذیب نووی میں مالِ غنیمت کے صفراء کی گھاٹی میں تقسیم کرنے کے بعد یہ مذکور ہے کہ حارثی نے کہا: رہا سَیّر تو یہ مدینہ اور بدر کے درمیان ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کی غنیمتیں یہاں تقسیم فرمائی تھیں اور وہ جو مجد نے اس لفظ کے بارے میں لکھا ہے' زیادہ درست ہے کیونکہ میں نے تہذیب ابنِ ہشام کے قابلِ اعتماد نسخہ میں لکھا دیکھا ہے' الفاظ یہ ہیں: وہ مضیق الصفراء سے نکلے اور ایک ٹیلے پر ٹھہرے جو مضیق اور نازیہ کے درمیان تھا' اسے سیر کہتے تھے چنانچہ وہاں آپ نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

ایک اور جگہ میں نے لکھا دیکھا ہے کہ: **شعب سیر** وہ قدیم مقام تھا جہاں حاجی لوگ اس وقت ٹھہرتے جب مستعجلہ سے کوچ کرتے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ گھاٹی (شعب سیر) دو پہاڑوں کے درمیان تھی جنہیں جبال مضیق کہتے تھے' یہ صفراء کی بالائی جانب تھی' اس کے اور مستعجلہ کے درمیان نصف فرسخ کا فاصلہ تھا۔

حرف الشین

شَابَہ

یہ ربذہ اور سلیلہ کے درمیان ایک پہاڑ تھا۔

شاس

مسجد قباء کے صحن میں ایک قلعہ تھا' جب تم قبلہ کی طرف منہ کرو تو تمہاری بائیں طرف تھا۔ یہ بنو عطیہ بن زید کے بھائی شاس کے قبضہ میں تھا۔

شَبا

عَصا کے وزن پر ہے' اثیل کے مقام پر صفراء کی جانب ایک وادی تھی' وہاں ایک چشمہ تھا جسے شیف الشبا کہتے تھے۔ یہ بنو جعفر بن ابو طالب کا تھا۔

شِباع

کتاب کے وزن پر ہے۔ حضرت سائب کے کنوئیں کے بیان میں گزرا کہ یہ کنوئیں پر ابھرا ہوا پہاڑ تھا۔

شِبَاك

جِبَال کے وزن پر ہے اور شبکۃ کی جمع ہے' بنو غنی کے شہروں میں ایک جگہ تھی' مدینہ اور ابرق العزاف کے درمیان تھی' ایک اور جگہ بھی تھی جو بنو الکذاب سفوان اور شاک کے قریب تھی جو مدینہ کے اردگرد تھی۔

شُبعان

جیعان (بھوکا) کے مقابلے کا لفظ ہے' مدینہ میں ایک قلعہ تھا جو مالِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھا۔

شُبکہ

لفظ شباك کا مفرد ہے۔ یہ وادیٔ اضم میں ایک جگہ تھی۔

شَجَرَہ

شجر کا واحد ہے۔ مسجد ذوالحلیفہ اسی درخت کی طرف منسوب تھی۔ یہ سمرہ ہی کا نام تھا۔ نبی کریم ﷺ اس کے نیچے ٹھہرے تھے چنانچہ یہ نام مشہور ہو گیا پھر شجرہ وہ مال تھا جس میں بنو قریظہ کا قلعہ تھا اور شاید اسی کو آج کل شُجَیرہ کہا جاتا ہے۔

شَذْخ

یہ ایک وادی تھی جہاں نخل نامی جگہ تھی جیسے آگے آ رہا ہے۔

شَرَاة

یہ ایک بلند پہاڑ تھا جس میں بندر رہتے تھے۔ بنولیث اور کچھ بنوسلیم یہاں رہتے تھے' بائیں طرف عسفان کے نزدیک تھا۔ اس میں ایک غار تھی جو حجاز کی طرف جاتی تھی' اسے غوریطہ کہتے تھے۔

شَرَبَّة

ہر گھاس والی زمین کو کہتے ہیں جس میں درخت موجود نہ ہو۔ یہ سلیلہ اور ربذہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔ کہتے ہیں کہ جب تم بقرہ اور ماوان سے گذرو' ارادہ مکہ کا ہو تو شربہّ میں پہنچ جاؤ گے۔ یہ نجد کے علاقے میں سب سے ٹھنڈا مقام تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نخل اور معدن بنی سلیم کے درمیان تھا' ان سب کا مطلب ایک ہی ہے۔

شَرَج

یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی جو شرج العجوز کے نام سے مشہور تھی' اس کا ذکر حضرت کعب بن الاشرف کی حدیث میں آتا ہے۔ نجد میں اس نام کا ایک چشمہ بھی تھا۔

شَرْعَبیّ

ذباب کے نزدیک ایک قلعہ تھا' یہ یہودیوں کے اھل شوط کا تھا' پھر اوس قبیلہ کے بنوجشم کا ہو گیا۔

شَرَف

بلند جگہ کو کہتے ہیں' یہ شرف الروحاء اور شرف السیالہّ تھا کیونکہ سیالہ کے آخر میں تھا اور وادیٔ روحاء کی ابتداء میں تھا۔ ربذہ میں ہے اور ضریہّ کی چراگاہ بھی یہیں ہے۔

شُرَیق

یہ شرق کا اسمِ تصغیر ہے۔ وادیٔ عقیق میں ایک جگہ تھی۔ اسے شُرَیف بھی کہا جاتا ہے۔

شُطَان

مدینہ کی ایک وادی تھی۔

شَطْمان

بنو قریظہ میں زمین تھی۔

شطون

مقامِ شعر کی طرف ایک کنواں تھا۔

شَطِیْبَہ

اعواف کی جانب ابنِ عتبہ کا مال تھا' شائد وہاں یہ عتبی کے نام سے مشہور ہے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ شطیبہ ہی کے مقام میں بنو قریظہ کے ایک شخص نے بلحارث بن خزرج کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ کیا اس کے پاس بئرِ مدری' ھامات' ذی وشیع یا شطیبہ پر زمین ہے یا بئرِ فجار پر؟ وہ اس وقت بئرِ اریس میں تھی۔

شَظَاۃ

وادیٔ قناۃ کا نام ہے۔ قاموس کی طرف سے اضم کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ یہ وادی کے بند کا نام تھا۔

شُعب

یہ اس وادی کا نام تھا جو صفراء میں گرتی تھی۔ لفظِ نخال میں آ رہا ہے کہ یہ اس کا نام تھا اور شِعب' زیر کے ساتھ شعاب کا واحد ہے' یہ اس راستے کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں کے درمیان ہوتا ہے اور شعب احد وہ گھاٹی تھی جس میں مسلمان رسول اللہ ﷺ کو لے گئے تھے اور انہیں سہارا دیا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے اگلے حصے پر پہنچے تو حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے' چمڑے کا تھیلا پتھروں سے بھرا ہوا پاس تھا۔

شعب العجوز' مدینہ کی کھلی جگہ میں تھی' اسی کے پاس حضرت کعب بن اشرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل ہوئے تھے' اسے شرج العجوز بھی کہتے ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب ابو نائلہ نے بنو نضیر کے قلعہ میں موجود حضرت کعب بن اشرف کو اس رات آواز دی جس میں وہ قتل ہوئے تھے' آپ ابو نائلہ اور اس کے ساتھیوں کے کہنے پر اتر آئے۔ انہوں نے کہا: اے کعب! کیا یہ ممکن ہے کہ تم شعب العجوز کی طرف ہمارے ساتھ چلو' ہم رات کے باقی حصے میں بات چیت کرتے رہیں گے۔ آپ نے کہا: جیسے چاہتے ہو' کر لیتا ہوں چنانچہ وہ تھوڑی دیر چلے اور جب انہیں موقع ملا تو آپ کو قتل کر دیا۔

شُعْبٰی

یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔

شعب المشاش

وادیٔ عقیق میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔ یہ جماء العاقل کی پچھلی طرف تھی۔

شعب شوکہ

لفظ شوکہ میں آ چکا ہے کہ یہی شعب کے نام سے مشہور تھی اور شرف کے قریب تھی۔

شُعْبَہ

شُعَب کا واحد ہے۔ کسی چیز کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور پہاڑ کے ساتھ بولا جائے تو اس کا سرا مراد ہوتا ہے اور درخت کے ساتھ بولا جائے تو مراد اس کی ٹہنیاں ہوتی ہیں اور شعبہ بلیل کے قریب ایک چشمے کا نام تھا۔

شُعُث

لفظ اَشْعَث کی جمع ہے۔ یہ سوارقیہ اور معدن بنوسلیم کے درمیان ایک جگہ تھی۔

شَعُر

سر کے بالوں کے معنی میں ہے' یہ ایک بلند پہاڑ تھا جو معدن ماوان کے اوپر تھا اور ربذہ سے کئی میل پہلے تھا۔ یہ مجد نے لکھا ہے مگر ھجری کہتے ہیں کہ یہ "وضح" کی جانب تھا۔ شاعروں نے اسے بہت استعمال کیا ہے چنانچہ حکیم خضری کہتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ شعر پہاڑ کو سر بلند رکھے اور اسے بھی جو ستاروں اور غدیر کے درمیان ہے۔"

شَعْبیٰ

سَکْریٰ کے وزن پر ہے' یہ مدینہ اور ایلہ کے درمیان ایک بستی تھی اور یونہی بدا ایک اور بستی تھی۔

شُفَر

یہ زُفَر کے وزن پر ہے اور شفیر کی جمع ہے' یہ امِ خالد کی چراگاہ میں ایک پہاڑ تھا جو عقیق میں گرتی تھی۔ اس میں مدینہ کے جانور چرتے تھے۔ عمرو بن فہری نے یہاں ڈاکہ ڈالا تو نبی کریم ﷺ اسے تلاش کرنے نکلے اور بدر میں پہنچ گئے۔

شُقَر

زُفَر کے وزن پر ہے' ربذہ میں ایک کنواں تھا جو پہاڑ کے کونے پر تھا اور معدنِ ماوان کے اوپر تھا۔

شُقُراء

لفظ اَشْقَر کی مؤنث ہے' حدیثِ پاک میں ہے کہ عمرو بن سلمہ کلابی وفد لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے انہیں چراگاہ دی جو شقراء اور سعدیہ کے درمیان تھی' یہ جنگل میں دو کنوئیں تھے۔

شقراۃ

چھوٹا پہاڑ جو نقیع کی مغربی جانب تھا۔

شُقُرَۃ

فید کے راستے میں ایک جگہ تھی جو سرخ پہاڑوں کے درمیان تھی جبکہ نخیل سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھی' بئر السائب سے ایک دن کے سفر پر اور مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھی' اُحد میں شکست کھانے والے چند لوگ اسی کی طرف گئے تھے۔ مسجد نبوی میں آتشزدگی کے بعد یہیں سے دوم درخت کی لکڑیاں کاٹ کر لے جائی گئی تھیں تا کہ اسے تعمیر کیا جا سکے۔

شَقّ

زمخشری نے یونہی بتایا ہے اور شِقّ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ خیبر کے قلعوں میں سے ایک تھا اور فدک کی بستیوں میں سے ایک بستی تھی جہاں لگامیں بنتی تھیں۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اھلِ نطاۃ سے فارغ ہو کر اھل ''شق'' کی طرف مڑے' دیکھا تو وہاں بہت سے قلعے تھے۔ واقدی نے ان میں سے پہلے قلعے کی فتح کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ اھلِ شق بھاگ کر بزاز کے قلعے کی طرف گئے' وہ بھی شق ہی میں تھا' اھل شق نے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی تھی' نبی کریم ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی پکڑی اور ان کے قلعے کی طرف پھینک دی جس سے وہ کانپ اُٹھے اور مسلمانوں نے انہیں پکڑ لیا تھا۔

شقۃ بنی عذرہ کا ذکر مساجدِ تبوک میں گذر چکا ہے۔

شقۃ بنی عذرہ

شَلُول

صبور کے وزن پر ہے' مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

شَمّاء

ضریّہ کی چراگاہ میں زمین پر پھیلا بلند پہاڑ تھا۔ علامہ ھجری نے اسے شیماء لکھا ہے اور کہا کہ ''شق'' پہاڑی کا

نچلا حصہ تھا جو عرفجا کی جانب تھا' نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ سرخ تھا اور اس کی ایک جانب سیاہ تھی۔

شَمَّاخ

بنو سالم کے گھروں کی طرف قبلہ میں ایک قلعہ تھا۔

شَمَنْصِير

جبلِ "سایہ" کی پچھلی طرف تھا۔

شناصير

یہ جگہ مدینہ کے قریب تھی۔

شَنُوكَه

یہ شرف الروحاء سے تھوڑی دور ایک پہاڑ ہے اور اس گھاٹی کے بالمقابل ہے جو شعبِ علی کہلاتی ہے' یہی شنوکہ کی گھاٹی ہے جو مسجدِ شرف الروحاء سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ اسدی نے بتایا ہے۔

علامہ ابن اسحاق بدر کے سفر میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ روحاء کے شگاف سے گذرے' پھر شنوکہ سے گذرے اور جب عرقِ الظبیہ پر پہنچے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ شنوکہ' سیالہ اور ملل کے درمیان تھا اور یہیں سے سہیل بن عمرو بھاگا تھا تو ابن الاخشم نے یومِ بدر پر اسے قید کیا تھا' اس نے پکڑے جانے کے وقت کہا تھا' راستہ دو کیونکہ میں نے قضاءِ حاجت کرنا ہے چنانچہ وہ بھاگا تو نبی کریم ﷺ نے اسے پکڑ لیا تھا۔

شُنَيف

زبیر کے وزن پر ہے' یہ احجار المراء کے قریب بنو ضبیعہ کا قلعہ تھا۔ اس کا وہاں ذکر آ چکا ہے جہاں حضور ﷺ کی قباء میں تشریف آوری کا ذکر ہے۔

شُوَاحِط

یہ سوارقیہ کے قریب ایک پہاڑ تھا جہاں چیتے اور پہاڑی بکریاں رہتی تھیں۔ یومِ شواحط' اہلِ عرب کا ایک خاص دن تھا۔

شُوْران

ایک پہاڑ تھا جس کی طرف وہ حرہ (پتھریلی) منسوب تھی جہاں سے وادی مہزور شروع ہوتی تھی' شائد آج کل

یہی شوطان کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ عرام کہتے ہیں، مدینہ کو جبلِ عیر گھیرے ہوئے ہے۔ پھر بتایا کہ عیر نامی دو پہاڑ ہیں جو سرخ ہیں مکہ کا ارادہ لے کر تم عقیق کو جاؤ تو تمہاری داہنی طرف آتے ہیں جبکہ تمہاری بائیں طرف شوراں آئے گا' یہ بہت بڑا اور بلند پہاڑ ہے۔ علامہ عُرام نے اس کے بعد ان چیزوں کا ذکر کیا جو مدینہ کے قبلہ میں تھیں اور پھر کہا کہ ان پہاڑوں پر نہ تو کوئی جڑی بوٹی ہوتی ہے اور نہ پانی' البتہ شوران پر بارش کا پانی مل جاتا ہے' جہاں جہاں پانی کھڑا ہوتا ہے انہیں بحیرات' کرم' عین اور امعاء کہا جاتا ہے۔ یہ وہ پانی ہے جو کئی سال تک رہتا ہے' ان سب مقامات پر سیاہ رنگ کی مچھلیاں ہوتی ہیں جو ہاتھ بھر لمبی ہوتی ہیں۔ یہ نہایت ستھری ہوتی ہیں۔

چنانچہ علامہ عرام کے قول ''من عن یمینک'' (کہ تم عقیق کی طرف جاؤ تو تمہاری داہنی طرف آتے ہیں) سے پتہ چلتا ہے کہ ''عیر'' کے نام کا مشہور پہاڑ شوران ہی ہے' وہی بند کے اوپر ہے جیسے بتایا جا چکا اور اس کی ایک جانب عقیق کے مقام ''کرم'' ہے جو ثرید کی گھاٹی ہے لیکن ابن زبالہ' زبیر اور ھجری سب نے اسے عیر کہا ہے اور اس پر پانی نہیں ہے۔ یوں علامہ عرام کی کلام اس بات کو شامل ہے کہ مدینہ کے قبلہ سے مکہ کی طرف جانے والا جب عقیق کی کسی وادی میں جاتا ہے جو وہاں اس میں گر جاتی ہے تو پھر اس کی داہنی طرف عیرِ آئے گا' مغرب میں عیرِ وارد اور بائیں جانب مشرق میں شوران ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے جو کچھ انہوں نے بعد میں ذکر کیا ہے کہ وہ سارے کا سارا قبلہ کی طرف سے مدینہ کے مشرق میں ہے اور پھر کہا: ''پھر مکہ کی طرف جائے'' اور پھر وہ کچھ بتایا جو اُبلی میں آ چکا اور اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ''میطان'' ''شُوران'' کے بالمقابل تھا اور قبلہ کی طرف میطان مشرق ہی میں تھا لہٰذا وہ بند جس پر شوران ہے' وہ نہیں جو عیر کے قریب تھا۔

علامہ نصر کہتے ہیں کہ ''شوران'' دارِ سلیم میں ایک وادی تھی جو ''غابہ'' میں گرتی تھی اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی' تو لگتا ہے کہ علامہ عرام نے وادئ شوران کا لفظ اس پر استعمال کیا ہے جو مدینہ تک زیریں حرہ تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بازار میں ایک اونٹ دیکھا' آپ اسے موٹا تازہ دیکھ کر خوش ہوئے چنانچہ پوچھا: یہ کہاں چرتا رہا ہے؟ راوی نے عرض کی کہ حرۂ شوران میں۔ اس پر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شوران میں برکت فرمائے۔

شَوْط

یہ اہلِ شوط کا ایک قلعہ تھا جسے شرعی کہا جاتا تھا اور یہ ذباب کے قریب تھا' پہلے گذر چکا ہے کہ کچھ بنو حارث شوط اور کرم انکومہ میں ٹھہرے تھے جسے کومۃ ابو الحمراء کہا جاتا تھا' یہ ذباب کی شامی جانب تھا' بنو ساعدہ کے گھروں اور کومہ کے قریب تھا۔

ابن اسحاق، حضور ﷺ کے احد کی طرف نکلنے کے بیان میں لکھتے ہیں: جب آپ شوط میں پہنچے جو مدینہ اور اُحد کے درمیان تھا تو عبداللہ بن ابی کھسک گیا اور مدینہ کو واپس آ گیا۔

امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے احد کی طرف نکلنے کے بارے میں لکھا: جب آپ جبانہ کے مقام شوط میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی کھسک گیا تھا اور ذباب کے لفظ میں گذرا کہ وہ جبانہ میں تھا۔ پھر صحیح بخاری میں حدیثِ عابدہ میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ایک باغ تک پہنچے جسے شوط کہتے تھے۔

ابن سعد کی روایت میں ابن اسید سے ہے، وہ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے بنو الجون میں سے ایک عورت سے شادی کی تو مجھے حکم فرمایا کہ انہیں لے کر آپ کے پاس پہنچوں چنانچہ میں انہیں لے آیا چنانچہ انہیں شوط کے مقام پر ذباب کی اوپر کی جانب ایک قلعے میں ٹھہرایا۔ انہی کی ایک اور روایت ہے کہ میں نے انہیں بنو ساعدہ میں ٹھہرایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ بنو ساعدہ میں ٹھہریں، رسول اللہ ﷺ چل کر ان کے پاس پہنچے۔

علامہ نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ: شوط زمین کی دو اُبھری جگہوں میں ایک مکان تھا، اس میں پانی تھا اور لوگ آتے تھے جیسے گویا راستہ تھا۔ وہاں نیچے جانے پر اونٹ اور اونٹ سوار چھپ جاتے تھے اور یہ بات نیچی زمین میں ممکن تھی اور مہزور کے سیلاب کے بیان میں گذر چکا ہے کہ اس کے آخر میں ابو الحمراء کا ٹیلا تھا اور پھر وہ قناۃ میں گر جاتا تھا۔

شُوطٰی

شُکرٰی کے وزن پر ہے۔ علامہ ہجری کہتے ہیں: عقیق کی حرہ سے نشیبی زمینیں تھیں جو مشہور تھیں، ان کا ذکر شاعر لوگ کرتے ہیں، ان میں سے شوطی اور روضۃ الجام تھیں۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ ''شوطی'' مدینہ میں عقیق کے اندر ایک جگہ تھی۔ اسی کے بارے میں شاعر مزنی مدینہ سے خریدے جانے والے اپنے غلام سے کہتا ہے:

> ''اے یسار! آرام حاصل کرو کیونکہ شوطی اور ترباتین کل کے بعد نہ رہیں گے، یہ ایسے شہر ہیں کہ جہاں موت محسوس نہیں ہوتی لیکن یہاں غذا قلیل ہوتی ہے۔''

اور یہ شوطی بھی بنو سلیم کی پتھریلی زمین تھا۔

شَیْخَان

یہ لفظ شَیْخ کا تثنیہ ہے، وانج کی طرف یہ دو قلعے تھے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ: ان دونوں کے سامنے وہ مسجد تھی جس میں احد کو جاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

علامہ مجد کہتے ہیں: یہ وہ جگہ تھی جسے تثنیہ بنا کر شیخان کہتے تھے، حضور ﷺ نے احد کو جاتے ہوئے یہاں رات

کو لشکر ٹھہرایا تھا' وہیں لوگ آپ کے سامنے لائے گئے تو جسے آپ نے چاہا جانے کی اجازت دی اور جسے چاہا واپس کر دیا چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہیں شیخین سے احد کے دن واپس بھیج دیا گیا تھا۔

کچھ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قلعے تھے' ان کا نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک بوڑھے اور بڑھیا نے وہاں گفتگو کی تھی۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ شیخان' مدینہ اور احد کے درمیان جبلِ احد کو جاتے ہوئے مشرقی راستے پر دو جگہیں تھیں۔ وہ بتاتے ہیں: نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ حرۂ واقم کی طرف نکلے اور شیخین میں رات گذاری اور ہفتے کے دن صبح کو احد کی طرف روانہ ہوئے۔

حَرْفُ الصَّاد

صَاحَه

دَامَہ کے وزن پر ہے۔ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کچھ بھی اُگتا نہ ہو۔ یہ باھلہ کے زمین پر پھیلے ہوئے پانچ پہاڑوں کا نام تھا جو عقیقِ مدینہ کے قریب تھے اور گویا ولید بن عقبہ نے انہیں اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

''اگر علی نہ ہوتے تو ان کی بڑی بات یوں ہوتی جیسے اصم کی بنجر زمین میں اونٹ کا گوز ہوتا ہے۔''

صَارة

یہ تیماء اور وادی القریٰ میں ایک پہاڑ تھا۔

صَارِیُ

مدینہ کے قبلہ میں ایک پہاڑ تھا۔

صایف

مدینہ کے نزدیک ایک جگہ تھی۔

صُبح

اس کا معنی دن کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے۔ علامہ یاقوت لکھتے ہیں کہ صبح اور صباحٔ بنو قریظہ کے حیالِ غلی میں دو کنوئیں تھے۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ حیاءِ نملی میں صباح اور صبح دو کنوئیں (یا چشمے) تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ صبح کے پہاڑ تھے جو بدر میں مکہ کی طرف جانے والے کی بائیں طرف تھے' اسی لئے علامہ مجد

نے کہا: میں جب مکہ سے مدینہ کو چلا تو یہاں سے گذرا تھا۔ کچھ عرب کہتے ہیں کہ ان صبح نامی پہاڑوں کے اوپر بہت سارے کھجور کے درخت اور زرعی جگہ تھی۔ انتہی۔

صُخُورَہ

لغت میں گڑھے کو کہتے ہیں جو پتھریلی جگہ میں کئی مقامات پر ہوتے ہیں۔ یہ اس جگہ کا نام تھا جو نقیع کو غربی جانب سے گھیرے ہوئے تھی' آج کل اس طرف کے عرب اسے سُخُورَہ کہتے ہیں۔

صِحُن

گھر کے صحن کا معنٰی ہے' یہ سوارقیہ کی اوپر والی جانب ایک پہاڑ تھا' اس کا پانی میٹھا تھا جو زراعت کے کام آتا تھا۔

صُخَیرَات الثّمام

اس کا بیان ثاء کے حروف میں گذر چکا ہے۔

صُدَار

غُراب کے وزن پر ہے۔ یہ بھی مدینہ کے گرد ایک جگہ تھی۔

میں کہتا ہوں کہ شاید یہ صدارہ کے نام سے وادئ روحاء میں مشہور جگہ ہے۔

صِرَار

اسے ضـرار بھی بولتے تھے لیکن یہ غلط ہے۔ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ یہ ایک قدیم کنواں تھا جو عراق کے راستے میں مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا تاہم ایک اور جگہ کا نام بتاتا ہے کہ یہ کنواں نہ تھا البتہ وہاں کافی کنوئیں موجود تھے چنانچہ شاعر کہتا ہے:

''شاید ''صرار'' کے کنوئیں جوش ماریں۔''

میں کہتا ہوں یہودیوں کے گھروں کے بیان میں پہلے آ چکا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ''جوانیہ'' میں تھے' ان کا وہاں ایک قلعہ تھا جسے صرار کہتے تھے' اسی کی وجہ سے اس جانب کا نام صرار پڑ گیا' وہیں بنو حارثہ کے دو چشمے بھی تھے۔ لہٰذا صرار' حرہ کی جانب مدینہ کے شامی علاقے میں قلعہ تھا اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ لوگ بنو عبدالاشہل کے ہمراہ ان کے گھروں میں رہتے تھے پھر ان کو خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا گیا اور پھر حضیر بن سماک اشہلی نے ان پر نرمی کر دی تھی کیونکہ اسے خفاف بن ندبہ نے کہا تھا۔ اس نے کہا تھا: اگر میں ہلاک ہو گیا تو بخدا بنو حارثہ ہلاک ہو جائیں گے اور اگر یہ ہلاک ہو گئے تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔

نیز اس بات سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں کہ عراق کے راستے میں بھی یہ کنواں ہو جسے صرار کہا جاتا ہو اور اس پر دلیل نصر کا قول ہے کہ: صرار، مدینہ کے قریب ایک کنواں تھا جو دور جاہلیت میں کھودا گیا' عراق کی جانب اس کا چرچا تھا۔علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ صرار، مدینہ کے قریب قبلہ کی طرف ایک پہاڑ ہے۔پھر وہ بتاتے ہیں کہ صرار، عراق کے راستے میں مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔

علامہ عزانی کہتے ہیں کہ یہ ایک پہاڑ کا نام تھا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قبلہ کی جانب میں موجود پہاڑوں میں سے ایک تھا۔وہ کہتے ہیں کہ صرار ایک قدیم کنواں بھی تھا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔یہ بھی کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک جگہ کا نام تھا پھر غزوۂ عرفدۃ الکدر کے بیان میں ہے کہ انہوں نے یہاں مالِ غنیمت تقسیم کیا تھا' یہ جگہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔

میں کہتا ہوں کہ جس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضورﷺ نے صرار میں پہنچ کر گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا' اس سے مراد وہ صرار تھا جو مدینے میں تھا' اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: صرار، مدینہ کے گرد ایک جگہ تھی' اسی پر آپ نے یہ باب باندھا ہے: باب اتخاذ الطعام عند القدوم۔ایک اور روایت اس کی وضاحت کرتی ہے کہ: نبی کریمﷺ جب مدینہ میں پہنچے تو یہاں ایک اونٹ ذبح فرمایا یا گائے۔

صُعْبِیَّہ

یہ میٹھے پانی کے کنوئیں تھے جن سے زراعت کی جاتی تھی' یہ بنو خفاف کے قبضے میں تھے جو اُبلی کے قریب بنو سلیم میں سے تھے۔

صُعَیب

لفظ صَعب کا اسمِ تصغیر ہے۔کچھ نے اسے صُعَیْن بھی پڑھا ہے جو صَعن کا اسمِ تصغیر ہے۔اس کا ذکر وہاں آیا ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ مدینہ کی مٹی سے شفاء ملتی ہے پھر بویرہ کے بیان میں بھی اس کا ذکر ہے۔

صِفَاح

روحاء کے مقام پر ایک جگہ تھی۔

صفاصف

یہ عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند اور صعبیہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

صفراء

لفظ اصفر کی تانیث ہے۔یہ وہ وادی تھی جہاں کھجور کے بہت سے درخت' چشمے اور زرعی زمین تھی' اس کا ذکر

مسجدوں کے بیان میں آ چکا ہے' نبی کریم ﷺ بدر کو جاتے ہوئے ذفران کی طرف مڑ گئے تھے اور جب واپس ہوئے تو اسی راستے سے گذرے تھے۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس میں سے کئی بار گذرے تھے۔

صَفَر

مہینے کا نام ہے جو محرم سے ملتا ہے۔یہ ملل کے میدان میں سرخ پہاڑ تھا جو عبودا کے بالمقابل تھا' دونوں کے درمیان راستہ تھا۔وہیں حسن بن زید کا ایک مکان تھا اور اس کی پچھلی طرف ایک گڑھا تھا جسے ردھۃ العجوزین کہا جاتا تھا اور العجوزین وہاں پر زمین پر پھیلی پہاڑیاں تھیں' جہاں ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب زمعی رہتے تھے جو ماں کی طرف سے عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد کے دادا تھے۔

صُفَّه

اس کا ذکر چوتھے باب کی آٹھویں فصل میں آ چکا ہے۔

صُفْنه

جَفْنَہ کے وزن پر ہے۔بنو عطیہ بن زید کی رہائشی جگہ تھی' وہیں مسجد قباء کے صحن میں ان کا شاس نامی قلعہ تھا۔

صُفِينه

سَفِيْنَہ کے وزن پر ہے' یہ بنو سالم اور قباء کے درمیان ایک جگہ تھی۔

ذُو صُلُب

مدینہ کی وادیوں میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

صُلُحَه

دار بنو سلمہ کا نام تھا۔یہ نام حضور ﷺ نے حربی کی بجائے رکھا تھا' ہاں ابن زبالہ کے نسخے اور مراغی کی تحریر میں یہ لفظ طُلُحَہ لکھا ہے۔

صُلْصُل

یہ مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی اور عقیق کی وادیوں میں آ چکا ہے کہ جو پانی صلصلین کے سامنے سے آتا تھا وہ بئر ابو عاصیہ میں گرتا تھا اور جو پچھلی طرف سے آتا تھا وہ بطحاء میں گرتا تھا اور یہ بطحاء دونوں پہاڑوں کے کنوئیں سے عقیق میں گرتی تھی۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوہ فتح کے موقع پر رمضان کی دس تاریخ بروز بدھ عصر کے بعد نکلے اور

جب صلصل پہنچے تو سامنے سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو سو مسلمان لے کر ملے' اسی دوران آواز آئی کہ جسے روزہ چھوڑنا منظور ہو' چھوڑ دے اور جو رکھنا چاہے' رکھ لے۔

آج کل یہ ایک مشہور پہاڑ ہے جو بیداء کے درمیان ہے اور مکہ کو جانے والے کی دائیں طرف آتا ہے۔

صَلاصِل

وادیٔ بطحان کی پتھریلی جگہ میں ایک زمین تھی۔اس کا بیان عقیق میں موجود عاصم کے محل کے بیان میں گذر چکا ہے۔

صَمُد

مدینہ کے قریب کنواں (یا چشمہ) تھا اور اس کا ایک دن مشہور تھا۔یہ علامہ مجد نے کہا ہے اور یہی صمد قباء میں ایک جگہ تھی' کعب بن مالک نے اپنے شعر میں اسی کی جمع لکھی ہے:

"سن لو! قریش کو یہ بات بتا دو کہ سلع پہاڑ اور عریض سے صماد تک ہم شیروں کی بات کرتے جاتے ہیں اور ہمارا یہ طریقہ عاد علیہ السلام سے جاری ہے۔"

صَمُغَه

وادیٔ قناۃ کے قریب ایک جگہ کا نام تھا چنانچہ ابن ہشام نے عینین کے مقام پر قریش کے اُترنے کا ذکر کیا ہے جو وادیٔ قناۃ کے کنارے پر تھی۔ پھر وہاں ان کے صمغہ میں جانور چرانے کا ذکر کیا ہے۔

صَمَّان

یہ سرخ رنگ کا پہاڑ تھا' کچھ زیادہ بلند نہ تھا اور دھناء کے پڑوس میں تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اہلِ عاج کے قریب تھا۔

میں کہتا ہوں کہ دھناء سے مراد ریت کے سات ٹیلے تھے جو دیار بنو تمیم میں تھے اور ظاہر ہے کہ یہ مقام اہلِ عاج تھا تو ان دونوں سے مراد ایک ہی ہے چنانچہ اسی لئے قاموس میں کہا ہے کہ: صمّان ہر وہ زمین ہوتی ہے جو سخت ہو' پتھروں والی ہو۔یہ عالج میں ایک جگہ تھی۔

صُوَار

یہ مدینہ میں ایک جگہ تھی۔

صَوَرٰی

جَمَزٰی کے وزن پر ہے' ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے قریب بلادِ مزینہ میں ایک وادی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نقیع کی جانب تھی، آج کل اسے صُوَیِبہ کہا جاتا ہے۔

صَوْرَان

صَــوْرٌ کا تثنیہ ہے، کھجور کے گھنے چھوٹے درختوں کی جگہ۔ یہ بقیع سے دور ایک جگہ تھی جو بنو قریظہ کے راستے پر تھی۔

مالک کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غلام نافع کے پاس آیا کرتا، دوپہر کا وقت ہوتا اور دھوپ سے بچنے کے لئے سر پر کچھ نہ ہوتا، وہ بقیع میں صورین کے مقام پر رہتے تھے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اپنے اصحاب کے ساتھ صورین سے گذرے پھر پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ صافیہ اور اس کے قریب رفاہی زمینیں صورین کی بالائی جانب مروان کے محل کے ساتھ ملتی تھیں، وادیٔ مہزور کا پانی انہیں سیراب کرتا تھا پھر مروان کے محل کے قریب صورین تک پہنچتا تھا اور پھر وادی کے اندر بنو یوسف کے محل تک پہنچتا اور پھر نقیع میں جا گرتا تھا۔ یہ صوران بھی غابہ کے نزدیک تھا۔

ذُو صُوَیْر

زبیر کے وزن پر ہے۔ یہ عقیق کی وادیوں میں سے صوری کے قریب تھی۔

صُهّی

صَهْوَہ کی جمع ہے۔ یہ پہاڑ میں کچھ گھر تھے۔ روضۃ الصّهی کے لفظ میں آ چکا۔

صهباء

شراب کا ایک نام ہے۔ خیبر کے نزدیک ایک جگہ تھی جہاں مسجد بھی تھی، یہیں سورج لوٹایا گیا تھا، یہ خیبر سے بارہ میل کے فاصلے پر تھی۔

صَهْوَہ

عقیق کی ایک وادی تھی۔ ابن شبہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صهوہ میں اپنی زمین صدقہ کر دی تھی۔ یہ یبین اور حــوره کے درمیان ایک جگہ تھی اور مدینہ سے ایک رات کے سفر پر تھی۔ یہ زمین خلیفہ کے قبضہ میں رہی۔

صَیاصِی

یہ قباء میں چودہ قلعے تھے۔

صَیْصَه

قباء میں ایک قلعہ تھا۔

حَرْفُ الضّاد

ضَاحِك

لفظِ ضَـــحِكَ سے اسم فاعل کے وزن پر ہے۔ملل کے سامنے ایک پہاڑ تھا' اس کے اور ضویحک کے درمیان ایک وادی تھی جسے یَین کہتے تھے۔

ضُاس

فُأس کے وزن پر ہے۔یہ مدینہ اور ینبع کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

ضاف

یہ نقیع کی وادیوں میں سے اس کی غربی جانب ایک وادی تھی جسے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا اور ''قدس'' اس کی غربی جانب تھا۔اس کی زمین ہموار تھی جس میں سرخی تھی۔

ضُبْع

عقیق کی ایک وادی تھی اور پھر حرۂ بنوسلیم میں ایک جگہ تھی۔

ضَبُوْعَه

حَـلُوبَہ کے وزن پر ہے۔یہ بلیل کے پاس ایک منزل تھی جو مشیرب اور حلائق کے درمیان تھی اور مشیرب' ذات الجیش کے شامی جانب تھی۔خلائق کے بیان میں آ چکا ہے کہ حضورﷺ بـلیل اور ضبـوعه کے اس مقام پر اُترے تھے جہاں پانی جمع ہوتا تھا' بئرِ ضبوعہ سے آپ کے لئے پانی لایا گیا تھا۔کچھ نسخوں میں یہ لفظ ضَبُوعه ہے۔

ضَجْنَان

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ حرمین کے درمیان ایک جگہ یا ایک پہاڑ تھا۔علامہ بکری کہتے ہیں کہ قدید اور ضجنان کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی اور قاموس میں ہے کہ یہ مکہ سے پچیس میل کے فاصلے پر تھی۔

ضَحْیان

عصبہ کے مقام پر احیحہ بن جلاح کا قلعہ تھا۔

ضرعاء

شمنصیر پہاڑ کے قریب ایک بستی تھی۔

ضَریّہ

ضریہ کی چراگاہ کے بیان میں اس کا ذکر آ چکا۔

ضری

سمی کے وزن پر ہے' ضریہ میں ایک کنواں تھا۔

ضبع ذرع

قلعے کی طرح کا ایک ٹیلہ تھا جو بنوحطمہ کے کنوئیں کے قریب تھا جسے ذرع کہتے تھے۔

ضَغَاضِغ

شمنصیر کے قریب ایک پہاڑ تھا۔اس کے قریب بنوسعد بن بکر کی بستیاں تھیں جو حضور ﷺ کے رشتہ دار تھے۔

ضِغْن

خیبر اور فید کے درمیان بنوفزارہ کا ایک کنواں تھا۔

ضَفِیْرة

ریت کا ایک تودہ تھا اور زمین میں کوہان کی طرح مستطیل شکل کا تھا جو سیلاب کے پانی کے لئے رکاوٹ تھا۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مغیرہ بن اخنس کی زمین کا نام تھا جو عقیق میں تھی۔زبیر کہتے ہیں کہ مروان نے عبد اللہ عامری کو مدینہ سے چوتھے میل سے لے کر عقیق میں حضرت مغیرہ بن اخنس کی زمین کے ٹیلے تک کا حصہ دے دیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ان کی زمین کا نام تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی زمین کی طرف منسوب تھا گویا یہ بنیاد تھی جو اسے دوسروں سے الگ کرتی تھی اور پانی کو روکتی تھی۔عقیق میں بتایا جا چکا ہے کہ ضفیرہ کی بنیاد وہاں اور جگہ تھی اور یہ بھی آ چکا کہ اروی نے خیال کیا تھا کہ سعید بن زید نے ان کے اس ٹیلے کو اپنی زمین میں شامل کر لیا تھا پھر سیلاب نے اُن کے اس ٹیلے کو ظاہر کر دیا اور بتا دیا کہ یہ ان کی زمین سے باہر ہے۔

علامہ ھجری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عنبسہ نے ضریہ کے چشمے پر جنگل میں ٹیلہ بنایا تھا تا کہ پانی رُک سکے۔

ضلع

ضلع بنوشیصبان اور ضلع بنو مالک' ضریہ کی چراگاہ میں دو پہاڑ تھے جن کے درمیان ایک دن کی مسافت پر وادیٔ تسرید تھی۔

بنو مالک مسلمان جنوں کی ایک شاخ تھی جبکہ بنوشیصبان کافر جنوں کی شاخ تھی' لوگ ان کے کفر و اسلام کی باتیں کرتے رہتے تھے' ان میں جنگ رہتی تھی۔ علامہ مجد نے اس بارے میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ بنو مالک کی شاخ میں لوگ داخل ہوتے اور شکار کرتے تھے جبکہ بنوشیصبان میں ایسا نہ تھا' بسا اوقات ان کے پاس کوئی ایسا شخص آتا جس کی پہچان نہ ہوسکتی' وہ گھاس کھا جاتا اور شرارتیں کرتا۔

ضُوَیحِک

یہ وہ پہاڑ تھا جو ہنسنے والے کو رلا دیتا تھا۔ ضلع اور ضویحک کے درمیان وادیٔ بین تھی۔

ضُیقَه

یہ ذات خماط کے قریب تھی' وہاں ایک مسجد تھی جس کا ذکر چھٹے باب کی چوتھی فصل میں گزرا۔ آج کل وادیٔ اضم کے بالائی حصے کو بھی ضیقہ کہتے ہیں۔

حَرفُ الطّاء

طاشا

وادیٔ اشعر غوریہ کی ایک وادی تھی جو وادیٔ صفراء میں جا گرتی تھی۔

طِخفَه

سرخ رنگ کا ایک لمبا پہاڑ تھا جو گھاٹ اور کنوؤں کے بالمقابل تھا۔ ضریہ کی چراگاہ میں اس کا ذکر ہو چکا۔

طَرَف

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مقام مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر تھا۔ علامہ واقدی کہتے ہیں کہ یہ نخیل کے قریب ایک کنواں تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ عراق کی جانب تھا۔ علامہ اسدی نے عراق کا راستہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ طرف' مدینہ سے پچیس میل کے فاصلے پر جبکہ نخیل سے بیس میل کے فاصلے پر تھا۔ پھر وہاں کے کنوؤں وغیرہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ بالائی جانب کے آخر میں ابو رکانہ کا کنواں تھا جو مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔

ذو الطُّفَيتَين

عقیق کے مقام پر سیلاب کے راستے میں ایک کنواں تھا' آج کل اسے **ابو الطفا** کہتے ہیں۔علامہ مجری کہتے ہیں کہ یہ گھنی کنکریوں میں میٹھا پانی تھا' جو اس سے پانی پی لیتا' خونی پیشاب کرتا۔

طفیل

علامہ عرام کہتے ہیں کہ یہ چھوٹی پہاڑی تھی اور جبت کے درمیان تھی' یہ جبت مغرب میں ھرشٰی کی دائیں طرف تھی اور جو شعر بلال میں مذکور ہے' وہ یہ نہیں تھی۔

طُوَیلع

لفظِ طالع کی تصغیر ہے۔عام لوگوں کی زبان پر یہ مدینہ میں ایک جگہ تھی حالانکہ یوں نہیں ہے بلکہ یہ نجد میں تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ بنو تمیم کی تھی۔

طُیَخه

کچھ لوگ اسے طیحه بولتے ہیں' اسے طیخ بھی پڑھتے ہیں۔ذی المروہ کی نچلی جانب ایک جگہ تھی۔

حرف الظّاء

ظاہرہ

حرۂ غربیہ سے نقا اور مدرج کی جانب ایک جگہ تھی۔تیسرے باب کی گیارہویں فصل کے آخر میں انصار کے دو گروہوں کا ایک قول گذر چکا ہے کہ: ''تم سے ظاہرہ کا وعدہ رہا۔'' یہ پتھریلی زمین تھی چنانچہ وہ اس طرف گئے' حضورﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ مہاجرین کو لے کر ان کی طرف چل دئے۔

ظُبیَۃ

یہ ظِبَـــاء کا واحد ہے' جہینہ کے گھروں میں ایک جگہ تھی۔حضرت عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھا تھا: یہ وہ حصہ ہے جو محمد نبی اللہﷺ نے عوسجہ بن حرملہ جہنی کو دیا ہے' یہ ذی المروہ سے ظبیہ تک ہے' وہاں سے جعلات تک اور وہاں سے جبل قبلیہ تک۔پھر ظبیہ نامی ایک جگہ بھی تھی جو ینبع اور عیقہ کے درمیان تھی اور ساحلِ سمندر پر تھی نیز نجد میں یہ ایک کنواں بھی تھا۔

ظُبیَہ

یہ عَلَم (نام) ہے' اس کی طرف عرق مضاف ہے جس کا ذکر ان مساجد میں آچکا ہے جو مکہ کے راستے میں وادیٔ روحاء کے مقام پر تھیں۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ ظبیہ ایک درخت ہے جو قتاد درخت سے ملتا جلتا ہے اور سایہ دار ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عقبہ بن ابی معیط بدر سے واپسی پر بھوک کے پیاسے قتل کئے گئے تھے چنانچہ حدیث صحیح میں آپ کا قول ہے کہ میں نے انہیں بدر میں گرا پڑا دیکھا یعنی ان میں سے اکثر کو۔

ظَلِم

کَتِف کے وزن پر ہے' قبیلہ کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی' علامہ ھجری نے اسے اشعر کی وادیوں سے شمار کیا ہے۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ ظلم ایک پہاڑ ہے جو اضم اور جبلِ جہینہ کے درمیان ہے اور اصمعی کے مطابق یہ عمرو بن کلاب کا سیاہ پہاڑ تھا اور عرّام کے مطابق یہ تین پہاڑوں میں سے ایک تھا جو راستوں کے درمیان تھے۔

ظِهَار

کِتاب کے وزن پر ہے۔ خیبر میں ایک قلعہ تھا۔

حرف العین

عَابد

عابد' عَبُّود اور عُبَیْد یہ تین پہاڑ تھے' علامہ ھجری نے ان کا ذکر فرش ملل کا تعارف کراتے ہوئے کیا ہے' عبو درمیان میں تھا اور سب سے بڑا تھا۔ اس کی ایک جانب حسن بن زید کا کنواں تھا۔

عَارمہ

فاطمہ کے وزن پر ہے' چھلیے پہاڑوں کے درمیان ایک گڑھا تھا جنہیں عوارم کہتے تھے' ضریہ کی چراگاہ کے درمیان تھا۔

عاص' عویص

مکہ اور مدینہ کے درمیان دو عظیم وادیاں تھیں۔

عَاصِم

صاحب کے وزن پر ہے۔ یہ بنوعبد الاشہل کا قلعہ تھا۔ یہ بنو نجار کے گھروں کے قریب تھا' اسی نام کا ایک اور

قلعہ تھا جو قباء میں کسی یہودی کا تھا' اسی میں وہ کنواں تھا جسے قباء کہا جاتا تھا۔ذو عاصم عقیق کی وادیوں میں سے تھی' نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہودیوں کو جب مدینہ سے نکال دیا گیا اور وہ نقیع میں اُترے تو مزینہ کے حلیف بن گئے' عاصم بن عدی بن عجلان نے انہیں حلیف بنایا چنانچہ زمین کا وہ حصہ جہاں انہیں حلیف بنایا گیا اسے شعبۂ عاصم کا نام دیا گیا۔

عاقِل

یہ ایک پہاڑ تھا۔اس میں حارث بن آکل المرار رہتا تھا جو امرئ القیس کا دادا تھا۔

عَالیہ

یہ لفظ عالی کی مؤنث ہے۔علامہ عیاض کہتے ہیں کہ عالیہ اور عوالیٔ مدینہ' مدینہ سے تہامہ تک کی بستیاں اور عمارتیں عالیہ اور عوالی کہلاتی تھیں اور تہامہ سے جو نچلی طرف کا علاقہ تھا اسے سافلہ کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اسے عالیہ ذاتی طور پر کہتے ہیں نہ کہ عالیۃ المدینہ کے لحاظ سے کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ مدینہ اور اس کا اردگرد عالی تھا اور اگر ہم علامہ عرام کی رائے کے مطابق کہیں کہ مدینہ کا نصف حصہ حجازی ہے اور نصف تہامی تو ان میں سے کسی کو بھی عالیہ نہیں کہہ سکیں گے' نہ ہی اس نصف کو مدینہ کے صرف مشرق میں ہے جبکہ احادیث وغیرہ میں عالیۃ المدینہ کا لفظ لانا اس کے مخالف ہے کیونکہ احادیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ قباء عالیہ میں شمار ہوتا ہے اور جب ابن زبالہ نے عالیہ کی وادیوں کا ذکر کیا تو وادیٔ قناۃ کو شمار نہیں کیا حالانکہ وہ مدینہ کے مشرق میں ہے' البتہ رانونا کو شمار کیا حالانکہ وہ اس کے مغرب میں ہے اور مشہور یہ ہے کہ جو حصہ مدینہ کے قبلہ کی جانب مسجد نبوی سے ایک یا دو میل یا اس سے زیادہ دوری پر ہے' وہ عالیۃ المدینہ کہلاتا ہے جیسے ہم اس کی آئندہ وضاحت کریں گے۔

علامہ مجدؒ عیاض کی روایت کے بعد لکھتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عالیہ وہ حصہ ہے جو رمّہ سے آگے مکہ تک جاتا ہے۔ابو منصور لکھتے ہیں کہ حجاز کا عالی حصہ شہر کے لحاظ سے اعلیٰ اور جگہ کے لحاظ سے باعزت حصہ ہے اور یہ وسیع شہر ہیں۔انتہی۔اس سے پتہ چلتا ہے یہ سب صرف عالیہ کے متعلق ہے نہ عالیۂ مدینہ۔

علامہ عیاض کہتے ہیں کہ مدینہ کا عالی حصہ چار میل پر پھیلا ہوا ہے' کچھ تین میل کہتے ہیں اور یہ کم سے کم مسافت ہے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ میل ہے انتہی اور اس کا ردّ وہ ہے جو انہوں نے سخ میں کہا ہے کہ یہ بنو حارث بن خزرج کے گھر تھے جو عوالیٔ مدینہ میں تھے' اس کے اور حضور ﷺ کے گھر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔

عتبیہ میں مالک سے ہے کہ عالیہ کا دور تک علاقہ تین میل کے فاصلے تک ہے یعنی مسجد نبوی سے' اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو زھری کے ذریعے حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تو سورج اونچا ہوتا اور جانے والا عوالی تک پہنچ جاتا' وہ وہاں پہنچتا تو سورج ابھی اونچا ہوتا اور مدینہ سے کچھ عوالی کا حصہ تقریباً چار میل تھا۔بیہقی کے مطابق عوالی کی دوری چار یا تین میل تھی۔ابو داؤد کے مطابق تین میل تک تھی' دار قطنی چھ میل گنتے ہیں اور

عبد الرزاق دو یا تین میل گنتے ہیں۔

ان سب روایتوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ عوالی کا کم از کم فاصلہ مدینہ سے ایک یا دو میل تھا' عمارتوں کے لحاظ سے دوری تین یا چار میل تھی اور اس کے علاوہ دوری آٹھ میل تھی۔

عَائِد

سقیا کی جانب ایک وادی تھی جو فُرع میں داخل تھی۔ اسے عـابِد بھی پڑھا گیا ہے' اسے مجد نے روایت کیا ہے اور اسدی کہتے ہیں کہ وادیٔ عائد سقیا سے ایک میل پہلے آتی ہے' اسے وادیٔ قاحہ کہتے ہیں۔

عائد

ربذہ کے قریب ہے۔

عائر

اس کی طرف نسبت کرکے ثـنیّۃ الـعایر کہتے ہیں جو رکوبہ کی دائیں طرف ہے' اسے غـایر بھی پڑھتے ہیں لیکن پہلا لفظ زیادہ مشہور ہے۔

عبابید

تـعهن کے قریب ایک جگہ تھی' یہ لفظ عـبابیب بھی آتا ہے پھر عثیـانیـہ بھی آتا ہے' سفرِ ہجرت میں یہ لفظ آیا ہے۔

عباثر

عَبیثـران کی جمع ہے۔ یہ مشہور بُوٹی ہے پھر اشعر کی ایک وادی ہے جو نخل اور ہـواط کے درمیان تھی' اس میں سے ایک نالہ ینبع کی طرف جاتا تھا' یہ جہینہ کی ایک شاخ کے پاس تھی' ان سے نچلا حصہ موسیٰ بن عبد اللہ حسینی نے خریدا اور وہاں کنواں بنایا تھا۔

عَبْلاء

مدینہ کے ماتحت ایک جگہ کا نام تھا' اسے عبلاء المرودہ بھی کہا جاتا تھا۔ رنگ کرنے کے لئے ایک بوٹی تھی۔ عبلاء البیاض ایک اور جگہ تھی۔

عَبُّود

لفظ عابد میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

عِتْر

مدینہ کے قبلہ کی طرف ایک پہاڑ تھا' اسے مستند راقصیٰ کہتے تھے۔ زبیر نے کہا تھا:
''یہ عِتر کی طرح کھڑا ہے کیونکہ اس کی چوٹی پر عبادت ہوتی ہے۔''
کہتے ہیں کہ شاعر نے منصب عِتر سے مراد بت لیا ہے کیونکہ عتر اس کے قریب تھا۔ عَتْــــر ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔

عشاعث

سیاہ رنگ کی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جو ضریہ کی چراگاہ میں تھیں اور وادیٔ مہزور کے اوپر جھکی ہوئی تھیں۔

عَشْعَث

دُبُرَب کے وزن پر ہے۔ یہ وہ پہاڑ تھا جسے مدینہ میں سُلَیع کہتے تھے' اس پر بنو اسلم کے گھر تھے۔

عُجْمَتان

عُجْمَہ کا تثنیہ ہے۔ عقیق میں بطحاء کی طرف ایک جگہ۔

عَدَنَہ

شربہ کی ایک جگہ تھی۔ یہاں داؤد بن عبداللہ بن ابی الکرام اور بنو جعفر بن ابراہیم کے گھر تھے۔

عُدَیْنَہ

عصبہ کے مقام پر صفاصف اور وادی کے درمیان ایک قلعہ تھا۔ ایک عورت کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا' وہ اس میں رہا کرتی تھی۔

عَذْق

بنو امیہ بن زید کا قلعہ تھا اور بئرِ عذق کا ذکر کنوؤں میں آچکا ہے۔

عُذَیْبَہ

عَذْبَہ کا اسمِ تصغیر ہے' ینبع اور جار کے درمیان کنواں تھا' اسے عذیب بھی بولا گیا ہے۔

عَرَاقیب

بڑی بستی تھی اور ضریہ میں ایک کان تھی۔

عُزّٰی

عُزّٰی کے وزن پر ہے' وادی تھی کا نام ہے جیسے نون کے حروف میں آ رہا ہے۔

عَوِبْ

کتِف کے وزن پر ہے' مدینہ کے نزدیک ایک جہت کو کہتے تھے' عبدالملک نے حصہ کثیر شاعر کو دیا تھا۔ لفظ عَوِم بھی اسی وزن پر ہے البتہ اس کے آخر میں میم ہے' یہ بھی ایک وادی تھی جو ینبع سے سمندر تک چلی جاتی تھی۔

عَرْج

یہ بڑی بستی تھی' مکہ کے راستے میں مسجدوں کے ذکر میں اس کا ذکر آیا ہے۔

علامہ مجد کہتے ہیں' یہ مدینہ سے بیاسی میل دور تھی۔ کہتے ہیں کہ تبع جب مدینہ سے واپس لوٹا تو دیکھا کہ یہاں چوپائے لنگڑے ہو گئے چنانچہ اس نے اس کا نام "عرج" رکھ دیا۔

علامہ کثیر سے پوچھا گیا کہ اسے "عــــرج" کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہاں سے راستہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

ابن الفقیہ کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ یہاں کا پہاڑ شام تک پھیلا ہوا ہے اور لبنان سے مل جاتا ہے اور پھر وہاں سے انطاکیہ اور شمساط تک چلا جاتا ہے' وہاں اسے "لکام" کہا جاتا ہے' پھر ملطیہ اور پھر قالی قلا اور پھر بحر الخزر تک جاتا ہے' اس میں باب ہے اور بلادِ دان میں ملتا ہے' اس کی لمبائی پانچ سو فرسخ ہے۔

عَرْصَہ

ہر وسیع میدان جس میں عمارت نہ ہو کیونکہ وہ بچوں کے کھیلنے کے لئے ہوتا ہے۔ عقیق کے کھلے میدان "عرصۃ العقیق" کا ذکر تیسری فصل میں آ چکا ہے' یہ بڑا اور چھوٹا کہلاتا ہے۔

عِرْض

"جرف" ہی کا دوسرا نام ہے جیسے جرف کے بیان میں گذرا۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ مسجد ذو قبلتین کے اردگرد کنوئیں اور زرعی زمینیں تھیں جنہیں "عرض" کہتے تھے' یہ جرف کی کھیتیوں کے قبلہ میں تھیں۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ مدینے کی اعراض اس کی وادیوں میں موجود بستیاں تھیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر وہ وادی جس میں درخت ہوں' عرض کہلاتی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر وادی عرض کہلاتی ہے پھر سرزمین حجاز میں دیہات کو اعراض کہا جاتا ہے۔

عرفات

میــدانِ عَرَفَات والا لفظ ہے۔ یہ مسجد قباء کی طرف ایک اونچا ٹیلہ تھا' نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یومِ عرفہ پر نبی

کریم ﷺ یہاں ٹھہرے تھے اور یہیں سے عرفات کو دیکھا تھا۔

عرفجاء

اشق میں ایک کنواں تھا۔

عُرْفَه

لغت میں اس کا معنیٰ مضبوط اور بلند زمین ہوتا ہے' یہ درخت پیدا کرتی ہے۔ یہ لفظ کئی مقامات پر بولا جاتا ہے۔ عرفة الاجبال' دیار فزارہ میں پہاڑ' عرفة الحملی' ضریہ کی چراگاہ اور عرفة منعج۔

عرق الظبية

اس کا ذکر ''ظاء'' کے حروف میں آ چکا ہے۔

عُرْيان

لباس والا ہونا کے خلاف ہے۔ آل نضیر کا قلعہ تھا' یہ بنونجار میں سے حضرت انس بن مالک کا قبیلہ تھا۔ جیسے صقع القبلہ میں گذرا۔

عُرَيْض

یہ لفظ عرض کی تصغیر ہے' مدینہ میں ایک وادی تھی' یہ مدینہ کی شامی جانب وادیٔ قناۃ کے قریب تھی۔ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے: ''مدینہ کی سب سے صحیح چراگاہ جو حرۂ بنو قریظہ سے عریض تک ہے۔'' سیرت میں بیان ہے کہ ابوسفیان نے نخل عریض کے گلوں میں سے ایک گلّہ جلایا اور بھاگ گیا۔

عُرَيْفَطان

عرفطان کی تصغیر ہے' اس کا واحد عرفطه ہے' یہ اُبلیٰ میں ایک وادی تھی۔

عُرَيْنه

جھینہ کے وزن پر ہے' مدینہ کے گرد شام کے راستے میں ایک بستی تھی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عرینہ بستی کی طرف بھیجا اور حکم فرمایا کہ میں زمین کے نشان لگادوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیۂ مبارکہ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ کے متعلق فرمایا کہ یہ خاص طور پر وہ زمینیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی تھیں' عرینہ کی بستی' فدک اور فلاں فلاں۔

نیز یہی وہ جگہ ہے جہاں چراگاہ میں ایک پتھر ملا تھا جس پر لکھا تھا: میں عبد اللہ اسود ہوں اور حضرت عیسےٰ بن

مریم علیہ السلام کی طرف سے اصلِ عرینہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔

عَزَّاف

دھناء کے مقام میں ایک پہاڑ تھا۔مُـحَیـصـر کے لفظ میں اس کا ذکر آ رہا ہے' وہاں علامہ مجد نے لکھا ہے کہ عزاف سے مدینہ تک بارہ میل کا سفر ہے۔

قاموس میں ہے کہ یہ لفظ شــدّاد کے وزن پر ہے' اس بادل کو کہتے ہیں جس میں گرج چمک ہو نیز بنوسعد کا ریتلا ٹیلہ تھا یا دھناء کے مقام پر مدینہ سے بارہ میل دور ایک پہاڑ تھا' نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں جنات کے بولنے کی گرج سنائی دیتی تھی۔پھر ابـرق الـعزاف بنی اسد کا کنواں (یا چشمہ) تھا اس کا پانی حومانۃ الدراج سے یہاں لایا جاتا تھا اور یہاں سے بطن نخل میں' پھر طرف میں اور پھر مدینہ میں' انتہٰی۔

صحاح میں ہے کہ العزاف بنوسعد کا ٹیلا تھا' اسے ابرق العزاف کہتے تھے جو زرود کے قریب تھا۔نہایہ میں ہے کہ عـزیف الـجن' جنات کی آواز کو کہتے ہیں' یہ بھی کہتے ہیں کہ رات کے وقت طبل کی طرح سنی جانے والی آواز کو کہتے ہیں۔یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ان ہواؤں کی آواز ہوتی ہے جو فضاء میں سنائی دیتی ہے چنانچہ جنگل والے لوگ اسے جنات کی آواز سمجھتے ہیں۔

عزوزی

حرمین کے درمیان ایک جگہ تھی۔سنن ابوداؤد میں ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کا ارادہ لے کر نکلے اور جب ''عزوزی'' کے قریب پہنچے تو آپ اُتر پڑے' پھر ہاتھ اُٹھا کر کچھ دیر تک بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے رہے اور سجدے میں گر گئے۔

عسعس

فَرْقَد کی طرح ہے۔یہ ضریہ کی چراگاہ میں ایک پہاڑ تھا'' دارۃ عسعس'' اسی کی وجہ سے کہتے ہیں۔

عُسفان

یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کافی آبادی والی بستی تھی اور مکہ سے دو دن کی دوری پر تھی' نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سے سیلاب مڑ جاتا تھا۔علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ یہاں کنوئیں تھے' اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اور چشمہ تھا' اسے عولاء کہتے تھے۔

عَسِیب

دامــا کے بالمقابل ایک پہاڑ تھا جو نقیع کی شرقی جانب تھا' اوپر کی طرف سے یہ اس کی پہلی علامت تھی۔علامہ

ھجری نے کسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس پر نبی کریم ﷺ کی جائے سجدہ تھی۔

عَسِیّہ

معدن قبلیہ کی جانب ایک جگہ تھی۔ اسے غشیہ بھی لکھا گیا ہے۔

عُشّ

کوے وغیرہ کے گھونسلے کو کہتے ہیں۔ یہ عقیق کی ایک وادی تھی۔

عُشَیرہ

گنتی کے لئے لفظ عشرہ کی تصغیر ہے۔ ذوالعشیرہ عقیق کی ایک وادی تھی۔ ذوالعشیرہ کا لفظ حدودِ حرم میں بھی آیا ہے جو حفیاء کی شرقی جانب تھی۔ ذوالعشیرہ صمان میں ایک جگہ بھی تھی جس میں دس بوٹیاں اُگتی تھیں۔

ازھری کہتے ہیں کہ ذوالعشیرہ ینبع اور ذی المروہ کے درمیان ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جس میں پیدا ہونے والی کھجوریں سارے حجاز میں بہتر مانی جاتی تھیں ہاں خیبر کی صیحانی اور مدینہ کی برنی و عجوہ اس سے بہتر شمار ہوتی تھیں۔ پھر مسجدوں کے ذکر میں ذوالعشیرہ کا ذکر آیا ہے کہ یہ ینبع میں ایک جگہ تھی۔ اس نام کے غزوہ کا ذکر بھی آچکا ہے۔ مغازی (جنگوں کے ذکر) میں اس کا باب ہے۔ ''باب غزوۃ العشیرہ او العسیرہ'' حضرت ابوذر نے اسے ذوالعشیرہ کہا ہے۔ اسے عُشَیرۃ اور عُشَیر بھی پڑھا گیا ہے پھر اس کی طرف ''ذات'' کا لفظ مضاف کیا جاتا ہے۔

عُصبہ

پہلے حرف پر زبر یا پیش پڑھی گئی ہے کچھ نے اسے عَصَبہ پڑھا ہے اس کی جگہ معصّب کا لفظ بھی آیا ہے مُحَمَّد کے وزن پر یہ بنوجحجبی کا گھر تھا جو مسجد قباء کے غرب میں تھا۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ: جب پہلے مہاجرین حضور ﷺ کی یہاں آمد سے پہلے عصبہ پہنچے (یہ قباء میں ایک جگہ تھی) تو ان کی امامت حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم کیا کرتے تھے کیونکہ یہ تلاوت خوب کرتے تھے۔

عِصر

عَصَر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ ایک پہاڑ تھا جب حضور ﷺ خیبر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو یہاں سے گذرے تھے۔

ابن الاشرف حدیثِ خیبر میں کہتے ہیں: حضور ﷺ خیبر کو چلے تو عَصَر پہنچے۔ یہ لفظ عَصَر ہے اور یہ مدینہ اور وادیٔ فُرع میں ایک پہاڑ تھا اس کے قریب مسجد تھی جس میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

عَظم

اَعْظَم کے لفظ میں اس کا ذکر آ چکا ہے' رہالفظِ ذُوْ عُظُم تو یہ خیبر کی بستی تھی جس میں چشمے اور کھجور کے درخت تھے۔اسے عَظم بھی پڑھا گیا ہے۔

عَقُرب

بچھو کے معنٰی میں ہے' یہ روحاء کی شامی جانب ایک قلعہ تھا' بنو بیاضہ وہیں رہتے تھے۔

عِقُبَان

بنو بیاضہ میں ایک قلعہ تھا' فارس کی سرزمین کی شامی جانب سبخہ سے ملتا تھا۔

عُقَیرِبا

خالد بن عقبہ کی زمین تھی جو بنو حارثہ کی شامی جانب تھی۔

عَقِیق

اس باب کی ابتداء میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

عَلَاء

بلندی کے معنٰی میں ہے۔یہ مدینہ میں قلعہ یا جگہ تھی جبکہ عُلَا وادیٔ قرٰی کی طرف ایک جگہ تھی۔ مساجدِ تبوک میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

عَلَم

''حاجز'' کی شرقی جانب تنہا پہاڑ ہے' اسے اَبان کہتے تھے' اس میں کھجور کے درخت تھے اور ایک وادی بھی تھی۔

عُمق

یہ ایک وادی تھی جو فُرع میں گرتی تھی' اسے عمقین کہتے تھے' یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی لڑکے کی تھی۔کچھ کہتے ہیں کہ وادیٔ فُرع میں یہ ایک چشمہ تھا اور وادیٔ عقیق میں آ چکا ہے کہ ثنیہ عُمق کی پچھلی طرف والی وادی فُرع میں گرتی تھی نیز عمق حاجیوں کی ایک منزل تھی جو سلیلہ اور معدن بنی ثرید کے درمیان تھی۔

قاموس میں ہے کہ یہ لفظ صُرُد کی طرح ہے۔یہ ذاتِ عذق اور معدنِ بنو سلیم کے درمیان ایک منزل تھی۔

عَمِیْس

یہ فرش اور ملل کے درمیان ایک وادی تھی۔

ابن اسحاق بدر کے سفر میں لکھتے ہیں: پھر آپ تربان سے گذرے پھر ملل سے' پھر عمیس سے اور پھر صُخَیرات الثمام پر گذرے۔ کچھ اسے غمیس بھی پڑھتے ہیں۔

عُتَاب

مدینہ اور فید کے درمیان ایک راستہ تھا' کچھ اسے پہاڑ کہتے ہیں۔

عَنَابِس

مسجد قبلتین کے قبلہ کی جانب کھیتیاں تھیں۔

عُنَابہ

سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا پہاڑ جو رویثہ سے نچلی جانب مدینہ تک جاتا تھا' پھر دیار بنو کلاب میں ایک کنواں تھا جو اس راستے پر تھا جو مدینہ کو جاتا تھا' اس میں حضرت زین العابدینؓ بن سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہتے تھے۔ محدثین اسے عُنَّابہ پڑھتے ہیں نیز سمیرا کے نزدیک اسی نام کا ایک مکان تھا۔

عَنَاقہ

سحابہ کے وزن پر ہے' ضریہ کے قریب بنوغنی کی جگہ تھی۔ قاموس میں ہے کہ یہ اُن کا کنواں تھا۔

عواقر

''فرش'' کے مقام پر زمین پر پھیلی پہاڑی تھی۔

عُوَال

ان تین پہاڑوں میں سے ایک تھا جو راستے میں مدینہ سے ایک دن رات کی مسافت پر تھا' دوسرے پہاڑ ظلم اور لعباء تھے۔ عرام کہتے ہیں کہ ''طرف'' کو تین پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں ظلم اور حزم بنی عوال (یہ غطفان کے تھے) اور عوال میں کنوئیں تھے جن میں سے بئر لیہ تھا۔

علامہ یاقوت' عرام سے نقل کرتے ہیں کہ حزم بنی عوال غطفان کا پہاڑ تھا جو مدینہ کو جانے والے کی دائیں طرف تھا' وہاں کئی کنوئیں تھے۔

عوالی

عالیہ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

عوسا

وادیٔ رانوناء میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

عُوَیقِل

لفظِ عاقل کی تصغیر ہے' حرزہ میں ایک گڑھا تھا۔

عُیَر

گدھے کو کہتے ہیں' اس پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ کے قبلہ کی جانب عقیق کی شرقی جانب ہے۔ حدودِ حرم میں اس کا ذکر آ چکا ہے' اسی نام کا ایک اور پہاڑ اس کے اوپر موجود ہے' اسے عیر الصادر کہتے ہیں جبکہ پہلے کو عیر الوارد کہتے ہیں' اسی لئے زبیر نے عقیق کی وادیوں میں لکھا ہے: پھر شعار الحمراء ہے پھر فراۃ اور عِیَیْرَین ہیں۔

علامہ ہجری کہتے ہیں کہ: عقیق کا سیلاب ثنیۃ الشرید میں گرتا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ: ثنیہ کو شرقی جانب سے عیر الوارد گھیرے ہوئے ہے اور اس کی غربی جانب ایک پہاڑ ہے جسے فراۃ کہتے ہیں۔ پھر شوران کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ عرار اور عیر دو سرخ پہاڑ ہیں۔

یہ بیان حدودِ حرم کے بیان میں عیاض کے اس قول کے خلاف جاتا ہے جس میں معصب زبیری کا یہ قول ملتا ہے کہ:

> ''مدینہ میں ایسا کوئی پہاڑ نہیں جسے عیر یا ثور کہتے ہوں حالانکہ احد کی فضیلت میں یہ حدیث گذر چکی ہے:
>
> ''احد پہاڑ جنت کے ایک کنارے پر ہے اور عیر دوزخ کے کنارے پر۔'' پھر ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے:
>
> ''احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے' ہم اس سے محبت رکھتے ہیں' یہ جنت کے دروازے پر ہے اور عیر دوزخ کے دروازے پر ہے۔''

عِیص

یہ ان وادیوں میں سے جو اضم سے مل جاتی ہیں۔ غزوۂ وِدّان میں آتا ہے: نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیف البحر کی طرف عیص کی جانب سے بھیجا۔

حدیث ابونصیر میں ہے: آپ نکلے اور ذی المروہ کی جانب سے عیص پہنچے جو ساحل سمندر پر واقع تھا' اس راستے پر چلے تھے جہاں سے قریش شام کو جاتے تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ کا چھوٹا لشکر عیص کی طرف گیا۔ یہ مدینہ سے چار رات کی مسافت پر تھا اور ذی المروہ سے ایک رات کی مسافت پر۔

عَیْنَان

لفظ عین کا تثنیہ ہے۔ علامہ مطری نے اسے عینین لکھا ہے اور لفظ عینین کے ذکر میں اس کا حوالہ آ رہا ہے۔ یہ وہ پہاڑ تھا جس پر احد کے دن تیر انداز بیٹھے تھے۔ اسی کے شرقی کنارے پر حضور ﷺ کی مسجد تھی جس کا ذکر مساجد مدینہ میں آ چکا ہے اور یہیں وہاں کے چشمے کی منڈیر تھی اور شاید یہیں شہداء کا ایک چشمہ بھی تھا لہٰذا انہیں عینان کہا گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ احد کے دن شیطان یہیں کھڑا تھا' اس نے آواز دی تھی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مشرکین آگے بڑھے اور عینین میں اترے' یہ ایک پہاڑ تھا جو وادیٔ قناۃ سے سبخہ میں تھا' یہ وادی کے کنارے اور مدینہ کے بالمقابل تھا۔

عین ابراھیم

ابراہیم ابن ہشام کا کنواں تھا جو ملل میں تھا۔

عین ابی زیاد

غابہ کے نزدیک تھا۔

عین ابی نَیْزَر

یہ چشمہ (یا کنواں) ینبع میں تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عام لوگوں کے لئے وقف تھا۔

ابن شبہ حضرت علی کے صدقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آپ کے اموال ینبع میں کئی تھے' ان میں سے ایک کنواں (یا چشمہ) عین البحیر تھا' ایک کو عین ابی نیزر کہتے تھے' ایک کو نولا کہتے تھے اور یہ وہی تھا جس کے بارے میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اس میں کام کیا تھا' اسی میں نبی کریم ﷺ کی مسجد تھی' آپ اس وقت ذو العشیرہ کی طرف جا رہے تھے۔ پھر حضرت علی نے ینبع میں بغیبغات کنواں بنایا اور ان کی صدقات والی کتاب میں لکھا ہے کہ ینبع میں میرے کنوئیں وغیرہ صدقہ ہیں جنہیں میں نے وقف کر دیا ہے البتہ رباح' ابونیزر اور جبیر کو ہم نے آزاد کر دیا ہے وہ اس زمین میں کام کریں گے اور یہیں سے کھائیں پئیں گے' انتہیٰ۔

ابونیزر' حضرت علی کے غلام تھے جن کی طرف کنوئیں کی نسبت تھی' یہ اس نجاشی کے لڑکے تھے جس کی طرف

مسلمان ہجرت کر گئے تھے' حضرت علی نے انہیں خریدا اس کے والد کی نیکی کے بدلے میں آزاد کر دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ نجاشی کے بعد اھلِ حبشہ نے بادشاہ بنانے کے لئے ابو نیزر کو پیغام بھیجا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اللہ نے دولتِ اسلام دے دی ہے لہٰذا مجھے حکومت کی ضرورت نہیں۔ اس کا قد کافی لمبا تھا اور یہ بہت خوبصورت تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں: مجھے یہ بات صحیح طور پر یاد ہے کہ ابو نیزر' نجاشی کی اولاد سے تھا' اسے چھوٹی عمر ہی میں اسلام کا شوق تھا چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سیّدہ فاطمہ اور ان کے بچوں کے ساتھ رہنے لگا تھا۔

ابو نیزر کہتے ہیں: میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد عین ابو نیزر اور بغیبغہ پر تھا کہ آپ میرے پاس آئے' پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ اور پھر کھانے پینے کا واقعہ سنایا۔ پھر کہا کہ آپ نے کدال پکڑا اور نیچے جا کر ایک ضرب لگائی لیکن کنوئیں سے پانی نہ نکلا' دیر ہوگئی' آپ باہر نکلے تو پیشانی سے پسینہ بہہ رہا تھا' آپ نے پسینہ پونچھا اور دوبارہ کدال پکڑ کر کنوئیں پر آئے' کھودنا شروع کیا چنانچہ پانی پھوٹ نکلا۔ آپ جلدی سے باہر نکلے اور کہا' میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ کنواں صدقہ ہے (عام لوگوں کے لئے ہے) پھر کہا کہ دوات اور کاغذ لاؤ۔ ابو نیزر کہتے ہیں کہ میں لے آیا تو آپ نے اس کا وقف نامہ لکھ دیا۔ آپ نے لکھا کہ یہ فقراء اھلِ مدینہ اور مسافروں کے لئے ہے' یہ دونوں کنوئیں نہ تو بیچے جا سکیں گے اور نہ ہی کسی کو بطور عطیہ دیئے جا سکیں گے' ہاں اگر حضرت حسن یا حسین کو ان کی ضرورت پڑے تو وہ ان پر قبضہ کر سکیں گے' کسی اور کا حق نہیں ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس کے بعد امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرض کا بوجھ پڑا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو نیزر کے کنوئیں کے دو لاکھ دینار دینے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے بیچنے سے انکار کر دیا۔

عین الاَزْرق

عام لوگ اسے عین الزرقاء کا نام دیتے ہیں۔ اس کا ذکر چھٹے باب کی پہلی فصل کے آخر میں آ چکا ہے۔

عین تُحَنِّس

یہ مدینہ میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبضے میں تھا۔ اسے آپ کے غلام تُحَنِّس نامی نے کھودا تھا پھر اسے حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ولید بن عقبہ بن ابوسفیان کے ہاتھوں ستر ہزار دینار کے عوض بیچ دیا تھا جس سے انہوں نے اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرض اتارا تھا' کیونکہ جب قتل ہوئے تو اتنا قرض ذمے تھا۔

عین الحدید

یہ اضم کے مقام پر تھا۔

عیون الحسنین

یہ کنوئیں حسین بن زید بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تھے۔ یہ مدینہ کے ماتحت تین کنوئیں تھے' ایک تو مضیق میں تھا' دوسرا ذی المروہ اور تیسرا سقیا میں تھا۔

ابو الفرح نہروانی حضرت حسین بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگرانی میں رہے' جب جوان ہو گئے تو انہوں نے کہا: اپنی قوم میں سے تمہیں کسی لڑکی سے نکاح کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ لیکن میں نے اعراض کیا' انہوں نے پھر یونہی کہا تو میں نے کہا: آپ جس سے چاہیں' میرا نکاح کر دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کلثوم بنت محمد بن عبد اللہ الارقط سے کر لو کیونکہ وہ خوبصورت اور مالدار ہے' چنانچہ میں نے کلثوم کو پیغام بھیج دیا۔ وہ میرے قاصد سے سن کر ہنس پڑیں اور میری اس جرأت پر تعجب کرنے لگیں' میں نے یہ بات حضرت ابو عبد اللہ کو بتائی تو انہوں نے مجھے دو یمنی دھاری دار سوٹ دیئے اور کہا کہ اس کے گھر جاؤ اور اسے اپنی حیثیت بتاؤ۔

میں کلثوم کے دروازے پر پہنچا اور جھانکا تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا: تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ میں نے یہ بات حضرت ابو عبد اللہ کو بتائی تو انہوں نے کہا: کچھ دن کے لئے مدینے سے غائب ہو جاؤ چنانچہ میں شکار کے بہانے غائب ہو گیا پھر واپس مدینہ آیا تو کلثوم کی لونڈی میرے پاس آئی اور کہنے لگی: ہم تو تمہاری شادی کی فکر میں ہیں لیکن تم شکار کرتے پھرتے ہو؟ میں اپنی مالکہ کی طرف سے کئی بار تمہیں تلاش کرنے آئی ہوں' اس نے میرے ہاتھ دس ہزار دینار بھیجے ہیں اور دس ہی لباس بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ جب چاہو آ جاؤ اور یہ مہر ادا کر دینا۔

صبح ہوئی تو میں اس کا مالک بن چکا تھا' میں نے اسے تیار رہنے کو کہا اور پھر حضرت ابو عبد اللہ کو اطلاع دی' انہوں نے کہا کہ سفر کی تیاری کرو اور جمعرات کی رات مسجد میں جا کر اپنے نانا کی خدمت میں سلام عرض کرو' ہم زیاد بن عبید اللہ کے کنوئیں پر تمہاری انتظار میں ہونگے۔ میں نے یونہی کیا اور ان کے پاس پہنچا۔ انہوں نے میرے لئے سفر کے کپڑوں کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور ہر کوتاہی پر توبہ کرنا نہ بھولنا' اب جاؤ اور میں معن بن زائدہ کی طرف تمہیں خط لکھ کر دے رہا ہوں اور انشاء اللہ تین ماہ تک تم سے غائب رہوں گا اور جب تم کام کر لو تو ہمارے پاس آنا چنانچہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور معن کے پاس گیا' میں نے دیکھا تو وہ بیٹھے اور لوگ ان کے پاس کھڑے تھے۔ میں نے سلام کہا تو انہوں نے جواب میں سلام کہا اور پوچھا کون ہو؟ میں نے بتایا تو وہ چلائے اور کہا: میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس آؤ۔ میں نے کہا' میں تمہارے بارے میں اچھا گمان رکھنے پر اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اور پھر واپس ہوا۔ مجھے ایک آدمی ملا اور اس نے کہا: جو کچھ تم نے کھویا ہے اللہ اس کے بدلے تمہیں بہتر دے گا' پھر مجھے تین ہزار دینار دیئے اور پوچھا: کپڑوں کی ضرورت ہو تو بتاؤ چنانچہ یہ سب کچھ میں نے کلثوم کو لکھ دیا۔

جب عشاء کا وقت ہوا تو معن بن زائدہ میرے پاس آئے اور میرے سامنے جھک کر ہاتھ چومے اور کہا: اے

میرے آقا کے بیٹے! میرا عذر قبول کیجئے کیونکہ غلطی کر چکا ہوں۔ میں نے انہیں حضرت ابو عبد اللہ کا خط دیا' انہوں نے چوم کر اسے پڑھا اور پھر مجھے دس ہزار دینار پیش کیئے اور تین سواریاں دیں پھر تیس سوٹ دیئے اور مجھے الوداع کہا چنانچہ میں نے اپنی ضرورتیں پوری کیں اور عمرہ کرنے کے لئے مکہ آیا' مجھے پتہ چلا کہ حضرت ابو عبد اللہ مکہ آئے ہوئے ہیں' میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ انہوں نے کہا: تم نے معن سے بیس ہزار دینار لے لئے ہیں؟ میں نے کہا' ہاں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو اللہ سے تمہارے لئے دعائیں کرتے رہے ہیں' انہیں بھی کچھ دے دو۔ میں نے کہا' آپ جو چاہیں' دے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا کچھ دو گے؟ میں نے کہا ایک ہزار دینار دیتا ہوں' انہوں نے کہا پانچ پانچ سو دینار دے دو۔ میں نے یونہی کیا اور مدینہ واپس آ گیا پھر انہوں نے ایک کنواں مروہ میں' ایک مضیق میں اور ایک سقیا میں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر میں نے بقیع میں کئی گھر بنائے' تو دیکھو میں ابو عبد اللہ اور ان کی اولاد کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں؟

عین الخیف

یہ کنواں عوالیٔ مدینہ کی طرف آتا ہے اور مساجد فتح کے اردگرد کو سیراب کرتا ہے' یہ مسجدیں الگ الگ جگہوں پر ہیں' آج کل انہیں شبشب کہا جاتا ہے۔

عین رسول اللہ ﷺ

اس کا ذکر چھٹے باب کی پہلی فصل کے آخر میں کیا جا چکا ہے۔

عین الشہداء

اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے جاری کیا تھا' اسے کاظمہ کہتے تھے۔ یہ نام معروف نہ تھا۔ عینین کے قریب ایک کنواں تھا جو عالیہ کی طرف تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عین الشہداء کے علاوہ ہے۔

عین الغوار

یہ اضم میں تھا۔

عین فاطمہ

اس کا ذکر یہودیوں کے گھروں کے بیان میں آ چکا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں مسجد نبوی کے لئے اینٹیں پکائی جاتی تھیں۔ حرۂ غربیہ میں بطحان کے قریب آثار ملتے ہیں جہاں قدیم دور میں اینٹیں پکائی جاتی تھیں' دیکھنے پر پتہ چلتا ہے۔

عین القشیری

یہ کنواں مکہ کے راستے میں سقیا اور ابواء کے درمیان تھا۔اس میں بہت پانی تھا۔اس کے کئی گھاٹ تھے جہاں سے حاجی لوگ پانی پیتے تھے' یہاں بہت سے کھجور کے درخت تھے جو عبداللہ بن حسن علوی کے قبضے میں تھے۔

عین مروان

یہ وادیٔ اضم میں تھا۔

عُیَیْنَین

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ لفظ عین کا تثنیہ ہے' ابھی عینان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے لیکن کچھ لوگ اسے ہر حال میں عینین ہی بولتے ہیں' کیونکہ علامہ ازہری اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عُیَیْنَیْن احد کے قریب ایک پہاڑی ہے۔انتہٰی۔

علامہ مطری اسے عَیْنِیْن پڑھتے ہیں تو شاید کلام ازھری میں بھی یہ لفظ یونہی ہے لہٰذا یہ عَین کا تثنیہ نہیں ہو گا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ کچھ نے اسے عِیْنَیْن لکھا ہے لیکن یہ بات پکی نہیں ہے۔

حَرْفُ الغَیْن

غَابہ

المشارق میں اسے باء کے ساتھ ہی لکھا ہے' عوالیٔ مدینہ میں اموال سے ایک مال تھا۔اسے غایة بھی پڑھا گیا ہے لیکن مالک نے اس بات کا رڈ کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر نے بھی مالک کی پیروی میں لکھا ہے کہ: غابہ' عوالیٔ مدینہ میں سے ہے اور پھر مزید لکھا کہ یہ شام کی طرف تھا۔انتہٰی۔حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ مدینہ کی سافلہ (نچلی) جانب ہے' اسی لئے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ شام کی جہت میں ہے۔اور یہ عوالیٔ مدینہ میں ہو بھی کیسے سکتا ہے' یہ تو مدینہ کی وادیوں کے پانی جمع ہونے کی جگہ تھی؟ جیسے پانچویں فصل کے آخر میں بتایا جا چکا ہے چنانچہ علامہ ھجری لکھتے ہیں: پھر مدینہ کا سیلابی پانی سافلۂ مدینہ (نچلی طرف) میں جا گرتا تھا اور صورین کا کنواں غابہ میں تھا اور پھر آج کل یہ مدینہ کی نچلی طرف مشہور ہے' وہاں اہل مدینہ کی جائیدادیں تھیں جو خراب ہو چکی تھیں۔حضرت زبیر بن عوام نے اسے ایک لاکھ ستر ہزار دینار میں خریدا تھا اور ان کے ترکہ میں سولہ لاکھ کی بیچی گئی۔

زبیر ابن بکار' عبید اللہ بن حسن علوی سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں آپ کی جائیداد کے وکیل عبد الرحمٰن بن ابو احمد بن جحش سے کہا کہ کوئی وادی خریدو' وہ کچھ دیر بعد

آئے اور کہا' میں نے کچھ وادیاں دیکھی ہیں' انہوں نے کہا بتاؤ! عبدالرحمٰن نے کہا کہ وادیٔ بسلدہ ہے' حضرت معاویہ نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا: السنحیل' حضرت معاویہ نے کہا' اس کی ضرورت نہیں' عبدالرحمٰن نے کہا کہ پھر رعان ہے' انہوں نے کہا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں پھر انہوں نے "غابہ" کا نام لیا تو حضرت معاویہ نے کہا کہ یہ خرید لو۔

اس پر ابن ابی احمد نے کہا کہ میں نے آپ سے کئی وادیوں کا ذکر کیا جنہیں آپ جانتے نہ تھے تو آپ نے انہیں پسند نہیں کیا پھر ایک اور وادی کا ذکر کیا ہے تو آپ نے کہا کہ اسے خرید لو۔ انہوں نے کہا کہ جب تم نے غابہ کا نام لیا ہے تو اسی میں مجھے بہت سے پانی کا پتہ چلا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ نے غابہ کے لفظ سے پانی کی کثرت کا پتہ لگایا تھا کیونکہ لغت میں غابہ درختوں والی جگہ کو کہتے ہیں۔

حضرت محمد بن ضحاک کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلع پہاڑ پر کھڑے ہوتے تو اپنے غلاموں کو آواز دیتے' وہ غابہ میں ہوتے تو انہیں آواز سنائی دیتی۔ یہ رات کا آخری وقت ہوتا تھا اور فاصلہ آٹھ میل کا ہوتا تھا۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ غابہ بارہ میل کے فاصلے پر تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ درندے نبی کریم ﷺ کے پاس غابہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کے کھانے کو حصہ مقرر فرما دیں۔ پھر ابن زبالہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ذی قرد کے موقع پر غابہ میں نمازِ قصر پڑھی تھی۔

ذات الغار

یہ میٹھے پانی کا کنواں تھا جو سوارقیہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔

غُبَیب

یہ لفظ غبّ کی تصغیر ہے۔ مسجد جمعہ کی جگہ کا نام تھا۔

ذو غُشَث

صُرَد کے وزن پر ہے۔ ضریہ کی چراگاہ میں ایک پہاڑ تھا۔

غدیر الاُشطاط

یہ عسفان سے مکہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر تھا۔

غدیر خم

خاء کے حروف میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

غُرَاب

کوّے کے معنیٰ میں ہے۔ یہ مدینہ کی شامی (شمالی) جانب ایک پہاڑ ہے' جو مدینہ اور مخیض کے درمیان ہے۔
ابن زبالہ المنازل میں لکھتے ہیں کہ ایک قوم مخیض سے غراب الضائلہ پھر قصاصین اور پھر احد کی طرف رہا کرتی تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ مدینہ سے چلے اور غراب کے راستے پر تشریف لے گئے' یہ ایک پہاڑ ہے جو مدینہ سے شام کے راستے میں آتا ہے پھر مخیض کی طرف گئے۔ اس کی جگہ غرابات جمع کا لفظ بھی بولا جاتا ہے چنانچہ حدیثِ پاک میں آتا ہے: اور جب ہم غرابات میں پہنچے تو آپ نے اُحد کی طرف دیکھا۔ آج کل اسے غُرَیْبَات کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت زبیر' عقیق کی وادیوں کے بیان میں لکھتے ہیں: پھر رایۃ الغراب آتا ہے۔ اور غراب ایک کنوئیں کا نام بھی ہے جو رحضیّہ کے راستے میں آتا ہے جو مدینہ سے ایک دن کے سفر پر ہے۔

غُرَان

وادیٔ ازرق کا نام ہے جو امج کی پچھلی طرف ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ وادیٔ ضخم کا نام ہے جو وادی سایہ کی پچھلی طرف ہے' اسے رہاط بھی کہتے ہیں۔
ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غران ایک وادی ہے جو نخل اور عسفان کے درمیان ایک شہر "سایہ" تک چلی جاتی ہے۔

ذو الغَرَاء

عقیقِ مدینہ میں ایک وادی ہے۔

غُرّۃ

گھوڑے کے ماتھے کی سفیدی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قلعے کا نام تھا جو مسجد قباء کے منارہ کے پاس تھا۔ اسے عُـرَّہ بھی لکھا گیا ہے۔

غَزال

ہرن کے معنے میں ہے۔ یہ ایک وادی ہے جو شمصیر کی طرف سے آتی ہے' وہاں بنوخزاعہ رہتے تھے۔

غَشِيَّہ

معدن القبلیہ کی جانب ایک جگہ تھی۔ یہ لفظ عَسِيَّہ بھی لکھا ملتا ہے۔

ذو الغُصُن

غصن بمعنیٰ ٹہنی ہے۔ عقیق کی وادیوں میں سے ایک ہے۔

غَضُوَرُ

جَعْفَو کے وزن پر ہے' یہ جگہ مدینہ اور خزاعہ و کنانہ کے علاقہ کے درمیان تھی۔ علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان وہ جگہ تھی جہاں خزاعہ رہتے تھے۔

ذو الغضوین

لفظ غـضـی کا تثنیہ ہے' سفرِ ہجرت میں لفظ کا ذکر یوں ہے: پھر راہ دکھانے والا دونوں حضرات کو ذوالغضوین سے موڑتے ہوئے وادی میں لے گیا۔ اسے ذوالعصوین بھی کہتے ہیں۔

غَمُرہ

جو چیز کسی کو ڈھانپ لے' نجد کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے' حضور ﷺ نے یہاں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہاد کرنے بھیجا تھا۔ ابن سعد نے اسے غمر مرزوق کہا ہے اور یہ بنوسعد کا کنواں تھا۔

غُمُوُض

یہ خیبر میں بنوحقیق کا قلعہ تھا۔ کچھ اسے قموص بولتے ہیں اور زیادہ صحیح یہی ہے۔

غَمِیس

امیر کے وزن پر ہے۔

غَمِیم

رابغ اور جحفہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔ غمیم نامی آدمی کے نام پر اس کا نام رکھا گیا' حضور ﷺ نے یہ جگہ حضرت اوفی بن موالیہ کو دے دی تھی اور شرط لگا دی تھی کہ مسافروں وغیرہ کو کھانا کھلایا کریں اور اس سلسلے میں انہیں تحریر کر دی تھی۔

علامہ عیاض کہتے ہیں کہ غـمـیـم ایک وادی تھی جو عسفان سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی اور "کراع" حرہ کی طرف ایک سیاہ پہاڑ تھا جو اس وادی تک پھیلا ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید ابن ہشام کے اس قول سے ہوتی ہے کہ: غمیم' عسفان اور ضجنان کے درمیان تھا۔

غَوُر

وہ جگہ جو تہامہ اور ذاتِ عرق سے سمندر تک نچلی جانب ہے' اسے غور کہتے ہیں' اسے غور اعظم بھی کہا جاتا ہے' بنو سلیم کے علاقے میں ایک جگہ کا نام تھا اور جو قبلیہ سے ینبع تک چلی جاتی تھی۔

غَوُل

جَول کے وزن پر ہے' حلّیت کی غربی جانب ایک پہاڑ ہے جہاں کھجور کے کافی درخت موجود تھے۔

غُیُقَه

''جار'' کے قریب ساحلِ سمندر پر ایک جگہ تھی جس میں وادیٔ ینبع اور رضویٰ گر جاتی تھیں۔ علامہ سکونی کہتے ہیں کہ یہ بنو غفار کا کنواں تھا۔

حَرُفُ الُفَاء

فَارِع

صاحب کے وزن پر ہے' باب الرحمہ کے قریب' دار جعفر بن یحییٰ کے گھروں کی جگہ میں ایک قلعہ تھا' حضور ﷺ اس کے سائے میں بیٹھے تھے۔ یہ ایک بستی بھی تھی جو سایہ کی بالائی جانب تھی' جہاں باغ اور چشمے (کنوئیں) تھے۔

فَاضِجَه

عالیہ میں جائیداد تھی جو آج کل ناحیة جفاف کے نام سے مشہور ہے' وہاں بنونضیر کا قلعہ تھا اور شعبی سے ضریہ تک ایک وادی بھی تھی۔ فاضجہ دو یا زیادہ پہاڑوں کے درمیان زمین کا خلاء ہوتا ہے۔

فَاضِح

ریم کے نزدیک ایک پہاڑ ہے اور پھر ایک وادی بھی تھی جو بنو عیر کے علاقے شریف میں تھی۔

فجّ الرَّوُحَاء

سیالہ کے بعد آتی ہے' یہاں سے حضور ﷺ کئی بار گذرے تھے۔

فُحُلان

لفظ فحل (سانڈہ) کی جمع ہے' احد پہاڑ کے قریب ایک جگہ تھی۔ قاموس میں ہے کہ فِحُلَان' احد میں ایک جگہ

تھی۔

فَحْلَتَان

یہ دو بلند پہاڑیاں تھیں جو مدینہ سے ایک دن کے سفر پر واقع تھیں جو مدینہ اور صحراء کے نزدیک ذی المروہ کے درمیان تھیں' انہیں فیفاء الفَحْلین کہتے تھے' مساجدِ تبوک میں اس کا ذکر آتا ہے۔

فَدَك

اس کا ذکر صدقات (رفاہی مال) میں آ چکا ہے۔علامہ عیاض کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے دو یا تین دن کے سفر پر تھا' علامہ مجد نے صرف پہلے قول کو لیا ہے اور انہوں نے اس بات کو عجیب وغریب جانا ہے کہ آج کل اھلِ مدینہ اس سے واقف نہیں' میرا بھی یہی حال تھا' پھر میں نے ابن سعد کا کلام دیکھا جس میں بتایا گیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو سعد بن بکر کی طرف فدک میں چھوٹا سا لشکر لے کر گئے۔رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تھا کہ ان کے پاس کافی جنگجو ہیں' وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے سو آدمی دے کر حضرت علی کو بھیجا' آپ رات کو چلتے اور دن چھپ جاتے' یوں ہمجی علاقے میں خیبر اور فدک کے درمیان پہنچے' مدینہ اور فدک کے درمیان چھ راتوں کا سفر تھا۔

وہاں ایک آدمی سے ملے اور ان لوگوں کے بارے میں پوچھا۔اس نے کہا: میں اس صورت میں بتاؤں گا اگر مجھے آپ جان کی امان دیں۔انہوں نے یہ بات مان لی چنانچہ اس نے ان کا پتہ بتا دیا چنانچہ لشکر نے ان پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں پکڑ لیں جبکہ بنو سعد ظعن کو بھاگ گئے۔

یہ اھلِ فدک یہودی تھے اور جب خیبر فتح ہو چکا تو انہوں نے حضور ﷺ سے اس بات مطالبہ کیا کہ ان کا شہر انہی کے قبضے میں رہنے دیں۔ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اس کے نصف پر آپ سے صلح کی اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جلا وطن فرمایا تو ان کی طرف وہ شخص بھیجا تھا جس نے ان کے لئے آدھے حصے کی قیمت لگائی تھی۔

دونوں باتوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ صلح تو اس سارے پر ہوئی تھی اور حضور ﷺ نے خیبر کی طرح یہاں کے نصف پھل پر ان سے معاملہ فرمایا تھا تو جس نے ایک حصے پر صلح کرنے کی روایت کی تو اس نے پھلوں کے بارے میں طے شدہ معاملے کو دیکھا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ اس کا نام فدک بن حام کی وجہ سے رکھا گیا کیونکہ سب سے پہلے یہاں وہی آباد ہوا تھا۔

فَرَاء

غُـراب کے وزن پر ہے لیکن شعر میں "فَـرای" بھی آیا ہے' جبلِ عیر الوارد کی غربی جانب ایک پہاڑ ہے ان دونوں کے درمیان جبل الشرید ہے۔

قاموس میں آتا ہے کہ ذوالفراء ایک جگہ تھی جو عقیق مدینہ کے قریب تھی۔

فرش ملل

اور فُریش اس کی تصغیر ہے' یہ دونوں ''ملل'' کے قریب مشہور ہیں' ان دونوں کو وادی کا نشیبی حصہ الگ الگ کرتا ہے جسے ''مسعر'' کہتے ہیں' وہاں کئی گھر اور عمارتیں تھیں' کثیر بن عباس مدینہ سے بائیس میل کا سفر کر کے ''فرش ملل'' میں اترتے تھے۔

فُرُع

علامہ سہیلی اسے فُـرُع کہتے ہیں' اس دوسری صورت کو المشارق میں بیان کیا گیا ہے پھر یہ لفظ بعض کے نزدیک فُرُع بھی ہے' سہیلی کے نزدیک فُرَع ہے اور یہ اشعر کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جو سویقہ کے قریب ہے' اس کے اور مسعر کے درمیان ہے جو مدینہ سے ایک دن کے فاصلے پر ہے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ فرع' سقیا کی بائیں جانب مدینہ سے آٹھ بُرد (چھیانویں میل) کے فاصلے پر تھی' وہاں منبر (بلند مقام)' کھجور کے درخت اور کنوئیں تھے' یہ ایک بڑی بستی تھی' اس کے بڑے کنوئیں عیـنان تھے جو بہت گہرے تھے جن میں سے ایک تو ربض میں اور دوسرا نجف میں تھا' ان سے بیس ہزار درختوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔اس میں بہت سی بستیاں تھیں۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں' یہ وہ پہلی بستی تھی جہاں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ مکہ کو جاتے ہوئے کھجوریں لے گئے تھے۔

فُرَیقَات

یہ جمع کا لفظ ہے اور فـــــرقة کی تصغیر ہے' یہ بھی عقیق کی ایک وادی تھی' یہ وادیاں اکٹھی ہو کر حلوان میں گرتی تھیں۔

فَضاء

علامہ صغانی اسے فَضا پڑھتے ہیں۔ یہ بھی مدینے میں ایک جگہ تھی اور فضاء بنی خطمہ کا ذکر ان کے گھروں میں گذر چکا ہے۔بطحان کا سیلاب اسی کی طرف آتا تھا' مہزور اور مذینیب کا سیلاب یہیں پر مل جاتا تھا اور یہ ماجشونیہ کے قریب جگہ تھی۔

فُعُوای

یہ سُکرای کے وزن پر ہے' کچھ اسے قِعُوای بھی کہتے ہیں' ایک پہاڑ ہے جو وادیٔ صفراء میں ہے۔

فَغْوہ

یہ جبلِ آرہ کے قریب ایک بستی تھی۔

فقار

اس کا ذکر حَوْزہ میں آ چکا ہے' میرے خیال میں آج کل یہی فقرہ کے نام سے مشہور ہے۔

فُقِیر

غَنِي کے مقابلے میں ہے۔ مدینہ کے قریب دو جگہوں کا نام تھا جنہیں فقیران کہتے تھے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمین کے چار پلاٹ عطا فرمائے تھے' فقیران' بئر قیس اور شجرہ۔ کچھ کہتے ہیں کہ فقیر ایک کنوئیں کا نام تھا۔ عالیۂ مدینہ میں ایک باغ تھا جسے فُقَیر کہتے تھے۔

ابن شبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں سے عالیہ میں فقیرین تھا' پھر بتایا ہے کہ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فروخت کر دیا تھا چنانچہ یہ زمین کئی ہاتھوں میں چلی گئی۔

پھر ابن شبہ نے حضرت علی کی اصل تحریر بتائی جو اس صدقہ کے بارے میں تھی' الفاظ یہ تھے: فقیر میرے پاس ہے اور تم لوگ جانتے ہی ہو کہ یہ اللہ کے نام پر صدقہ ہے۔

فُلْجَان

یہ حرۂ غربیہ میں سعد کے سقیا کی زمین کا نام تھا۔

فُلْجَه

عقیق کی ایک وادی تھی۔ ابو وجرہ سعدی نے اسے روض الفلاج کا نام دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا فلاج' فلجه کی جمع ہے جس میں سے تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ علامہ یاقوت نے یہی تصریح کی ہے چنانچہ لکھا ہے: فلجه وہ جگہ ہے جو عقیقِ مدینہ میں تھی اور صوبو کے بعد تھی' ابو وجرہ نے اس کا نام فلاج رکھا ہے۔ انتہی۔

علامہ مجد نے اسے فِلَاج لکھا ہے' یہ مدینہ کے قریب ایک باغ تھا جہاں ربیع کے موسم میں لوگ جمع ہوتے تھے' وہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا' وہیں ایک کنواں تھا جسے مُعطی کہتے تھے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ موج ایک وادی تھی جو فدک اور وابشہ کے درمیان تھی۔

میں کہتا ہوں کہ عقیق کے کنوؤں میں سے ایک مرج تھا لیکن وہاں اسے مزج لکھا ہے اور شاید ابو وجرہ کے شعر میں اس لفظ سے یہی مراد ہے۔ مجد کہتے ہیں کہ اس وادی کی اُوپر والی جانب ایک باغ تھا جسے فلاج کہتے ہیں۔

فُلَيج

زُبَیر کے وزن پر ہے جو فَلْج کی تصغیر ہے' ان تالابوں میں سے تھی جہاں مدینہ کی وادیوں کا پانی جمع ہوتا تھا۔

فَنِيق

مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

فُوَيرِع

بنونجار میں سے بنوغم کے گھروں میں ایک قلعہ تھا۔

فيفاء الخبار

اس کا ذکر لفظ خبار میں گذر چکا ہے۔

فيفاء الفحلين

یہ فحلتین میں گزرا۔

حرف القاف

قائم

صاحب کے وزن پر ہے' بنوانیف کی جائیداد تھی' قباء سے قبلہ کی طرف مغرب میں واقع تھی۔

قار

مدینہ کی بستیوں میں سے ایک بستی تھی۔

قاحة

مدینہ سے تین دن کے فاصلے پر تھی اور یہ سقیا سے پہلے مدینہ کی جانب ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس وادی کو وادی العبادید کہتے تھے۔ علامہ اسدی کا بیان گذر چکا ہے کہ اسے وادی العائد کہتے تھے' یہ بنو غفار کے قبضے میں تھی۔ علامہ عیاض کہتے ہیں کہ قاحہ' عبادید میں ایک وادی تھی' سب سے اسے قــــاف سے لکھا ہے لیکن

قابسی اور ھمدانی نے فاء سے لکھا ہے تاہم یہ غلطی ہے کیونکہ حدیث ہجرت میں آیا ہے: ''قاحہ سے گذرے'' البتہ عرام کی کتاب کے دونسخوں میں میں نے فاء اور جیم سے لکھا دیکھا ہے۔

قاع

مساجدِ فتح کی غربی جانب مسجد بنوحرام کے قریب ایک جگہ تھی۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ بلوائیوں کا قلعہ تھا جو بئرِ عذق کے قریب تھا لیکن مجھے اس کا ماخذ معلوم نہیں ہو سکا۔مکہ کے راستے میں بھی قاع نامی جگہ تھی اور قـاع الـنقیع دیارِ سلیم میں تھا۔

قُباء

اسے قبا بھی پڑھتے ہیں لیکن علامہ بکری اس کا انکار کرتے ہیں۔علامہ نووی کہتے ہیں کہ واضح لفظ مدّ سے ہے' یہ مذکر ہے اور منصرف ہے (تینوں حرکتیں آ سکتی ہیں)۔علامہ خلیل لکھتے ہیں کہ قبـا' عوالیٔ مدینہ میں ایک بستی تھی' ابن جبیر کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے قریب ایک بڑی بستی تھی (یا بڑا شہر تھا) اور حدائق النخل سے اس کی طرف راستہ جاتا تھا۔کچھ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسی میں عـصبہ اور بنو غوس شامل تھے' اس سے ظاہر ہے کہ یہ اس کی مشرق و مغرب میں حد تھی۔

علامہ مجدؔ مشارق کی اتباع میں لکھتے ہیں کہ: اصل میں یہ وہاں ایک کنوئیں کا نام تھا جس کی وجہ سے بستی کا نام رکھا گیا۔مجد نے اسے ابن زبالہ کے اس قول سے لیا ہے: قباء میں ایک یہودی شخص تھا جس کا یہاں قلعہ تھا جسے عـاصـم کہتے تھے' یہ دارِ ثوبہ بن حسین بن سائب بن ابولبابہ میں تھا اور اسی میں وہ کنواں تھا جسے قباء کہتے تھے۔

مراغی کی تحریر سے میں نے نقل کیا ہے کہ: اس کا نام قباء کنوئیں کی وجہ سے رکھا گیا تھا جو وہاں موجود تھا' اسے ھبار کہتے تھے' اس سے انہوں نے بدفالی لی تو اس کا نام قبـــاء رکھ دیا اور شاید ابن زبالہ کا جونسخہ میرے سامنے ہے اس میں یہ بات بتانا رہ گئی ہے کیونکہ میں نے اقشہری کے قلم کا لکھا دیکھا ہے کہ: ابن زبالہ کہتے ہیں: مجھے عبد الرحمٰن بن عمرو العجلانی نے کہا: قباء کا نام کنوئیں کے نام پر رکھا گیا جو وہاں موجود تھا' اسے قُبّـــار کہتے تھے (شکاری کا چراغ) اس سے انہوں نے بدفالی لی تو اس کا نام قبـــاء رکھ دیا' یہ کنواں دارِ ثوبہ بن حسین بن ابی لبابہ کا تھا۔علامہ مجد اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔علامہ عیاض کی المشارق میں ہے کہ یہ مدینہ میں ایک بستی تھی جو اس سے تین میل کے فاصلے پر تھی جبکہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ میں مسجدِ نبوی سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھی۔

میں کہتا ہوں کہ خود میں نے اسے مسجد نبوی کے دروازے بابِ جبریل سے مسجد قباء کی چوکھٹ تک ناپا ہے تو یہ حدود حرم میں بتائے ہاتھ کے مطابق سات ہزار دو سو سے کچھ زائد ہاتھ کے فاصلہ پر تھی تو یہ فاصلہ دو مکمل میل اور میل کے ساتھ حصوں میں سے پانچ حصے بنتا ہے اور یہ اس بناء پر کہ میل تین ہزار ہاتھ ہو' لہٰذا درست پیمائش پہلی ہے اگرچہ

مطری نے دوسری پیائش کو صحیح کہا ہے اور کہتے ہیں کہ عیاض نے پہلی پیائش لی ہے۔
مسجد قباء کی فضیلت مسجدوں کے ذکر میں آ چکی ہے۔
پھر قباء نامی ایک بڑی بستی بھی تھی جہاں محارب اور عامر بن ربیعہ وغیرہ رہتے تھے' یہاں کنوئیں' کھیتیاں اور کھجور کے باغ تھے۔ علامہ عرام نے ان کا ذکر افاعیہ اور مران کی جانب بتاتے ہوئے کیا ہے جبکہ علامہ اسدی نے ضریہ سے مکہ تک کے راستے میں کیا ہے جو ذات عرق سے چار دن کی مسافت پر تھی اور یہ آج کل کشبت کے نام سے مشہور ہے۔

قُباب

غراب کے وزن پر ہے۔ مدینہ میں ایک قلعہ تھا۔

قَبَلِيَّه

عَرَبِيَّہ کے وزن پر ہے' گویا یہ قبل کی طرف منسوب ہے' اس کا مطلب تمہارے سامنے پھیلی ہوئی زمین ہے۔ قاموس میں یہ لفظ قِبْلِيّه اور قَبَلِيّه دونوں طرح ہے' معاون کا لفظ اسی کی طرف مضاف ہے۔
علامہ عیاض کہتے ہیں کہ یہ جگہ فُـرع کے نزدیک تھی۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ یہ جگہ ساحل سمندر سے ایک طرف تھی' اس کے اور مدینہ کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی۔ اسے فـرع کی جانب بھی بتاتے ہیں جو نخلہ اور مدینہ کے درمیان جگہ تھی۔
علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ قبلیہ سراۃ کہلاتی تھی جو مدینہ اور ینبع کے درمیان تھی چنانچہ یہ وادی جو ینبع تک بہتی تھی' اسے غور کہتے تھے اور جو مدینہ کو بہتی تھی' اسے قبلیہ کہتے تھے' شام کی طرف سے اس کی حد خَـبْـأ (یہ بنو عراک کے پہاڑ تھے) اور شرف السبالہ کے درمیان تک تھی' یہ وہ زمین تھی جس سے حاجی گذرتے تھے' اس میں پہاڑ اور وادیاں تھیں۔

قُدُس

علامہ ہجری کہتے ہیں کہ قدس کے پہاڑ ینبع کی غربی جانب تھے اور پھر قدس وہ پہاڑ تھے جو ایک دوسرے سے متصل تھے' بڑے تھے' فائدہ مند تھے جو عرعر اور خزم اُگاتے تھے۔ اس میں باغ بھی تھا نیز مزینہ کے کافی گھر تھے۔ علامہ اسدی کہتے ہیں کہ بائیں طرف والا پہاڑ جو قشیری کے چشمے پر تھا' اسے قدس کہتے تھے جس کا اوّل حصہ عرج میں اور دوسرا اس چشمے کی پچھلی طرف تھا۔

قدوم

صبور کے وزن پر ہے۔ یہ ایک پہاڑ تھا چنانچہ مدائنی کہتے ہیں کہ ''قاۃ'' ایک وادی تھی جو قدوم کی طرف سے

گذرتی تھی۔ یہ اُحد کے شہیدوں کی قبروں کے نیچے سے گذرتی تھی۔علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ قدومؔ سراۃ میں ایک گھاٹی بھی تھی اور نعمان میں ایک جگہ' یہ وہ جگہ تھی جہاں ابراہیم خلیل علیہ السلام نے ختنہ کیا تھا۔

علامہ عیاض لکھتے ہیں کہ قدوم کے جس کنارے کا ذکر حدیثِ فریعہ میں آتا ہے تو اس میں قَدُوْم پڑھا جاتا ہے پھر اس کو شدّ اور شد کے علاوہ پڑھتے ہیں۔ابن وضاح کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں ایک پہاڑ تھا اور وہ لفظ جو حدیثِ ابوھریرہ میں آتا ہے "قَدُوم ضَان" تو یہ دوس کے مقام پر ایک پہاڑ کی گھاٹی تھی۔

قُدَيْد

زبیــــر کے وزن پر ہے' یہ ایک شہر تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا' اس میں بہت سے کنوئیں (یا تالاب) تھے۔

قُدَيْمَة

جُهَيْنه کے وزن پر ہے۔یہ بھی مدینہ میں ایک پہاڑی ہے۔

قُرَاضِم

مدینہ کے قرب میں ایک جگہ تھی۔

قَرَاقِر

مدینہ میں زمین کا ایک پلاٹ تھا جو آلِ حسین بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قبضے میں تھا۔

قَرَائِن

یہ تین گھر تھے جو مسجد میں شامل کر لئے گئے' یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں تھے۔

قُرَّان

اُبلیٰ کی طرف مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی تھی۔

قُرح

یہ وادیٔ قریٰ کا بازار تھا' صعید کا لفظ اس کی طرف مضاف ہوتا ہے (صعید قرح) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ راء کے ساتھ ہے لیکن مساجدِ تبوک میں یہ لفظ قُزَح لکھا ہے۔دورِ جاہلیت میں یہاں پر بازار تھا۔کہتے ہیں کہ اسی بستی میں حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد ہلاک ہوئی تھی۔

قَرَدُ اور ذوقرد

یہ وہ مقام تھا جہاں مسلمان غزوۂ غابہ کے موقع پر پہنچے تھے چنانچہ وہ غزوہ بھی اسی طرف منسوب کر دیا گیا۔ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ یہ مقام مدینہ اور خیبر کے درمیان تھا اور مدینہ سے دو دن کے سفر پر تھا۔علامہ عیاض نے لکھا کہ یہ مدینہ سے ایک دن کے سفر پر تھا اور غطفان کے مقام سے ملتا تھا۔صاحب المغازی ابان بن عثمان لکھتے ہیں کہ ذوقرد حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا کنواں تھا' انہوں نے اسے خرید کر مسافروں کے لئے وقف کر دیا اور جو بیسان کے بارے میں گذرا' اس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ذی قرد کے غزوہ میں اس کنوئیں سے گذرے جسے بیسان کہتے تھے۔

قِرْدَہ

سجدہ کے وزن پر ہے' اسے فردہ بھی پڑھا جاتا ہے' یہ نجد کے کنوؤں میں سے ہے' یہاں حضرت زید بن حارثہ کا لشکر اترا تھا' زید الخیل یہیں فوت ہوئے تھے۔

قَرَصَہُ

یہ حضرت سعد بن معاذ کی جائیداد تھی۔اس کا ذکر مساجدِ مدینہ میں گذر چکا۔

قرقرۃ الکدید

حرفِ کاف میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔یہ مقام بھی خیبر میں تھا۔خیبر کو جاتے وقت رہنمائی کرنے والا وادیوں کی طرف لے گیا تو قرقرہ میں انہیں نماز کا وقت ہو گیا تھا' رسول اللہ ﷺ نے شق اور نطاۃ میں اترنے تک نماز نہیں پڑھی تھی۔

ابن عقبہ کے مغازی میں' ابن رزام یہودی کے قتل کے بارے آتا ہے: جب وہ قرقرۂ ثبار میں پہنچے۔یہ مقام خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔پھر بتایا کہ وہ ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔

قُرَیَّہ

سُمَیَّہ کے وزن پر ہے۔مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

قُرای

یہ قریہ کی جمع ہے' آنے والی وادیٔ قری اسی طرف منسوب ہے اور پہلے چشموں کے ذکر میں قری عُوَیْنَہ کا لفظ گذر چکا ہے۔

قُسَيَان

عثمان کے وزن پر ہے اور قُسَیَّان اس کا اسمِ تصغیر ہے' عقیق کی ایک وادی ہے۔

قُشَام

غُرَاب کے وزن پر ہے' مدینہ سے کئی دن کے سفر پر ایک پہاڑ ہے۔

قصر اسمٰعیل بن ولید

یہ اِعاب نامی کنوئیں پر تھا۔ وہاں اس کا ذکر ہو چکا۔

قصر ابراهیم بن هشام

بنو امیہ بن زید کے پاس تھا۔

قصر بني حديله

بیر حاء میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

قصر خارجه

یہ کھلے میدان میں خارجہ بن حمزہ کا تھا۔

قصر خلّ

آج کل حصن خل کے نام سے مشہور ہے اور بطحان کے مغرب میں ہے۔

ابن شبہ کہتے ہیں: رہا قصر خل جو رومہ کے راستے میں ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن بشیر کو اسے بنانے کا حکم دیا تھا تاکہ اہلِ مدینہ کی حفاظت کی جا سکے اور کہا جاتا ہے' بلکہ انہوں نے مروان بن حکم کو حکم دیا تھا' وہ مدینہ میں تھا' مروان نے نعمان بن بشیر کو اس کام پر مقرر کیا تھا۔

اس میں ایک پتھر تھا جس میں لکھا تھا: نعمان بن بشیر نے اسے اللہ کے بندے امیر المؤمنین معاویہ کے حکم پر بنایا۔ اسے قصر خل کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ راستے پر تھا اور ہر وہ راستہ جو پتھریلی زمین اور ریت میں ہو' اسے خل کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

ابن زبالہ بیر حاء کے ذکر میں بتاتے ہیں کہ ابوبکر بن حزم نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصرِ خل ایک قلعے کے طور پر بنایا۔ کیونکہ انہیں بنو امیہ کے بارے میں لڑائی کی فکر تھی' اس کا نام قصرِ خل اس لئے رکھا کیونکہ یہ حرہ میں ریتلی جگہ پر بنا تھا اور جب انہوں نے بیرحاء خرید لیا تو قصر بنی حدیلہ اسی جگہ پر بنایا' مقصد بنو امیہ کی حفاظت

تھی۔ یہ قصر محل کسی دور میں قید خانہ رہ چکا تھا۔

قصر ابن عراك

اُحد کے راستے میں بنو عبد الاشہل کے قبرستان کی طرف تھا۔

قصر ابن عوان

یہ مدینہ میں تھا۔ اس کی ایک جانب یمانی میں یمن سے بنو جذماء اس وقت رہا کرتے تھے جب اوس وخزرج یہاں نہیں ٹھہرتے تھے۔

یہ وہی تھا جس کا ذکر پہلے ہوا لیکن ابن زبالہ کے نسخہ میں "ابن عواك" آیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں: بنو جذماء، بنو عبد الاشہل کے قبرستان اور ابن عراک کے محل کے درمیان رہتے تھے۔

قصر ابن ماه

بئر حجیم سے نچلی طرف تھا۔

قصر مروان

یہ صورین کے قریب تھا اور صدقات نبویہ کے بھی، اس جانب میں کئی جگہیں تھیں جنہیں قصر کہتے تھے۔

قصر نفیس

یہ نفیس، انصار کے غلاموں میں سے ایک شخص تھا، اس کا محل حرۂ واقم میں تھا جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔

قصر بني يوسف

یہ آل عثمان کے غلام تھے، مروان کے محل کی نچلی طرف نقال اور نقیع کی طرف رہتے تھے۔

ذُو القَصّه

یہ نجد کی جانب مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف گئے تھے یہاں لشکر درست کیا اور جھنڈے باندھے تھے۔

علامہ اسدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے پانچ میل کے فاصلے پر تھا، علامہ نصر چوبیس میل کا فاصلہ بتاتے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ، بنو ثعلبہ اور بنو عوال کی طرف گئے، وہ ذو القصہ میں تھے اس کے اور مدینہ کے درمیان چوبیس میل کا فاصلہ تھا اور یہ ربذہ کے راستے پر تھا۔ پھر ذو القصہ، زبالہ اور شقوق کے درمیان ایک جگہ تھی جو

شقوق کے قریب صرف دو میل کے فاصلے پر تھی۔

قُصَیْبَہ

مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک وادی تھی' آگے وادیٔ دوم میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

ذو القُطُب

عقیق میں ایک وادی تھی۔

قف

اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جو زمین میں ابھری ہوئی اور سخت ہو۔ اس جگہ میں بھی اردگرد کی زمین سے بلندی تھی' یہاں بیٹھے ہوئے اونٹ کی شکل کے پتھر جمع تھے۔ یہ مدینہ کی اس وادی کا نام تھا جہاں اہلِ مدینہ کی جائیداد تھی۔ اس سے پہلے لفظ زھرہ میں اس کا ذکر آ چکا ہے' بنو ماسکہ کے حضور ﷺ کے صدقہ کے قریب دو قلعے تھے جو قف میں تھے۔ بظاہر یہ جگہ وہ تھی جو حسینیات کے نام سے مشہور تھی جو مشربہ کی شامی جانب اس کے قریب ہی تھی۔

زبیر کہتے ہیں حضرت اُم المومنین سیّدہ ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قف کے مقام پر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنم دیا تھا' یہ عالیہ میں وہ جگہ تھی جسے آج کل مشربۂ اُم ابراہیم کہا جاتا ہے پھر یہ بھی سند ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ بکریاں تھیں جو قف کے مقام پر چرتی تھیں اور ماریہ کے پاس آ جاتی تھیں۔

ابو داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ کچھ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو قف میں بلایا تھا' آپ بیت المدارس (یہودیوں کا مدرسہ) میں تشریف لے گئے تھے۔ بیت المدارس کا ذکر مسجد المشربہ میں گذر چکا ہے۔

مؤطا میں ہے کہ انصار کا ایک آدمی قف کے مقام پر ایک جگہ نماز پڑھ رہا تھا' یہ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی' ان دنوں کھجور کا پھل تیار تھا' اس نے دیکھا تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور رکعتیں یاد ہی نہ رہیں کہ کتنی پڑھ چکا تھا۔ کہنے لگا کہ میرے اس مال نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا ہے' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا' وہ ان دنوں خلیفہ تھے' ان سے بات کی' انہوں نے کہا کہ یہ صدقہ ہے' اسے بھلائی میں خرچ کر دو چنانچہ اس نے حضرت عثمان کو پچاس ہزار میں فروخت کر دیا چنانچہ اسے ''خمسین'' کہنے لگے۔

اسی حسینیات کے پاس ایک اور جائیداد تھی جسے ثمین کہتے تھے یعنی مہنگی۔

قلادۃ

گلے میں پہنے جانے والے ہار کے معنٰی میں ہے' قبلیہ کا ایک پہاڑ تھا۔

قَلَهِیّ

مدینہ کے قریب حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک گڑھا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد وہ اس میں آ ٹھہرے تھے اور حکم دیا تھا کہ انہیں کوئی بات نہ بتائی جائے۔

ابن السکیت کہتے ہیں کہ قلھیّ وہ مکان تھا جہاں بنوسلیم کا کنواں تھا۔

قَلَهیٰ

جَمَزیٰ (تیز رفتاری) کے وزن پر ہے' کچھ اسے قُلْهیٰ پڑھتے ہیں' وادی ذی رولان میں ایک بستی تھی جہاں بنوسلیم رہتے تھے۔

یاقوت کہتے ہیں: قُلْهیٰ کے بارے میں علامہ عرام لکھتے ہیں کہ مدینہ میں وادی ذی رولان تھی' وہاں بستیاں تھیں جن میں سے ایک قُلْهیٰ تھی۔

قُمُوص

صُبُور کے وزن پر ہے۔ یہ خیبر میں ایک پہاڑ تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ قلعہ تھا' کچھ کہتے ہیں کہ یہ ایک پہاڑ تھا جس پر بنوحقیق یہودی کا قلعہ تھا' یہی بات درست ہے۔ کہتے ہیں کہ غموض نامی قلعہ بھی تھا۔

موسیٰ بن عقبہ' غزوۂ خیبر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہودی اپنے ایک محفوظ قلعے میں داخل ہو گئے جسے قموص کہتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے بیس راتوں تک اس کا محاصرہ کئے رکھا۔ پھر موسیٰ نے مرحب کے سامنے آنے کا ذکر کیا اور حضرت علی کو جھنڈا دئے جانے کا بتایا پھر مرحب کے قتل کا ذکر کیا۔

قناة

پہلے ذکر کی گئی مدینہ کی وادیوں میں سے ایک تھی۔

قُنَیع

ضریّہ کی چراگاہ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

قواقل

بنوسلیم کے گھروں کی طرف' عصبہ کے ساتھ ایک قلعہ تھا۔

قُوبع

عقیق کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی۔

قوران

یہ وہ وادی تھی جو حرہ میں گرتی تھی' اسی کے اندر ایک بستی تھی جسے ملحاء کہتے تھے' یہ سوارقیہ میں سے ایک تھی' یہاں میٹھے پانی کے کنوئیں اور کھجور کے درخت تھے۔

قُورٰی

سُکرٰی کے وزن پر ہے۔اس کا ذکر لفظ بُعاث میں آچکا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک باغ تھا جو آج کل قوران کے نام سے مشہور تھا' مدینہ کی شرقی جانب اور دلال سے نچلی طرف تھا۔

قَینُقَاع

اسے قَینُقَاع اور قَینِقاع بھی پڑھا جاتا ہے' یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جس کی طرف سوق مضاف کیا جاتا ہے (اور سوق بنی قینقاع) کہتے ہیں کیونکہ یہ ان کے گھروں میں تھا۔

حَرْفُ الْکَاف

کَاظِمہ

ابن مرزوق' شرح بردہ میں کہتے ہیں کہ میں نے کاظمہ کو دیکھا کو تھا لیکن یاد نہیں کہ کہاں ہے' یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ بھی تھی۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ جب بصرہ سے مکہ کا ارادہ لے کر کوئی نکلتا ہے اور کاظمہ جانا ہوتا ہے تو یہ تین میل کے فاصلے پر آتا ہے۔اس کا پانی نمکین ہے۔علامہ یاقوت اس کے بعد لکھتے ہیں کہ کاظمہ بھی ایک جگہ ہے جس کا ذکر ابوزیاد نے کیا ہے۔

کُبَّا

حُطّٰی کے وزن پر ہے' یہ بطحان میں ایک جگہ ہے۔علامہ کلبی کہتے ہیں کہ مدینہ پاک میں ایک ہیجڑا تھا جسے بغاشی کہتے تھے' مروان سے کہا گیا کہ یہ شخص قرآن میں سے کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا اسے کہا کہ اُم القرآن۔(الحمد شریف)۔ سناؤ! اس پر اس نے کہا کہ میں تو قرآن کی بیٹیاں بھی نہیں پڑھ سکتا تو اس کی ماں کیسے پڑھوں گا؟ مروان نے کہا! تم قرآن سے ٹھٹھا کر رہے ہو؟ چنانچہ حکم دیا تو اس کی گردن کبّا کے مقام پر اڑا دی گئی' یہ جگہ بطحان میں تھی۔

کُتَانَہ

صفراء اور اثیل کے درمیان ایک کنواں تھا جو جعفر بن ابو طالب کا تھا۔

کُتَیبَہ

یہ لفظ کُتَیبَۃُ الجیش (لشکر کا ایک حصہ) سے لیا گیا ہے۔ابو عبید نے اسے کُتَیبَہ پڑھا ہے' یہ خیبر میں ایک قلعہ تھا۔ جو مالِ غنیمت میں سے نکالا ہوا پانچواں حصہ تھا اور اللہ کے رسول کا حصہ تھا پھر ذوالقربیٰ' یتامیٰ' مساکین کا حصہ تھا نیز ازواج مطہرات کا حصہ تھا اور اس میں ان کا حصہ تھا جو رسول اللہ ﷺ اور اھل فدک کے درمیان صلح کے لئے گئے تھے۔

علامہ واقدی' شق اور نطاۃ کی فتح کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ: پھر نبی کریم ﷺ کتیبہ کی طرف پھرے اور وطیح و سلالم میں گئے' یہ ابن ابی الحقیق کا وہ قلعہ تھا جس میں وہ رہتے تھے' انہوں نے اپنے آپ کو نہایت محفوظ کر لیا تھا' ان کے پاس نطاۃ اور شق کے سب شکست خوردہ اکٹھے ہوئے اور قموص میں قلعہ بند ہو گئے وہ کتیبہ میں تھا' وطیح و سلالم میں یہ سب سے محفوظ قلع تھا۔

اس کے بعد علامہ واقدی نے نبی کریم ﷺ کے چودہ دن تک محاصرے کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ آپ نے ان کے لئے منجنیق گاڑی تھی' پھر یہ بتایا کہ انہوں نے اس بات پر صلح کا سوال کیا کہ قلعہ میں موجود لوگوں کا خون نہ بہایا جائے' ان کی اولادیں چھوڑ دی جائیں' وہ اس کے بدلے میں اپنا مال' زمین' صفراء' بیضاء (سونا چاندی) اور ہر قسم کا سامان پیش کرتے ہیں اور صرف تن کے کپڑے لے کر چلے جائیں گے۔

کُدُر

لفظ الکُدَر کی جمع ہے' اسے مضاف کر کے قرقرۃ الکدر کہتے ہیں' قرقرہ تو نرم زمین کو کہتے ہیں جبکہ کدر وہ پرندہ ہوتا ہے جو مٹیالے رنگ کا ہوتا ہے۔یہ معدن کی طرف رحضیہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

طبقات ابن سعد میں ہے قرقرہ الکدر اور قرارۃ الکدرۃ بھی کہا جاتا ہے' یہ معدن بنو سلیم کی طرف ارحضیہ کے قریب ایک جگہ تھی۔حضور ﷺ بنو سلیم کے گروہ کے لئے نکلے تھے' قبیلے کو دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ چکے تھے لہٰذا ان کے اونٹ ہانک لئے اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔پھر اسی جگہ غزوۂ سویق کے موقع پر آپ ابو سفیان کو تلاش کرتے پہنچے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوہ بنو سلیم کے موقع پر ان کے کنوئیں پر پہنچے جسے کــــدر کہتے تھے اور وہاں تین دن تک ٹھہرے رہے۔

کُدیُد

نخیل کے قریب ایک وادی تھی جسے فید سے مدینہ تک کا راستہ قطع کرتا تھا جو مسجد سے ایک میل کے فاصلے پر تھی اور کدید ایک چشمہ بھی تھا جو خلیص کے بعد تھا اور مکہ کی طرف راستہ کی دائیں طرف آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔

كراع الغميم

اس کا ذکر حرف غین میں آ چکا ہے۔

كُرّ

نمکین سمندر کے قریب ایک جزیرہ جو جحفہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔

كُشُب

کُتُب کے وزن پر ہے۔ یہ سیاہ پہاڑ ہے' وہ جانب اسی سے مشہور ہے' کبھی کبھی مدینہ کے امیر یہاں آتے رہتے تھے۔

كِفَاف

وادیٔ قُریٰ کے قریب ایک جگہ۔

كَفْت

مدینہ کی قریبی جگہ' اس کا ذکر اضم میں آ چکا ہے۔

كفتة

بقیع الغرقد کا قبرستان ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں' نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مردوں کی حفاظت کرتا اور انہیں بچاتا ہے۔

كُلَاب

ضریہ کی چراگاہ کی جانب ایک کنواں تھا۔

كُلَاف

یہ ایک وادی تھی جو مدینہ کی ماتحتی میں تھی۔

كلب

مدینہ کا ایک قلعہ تھا اور رأس الکلب ایک پہاڑ تھا۔

كُلَيَّة

کلیہ کا اسم تصغیر ہے' مکہ کے راستے میں ایک بستی تھی۔ علامہ اسدی کہتے ہیں کہ یہ جحفہ سے دس میل کے فاصلے

پر میدان کی طرف تھی' وہاں نمکین کنواں تھا جسے کلیہ کہتے تھے' اس کی چوڑائی دو ہاتھ تھی' اس کے پاس دکانیں تھیں۔

کِمْلی

کِسْرای کے وزن پر ہے' بئرِ زروان کا نام تھا۔ ابن الکلبی نے قصہ سحر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے: بئرِ کملی میں پتھر کے نیچے (تعویذ) تھا۔

کُنس حُصَین

یہ قباء میں مہراس کے نزدیک ایک قلعہ تھا۔

کُوَاکِب

مدینہ اور تبوک کے درمیان ایک پہاڑ تھا۔ مدینہ کی مسجدوں میں اس کا ذکر آ چکا۔ ابو زیاد کلابی کہتے ہیں کہ کواکب' ابوبکر بن کلاب کے علاقے میں کئی پہاڑیاں تھیں۔

کوث

یہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک پہاڑ تھا اور طائف میں ایک بستی تھی' حجاج ثقفی یہیں تعلیم دیا کرتے تھے۔

کومہ

یہ مٹی کا ٹیلہ ابو الحمراء الرابض کا تھا اور ایسا تھا جیسے کئی ٹیلے تھے جو ثمغ کے قریب' مدینہ کی شامی جانب میں تھے اور مہزور کے اندر آخر میں ابو الحمراء کا ٹیلہ تھا پھر یہ وادی بھی تھی قناۃ میں گرتی تھیں۔

کُوَیْر

زُبَیر کے وزن پر ہے' ضریہ میں ایک پہاڑ کا نام۔

کُوَیْرہ

پچھلے لفظ ہی میں ھاء کی زیادتی ہے' یہ قبلیہ کے پہاڑوں میں سے تھا۔

کُیْدَمہ

یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنو نضیر کے اموال میں سے حصہ تھا۔ اس کا ذکر بئرِ اریس میں آ چکا ہے۔ طبرانی کی اوسط میں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیدمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار کا بیچ دیا تھا اور انہوں نے بنو زھرہ' فقراء اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن میں تقسیم کر دیا تھا۔

حَرُفُ اللَّام

لأى

لعلی کے وزن پر ہے۔ مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ تھی۔

لَابَتَان

لَابَۃٌ کا تثنیہ ہے' یہ پتھریلی زمین تھی اور یہ لابتان' مدینہ کے شرقی اور غربی حرے تھے۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ "لابہ" اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سیاہ کنکر پڑے ہوں۔

لُأَى

لُحی کے وزن پر ہے۔ یہ عقیق کی ایک وادی تھی اور علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ عقیق میں ایک جگہ تھی اور یہ پہلے لای سے الگ ہے۔

لَحُيَاجمل

یہ لحی کا تثنیہ ہے' یہ وہ دو ہڈیاں ہیں جن میں نچلے دانت جڑے ہوتے ہیں اور جمل اونٹ کے معنٰی میں ہے۔ ایک روایت میں لحی جملٍ کا لفظ آتا ہے جو مفرد ہے۔ یہ لحی بھی لکھا ملتا ہے لیکن اس پر زبر زیادہ مشہور ہے۔ اس کا بیان مسجد لحی جملٍ میں آ چکا ہے' یہ ان مسجدوں میں تھی جو مکہ کے راستے میں تھیں نیز لحی جمل ایک پہاڑ بھی ہے جو فید کے راستے میں اُحوجہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔

علامہ اسدی کہتے ہیں' نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ دونوں پہاڑ پھیلتے چلے گئے ہیں اور تقریباً ملے ہوئے ہیں تو گویا دو جبڑوں کی طرح ہیں۔

علامہ مجد نے جمل کے ذکر میں کہا ہے کہ لحی جمل بھی مدینہ اور فید کے درمیان فید سے دس فرسخ کے فاصلے پر ہے' نیز حَرانِ اور تثلیث کے درمیان ایک جگہ ہے جبکہ لحیا جمل (تثنیہ) قشیر کے علاقے میں دو پہاڑ ہیں۔

لَظَى

آگ (یا جہنم) کا نام ہے اور ذات لظی' خیبر کی طرف جہینہ کے علاقے میں ایک منزل تھی' اسے ذات اللّظی بھی کہتے ہیں۔

لُعَبَاء

خرم بنو عوال میں بہت سے پتھروں والی ایک جگہ ہے۔ یہ قاموس میں ہے اور لفظ لحوال میں اس کے خلاف لکھا

جا چکا ہے۔ یاقوت کہتے ہیں کہ لعباء حرم بنو عوال میں ایک ندی تھی اور حجاز کی کسی جانب غطفان کا پہاڑ تھا اور لعباء' بنو زنباع کی چراگاہ کی بالائی جانب ایک سخت زمین تھی۔ ان کا تعلق بنو ابوبکر بن کلاب سے تھا۔

لَعْلَع

مدینہ میں ایک پہاڑ تھا اور مکہ میں بھی ہے نیز اس نام کا جنگل میں ایک کنواں بھی ہے جبکہ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک منزل کو بھی کہتے تھے۔

لَفْت

اسے لِفْت اور کَفْت بھی پڑھتے ہیں' مکہ کے راستے میں' مدینہ کے قریب ایک گھاٹی تھی' یہ بھی کہتے ہیں ھرشی کے پہلو میں ایک وادی تھی۔

لِقْف

وہ میٹھے پانی کے کنوئیں جہاں نہ کوئی کھیتی ہوتی ہو اور نہ ہی درخت۔ قوران کی بالائی جانب سوارقیہ کے نزدیک ایک وادی تھی۔ حدیثِ ہجرت میں نصف اور لفت میں اختلاف ہے کہ کونسا مراد ہے اور صحیح دونوں ہی ہیں' ایک جگہ یہ لفظ ہے تو دوسری جگہ دوسرا اور صحیح ہونے کا دارومدار دونوں جگہوں کے صحیح سالم ہونے پر ہے لیکن سوارقیہ والی جانب ہجرت کے راستے میں آتی ہی نہیں۔

لِوٰی

اِلٰی کے وزن پر ہے' یہ بنو بیاضہ کا قلعہ تھا جبکہ بنو سلیم کے علاقے میں ایک وادی تھی' پھر ضریہ سے چالیس میل کے فاصلے پر رملہ الدطول اور جریب کے درمیان ایک جگہ تھی۔

حَرْفُ الْمِیْم

مابہ

قباء میں بنو انیف کی جائیداد تھی نیز اس کے اور قائم کے درمیان ان کے دو قلعے تھے۔

ماجشونیہ

ماجشون کی طرف نسبت ہے' اس لفظ پر زبر' زیر اور پیش تینوں حرکتیں پڑھی جائیں گی' وادی بطحان میں ایک جائیداد تھی اور اس کے قریب صعیب کی قبر تھی۔

مثب

منبر کے وزن پر ہے۔لغت میں اٹھی اور ابھری ہوئی زمین کو کہتے ہیں' یونہی نرم زمین کو بھی کہتے ہیں۔یہ حضور ﷺ کے ایک مال کا نام ہے۔قاموس کہتے ہیں کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں آپ کا مال موجود تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یحییٰ کے نزدیک یہ لفظ مِیثَم آیا ہے لیکن پہلا زیادہ صحیح ہے۔یا قوت کہتے ہیں کہ یہ لفظ مِیثَم ہے۔حاصل یہ ہے کہ اس میں ہمزہ موجود نہیں کیونکہ انہوں نے اسے میم کے حروف میں ذکر کیا ہے جس کے ساتھ یاء ہے۔

مَأثُول

یہ مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ تھی۔

مُبرَك

مقعد کے وزن پر ہے' یہ وہ جگہ تھی جہاں بنو غنم میں مسجد کے قریب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی' آج کل یہاں مدرسۂ شہابیہ موجود ہے جو دار ابو ایوب میں بنایا گیا ہے جیسے تیسرے باب کی گیارہویں فصل میں بیان کیا چکا ہے۔

مبرک نامی ایک پہاڑی راستہ بھی تھا جو ینبع سے مدینہ تک جاتا تھا' چوڑائی چار یا پانچ میل تھی' ثنیۂ مبرك اسی کی طرف منسوب تھی۔یہ گھاٹی آج کل مشہور ہے۔

مُبضعه

حیّ اور رویثہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

مُتَابِع

ضریہ کی چراگاہ میں اِمرۃ کی دائیں جانب ایک پہاڑی تھی۔علامہ یاقوت اسے مُتَالِع لکھتے ہیں' یہ ظہران کی شرقی جانب' قنان پہاڑ ہیں' فوارہ کے نزدیک ایک چشمہ تھا اور ظہران' قنان کے اردگرد ایک پہاڑی ہے۔یہ وہ وادی نہیں جو مکہ کے قریب تھی۔

مُثْعَر

مقعد کے وزن پر ہے' اسے مثغر بھی لکھا گیا ہے۔یہ قبلیہ کی وادیوں میں سے ثاجہ اور حورہ کے درمیان تھی اور فرش و فریش میں جا گرتی تھی۔

مُثَقَّب

اس راستے کا نام تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام قبیلۂ حِمْیَر کے ایک آدمی کے نام پر پڑا تھا کیونکہ کسی بادشاہ نے اسے لشکر دے کر بھیجا تھا جو یہاں سے گذرا تھا' پھر یہ ایک راستہ بھی تھا جو مکہ سے کوفہ کو جاتا تھا۔ علامہ اصمعی مُثَقَّب لکھتے ہیں۔

مجتهر

حدودِ حرم کا بیان کرتے وقت یہ لفظ آ چکا ہے۔

مِجْدَل

کھیتیوں میں ایک قلعہ تھا جو سلیمان بن عبدالملک کے سقایہ (حوض) کے سامنے تھا۔ علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ یہ لفظ میم پر زبر سے مَجْدَل ہے' یہ بنو ھذیل کی ایک منزل تھی۔

مَجْر

یہ ایک بڑا تالاب تھا جو سوارقیہ کی جانب' ملحاء کے گرد' قوران میں' پہاڑیوں کے درمیان تھا' ان پہاڑیوں کو ذومجر کہتے تھے۔

مَحْضَه

محض بمعنی خالص سے ہے' یہ جبل آرہ کے نزدیک ایک بستی تھی۔

مُحَنِب

عراق کے راستے کی جانب ایک کنواں اور زمین تھی۔

مُحَيْصِر

محصر کی تصغیر ہے جو حصار سے لیا گیا ہے' مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی' جرید کہتے ہیں:

"محیصر اور عـــزاف کے درمیان ایک منزل تھی جیسے عہدِ موسیٰ سے قراطیس کے اندر وحی آتی رہی تھی۔"

مَحِيْص

مُلَيْك کے وزن پر ہے' یہ بھی مدینہ میں ایک جگہ تھی۔ شاعر کہتا ہے:

"محیص' پھر واقم اور پھر صوار ہے تو پھر مغرب کے حاجی لوگ کس سے ملیں گے۔"

مخاضہ

یمانی گوشہ میں زمین کا ایک پلاٹ تھا۔

مُخَایِل

عقیق کی وادیوں میں سے تھی۔ مخائل نام کی تین وادیاں تھیں جن میں سے بالائی تو الفلس میں گرتی تھی اور دو حضیر پر تھیں، حضرت عمر کے غلام نمیر کہتے ہیں:

"میں مخایل میں ٹھہرا اور سلع کو چھوڑ دیا کیونکہ معیشت میں نرمی کے بعد سختی آ گئی۔"

مختبی

وادی ذی رولان کی فلاج نامی وادی میں تالاب تھا۔ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ عضاۃ، سلم، سدر اور جلاف کے درمیان تھا، یہ دونوں پہلوؤں سے نہیں بلکہ ایک اور طرف سے لائی جاتی تھی کیونکہ اس کے دو کنارے تھے، ان دونوں جہتوں سے اس پر قدرت نہ تھی۔ مختبیات فلیح کا ذکر، عقیق کے تالابوں میں گذر چکا ہے۔

مُخَرِّی

اسم فاعل ہے خَـرّاہُ سے، جب کسی کو ہتھیار بند کیا جائے تو بولتے ہیں۔ یہ صفراء کے دو پہاڑوں میں سے ایک تھا۔ جبکہ دوسرا پہاڑ مسلح تھا۔ ایسے ناموں کی وجہ سے حضورﷺ نے ان دونوں کے درمیان چلنا ناپسند فرمایا۔

مَخِیض

مـخیـض اللبن (دودھ کی لسی) سے ہے۔ یہ وہ پہاڑ تھا جس پر نبی کریمﷺ چلے تھے پھر غراب پر چلے، اس کا ذکر حدودِ حرم کے بیان میں آ چکا۔

مدارج

یہ عُرُج کی گھاٹی تھی، اس سے تین میل پہلے مدینہ کے قریب تھی، اس پر غایر اور رکوبہ نامی گھاٹیاں تھیں۔

مُدَجّج

دَجّج سے ہے، کوئی ہتھیار لے تو بولتے ہیں۔ یہ مکہ کے راستے میں ایک وادی تھی، خیال ہے کہ حضورﷺ کیلئے راستہ دکھانے والا اسی راہ پر چلا تھا جب آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔

مدران

ثـنـیۃ مدران کا لفظ اسی سے نکلا ہے، یہ لفظ مساجدِ تبوک میں آیا ہے، مجد نے اس مقام پر اسے صحیح سمجھ کر ذکر کیا

ہے پھر اسے مردان کے لفظ میں بھی لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ اسی مقام کا نام ہے۔

مُدَرَّج

دَرَّج سے بنایا گیا ہے' جب کسی کو درجہ بدرجہ اوپر چڑھاتے ہیں' تو بولتے ہیں' یہ ثنیۃ الوداع کا نیا نام تھا' مجد نے اس بناء پر یہ کہا ہے کہ یہ مکہ کے راستے میں ہے لہٰذا انہوں نے اسے وہ گھاٹی قرار دیا جو عقیق میں نیچے اترتی تھی۔

مِدُّعلی

کچھ مِدُّعلی کہتے ہیں۔ یہ وادئ ضریہ کی جانب بنوجعفر بن کلاب کا ایک حوض تھا۔ علامہ ہجری کہتے ہیں کہ وادی مدعیٰ' وادئ ذی عشش میں جا گرتی تھی اور یہ چراگاہ کا بہترین پانی تھا۔

مَدْیَن

علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ یہ فدک' فُرع اور رھاط کی طرح مدینہ کے ماتحت تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مدین بحر قلزم پر واقع ہے' تبوک کے بالمقابل ہے اور اس سے سات دن کے سفر پر ہے' یہ تبوک سے بڑا تھا۔ یہیں وہ کنواں تھا جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو پانی پلاتے تھے' یہاں انہوں نے ایک گھر بھی بنایا تھا۔

مَذَادُ

ذَادَہٗ سے ہے' جب کسی چیز کو ھانکتے تھے تو بولا کرتے تھے۔ یہ مسجد فتح کی غربی جانب' بنوسلمہ میں سے بنوحرام کے قلعے کا نام تھا۔ اس پر اس جانب کا نام پڑ گیا' اسی کے نزدیک زرعی زمین تھی جسے مذاد کہتے تھے۔

مذاهب

مدینہ کے اردگرد ایک جگہ تھی۔

مُذَیْنِب

مذنب کی تصغیر ہے۔ وادیوں میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

مَرَابِد

موبد کی جمع ہے۔ یہ عقیقِ مدینہ میں ایک جگہ تھی' معن بن اوس نے کہا تھا:

''ذات الحماط اس کے نکلنے اور طلوع ہونے کی جگہ ہے' پھر بطن عقیق میدان ہے اور پھر مرابد ہے۔''

یہ تو مجد نے لکھا ہے لیکن کتاب زبیر میں یہ الفاظ ہیں:

''پھر بطن الفقیع ہے جو میدان ہے' پھر مرابد ہے۔''

مُرَاخ

عقیق کی وادیوں میں اس کا ذکر ہو چکا ہے جو مغرب میں قبلہ کی طرف تھی' اسے ''مراخ الصحوہ'' کہا جاتا تھا' آج کل یہ مشہور کنواں ہے۔

مَرَاض

سَحَاب (بادل) کے وزن پر ہے۔ یہ طرف کی جانب مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر تھی' اسی سے دوضات المراض کا لفظ بنتا ہے۔ اسے مِرَاض بھی پڑھتے ہیں۔

مَرَّان

اسے مُرّان بھی کہتے ہیں' یہ مدینہ سے اٹھارہ میل دور ایک جگہ تھی۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ مرّان' کتابِ مکہ میں مرالظّهران کو کہتے ہیں' اس کا ذکر مکہ کے راستوں میں مساجد کے بیان میں آ چکا ہے کیونکہ اس کتاب میں مرّان کہا گیا ہے تو گویا یہ عیاض کے قول کا انکار کرتے ہیں لیکن مدینہ کے ماتحت مران بھی آتا ہے' اگرچہ یہ اس دوری پر نہیں جو عیاض نے لکھی ہے کیونکہ جموم کے لفظ میں آ چکا ہے کہ وہ قباء اور مران کے درمیان تھی اور یہ قباء وہ نہیں جو مدینے میں ہے بلکہ افاعیہ کی جانب تھی اور معدن بنوسلیم کے قریب تھی۔

عرام کہتے ہیں' مَرّان ایک بڑی بستی تھی' یہاں بہت سے چشمے اور کنوئیں تھے' کھجور کے درخت تھے' یہ بصرہ کے راستے پر تھی' یہ بنوھلال کے قبضے میں تھی جبکہ ایک حصہ بنو ماعز کا تھا وہاں قلعہ اور منبر تھا۔

مراوح

مِرْوَح کی جمع ہے۔ یہ قباء کے نزدیک ایک قلعہ تھا جو بنوضبیعہ کی شاخ سے ثابت کے قبضے میں تھا۔

مِربَد

مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں آ چکا ہے کہ یہ مقام پہلے ''مِربُد'' تھا (اونٹ بٹھانے کی جگہ) یونہی مسجد قباء بھی مربد تھی۔ مدینہ میں مرابد کئی تھیں۔

مربد النعم

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہاں تیمّم کیا تھا جیسے بخاری شریف میں ہے' اسی پر انہوں نے التیمّم فی الحضر کا مسئلہ بیان کیا ہے چنانچہ امام شافعی لکھتے ہیں کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جُرُف سے یہاں آئے

اور جب مربد پہنچے تو تیمم کیا اور نماز پڑھی۔ آپ سے کہا گیا کہ تیمم کر رہے ہیں جبکہ مدینہ کی دیواریں سامنے دکھائی دے رہی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ: کیا میں مدینہ میں داخل ہونے تک زندہ رہ سکوں گا؟ پھر وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو سورج ابھی اُونچا تھا' آپ نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی تھی۔

علامہ مجری کہتے ہیں کہ مربد النعم مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ دوسرے ایک میل بتاتے ہیں اور یہی قیاس بھی کہتا ہے۔

علامہ واقدی' خندق کی راہ پر صف بندی بتاتے ہوئے واقعۂ حرہ میں لکھتے ہیں کہ: یزید بن ہرمز ذباب سے مربد النعم تک کے مقام پر تھا' دھم غلام اس کے ہمراہ تھا جو جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ مربد النعم کے اندر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اونٹ رکھے جاتے تھے۔

مِرْبَع

منبر کے وزن پر ہے' یہ بنو حارثہ میں ایک قلعہ تھا۔

مُرْتَجْ

یہ مدینہ کے قریب ایک وادی تھی جو حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبضے میں تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وادی ودّان میں تھی۔

مُرْجَح

مکہ کے راستے میں ایک جگہ تھی۔ سفرِ ہجرت میں ابن اسحاق بتاتے ہیں: پھر راہنمائی کرنے والا آپ دونوں حضرات کو مرجح مجاج کی طرف لے چلا اور پھر ذی الغضوین سے ایک طرف کو ہوتے ہوئے دونوں کے اندر داخل ہوا' پھر کشد میں اور پھر جَدَاجد میں لے گیا۔ اس کے بعد ابن اسحاق نے اجرذ ذوسلم اور تعہن کا ذکر کیا۔

منذر بن ماء السماء بادشاہ' مراد پر داخل ہوا تاکہ اس کے بھائی عمرو بن ھند کی مخالفت کرے چنانچہ ان پر جبر سے کام لیا تو مکشوح مرادی نے اسے قتل کر دیا' پھر کہا:

"ہم نے مینڈھے کو قتل کر دیا ہے' ہم نے اس پر حَل میں حملہ کیا جو مرجح سے تعلق رکھتا ہے' ہم یہیں کھڑے تھے۔"

مُرْحَب

مُقْعَد کے وزن پر ہے۔ نبی کریم ﷺ خیبر کو جاتے ہوئے یہاں سے گذرے تھے۔ وہ راہ دکھانے والا آپ کو

ایک مقام پر لے گیا اور کہنے لگا کہ اس کی طرف جانے والے کئی راستے ہیں' آپ نے فرمایا: نام تو لو۔اس نے کہا ایک راستہ تو وہ ہے جسے حزن کہتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس پر نہ چلو' اس نے کہا اس راستے کو شاش کہتے ہیں۔آپ نے فرمایا: اس پر بھی نہ چلو' پھر کہا کہ ایک راستہ حـاطب ہے' آپ نے فرمایا' اس پر بھی نہ چلو' آج کی رات میں نے وہ نام سنے ہیں جن جیسے کبھی نہیں سنے۔راہنما نے کہا کہ ایک راستہ مرحب کو جانے کا ہے' کوئی اور راستہ نہیں رہا' اس راستے کا نام مرحب ہے: آپ نے فرمایا کہ اس پر چلتے جاؤ۔

ذوالمَرُخ

ساحلِ سمندر میں ینبع کے قریب ایک جگہ تھی۔

ذومَرُخ

فدک اور وابشیہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔علامہ مجد نے یہاں فـلـجـہ کے لفظ کی دلیل لکھی ہے جس کا ذکر آ چکا اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں مـزج ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے البتہ ذاء کو حرکت دے کر پڑھا ہے لیکن یاقوت کہتے ہیں کہ ذومرخ' عقیق میں ہے۔

مَرُوان

لفظ مَرُو کا تثنیہ ہے۔بڑے سفید چمکدار پتھر کو کہتے ہیں۔یہ ربذہ کے پہلو میں ایک پہاڑی تھی' کچھ ایسے قلعہ کا نام بتاتے ہیں۔

ذوالمَرُوہ

یہ صفا پہاڑی کے مقابلے کی پہاڑی کا نام ہے۔یہ مدینہ سے چھیانوے میل کے فاصلے پر ایک مقام بھی تھا۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ وادیٔ قرٰی میں ایک بستی تھی جو مدینہ کی حد سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔مجد کہتے ہیں' یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وادیٔ قرٰی اور ذی خشب کے درمیان تھی۔

میں کہتا ہوں مشہور یہی ہے کہ یہ ذی خشب اور وادیٔ قرٰی کے درمیان تھی لیکن آج کل اھل مدینہ ذی خشب میں موجود وادی کو وادیٔ قرٰی کہتے ہیں۔

علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ ذوالمروہ' وادیٔ قرٰی کے بعد مدینہ کی جانب تین دن کے سفر پر آتا ہے چنانچہ ابنِ زبالہ لکھتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ ذی المروہ میں اترے اور وہاں نمازِ فجر پڑھی پھر سورج بلند ہونے تک کسی سے بات نہیں کی' پھر وہاں سے نکلے اور مروہ پر آئے اور اس کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے اور یوں دعا کرنا شروع کی:

''الٰہی شہروں میں سے اسے بابرکت بنا' ان لوگوں سے وباء دور فرما دے' انہیں تازہ پھل کھانے کو

دے' الٰہی انہیں بارش عطا فرما' الٰہی انہیں جھگڑا کرنے والوں سے بچا اور انہیں ان سے بچا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ذوالمروہ میں تشریف فرما ہوئے تو ہر طرف سے جہینہ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور لوگوں سے تنگی کی شکایت کرنے لگے' یہ بتایا کہ وہ لوگ انہیں پانی نہیں لینے دیتے۔آپ نے ان لوگوں کو بلایا اور ان میں سے کچھ کو کچھ پر گواہ بنایا کہ میں انہیں یہ جگہ دے رہا ہوں اور انہیں کہہ دیا ہے کہ ان پر ظلم نہ کرنا' میں نے تمہارے لئے دعا کر دی ہے اور میرے دوست جبریل نے مجھے کہا ہے کہ میں تمہیں حلیف بنادوں۔

مساجدِ تبوک کے آخر میں بیان ہوا کہ آپ نے بنو رفاعہ کو جگہ دیدی تھی۔

مُرَیح

مرح کی تصغیر ہے جس کا معنیٰ خوشی ہوتا ہے۔یہ بنو قینقاع کا قلعہ تھا جو بطحان کی پل ختم ہونے کی جگہ پر تھا اور مدینہ جانے والے کی داہنی طرف تھا۔

مُرَیخ

مرخ (مشہور درخت) کی تصغیر ہے۔یہ ینبع کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جو برک اور رعان کے درمیان تھی۔

مُرَیسِیع

اسے غین سے بھی پڑھتے ہیں' یہ ساحلِ سمندر سے قدید کی جانب جگہ تھی۔حدیثِ طبرانی میں ہے کہ یہ بنوخزاعہ کا حوض تھا' اس کے اور فُرع کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ مریسیع سے فُرع کا فاصلہ ایک گھنٹے کا تھا' یہیں غزوۂ مریسیع ہوا تھا اور یہیں انہیں قید کیا گیا تھا۔

مُزَاحِم

یہ بنو الحبلیٰ کے گھروں کے عین درمیان قلعہ تھا۔ابن حبین کے راستے میں ایک بازار لگتا تھا' دورِ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں لگا کرتا' اس کی جگہ کو مزاحم کہتے تھے۔

مُزج

عقیق کے تالابوں میں سے ایک تھا' حنیبر سے سیلاب اس کی طرف آتا تھا۔

مُزدَلِف

یہ عتبان کے والد مالک بن عجلان کا قلعہ تھا جو مسجدِ جمعہ کے پاس تھا۔

مُسْتَظِلّ

اِسْتَظَلَّ بِالظِّلِّ سے اسم فاعل ہے (یعنی سائے میں چلا گیا)۔ یہ بئر غرس کے قریب ایک قلعہ تھا جو احیحہ بن عجلان کے پاس تھا پھر ان کے دادا کی دیت کے بدلے میں بنوعبد المنذر کو مل گیا۔

مُسْتَعْجِلَه

یہ وہ تنگ جگہ تھی کہ ناربہ کی طرف سے خیف اور صفراء کو جاتے وقت اس میں سے گزرتے تھے۔

مُسْتَنْذِر

بنودیل کے قبیلے کے بیان میں اس پہاڑی کا ذکر آ چکا ہے اور مستندر اقصیٰ کا ذکر عیر پہاڑ کے ذکر میں ہے۔

مُسَیَّر

یہ بنوعبد الاشہل کا قلعہ تھا جو بنو حارثہ کے پاس تھا۔

مَسْکَبَہ

سَکَبَ سے لیا گیا ہے اس کا معنیٰ پلٹ دینا ہوتا ہے۔ مسجد قباء کی شرقی جانب ایک جگہ تھی وہاں ایک قلعہ تھا جسے واقم کہتے تھے۔

مَسْلَح

مدینہ کے ماتحت ایک جگہ تھی۔

مُسْلِح

صفراء نامی دو پہاڑوں میں سے ایک تھا۔

مشاش

ایک وادی جو عقیق کے کھلے علاقے میں گرتی تھی۔

مَسْرُوح

مدینہ کے نواح میں ایک جگہ تھی۔

مِشْعَط

مِرْفَق (کہنی) کے وزن پر ہے۔ یہ بنو حدیلہ کا قلعہ تھا مسجد ابی بن کعب کی غربی جانب تھا۔ اسی جگہ میں ابونبیہ

کا گھر تھا اور اُمہات المؤمنین نیز سیّدہ فاطمتہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی قبروں کے بیان میں آ چکا ہے کہ یہ گھر بقیع کی غربی جانب تھا کیونکہ خوخہٗ ابو نبیہ کا ذکر وہاں ہوا ہے پھر یہ حدیث گذر چکی ہے: اگر بلاء کہیں ہوسکتی ہے تو وہ مشعط کے اندر ہوگی۔

مِشْعَل

مِنْبَر کے وزن پر ہے۔یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

مشفق

مدینہ اور تبوک کے درمیان ایک وادی تھی۔

ابن اسحاق حضور ﷺ کی تبوک سے مدینہ کو واپسی کے ذکر میں لکھتے ہیں: راستے میں پانی تھا جو وشل سے نکلتا تھا' جو ایک' دو اور تین آدمیوں کو بھی سیراب نہ کرتا تھا' وہ ایسی وادی میں تھا جسے وادی مشفق کہتے تھے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم میں سے جو پہلے یہاں پہنچ جائے تو ہمارے آنے تک یہاں سے پانی نہ پئے' منافقوں کا ایک گروہ پہلے پہنچ گیا اور انہوں نے سارا پانی پی لیا۔آپ جب وہاں پہنچے تو کچھ بھی موجود نہ تھا۔آپ نے فرمایا: کیا میں نے انہیں منع نہ کر دیا تھا اور پھر ان پر لعنت فرمائی۔پھر آپ نے پہاڑی کے نیچے ہاتھ رکھا تو اللہ کی مرضی سے آپ کے ہاتھوں سے پانی بہہ نکلا۔آپ نے اسے ہاتھ لگایا اور دعا فرمائی تو پانی جاری ہو گیا اور نکلتے ہوئے پانی سے شور نکل رہا تھا۔

مُشَيْرِب

مشرب کی تصغیر ہے یعنی پانی پینے کی جگہ۔اس کا ذکر حدودِ حرم کے بیان میں آ چکا ہے۔

مَسَرّ

ضریّہ کی چراگاہ کی اوپر والی جانب ایک وادی تھی۔

مَصْلوق

بنوعمرو بن کلاب کے کنوؤں میں سے ایک کنواں (یا تالاب) تھا۔

مُصَلّٰی

یہ مدینہ میں مصلائے عید تھا اور اسی نام کی عقیق مدینہ میں ایک جگہ تھی۔

مُضَیّح

بنوھوازن کا پہاڑ تھا اور یہیں پر حسین بن زید کا ایک کنواں (یا تالاب) تھا۔اور مضیق الصفراء مستعجلہ ہی کو کہتے

ہیں۔

مطلوب

مدینہ کے قریب ایک گہرا کنواں تھا جو مدینہ کی شامی جانب تھا' ایک تالاب نَمْلی میں تھا' ایک خثعم کا تھا' یہیں عبدالملک نے جائیداد لی تھی جو بنو اُمیہ کی سب زمینوں سے اچھی تھی۔

مُظْعِن

سقیا اور ابواء کے درمیان ایک وادی تھی۔

معجب (معجف)

مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی اور معجف ایک باغ کا نام تھا جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں تھا' غزوۂ موتہ کے موقع پر انہوں نے خدا اور رسول کے لئے پیش کر دیا تھا۔

معدن الاحسن

اسے معدن الحسن بھی کہتے تھے۔ مدینہ پاک میں یہ بنو کلاب کی ایک جگہ یا بستی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یمامہ کی ایک بستی تھی۔

معدن بنی سُلَیم

اسے معدن قران بھی کہتے ہیں۔ یہاں نجد کے راستے میں بڑی بستی تھی جہاں کنوئیں وغیرہ تھے اور یہ مدینہ سے سو میل کے فاصلے پر تھی۔ ابن سعد کے مطابق چھیانویں میل کے فاصلے پر تھی۔

معدن المامون

مغیث کے لفظ میں اس کے بارے میں لکھا آ رہا ہے۔

معدن النقرہ

بطنِ نخل سے دو دن کی مسافت پر تھی۔

مُعَرَّس

مسجدِ معرس میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔ سحری کے وقت مسافر کے سو جانے کو کہتے ہیں۔

معرض

بنو قریظہ کا قلعہ تھا' وہ جب خوفزدہ ہوتے تو اس میں آ جاتے تھے اور یہ بقیع بنو قریظہ کے اس سائبان سے ایک اس نخیل تک تھا جہاں سے سیلاب نکلتا تھا۔ اسی نام کا قلعہ بنو عمرو اور بنو ثعلبہ کا بھی تھا جو دار سوید میں تھا اور جو ان کی مسجد کے بالمقابل تھا۔

مُعْرِقَه

یہ وہ راستہ تھا جہاں سے قریش شام کو جایا کرتے' یہ ساحلِ سمندر کے ساتھ تھا اور جب واقعہ بدر ہوا تو قریش کا لشکر اسی راستے پر گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا: کہاں لے چلو گے' کیا معرقہ کے راستے پر جاؤ گے یا مدینے کے راستے پر؟

مُعَصَّب

معرس کے وزن پر ہے' بنو جحجبی کے گھروں کا نام تھا۔

مَغْسَلَه

علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس کے سین پر زیر ہے جیسے مَنْزِلَه کا لفظ ہے۔ مدینہ کی ایک طرف صحراء تھا جہاں لوگ جا کر نہایا کرتے۔ تاریخ دانوں نے یونہی لکھا ہے اور آج کل مدینہ کے قریب یہ بہت بڑا باغ ہے۔ انتہٰی۔ اور بطحان کی غربی جانب ہے لیکن آج کل یہ مَغْسَلَه کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ بنو دینار کی ایک مسجد الغسالین تھی اور ظاہر ہے کہ وہ اسی مقام پر تھی۔

مُغَلَاوَان

یہ زمین پر پھیلی عظیم پہاڑی تھی جو ابن ہشام کے تالاب کی طرف تھی۔

مُغِيْث

اَغَاثَ کے لفظ سے اسمِ فاعل ہے' یہ چاندی کی کان اور ربذہ کے درمیان ایک وادی تھی' اسے مغیث ماوان کہتے تھے۔ علامہ اسدی اسے مغیثۃ الماوان کہتے ہیں۔ انہوں نے وہاں کنوؤں اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر معدن الماوان تھی اور جو اس معدن کی اوپر والی جانب پہاڑ تھا' اسے مشقر کہتے ہیں۔

مَغْوُثَہ

مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

مُفْحِل

مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ تھی۔

مَقَارِیب

مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ تھی۔

مَقَاعِد

مَقْعَد کی جمع ہے۔ مدینہ کے دروازے پر ایک جگہ تھی۔ داؤدی کہتے ہیں کہ یہ سیڑھی تھی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دارِ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک چبوترہ تھا۔ عیاض کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد کے دروازے کے قریب ایک جگہ تھی' یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کے گرد ایک چبوترہ تھا۔ ابن حبیب بتاتے ہیں کہ حضرت عثمان کے گھر کے نزدیک ایک چبوترہ تھا اور حضرت عثمان کا گھر مشرق میں مسجد کے دروازے کے قریب تھا اور یہ بات علامہ باجی وغیرہ کے اس قول کے مطابق ہے کہ: یہ مسجد کے دروازے کے قریب ایک جگہ تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت حمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پانی کا لوٹا لے کر گیا' وہ مقاعد پر بیٹھے تھے' انہوں نے اچھی طرح سے وضو کیا اور بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ نے مجلس میں وضو فرمایا الحدیث پھر حدیث ابو داؤد میں ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہوا تو آپ نے ان کی نماز جنازہ مقاعد میں پڑھی تھی۔

ابو الفرج نہروانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں تشریف فرما۔ نبی کریم ﷺ سے ایک ایسے آدمی کے بارے شعر پڑھنے کی اجازت چاہی جو اس نے اللہ و رسول کے بارے میں لکھے تھے۔ پھر بتایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: آؤ مقاعد کو چلیں۔ جب وہ مقاعد میں پہنچے تو اس نے اشعار سنائے۔

مُقْشَعِرّ

قُشَعْرِیْرَہ مصدر سے اسم فاعل ہے۔ یہ قبلیہ کے پہاڑوں میں سے ایک تھا۔

مُقَمّل

وادیٔ نقیع میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا' اسی پر مسجد مقمل تھی جس کا مسجدوں میں ذکر گزر چکا۔

مَكْرَعَه

بئر عذق کے قریب مسجد قباء میں ایک جگہ تھی۔

مُكَسَّر

كَسَّرَ تَكْسِيْرًا سے اسم مفعول ہے اور ذوالمکسر' عقیق کی ایک وادی تھی۔

مكيمن

مکمن کی تصغیر ہے۔ مکیمن الجماء کا لفظ بولتے ہیں' وادئ عقیق میں جماء تضارع سے متصل ایک پہاڑ ہے۔ ابن شبہ کی "اخبار مکہ" میں ہے کہ جماءِ عاقر عقیق مدینہ کے اندر ایک بت تھا جسے مکیمن کہتے تھے اور چونکہ جماء العاقر اس کے قریب تھی لہٰذا اسی وجہ سے اس کا نام یہ پڑ گیا۔

مُلْتَعَذ

عقیقِ مدینہ میں ایک جگہ تھی۔

ملحاء

عقیق کی ایک وادی تھی۔

مِلْحه

بنو قریظہ کا قلعہ تھا جو ابن ابی جدیس کی اراضی کی پچھلی طرف تھا اور بنو قریظہ کی نچلی جانب کھیتی تھی جو رکیہ اور ضریۃ کے پہلو میں تھی' اسے مِلْحَہ کہتے تھے' وہاں ایک قلعہ تھا اور شاید یہ وہی تھا۔

ملحتان

مِلحہ کا تثنیہ ہے۔ یہ ملح (نمک) کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ یہ اشعر میں قبلیہ کی ایک وادی تھی جو شامی جانب سے ظلم سے ملتی تھی اور یہ دونوں مقام ملحۃ الرمث اور ملحۃ الحریض تھے۔

مَلَل

مکہ کے راستے میں ایک وادی تھی جو مدینہ سے اکیس میل کے فاصلے پر تھی۔ ابن وضاح اسے بائیس میل لکھتے ہیں۔ کچھ اٹھارہ میل کہتے ہیں' کچھ کہتے ہیں کہ اس سے دو راتوں کی مسافت پر تھی۔

مؤطا میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں جمعہ پڑھا اور عصر کی نماز ملل میں پڑھی۔ مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ گرمی تھی اور آپ تیز رفتاری سے گئے تھے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ ملل

ایک وادی تھی جو جبل مزینہ ورقان سے نچلی طرف تھی اور فرش سویقہ میں گرتی تھی پھر فرش سے نیچے جا کر اضم میں گرتی تھی اور پہلے آ چکا ہے کہ یہ ذی خشب کے مقام پر اضم میں مل جاتی تھی اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ مدینہ سے دو راتوں کی مسافت پر تھی' اس کا یہی مطلب ہے۔

ابن الکلبی کہتے ہیں کہ تبع جب مدینہ سے واپس چلا تو ملل میں آ ٹھہرا تھا' یہاں تھکا ماندہ آیا تھا چنانچہ اس کا نام ملل رکھ دیا۔

علامہ کثیر سے پوچھا گیا کہ اسے ملل کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہاں ٹھہرنے والا آ کر تھک گیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ مدینہ سے یہاں چل کر آنے والا یہاں پہنچ کر تھک جاتا تھا۔

مَناصِع

مدینہ میں یہ وہ مقام تھا جہاں رات کے وقت عورتیں قضائے حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جب گھروں میں طہارت خانے نہ بن سکے تھے۔ یہ مقام بئر ابوایوب کی جانب تھا اور شاید آج کل بئر ایوب کے نام سے یہی مقام مشہور ہے جو مدینہ کی حفاظتی دیوار کے مشرق میں ہے اور بقیع غرقد کی شامی جانب ہے۔ باقی زقاق المناصع کا ذکر ان گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے جو شرقی جانب مسجد کے ارد گرد تھے۔

مَناقب

مدینہ کے قریب ایک پہاڑ تھا جس سے یمن کو یمامہ اور نجد کے اعالی کی طرف سے راستہ جاتا تھا۔ کلامِ اصمعی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مقام ذاتِ عرق کے قریب نجد میں تھا لہٰذا عقیق مدینہ مراد نہیں۔

مُنبجس

یہ وادیٔ عُرج کا نام ہے۔

مُنتَخِر

مشعر کی طرف فرش ملل میں ایک جگہ تھی۔

مُنحَنی

یہ وہ جگہ تھی جس کا ذکر اس غزل میں ہے جو مدینہ کے مقامات کے بارے میں لکھی گئی ہے اور اہلِ مدینہ آج کل یہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ مصلّٰے کے قریب تھی جو بطحان کی شرقی جانب ہے' اسی لئے شیخ شمس الدین ذھبی نے کہا تھا:

''میری جوانی یوں واپس گئی جیسے تھی ہی نہیں اور مڑ کر بڑھاپا چھا گیا تو جو منحنی اور نقا کا معاینہ کرتا ہے تو ان دونوں کے بعد مصلّٰے تک کچھ نہیں دیکھتا۔''

مُنشد

حمراء الاسد کی بائیں جانب ایک پہاڑ ہے جیسے علامہ ہجری کہتے ہیں کہ شاید آج کل یہ پہاڑ حمراءِ نملہ کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ فُرع کے راستے میں حمراءِ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے پھر رضوئی اور ساحل کے درمیان منشد ایک جگہ بھی ہے اور تیم کا ایک شہر بھی ہے۔

مُنعِج

علامہ ہجری نے اس کا نام منجح لکھا ہے۔ یہ وہ وادی تھی جس میں بنوغنی کی اراضی تھی جو اضاخ اور اَمرة کے درمیان ضریہ چراگاہ کی جانب تھی۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ چراگاہِ ضریہ میں ایک جگہ تھی اور پھر بنو اسد کی وادی بھی تھی جہاں پانی کی کثرت تھی۔

مُنقّٰی

نَقّٰی سے اسمِ مفعول ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں' یہ اس زمین کا نام تھا جو اُحد اور مدینہ کے درمیان تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں' کچھ لوگ یومِ اُحد پر رسول اللہ ﷺ سے شکست کھائے بھاگ آئے تھے' وہ منقی میں پہنچے جو اعراض کے قریب تھا۔

میں کہتا ہوں کہ منقی اس کا نام نہیں جس کا ذکر علامہ مجد نے کیا ہے اور جو اعوص کے بیان میں گذرا بلکہ وہ ہے جو عراق کے راستے میں مدینہ کی شرقی جانب مشہور ہے اور مجد کا گمان ہے کہ یہ شکست صرف مدینہ کے لئے تھی حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ شقرہ کے لفظ میں گذر چکا ہے اور ابنِ قتیبہ کے معارف میں گذرا ہے کہ وہ شکست خوردہ تین دن کی مسافت پر گئے تھے۔

مُنکّثہ

نَکَثَ یَنکُثُ سے ہے جب کوئی چیز ٹوٹ جاتی ہے تو بولتے ہیں۔ یہ قبلیہ کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی جو اجرد سے شروع ہو کر بوطا میں جا ملتی تھی۔ یہ اجرد جہینہ کا پہاڑ تھا۔

منور

مدینہ کے قریب ایک پہاڑ تھا۔ قاموس میں ہے کہ یہ ایک جگہ یا پہاڑ تھا جو حرۂ بنوسلیم میں تھا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا: تم میں سے کون دور اور منور کو جانتا ہے؟ مزینہ میں سے ایک نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ دور اور منور کے درمیان بہتر منزل ہے کیونکہ یہ اونٹوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے جو لوٹ' ڈالا کرتے

ہیں' دیکھو بخدا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تمہاری اس دنیا سے میرا حصہ یہی مسجد ہے جو دور اور منور میں ہے' میں اس میں عبادت کروں گا یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔

منور بنو نضیر کا ایک قلعہ بھی تھا جو ابن طہبان کے گھر میں تھا۔

مَنِیْع

فعیل کے وزن پر ہے' یہ بنو سواد کے قلعے کی جگہ تھی اور مسجد قبلتین کی جنوبی جانب حرہ کے میدان میں تھی۔

مُنِیْف

اَنَاف سے اسم فاعل ہے' بنو دینار بن نجار کا قلعہ تھا جو ان کی مسجد کے قریب تھا۔

مھایع

ایک بڑی بستی تھی جہاں منبر تھا اور سایہ کے قریب تھی۔اس کا والی امیر مدینہ کی طرف سے ہوتا تھا۔

مھجور

مدینہ کے قریب ہی ایک تالاب (یا کنواں) تھا۔

مِھْرَاس

جبل اُحد میں ایک چشمہ (یا تالاب) تھا اور یہ اُحد کی گھاٹی کے آخر میں مشہور ہے' چھوٹے بڑے گڑھوں سے بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا تھا' مھراس اسی گڑھے کا نام تھا۔

حضور ﷺ کو اُحد کے دن پیاس لگی' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گڑھے سے پانی لے کر حاضر ہوئے' اس کی بُو اچھی نہ تھی' آپ نے انہیں معاف فرمایا اور اس سے چہرہ کا خون دھویا اور سر پر ڈال لیا۔ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اس دن گھوم کر پہاڑ کی طرف آئے لیکن اس جگہ غار تک نہ پہنچے۔وہ مھراس کے نیچے تھا۔پھر انہوں نے حضور ﷺ کا ان کی طرف آنا بیان کیا۔

ابن عقبہ کے مغازی میں ہے کہ لوگ گھاٹی پر چڑھے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ثابت قدم رکھا' آپ پیچھے سے انہیں بلا رہے تھے' اس وقت مھراس کے پاس گھاٹی میں کھڑے تھے۔اس کے بعد راوی نے آپ کا گھاٹی میں آواز دینے کے لئے چڑھنا بیان کیا۔

مُھْرُوْز

بازار مدینہ کی جگہ تھی۔

مھزُور

مدینہ کی وادیوں میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

مَھزول

چراگاہِ ضریہ میں کنوئیں کی اگلی طرف ایک وادی تھی۔ علامہ زمخشری نے کہا کہ تنوف پہاڑ کی نچلی طرف تھی۔

مَھیُعَہ

مَعِیشہ کے وزن پر ہے۔ اسے مَھُیَعَہ بر وزن مرحلہ کہا جاتا ہے' یہ جحفہ کا نام تھا۔ حافظ منذری لکھتے ہیں کہ جب عمالقہ نے عاد کے بھائی بنو عبیل کو یثرب سے نکال دیا تو یہاں آ ٹھہرے' ان کے پاس جحاف کا سیلاب آیا جو انہیں بہالے گیا چنانچہ اسی وجہ سے اس کا نام جحفہ پڑ گیا۔ علامہ عیاض کہتے ہیں: جحفہ نام پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ سیلاب انہیں بہا لے گیا تھا۔

موجا

بنو وائل بن زید کا قلعہ تھا' یہاں ان کی مسجد تھی۔

میاسر

عذرہ کے علاقے میں ایک جگہ تھی جو اس علاقے میں رحبہ اور سقیا الجزل کے درمیان تھی' یہ وادیٔ قرٰی کے قریب تھی۔

ذو المِیُثَب

عقیق کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی۔

مُیطان

بنو قریظہ کا شرقی جانب پہاڑ تھا۔ علامہ عرام کہتے ہیں کہ یہ شوران کے بالمقابل تھا' یہاں ان کا کنواں تھا جسے صعہ کہتے تھے' یہاں سبزہ وغیرہ موجود نہ تھا' یہ سلیم اور مزینہ کے قبضے میں تھا' اس کے بالمقابل سن نامی پہاڑ تھا' کچھ اور بلند پہاڑ بھی تھے جنہیں حلاء کہتے تھے۔

مُنقَعَہ

یہ نجد کی جانب بطن نخل کے پیچھے کونے پر ایک جگہ تھی جو مدینہ سے چھیانویں میل دور تھی' غالب بن عبد اللہ لیثی کا چھوٹا سا لشکر یہیں پہنچا تھا۔

حَرْفُ النُّون

نَابِع

صاحب کے وزن پر ہے' نَبَعَ الْمَاءُ (پانی پھوٹ پڑا)۔ یہ جگہ مدینہ کے قریب تھی۔

نَاجِیَہ

بصرہ کے راستے پر مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔ اصمعی کہتے ہیں کہ بنو اسد کے علاقے میں جس کی نچلی طرف ایک کنواں (یا تالاب) تھا۔

نَازِیَہ

یہ ایک وسیع جگہ تھی جہاں کانٹے دار درخت تھے' یہ مستعجلہ اور مسجد المنصرف کے درمیان تھی یعنی مسجد الغزالہ کے درمیان۔ علامہ عیاض نے اسے وہاں چشمہ قرار دیا ہے چنانچہ کہتے ہیں: نازیہ ایک چشمہ تھا جو مکہ سے جانے والے کے راستے پر صفراء کے قریب تھا اور مضیق الصفراء سے پہلے مدینہ کے زیادہ قریب تھا۔ یہ اس وقت بند ہو گیا تھا جب وہاں جنگیں ہوئی تھیں۔ انتہٰی۔

علامہ عرام رحضیہ کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: پھر وادیٔ عریفطان کی طرف چڑھتے ہوئے مکہ کی طرف پھر جائے' اس وادی کے بالمقابل پہاڑ تھے جنہیں اُبلی کہا جاتا تھا' پھر ایک وادی تھی جسے سودہ کہتے تھے۔ ان کے ہاں تالاب ضبلیعہ تھا' یہ میٹھے کنوئیں تھے جو قابلِ زراعت تھے' یہ وسیع زمین تھی' وہیں ایک چشمہ تھا جسے نازیہ کہتے تھے جو بنو حقاف اور انصار کے درمیان تھا' انہیں یہاں پر ضرر پہنچا تو انہوں نے اسے بند کر دیا حالانکہ یہ میٹھا چشمہ تھا' انہی جگہوں کی وجہ سے ان کے یہاں کئی لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ سلطانِ شہر نے کئی مرتبہ انہیں اپنی زمین کے عوض کثیر رقم دینا چاہی لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ پھر عرام نے ابلیٰ کے تالابوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب تم نازیہ سے گزرو تو عدنیہ تالات پر پہنچو گے اور پھر اس مقام سے تم سوارقیہ پہنچو گے جو یہاں سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

اس نازیہ میں کئی جنگیں ہوئی تھیں جو مضیق الصفراء اور مدینہ کے درمیان نہ تھیں بلکہ ابلیٰ' رحضیہ اور سوارقیہ کی طرف تھیں لیکن سب کا نام ایک تھا۔

نازیین

یہ ایک بلند جگہ تھی جہاں عبداللہ بن حارث کی قبر تھی۔ جیسے مسجد مضیق الصفراء میں گزرا۔

ناصفه

عقیق نامی وادیوں میں ایک وادی تھی تاہم علامہ زمخشری نے اسے قبلیہ کی وادیوں میں شمار کیا ہے۔

ناعم

صاحب کے وزن پر ہے۔ یہ خیبر کا ایک قلعہ تھا۔ خیبر کے دن محمود بن مسلمہ یہیں قتل ہوئے تھے۔ ناعم ایک اور جگہ تھی۔

نَاعِمَه

عوالیٔ مدینہ میں حدیقہ (باغ) تھا اور اس کی ایک طرف نویعمہ باغ تھا' اس جگہ کو نواعم کہتے تھے۔

نبَاع

ینبع اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی پھر عقیق کی وادیوں میں عشرہ پھر نبعة الطوی پھر الحیثیة اور پھر نبعہ تھیں۔ اس نباع کے بارے میں خفاف بن ندبہ کہتے ہیں:

''بطنِ نباع میں مجھے گھروں سے عشق ہے۔''

نُبَیْع

زبیر کے وزن پر نَبَعَ الْمَاءُ سے لیا گیا ہے۔ یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

نُبی

نبی ﷺ کا نام' مدینہ کے قریب ایک پہاڑ تھا۔ کچھ اور جگہوں کا نام بھی یہی تھا۔

نَجُد

جرش سے کوفہ تک کی سرزمین کے درمیان ایک جگہ تھی جس کی مغربی حد' حجاز تھی اور قبلہ کی بائیں جانب یمن تھا اور یہ نجد پورے کا پورا یمن کے زیر اثر تھا۔ یہ عیاض کا قول ہے لیکن درست یہ ہے کہ یمن کے تحت نجد کا ایک خاص حصہ تھا' پورا نجد نہ تھا۔

نُجَیْر

صَفِینہ نامی جگہ کے بالمقابل ایک تالاب تھا۔

نُجَیل

نَـجْـل کی تصغیر ہے۔ یہ ینبع کے قریب' مدینہ کا ایک حصہ تھا۔ قاموس میں ہے کہ یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی یا ینبع کے ماتحت تھی۔

نُخَال

ایک وادی کا نام تھا جو صفراء میں گرتی تھی' اسے شعب کہتے تھے۔ ارابن میں اس کا ذکر ہو چکا۔

نَخَل

نَـخْـلـه کا اسمِ جنس ہے۔ یہ نجد میں بنوثعلبہ کی رہائش تھی جو مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنی محارب اور بنوثعلبہ بن غطفان سے غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تو نــخــل میں اُترے تھے' یہ غزوۂ ذات الرقاع تھا۔ حافظ ابن حجر غزوۂ ذات الرقاع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کے قول: فَنَزَلَ نَخْلًا سے مراد وہ مکان تھا جو مدینہ سے دو دن کے سفر پر وادی میں تھا جسے شدخ کہتے تھے۔ اس وادی میں قیس' فزارہ' اشجع اور انمار کے کئی گروہ رہتے تھے۔

بیہقی نے الدلائل میں واقدی کے حوالے سے لکھا ہے' وہ کہتے ہیں: ذات الرقاع 'نخیل کے قریب ایک جگہ تھی جو سعد' شقراء اور بئر ارما کے درمیان تھی اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ درست بات یہ ہے کہ تین دن کی مسافت پر تھی۔

نَخَلٰی

جَمَزٰی اور نَسَكٰی کے وزن پر ہے۔ اشعر کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی جو ینبع میں گرتی تھی' اس کی نچلی طرف حسن بن علی بن حسن کے تالاب تھے جن میں سے ایک ذات الاسیل تھا اور اس کی نچلی طرف بـلـده اور بـلـيـده تھے۔

نُخَیل

نخل کی تصغیر ہے۔ یہ مدینہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک چشمہ (تالاب) تھا۔ علامہ اسدی کہتے ہیں کہ یہ فید کے راستے میں ایک منزل تھی جہاں پانی تھا اور کدید نامی بستی کا بازار تھا' یہاں چشمے تھے جو حسین بن علی کے تھے جنہیں فـخ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اسدی کے مطابق یہ مدینہ سے ساٹھ سے کچھ زیادہ میل کے فاصلے پر تھا اور کدید میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد تھی اور جس وادی میں راستہ تھا اسے ذوامر کہتے ہیں۔

نِسَار

بِحَساب کے وزن پر ہے۔ضریہ کی چراگاہ میں ایک پہاڑی تھی۔کچھ کہتے ہیں کہ یہ نَسر نامی پہاڑ تھا۔ابوعبید کہتے ہیں کہ یہ کئی پہاڑ تھے جو ایک دوسرے کے قریب تھے انہیں انسر کہا جاتا تھا اور نسار اسی کو کہتے تھے۔

نَسُر

مشہور پرندے (گدھ) کے نام سے ہے۔یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

نِسُح

یہ وہ جگہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء نے چراگاہ بنایا تھا۔یہ وادیٔ عقیق کی ابتداء میں تھی۔گویا کہ بقیع کی چراگاہ کا نام تھا کیونکہ یہ عقیق کے شروع میں تھی۔

نُصُب

یہ بھی مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قبلیہ کی رہائشی جگہوں میں سے تھی۔

حضرت مالک کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذات النصب کی طرف سوار ہوئے تھے اور نماز قصر پڑھی تھی۔نُصُب اور نُصُب بتوں کو کہتے تھے۔

نُصُح

صفراء اور ینبع کے درمیان سیاہ رنگ کے پہاڑ تھے اور نُصَیح' عذیبہ کے قریب ایک پہاڑ تھا۔

نَضَاد

حجازی لوگ اسے نَضَاد پڑھتے ہیں بروزن قطام اور بنوتمیم اسے غیر منصرف ناموں میں شمار کرتے ہیں یہ ضریہ کی چراگاہ میں غنی کا پہاڑ تھا۔

نَضِیر

یہود کے ایک قبیلہ کے کچھ لوگ یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

نطاۃ

خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ تھا۔کچھ کہتے ہیں کہ خیبر کی ساری زمین کو کہتے ہیں لیکن واقدی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خیبر کی ایک جانب تھی اور نبی کریم ﷺ نے جب قلعۂ ناعم فتح کیا تو وہاں کے لوگ قلعۂ زبیر کو چلے گئے۔یہ قلعہ قلّہ کے سرے پر بڑا محفوظ تھا۔یہود میں سے ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی' اگر آپ مجھے

امان دیدیں تو میں آپ کو ایسی راہنمائی کروں گا کہ آپ اہل نطاہ کو آسانی سے فتح کر کے اہلِ شق کی طرف جاسکیں گے۔ آپ نے اسے امان دیدی۔ اس نے کہا کہ آپ مہینہ بھر بھی یہاں ٹھہرے رہیں تو ان یہودیوں کو پرواہ نہیں کیونکہ زیرِ زمین ان لوگوں نے یہ نالا کھودا ہوا ہے وہ اس سے پانی پی سکیں گے چنانچہ آپ نے ان کا وہ نالا بند کر دیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ یہ آخری قلعۂ نطاۃ تھا جسے آپ نے فتح کیا اور پھر اہلِ شق کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

نُعمان

یہ مدینہ میں ایک وادی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں مشرکین، احد کی جانب بابِ نعمان میں ٹھہرے تھے' الاکتفاء میں بھی یہی روایت ہے لیکن تہذیبِ ابن ہشام میں ہے کہ وہ نقمی میں ٹھہرے تھے۔

نُعَیم

زُبَیر کے وزن پر ہے۔ یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔

نعف مناسیر

ابن السکیت کہتے ہیں کہ یہ دوداء اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

نَفَّاع

بنوخطمہ کے گھروں میں ایک قلعہ تھا جو بئرِ عمارہ پر تھا۔

ذونَفَر

اسے نَفُر بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ربذہ کی پچھلی طرف ایک جگہ تھی جو سلیلہ سے تین دن کے سفر پر تھی۔

نَفِیس

اس کی طرف محل کا لفظ منسوب تھا چنانچہ اسے قصرِ نفس کہتے تھے۔

نِقَاب

یعنی عورت کے منہ ڈھانکنے کا کپڑا۔ یہ مقام مدینہ کے ماتحت تھا۔ یہاں سے دو راستے نکلتے تھے جو وادیٔ قرٰی اور وادیٔ میاہ کی طرف جاتے تھے۔

نَقَا

یہ وادیٔ بطحان اور اس جگہ کے درمیان ایک جگہ تھی جہاں تالاب تھا جو بئرِ اَعجام کے نام سے مشہور تھا۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ جس نقا کا ذکر شعروں میں ملتا ہے وہ مصلّے کی غربی جانب سے وادیٔ بطحان کے غرب میں

حاجیوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے درمیان تھا' یہ وادی مصلّٰی اور نقا کے درمیان واقع تھی۔

نقب بني دينار

اسے نقب المدینه کہتے تھے۔یہ حرۂ غربیہ میں عقیق کا راستہ تھا' یہیں تالاب بھی تھا۔ابن اسحاق سفر بدر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آپ نقب المدینه پر مکہ کو چلے تھے' پھر عقیق پر تشریف لے گئے۔ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ: قریش سے غزوہ کے لئے آپ نقب بنی دینار پر چلے تھے اور پھر فیفاء الخبار کو چلے گئے تھے۔

نُقْعَاء

حَمْراء کے وزن پر ہے' چراگاہِ نقیع کی پچھلی طرف دیار مزینہ میں ایک جگہ تھی۔نبی کریم ﷺ غزوہ بنی المصطلق میں یہاں ٹھہرے تھے۔یہ جگہ عقیق کی وادیوں میں سے تھی۔علامہ کثیر نے اسے مرج راهط اور نقعاء راهط کے نام دیئے ہیں۔

سیرتِ واقدی میں مسلمانوں کے مریسیع سے واپسی پر تیز چلنے کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تیسرے دن اس پانی کے پاس پہنچے جسے نقعاء کہتے تھے' یہ نقیع کی اوپر والی جانب تھا۔لوگوں نے اس غزوہ میں پیٹھیں پھیرلیں تو شدید آندھی نے گھیر لیا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔

پھر واقدی نے حضور ﷺ کی اس اطلاع کا ذکر کیا کہ یہ آندھی مدینہ میں ایک بڑے منافق کے مرنے کی وجہ سے چلی تھی۔ منافقوں کو اس کا سخت صدمہ ہوا۔یہ شخص زید بن رفاعہ بن تابوت تھا جو اسی دن مرا تھا اور جب وہ مدینہ پہنچے تو اھلِ مدینہ نے بتایا کہ یہاں بھی آندھی چلی تھی اور جب اس منافق کو دفن کر دیا گیا تو رُک گئی تھی۔

نَقَمٰی

یہ احد کے قریب ایک جگہ تھی' یہ ابو طالب کی تھی۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ خندق کے دن غطفان اور ان کے پیروکار نجدی آئے اور نقمی کے کنارے احدؔ کی جانب ٹھہرے تھے۔

نَقِيْع

نقیع کی چراگاہ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے (حِمَی النقيع)۔

نقيع الخَضِمات

علامہ مجد کہتے ہیں کہ نقیع الحمی اور نقیع الخضمات الگ الگ تھیں' نون دونوں میں آتا ہے اور بقیع پڑھنا غلط ہے۔خضمہ سبز جڑی بوٹی اور اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سبزہ ہو۔

نقیع الخضمات ' مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ بنایا تھا' یہ حجاز کی

وادیوں میں سے تھی' اس کا سیلاب مدینہ کو جاتا تھا اور حمی النقیع بیس فرسخ کے فاصلے پر تھی۔

ابن سیّد الناس حدیثِ ابو داؤد ذکر کرتے ہیں: حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ میرے والد جب جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لئے دعا کرتے۔ میں نے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں سب سے پہلے انہوں نے ہی هزم النبیت میں جمعہ پڑھایا تھا' اسے نقیع الخضمات کہتے تھے۔ پھر کہا کہ نقیع الخضمات اس روایت میں تساء سے آیا ہے لیکن بکری نے اسے نون سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ هزم النبیت ایک پہاڑ تھا جو مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔

نمرہ

عطرہ کے وزن پر ہے۔ یہ قدید میں ایک جگہ تھی' صاحب المسالک والممالک نے اسے مدینہ کے ماتحت علاقوں میں ذکر کیا ہے۔

نَمَلٰی

جَمَزٰی 'قلبیٰ' اور نسکی کے وزان پر ہے' علامہ جرمی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے قریب ایک چشمہ تھا' اسے نملاء کہتے ہیں جو حمراء کے وزن پر ہے' گویا اسے نملی کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کثرت سے کیڑیاں رہتی تھیں۔ علامہ اصمعی عامری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نملی پہاڑ تھے جن کے قریب اور پہاڑ تھے جو بلند نہ تھے۔ اس نملی کے پانیوں میں سے حنجرہ اور ودکاء بھی تھے۔ عامری کہتے ہیں کہ اصل نملی کا ایک اور کنواں (یا چشمہ) بھی تھا جو وادئ مہزور میں تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ضریّہ کی چراگاہ کی ایک جانب تھا۔

نُهْبَان

یہ نہب اسفل اور نہب اعلیٰ نامی دو بلند پہاڑ تھے جو مزینہ اور بنولیث کے تھے جو اوپر چڑھنے والوں کی دائیں طرف قدسین کے بالمقابل تھے' ان دونوں اور قدسین و ورقان کے درمیان راستہ فرق کرتا تھا۔

نواحان

یہ قباء میں بنوانیف کے دو قلعے تھے۔

نَواعم

اس کا ذکر لفظ ناعمہ میں گذر چکا ہے۔ یہ عالیہ میں بنونضیر کے گھر تھے۔

نُوبَہ

یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔ اس کا ذکر مغازی (جنگوں) میں ملتا ہے۔ یہ یاقوت نے لکھا

ہے پھر بنو بہ پھیلی ہوئی سرخ رنگ کی پہاڑی بھی تھی جو بنو ابوبکر بن کلاب کی زمین میں تھی۔

نِیَار

یہ ایک قلعہ تھا یا ایک شخص تھا جس کی طرف یہ قلعہ منسوب تھا' یہ بنو مخذعہ کے گھروں میں تھا۔

نُیَر

یہ وہ پہاڑ ہے جس کا ذکر ضریہ کی چراگاہ میں گذرا۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ یہ وہ پہاڑ ہے جو نجد کی اوپر والی جانب ہے' غنی کی شرقی جانب اور فاخرہ کی غربی جانب......

نِیق العُقاب

جحفہ کے قریب ایک جگہ تھی جہاں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ' ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن مغیرہ سے ملے تھے جو ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ استیعاب میں ہے کہ یہ دونوں آپ سے سقیا اور عرج کے درمیان ملے تھے' یہ بھی کہتے ہیں کہ ابواء میں ملے تھے۔

حَرفُ الهاء

هَدَبِیّه

یہ تین کنوئیں تھے جو بنو جعاف کے تھے' نہ تو یہاں زرعی زمین تھی اور نہ ہی باغ۔ یہ سوارقیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔

هَجَر

حدیث قلّتین میں اس کا ذکر موجود ہے۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ لفظ هَجَر مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی تھی۔ اس سے مراد هجر البحرین نہیں جو ایک مشہور شہر تھا۔

هُجَیم

عصبہ میں ایک قلعہ تھا۔ اس کا ذکر بئر هجیم میں آ چکا ہے۔

هَدّار

سوارقیہ کے نزدیک ایک مقام تھا۔ یہی هدّار یمامہ کی جانب مسیلمہ کذاب کا گھر بھی تھا۔

ھُدُن

وادیٔ قری کی پچھلی طرف ایک تالاب تھا۔

ھَرشٰی

سَکرٰی کے وزن پر ہے۔ ثنیہ کا لفظ اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں (ثنیہ ھرشٰی)، عقبہ ھرشٰی بھی بولا جاتا ہے۔ یہ مکہ کے آدھے راستے پر ایک نشان تھا۔

علامہ عرام کہتے ہیں کہ یہ برابر زمین پر پھیلی پہاڑیاں تھیں، یہاں کوئی شے اُگتی نہ تھی، اس کی نچلی طرف دو میل کے فاصلے پر وَدّان تھی جو مغیب الشمس سے ملتی تھی۔ یہ ھرشٰی اس مقام پر واقع ہے جو شام اور مدینہ کے راستے کو ملاتا ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ طریق شام سے انہوں نے آج کل کے طریقِ مصر کو مراد لیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ وہ راستہ ہے جہاں سے مدینہ کے حاجی گذرتے ہیں لیکن ھرشٰی ان کی بائیں طرف ہے کیونکہ وہ خبت میں چلتے ہیں اور وَدّان اس سے رابغ کی طرف نچلی طرف ہے۔ قدیم دور میں یہ دو راستوں کے ملنے کی جگہ تھی، اس کے دو راستے تھے، ان میں سے جس راستے پر بھی کوئی چل کر آتا ایک ہی جگہ پہنچتا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عقیل بن علقمہ کو تلاوتِ قرآن کرنے کو کہا تو انہوں نے سورۂ زلزال پڑھی اور اس آیت پر پہنچے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: کیا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ تم اچھی تلاوت نہیں کر سکو گے، اللہ تعالیٰ نے تو خیر (بھلائی) کا ذکر پہلے کیا ہے لیکن تم نے شرّ کو پہلے کر دیا ہے۔

اس نے کہا:

"دونوں آیتوں نے ھرشٰی کا ناک پکڑ رکھا ہے۔"

اس پر سارے لوگ ہنس پڑے۔

ھلوان

عقیق کی وادیوں میں سے ایک وادی تھی۔

ھَکَرٰی

یہ ایک مشہور جگہ تھی اور مدینہ سے چالیس میل کے فاصلے پر تھی، وہاں اس کے امیر کبھی کبھی ٹھہرا کرتے تھے۔

ھَکَرَان

یہ ایک پہاڑ ہے جو قباء کے بالمقابل کشب نامی جگہ میں ہے۔

هَمَج

یہ تالاب تھے جہاں کھجور کے درخت تھے' یہ وادیٔ قریٰ کی جانب تھے۔

هيفاء

یہ بئرِ المطلب سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔

حرف الواو

وَابل

صاحب کے وزن پر ہے۔شدید اور موسلا دھار بارش کو کہتے ہیں۔یہ عوالیٔ مدینہ کی طرف ایک جگہ تھی۔

واتده

یہ نقیع کی چراگاہ کی بالائی جانب ایک نشان کھڑا تھا جہاں وادیٔ مجوی گرتی تھی۔

وادی

یہ اس وادی کا نام تھا جس میں فج الروحاء تھی۔

وادی ابی کبیر

یہ محرم اور معرس کی اوپر والی جانب تھی اور حفیرہ کی ابتداء میں تھی۔

وادی اُحَيِّلِيِّين

تاریخِ حجاز میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

وادی اَزْرَق

لفظ جمدان میں گذر چکا ہے کہ یہ امج سے ایک میل بعد میں تھی پھر صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ وادیٔ ازرق سے گذرے تھے تو فرمایا تھا: میں ایسے دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام اس گھاٹی سے اُتر رہے ہیں' وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اللہ کی پناہ لے رہے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا رہے ہیں۔اس کے بعد ھرشی کی گھاٹی پر تشریف لائے اور فرمایا: میں گویا یونس بن متّٰی کو دیکھ رہا ہوں۔

امام بخاری کا یہ کہنا ہے کہ ''پھر آئے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کو تشریف لائے۔

وادی بطحان

یہ مدینہ کی وادیوں میں سے تھی۔ پانچویں فصل میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

وادی جزل

یہ وہ وادی تھی جس میں رحبہ تھی اور جزل کا سقیا' وادیٔ قری کے قریب تھا اور وادیٔ اِضم' نخیل ذی المروہ میں مل جاتی تھی۔

وادی دحیل

نقیع کی چراگاہ میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

وادی دوم

یہ خیبر کی شمالی جانب سے اس کے قبلہ تک پھیلی ہوئی تھی' شمال سے اس کا اوّل حصہ مقامِ غمرہ تھا اور قبلہ کی طرف سے قصیبہ تھا۔ یہ خیبر اور عراص کے درمیان فاصلہ بنتی تھی۔

وادی سَمُك

صفراء کی طرف ایک وادی تھی' کبھی کبھی حاجی یہاں سے گذرتے تھے۔

وادی القرٰی

قری کی بہت سی وادیوں میں ایک تھی جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ایک قدیم شہر تھا جو مدینہ اور شام کے درمیان تھا۔ ابن قرقول نے یہاں عجیب بات کہی ہے کہ یہ مدینہ کے ماتحت تھی انتہی۔ لیکن اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کیونکہ صاحب المسالک نے اسے واضح کر دیا ہے جیسے لفظِ تبوک میں گذر چکا ہے اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ دومۃ الجندل مدینہ کے ماتحت تھا اور وادیٔ قری میں تھا بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس سے بعید تھا کیونکہ یہ مدینہ سے پندرہ یا سولہ رات کے سفر پر تھا۔

رہی وادیٔ قری تو طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ حضرت اسامہ بن زید جب غزوۂ روم سے واپس آئے تو رفتار تیز کر دی اور سات راتوں میں وادیٔ قری پہنچے پھر تیز دوڑنے کا ارادہ کیا اور چھ روز میں مدینہ پہنچے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ حِجرِ ثمود وادیٔ قری سے ایک دن کے سفر پر تھا اور یہ بھی آ چکا ہے کہ العلاء وادیٔ قری کی ایک جانب تھا۔

علامہ بیہقی نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر سے وادیٔ قری کو چلے اور جب ہم وادیٔ قری میں ٹھہرے اور یہودیوں کے پاس پہنچے تو ان کے پاس عرب کے لوگ اکٹھے ہوئے۔

پھر حضرت واقدی نے یہودیوں کے سامنے آنے کا ذکر کیا' وہ اپنے قلعوں میں چلا رہے تھے۔اگلے دن حضور ﷺ ان کے پاس پہنچے' ابھی نیزہ بھر سورج نہیں ابھرا کہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور آپ نے جنگ کے ذریعے اس مقام کو فتح کیا۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سارا مالِ غنیمت دیا۔رسول اللہ ﷺ چار دن تک وہاں ٹھہرے رہے اور وہیں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تاہم زمین اور کھجور کے باغ ان کے قبضے میں رہنے دیئے' انہیں ان کے سپرد کر دیا۔

جب تیماء کے یہودیوں کو پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے خیبر' فدک اور وادیٔ قریٰ کو فتح کر لیا ہے تو انہوں نے جزیہ دینے کی شرط پر صلح کر لی' زمینیں ان کے قبضے میں رہیں اور جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو آپ نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا لیکن اہلِ تیماء کو رہنے دیا' وادیٔ قریٰ کے یہودیوں کو بھی رہنے دیا کیونکہ وہ دونوں مقامات شام کی زمین میں تھے۔یہ روایت ملتی ہے کہ وادیٔ قریٰ کے قریب سے مدینہ تک حجاز تھا اور اس سے اوپر والا حصہ شام میں شمار ہوتا تھا' حضور ﷺ خیبر اور وادیٔ قریٰ کو فتح کر کے واپس لوٹ آئے۔

احمد بن جابر کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادیٔ قریٰ کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں کیا تھا۔

ذی المروہ کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ کچھ نے اسے وادیٔ قریٰ میں شمار کیا ہے اور اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے تو یہ وہ وادیٔ قریٰ نہ ہو گی کیونکہ بلاکث اور برمہ کے ذکر میں اس کی تائید موجود ہے اور آج کل اہلِ مدینہ بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ وہ ذی المروہ اور ذی خشب کی جانب کو وادیٔ قریٰ شمار کرتے ہیں۔

واردات

ضریہ کی چراگاہ میں زمین پر پھیلی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔

واسط

بنو خدرہ کا قلعہ تھا' ایک اور قلعہ بھی تھا جو بنو خزیمہ کا تھا جو حضرت سعد بن عبادہ کی قوم تھی' ایک اور بھی تھا جو بنو مازن بن نجار کا تھا پھر یہ ینبع اور بدر کے درمیان ایک جگہ تھی پھر ایک پہاڑ بھی تھا جس کے ساتھ عقیق کے سیلاب ٹکراتے تھے اور پھر جثجاثہ میں گر جاتے تھے۔

وَاقِم

صاحب کے وزن پر ہے۔یہ بنو عبد الاشہل کا قلعہ تھا پھر مسکبہ میں بھی ایک قلعہ تھا جو مسجد قباء کے مشرق میں تھا یہ ابو عویم بن ساعدہ کا تھا پھر احیحہ کا بھی ایک قلعہ تھا۔

والج

شیخان یہیں موجود تھے' یہ دونوں قلعے تھے اور اس کی ایک جانب وادیٔ قناۃ کے ساتھ ایک قلعہ تھا جسے ازرق کہتے تھے۔

وبُرَہ

آرہ کے پہاڑوں میں سے ایک چشمے پر یہ بستی تھی۔ اس کا ذکر حضرت اھبان اسلمی کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ یہیں میں رہتے تھے اور یہ جگہ بنو اسلم کی تھی۔

وَبعَان

اسے وَلِعَان بھی پڑھتے ہیں' آرہ کی کسی جانب ایک بستی تھی۔

وَجُمَہ

یہ ایک پہاڑ تھا۔

وَحِیدۃ

لفظ وحید کی مؤنث ہے۔ یہ جگہ ماریہ کے ماتحت تھی جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھی۔

وَدّان

فُرع کے قریب ایک بستی تھی' جہاں ضمرہ' غفار اور کنانہ قبائل رہتے تھے' یہ ابواء سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔

ابو زید کہتے ہیں کہ ودان کا تعلق جحفہ سے تھا اور یہ وہاں سے ایک دن کے سفر پر تھی' اس کے اور ابواء کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا' جب میں حجاز میں تھا تو ودان میں بنو جعفر بن ابو طالب کا ایک رئیس تھا' فرع میں ان کی جائیداد اور قبیلہ تھا' ان کے اور حسنی لوگوں میں جنگیں ہوتی تھیں' یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور پھر یمن سے ایک گروہ غالب آ گیا جو بنو حرب کہلاتے تھے۔

وَدُعان

ینبع میں ایک جگہ تھی۔

ھضب

ایک پہاڑ تھا جس کا ذکر ضریہ کی چراگاہ میں آ چکا۔

وَرْقَان

مدینہ سے جانے والے کی بائیں طرف سیاہ رنگ کا ایک عظیم پہاڑ تھا جو سیالہ سے جی تک عرج اور رویثہ کے درمیان جھکا ہوا ہے اور دائیں طرف اس کے پہلو میں سیالہ ہے پھر روحاء پھر رویثہ اور پھر جی ہے' ورقان میں کئی قسم کے پھل دار اور بے پھل درخت ہیں' یہاں چشمے بھی تھے' یہاں بنو اوس رہتے تھے جن کا مزینہ سے تعلق تھا۔

علامہ اسدی کہتے ہیں کہ یہ سیالہ سے نکلتے وقت راستے کی بائیں طرف تھا اور کہتے ہیں کہ یہ مکہ سے متصل تھا۔

علامہ عرام ذکر کرتے ہیں کہ جو جی کے نزدیک اس کے ساتھ تھا وہ قدسان تھا' اس کے اور ان دونوں کے درمیان عقبہ رکوبہ کا فاصلہ تھا اور احد پہاڑ کی فضیلت میں گذر چکا ہے کہ حدیث طبرانی کے مطابق ورقان جنت کا ایک پہاڑ ہے' پھر یہ حدیث بھی ہے کہ پہاڑوں میں سے بہتر احد' اشعر اور ورقان ہیں اور پھر یہ کہ یہ پہاڑ ان میں سے تھا جو مدینہ میں گرے تھے اور جس پر اللہ کی تجلی پڑی تھی' ایک اور روایت میں ہے کہ یہ ان پہاڑوں میں سے تھا جن سے کعبہ بنا تھا پھر مسجد عرق الظبیہ میں گذر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس پہاڑ کا نام کیا ہے؟ یعنی ورقان کے بارے میں فرمایا' آپ نے مزید فرمایا کہ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے' الٰہی اس میں برکت دے اور اس کے اهل کو برکت دے' پھر فرمایا کہ یہ روحاء کی نرم زمین ہے اور یہ جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔

ابن شبہ کہتے ہیں' کہا جاتا ہے: هٰذا یَوْمٌ حَمْتٌ' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دن خوب گرم ہو۔

وَسْبَاء

بنو سلیم کا چشمہ تھا جو ابلی کے دامن میں تھا۔

وسط

ضریہ کی چراگاہ میں ایک پہاڑ تھا۔

وسوس

یہ لفظ وســـواس سے لیا گیا ہے' یہ قبلیہ کی وادیوں میں سے تھی جو اُجرد سے حاضرہ اور نکباء میں آ پڑتی تھی' یہ دونوں شاخیں تھیں' یہاں جہینہ وغیرہ کا باغ تھا اور حاضرہ بنو عبد العزیز بن عمر کا چشمہ تھا جو حرار کی ابتداء میں تھا۔

وَشِیْجَہ

عقیق کی وادیوں میں سے ذو وشیع تھی جو مدینہ کی جائیداد میں شامل تھی۔

وَطِیح

خیبر کے بڑے قلعوں میں سے ایک تھا' یہ نام ثمود کے ایک شخص وطیح بن مازن کے نام پر رکھا گیا تھا۔ کتاب ابو

عبیدہ میں یہ لفظ وطیحہ ہے۔

وظیف الحمار

یہ عقیق میں ایک وادی تھی جو سلیمان بن عبد الملک کے کنوئیں سے زغابہ تک کے درمیان تھی۔
طبقات ابنِ سعد میں حضرت ماعز کے قصہ میں ہے کہ جب انہیں پتھر لگا تو عقیق کی جانب دوڑے اور مکیمن میں گھر گئے انہیں گھیرنے والا عبد اللہ بن انیس تھا جس نے وظیف الحمار میں گھیرا چنانچہ اسے مار مار کر قتل کر دیا۔
یہ مکیمن عقیق میں تھی لیکن اس جگہ سے دور تھی۔

وَعِیُرہ

ثور پہاڑ کی شرقی جانب ایک پہاڑ تھا جو اس سے بڑا اور احد سے چھوٹا تھا۔

ولعان

وبعان کو ولعان بھی کہہ لیتے تھے۔

حَرْفُ الیَاء

یَتِیُب

یہ وہ پہاڑ ہے جس کا ذکر حدودِ حرم میں آیا ہے۔

یثرب

مدینہ منورہ کے ناموں میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یثرب مدینہ کی بستیوں میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہ قناۃ سے جرف تک کا علاقہ تھا۔یعنی اس کی یہ حد مشرق و مغرب کی طرف سے ہے اور برفی کہلا۔ والی زمین سے زبالہ تک یعنی شام اور قبلیہ تک (یہ علاقہ وہ ہے جہاں کی بستیوں میں سے یثرب مرکزی ہے) پھر یثرب کہلانے والے علاقے کی شامی جانب نخل ہے جسے "مال" کہتے ہیں اور زبالہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ذویدوم

عقیق کی وادیوں میں سے ہے۔

یدیع

فدک اور خیبر کی جانب کا علاقہ ہے جہاں فزارہ وغیرہ کے کنوئیں اور چشمے ہیں۔

یراجم

نقیع کے خالی حصے میں پہاڑ کے آخر میں ایک تالاب تھا' حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نقیع کے اندر یراجم کے تالاب سے وضو فرمایا اور فرمایا کہ (اس وقت) تم برکت والی بستی میں ہو۔

یَرْعَہ

یہ جگہ دیار فزارہ میں ثوابہ اور حراضہ کے درمیان تھی۔

یَلْبن

نقیع کی چراگاہ میں ایک تالاب (یا نہر) تھی۔ابن السکیت کہتے ہیں کہ یہ نقیع میں بڑا گڑھا تھا۔علامہ ھجری کہتے ہیں کہ فصیح و بلیغ لوگ اس لفظ کو اَلْبَن اور یَلْبَن بولتے ہیں۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے قریب ایک پہاڑ تھا' کچھ کہتے ہیں کہ یہاں تالاب تھا۔

یسیرہ

کنوؤں کے بیان میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

یَلْیَل

ینبع اور صفراء کی جانب ایک وادی تھی جو سمندر میں جا گرتی تھی' وہیں ایک بڑا چشمہ تھا جو ریت سے نکلتا تھا اور چشموں میں سب سے گہرا تھا جہاں کچھ بویا نہ جا سکتا تھا' وہاں کھجور کے درخت اور سبزیاں وغیرہ اُگتی تھیں۔اسے نجیر کہا جاتا تھا اور اس سے اگلی طرف جار کی وادی تھی جو نجیر کے ایک کنارے پر تھی۔

غزوۂ بدر کے ذکر میں آتا ہے کہ قریش' وادی کے مقام "عدوۂ قصوٰی" میں اُترے تھے جو عقنقل اور یلیل کی پچھلی طرف' بدر اور عقنقل کے درمیان تھی لہٰذا یہ یَـلْـیَـل وہ نہیں جس کا ذکر خلائق کے لفظ میں گذر چکا ہے کیونکہ وہ ضبوعہ کے قریب تھی۔

حضرت سبرہ بن معبد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بادل دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں اُمید تھی کہ یہ بادل ہم پر برسے گا۔آپ نے فرمایا کہ اسے یَلْیَل میں برسنے کا حکم ملا ہے یعنی وہ وادی جسے یلیل کہتے ہیں۔

یَنْبع

نَبَـعَ سے فعل مضارع کا لفظ ہے' کوئی چیز ظاہر و غالب ہو تو کہتے ہیں۔مدینہ کے نزدیک چار دن کے سفر پر ایک مقام ہے۔یہاں کثرت سے چشمے تھے لہٰذا یہ نام پڑا۔کہتے ہیں کہ یہاں ایک سو ستر چشمے تھے اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں پہنچے اور اس کے پہاڑوں کی طرف نظر کی تو کہا: ان سے کتنا ستھرا پانی نکلتا ہے۔یہاں جہینہ' بنو

لیث اور انصار رہا کرتے تھے' آج کل یہ بنوحسن کا ہے جو علوی کہلاتے ہیں۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کو ینبع میں کچھ زمین دی اور پھر انہوں نے حضرت عمر کا کچھ حصہ خریدا۔

حضرت کشد بن مالک جہنی کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید بن علی ''مسحار'' میں اترے (یہ حوزۂ سفلی اور منحوین کے درمیان شام کے تاجروں کے راستے میں ایک جگہ تھی) وہ ابوسفیان کے لشکر کی تلاش میں تھے۔ کشد ان سے آگے نکل گئے اور جب حضور ﷺ نے ینبع لے لیا تو کشد کو دے دیا' انہوں نے کہا: میرے پاس بہت کچھ ہے' آپ میرے چچا زاد کو دے دیجئے چنانچہ انہیں دے دیا گیا' ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن سعد انصاری تیس ہزار درہم میں خرید لیا' عبدالرحمٰن اس کی طرف گئے اور نقع لیا' واپس آئے تو حضرت علی بن ابو طالب ینبع کے قریب ملے' پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ینبع سے' میں نے اس کی قیمت لگا دی ہے تو آپ خریدنا چاہتے ہیں؟ حضرت علی نے کہا: میں نے قیمت دے دی ہے۔ انہوں نے کہا' یہ آپ کا ہو گیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ینبع کے علاقے ذوالعشیرہ میں حضرت علی کو زمین دی پھر حضرت عمر نے اپنے دور میں انہیں ایک ٹکڑا دیا پھر حضرت علی نے اس کے ساتھ ایک قطعہ خریدا تھا۔ حضرت علی کے ینبع میں کئی چشمے (یا حوض) تھے جو الگ الگ مقامات پر تھے' آپ نے انہیں عام لوگوں کے لئے چھوڑ دیا۔

حضرت ابوفضالہ ینبع میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کو گئے' وہ بیمار تھے' حضرت علی نے کہا' آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں' اگر آپ یہاں فوت ہو گئے تو جہینہ کے دیہاتی آپ کو سنبھالیں گے لہٰذا مدینہ کو چلے جایئے' اگر آپ کو موت آ گئی تو آپ کے ساتھی آپ کو سنبھال لیں گے۔ حضرت علی نے کہا کہ میں اس تکلیف سے نہیں مروں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عہد دے رکھا ہے کہ اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک مجھے ضرب نہ لگے گی اور میری ڈاڑھی وغیرہ خون سے لت پت نہ ہو جائے گی۔

یَهیق

مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی۔ علامہ مجد کہتے ہیں' کہ اس لفظ کا ذکر کسی نے بھی نہیں کیا' حدیث میں آیا ہے: ''عنقریب اہل مدینہ پر تلوار چلے گی۔''

یُیَین

عرب زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا پہلا اور دوسرا حرف ''یاء'' ہو' صرف یہی ایسا لفظ ہے۔ صغانی نے اسے یَیَّن لکھا ہے۔

علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ جگہ ایک وادی تھی جو مدینہ کی آبادیوں میں تھی اور یہاں چشمہ تھا' یہ مدینہ سے ایک برید (بارہ میل) کے فاصلے پر تھی۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ وادی میں ایک تالاب تھا جسے ''حورتان'' کہتے تھے' یہ بنو حسن میں سے بنو زید موسوی کے قبضے میں تھا۔

''سر الصناعہ'' میں ہے کہ یین ایک وادی تھی جو ضاحک اور ضویحک کے درمیان تھی پھر دو پہاڑ تھے جو ''فرش'' کی نچلی طرف تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں کا سیلابی پانی ''حورتین'' میں گرتا تھا۔اس چشمے اور بستی کے آثار اب تک یہاں موجود ہیں' یہاں پھل بکثرت تھے اور ھجری نے یہ کہا ہے کہ ''یین'' مدینہ کا پھلوں والا شہر ہے۔یہ بنو زید کی بستی کے قریب مشہور تھا پھر ان کے اور بنو یزید کے درمیان لڑائیاں ہوئیں چنانچہ بنو زید یہاں سے صفراء کو چلے گئے اور بنو یزید فُرع کو' یہ برباد ہو گیا۔قدیم زمانے میں یہاں بنو اسلم کے گھر تھے۔

حضرت اسماء بن خارجہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس یومِ عاشورا پر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا: اے اسماء! آج تم نے روزہ رکھا ہے؟ میں نے عرض کی' نہیں' آپ نے فرمایا: ابھی روزے کا ارادہ کر لو میں نے عرض کی' میں نے تو صبح کو کھانا کھایا تھا۔فرمایا: باقی دن روزہ دار کی طرح گذارو اور اپنے قومی لوگوں سے بھی کہو کہ روزہ رکھ لیں۔

اسماء کہتے ہیں کہ میں نے اپنا جوتا ہاتھ میں لیا اور اسے پہنے بغیر یین میں اپنی قوم کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ دن کے باقی حصے کا روزہ رکھ لو۔

اھبان اسلمی کی حدیث میں ہے کہ وہ یین میں رہتے تھے' ایک دن وہ حرّہ وبرہ میں بکریاں چرا رہے تھے کہ بھیڑیا ان کی بکریوں پر جھپٹا۔الحدیث۔

یین کا درمیانی راستہ' درب الفقرہ کا راستہ تھا جو جماوات کی شامی جانب تھا کیونکہ یین مکہ کے راستے پر ملل کے قریب تھا۔

ابن اسحاق بدر کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں: پھر آپ ''تربان'' سے گذرے' پھر ''ملل'' سے' پھر ''غمیس الحمام'' سے اور پھر ''صخیرات الثمام'' سے۔نیز یین ایک کنواں تھا جو وادیٔ عیاش میں تھا۔واللہ اعلم!

آٹھواں باب

اس میں زیارۃ النبی ﷺ کا ذکر ہے

اس میں چار فصلیں ہیں۔

فصل نمبر۱

زیارت کے بارے میں واضح قسم کی احادیث

پہلی حدیث:

دار قطنی کے مطابق حضرت عبید اللہ بن عمر، حضرت نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ○

''جو میری قبر کی زیارت کر لیا کرے گا، اسے لازماً میری شفاعت ملے گی۔''

یہاں اس حدیث کے راویوں کے بارے میں بڑی لمبی بحث لکھی گئی ہے جس کا قارئین حضرات سے کوئی تعلق نہیں البتہ الفاظِ حدیث کی وضاحت کچھ یوں ہے:

حدیث میں وَجَبَتْ کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شفاعت ثابت شدہ ہے یہ ضرور حاصل ہو گی کیونکہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔

ایک لفظ ''لَهٗ'' ہے یعنی یہ شفاعت صرف زیارت کرنے والے کے لئے ہوگی، کسی اور کے لئے نہ ہوگی، یا یہ مراد ہے دوسروں کو بھی یہ شفاعت حاصل ہو گی لیکن اسے خصوصیت حاصل ہو گی، اس میں اس کے لئے عظمت ہو گی، یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ زیارت ترک نہیں کرے گا تو ان میں شامل ہو جائے گا جنہیں یہ شفاعت ملے گی۔

پھر ''شَفَاعَتِیْ'' کے الفاظ میں زیارت کرنے والے کے لئے عزت و شرافت ہے کیونکہ فرشتے، انبیاء اور مؤمنین بھی تو شفاعت کریں گے لیکن اسے یہ خصوصیت حاصل ہو گی کہ حضور ﷺ خود اس کی شفاعت فرمائیں گے اور یہ بات واضح ہے کہ شفاعت کرنے والا جتنا عظیم ہوگا، اس کی شفاعت بھی اتنی ہی عظیم ہو گی۔

دوسری حدیث:

بزاز کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَحَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ○

''جو بھی میری قبر کی زیارت کرے گا' میری شفاعت اس کے لئے حلال ہو جائے گی۔''
علامہ سبکی کہتے ہیں کہ یہ وہی پہلی حدیث ہی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ پہلی حدیث میں لفظ وَجَبَتْ ہے اور اس میں حَلَّتْ ہے۔ یہاں یہ حدیث ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلی حدیث کی تائید کی جا سکے۔

تیسری حدیث:

طبرانی نے کبیر اور اوسط میں جبکہ دارقطنی نے اسے اپنی امالی میں لکھا ہے اور ابن مقری نے اپنی معجم میں' حضرت مسلمہ بن سالم جہنی کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَّا تَحْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۝

''جو میری زیارت کو آیا کرے گا' میری زیارت کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو گا تو یہ میرا لازمی حق ہو گا کہ قیامت کو میں اس کی شفاعت کروں۔''

ابن مقریؒ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا كَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۝

''جو بھی میرے پاس میری زیارت کو آئے گا تو اللہ کا مجھ پر حق ہو گا کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔''

حافظ ابن السکن نے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی ہے: باب ثواب من زار قبر النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ' یہ امام تھے۔ جو نہایت پختہ تھے' ۳۵۳ھ کو مصر میں فوت ہوئے۔ ان کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع ثابت ہے۔

چوتھی حدیث:

دارقطنی اور طبرانی کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَيَاتِیْ۝

''جو حج کرے اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کرے گا تو یوں سمجھو کہ گویا میری زندگی میں اس نے میری زیارت کی۔''

پھر ابن الجوزی نے ''مثیر الغرام الساکن'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت لکھی ہے' وہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَيَاتِیْ وَ صُحْبَتِیْ۝

''جو حج کرکے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کرے گا تو ایسے ہوگا جیسے اس نے میری حیاتی میں میری صحبت میں میری زیارت کی۔''

پانچویں حدیث:

ابن عدی نے الکامل میں یہ حدیث لکھی ہے' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي○

''جو حج کرے لیکن میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

چھٹی حدیث:

دار قطنی نے اپنی ''السنن'' میں اس حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ فِي الْمَدِيْنَةِ فَلْيَفْعَلْ○

''جو شخص مدینہ منورہ میں فوت ہونے کی صورت نکال سکتا ہے' اسے یوں کرنا چاہیے۔''

حضرت دار قطنی اس حدیث کو بیان کرکے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِي اِلَى الْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا وَّ شَفِيْعًا○

''جو مدینہ میں آ کر میری زیارت کرے گا تو میں اس کی شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔''

ساتویں حدیث:

ابو داؤد طیالسی کہتے ہیں کہ ہمیں سوار بن میمون ابو الجراح عبدی نے بتایا کہ آلِ عمر میں سے مجھے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے کہا تھا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

مَنْ زَارَ قَبْرِيْ' یا فرمایا مَنْ زَارَنِيْ كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا وَّ شَهِيْدًا وَمَنْ مَّاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ○

''جو میری قبر کی زیارت کرے' یا فرمایا میری زیارت کرے تو میں اس کی شفاعت کروں گا یا فرمایا اس کی گواہی دوں گا اور جو دو حرموں میں سے ایک میں فوت ہو جائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے امن والے لوگوں میں اٹھائے گا۔''

آٹھویں حدیث:

ابو جعفر عقیلی سوار بن میمون سے اور وہ آلِ خطاب میں سے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِی الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۝

”جو میرا ارادہ لے کر میری زیارت کرے گا' قیامت کو میرے قریب ہو گا اور جو دونوں حرموں میں سے ایک میں فوت ہو گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے امن پانے والے لوگوں میں اُٹھائے گا۔“

پھر ایک اور روایت میں ھارون بن قزعہ سے اور وہ آلِ خطاب میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہوئے ”فی جواری یوم القیمٰة“ کے بعد لکھتے ہیں:

مَنْ سَکَنَ الْمَدِیْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰی بَلَائِهَا کُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۝

”جو مدینہ میں رہائش رکھے اور اس میں آنے والی تکلیفوں پر صبر سے کام لے تو میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا یا فرمایا کہ شفاعت کروں گا۔“

اور پھر اس کے بعد من الآمنین کی بجائے من الآمنین یوم القیمٰة کے الفاظ لکھے ہیں۔

نویں حدیث:

امام دارقطنی نے ھارون بن قزعہ سے اور انہوں نے آلِ حاطب میں سے ایک شخص کے ذریعے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ مَّاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۝

”جو میرے وصال کے بعد میری زیارت کرے گا تو یوں ہو گا جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو دو حرموں میں سے ایک میں فوت ہو گا تو اسے قیامت کے دن امن پانے والے لوگوں میں اُٹھایا جائے گا۔“

دسویں حدیث:

ابو الفتح ازدی حضرت عماد بن محمد کے ذریعے لکھتے ہیں کہ مجھے میرے خالو سفیان نے منصور سے' انہوں نے میم سے' انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ حِجَّةَ الْإِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِيْ وَغَزَا غَزْوَةً وَصَلّٰى فِيْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَمْ يَسْأَلْهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْمَا افْتُرِضَ عَلَيْهِ○

''جو اسلام کے مطابق حج کرے' میری قبر کی زیارت کرے' کسی جنگ میں حصہ لے اور بیت المقدس میں نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر فرض کردہ اعمال میں سے کسی کے بارے میں حساب لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔''

گیارھویں حدیث:

ابو الفتوح سعید بن محمد یعقوبی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ وَ اَنَا حَيٌّ وَ مَنْ زَارَنِيْ كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ○

''جو میرے وصال کے بعد میری زیارت کرے گا تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کر لی' میں قیامت کے دن اس کا گواہ بنوں گا یا فرمایا کہ اس کی شفاعت کروں گا۔''

بارھویں حدیث:

ابن ابی الدنیا کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَّ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ○

''جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کرے گا' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کی گواہی دوں گا۔''

ایک اور روایت میں ہے كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ البتہ بیہقی نے اسے یوں روایت کیا ہے:

مَنْ مَّاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ زَارَنِيْ مُحْتَسِبًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ○

''جو دو حرموں میں سے ایک میں فوت ہوگا تو قیامت کے دن امن پانے والوں میں اٹھایا جائے گا اور جو مدینہ میں ثواب کی نیت سے میری زیارت کرے گا تو قیامت کے دن میرے قریب ہوگا۔''

تیرھویں حدیث:

ابن نجار اپنی اخبار مدینہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِيْ مَيِّتًا فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ حَيًّا وَ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا مِنْ

اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ لَهٗ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ یَزُرْنِیْ فَلَیْسَ لَهٗ عُذْرٌ○

''جو میرے وصال کے بعد میری زیارت کرے گا تو گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کر لی اور جو میری قبر کی زیارت کرے گا تو قیامت کے دن میں لازماً اس کی شفاعت کروں گا اور میرے کسی بھی اُمتی کو توفیق ہو اور پھر بھی میری زیارت نہ کرے تو قیامت کو اس کے پاس کوئی بہانہ نہ ہوگا۔''

چودھویں حدیث:

حضرت ابو جعفر عقیلی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ فِیْ مَمَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ زَارَنِیْ حَتّٰی یَنْتَهِیَ اِلٰی قَبْرِیْ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَهِیْدًا اَوْ قَالَ شَفِیْعًا○

''جو میرے وصال کے بعد میری زیارت کرے گا تو ایسے شخص کی طرح ہوگا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو میری قبر پر آ کر میری زیارت کرے گا تو قیامت کے دن میں اس کی گواہی دوں گا یا فرمایا شفاعت کرونگا۔''

پھر ابن عساکر نے اپنی طرف سے سند بیان کر کے لکھا کہ آپ نے فرمایا تھا:

مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ کَانَ کَمَنْ رَّاٰنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ○

''جس نے خواب میں میری زیارت کی تو وہ اس شخص جیسا ہوگا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔''

پندرھویں حدیث:

ابن مندہ کے دور میں ایک حافظ الحدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بتائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ اِلٰی مَکَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِیْ فِیْ مَسْجِدِیْ کُتِبَتْ لَهٗ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ○

''جو مکہ کو حج کرنے جائے اور پھر میری مسجد میں میری زیارت کا ارادہ لے کر آئے تو اس کے لئے دو حج کا ثواب لکھ دیا جائے گا جو قبول شدہ ہوں گی۔''

یہ حدیث مسند الفردوس میں ہے لیکن سبکی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

سولھویں حدیث:

حضرت یحییٰ بن حسن بن جعفر حسینی نے اخبار المدینہ میں لکھا ہے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ بتاتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ لَّمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ○

"جو میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کرے گا تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں میری زیارت کر لی اور جس نے میری زیارت نہ کی یقیناً اس نے مجھ پر ظلم کیا۔"

پھر ابو سعید عبد الملک بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری جرکوسی نے "شرف المصطفےٰ ﷺ" میں بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ لَّمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ○

"جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو یوں ہوگا کہ جیسے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو میری قبر کی زیارت نہ کرے گا' یقیناً مجھ پر ظلم کر رہا ہوگا۔"

یہ عبد الملک ۴۰۶ھ میں نیشاپور کے اندر فوت ہوئے' ان کی قبر مشہور ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ ابن عساکر ایک روایت بتاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"جو شخص رسول اللہ ﷺ کے لئے درجہ اور وسیلہ کی دعا کرے گا تو قیامت میں اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حلال ہو چکی ہوگی اور جو آپ کی قبر کی زیارت کر لے گا تو وہ حضور ﷺ کے پڑوس میں ہوگا۔"

سترھویں حدیث:

حضرت یحییٰ بن حسن ہی کے مطابق بکر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَتَی الْمَدِیْنَۃَ زَائِرًا اِلَیَّ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ اٰمِنًا○

"جو میری زیارت کی خاطر مدینہ میں آئے گا تو قیامت کے دن میں لازماً اس کی شفاعت کروں گا اور جو دو حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوگا تو امن دے کر اٹھایا جائے گا۔"

فصل نمبر۲

زیارت کی باقی دلیلیں اگرچہ ان میں لفظِ زیارت کا ذکر نہیں ہے

اس فصل میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ شرعی طور پر زیارت قبرِ انور کی سخت تاکید ہے اور یہ زیارت تقریباً واجب ہے بلکہ بعض حضرات اسے واجب ہی قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ بتایا جا رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں اور قبر انور کی طرف تیاری کر کے جانا شرعی طور پر جائز ہے اور یہ بتایا گیا ہے حضور ﷺ کی زیارت کی نذر ماننا صحیح ہے اور یہ کہ آپ پر سلام پیش کرنے سے اجر ملتا ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ کے مطابق ابو داؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ۔

"جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

(دنیا میں لاکھوں کروڑوں عاشقانِ رسول اللہ ﷺ آپ پر دن رات سلام پیش کر رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی روحِ انور ہمہ وقت آپ کے جسمِ انور میں موجود رہتی ہے اور یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہے گا۔ ۱۲ چشتی)

علامہ بیہقی نے اس سلسلے میں یہ باب ذکر کیا ہے: باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اس پر بہت سے ائمہ کرام نے اعتماد اور بھروسہ کیا ہے، اعتماد کرنے والوں میں سے حضرت امام احمد بھی ہیں۔ یہ زیارت ایک عظیم کام ہے۔

ابن قدامہ نے احمد کی روایت سے ان الفاظ میں حدیث ذکر کی ہے: مَا مِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ۔ اگر یہ حدیث ثابت ہو جاتی ہے تو پھر یہ اس سلسلے میں بالکل واضح ہے کہ آپ کی طرف سے سلام کے جواب کی فضیلت اسی کو حاصل ہو گی جو قبرِ انور کے پاس کھڑا ہو کر سلام عرض کرتا ہو گا اور اگر یہ ثابت نہیں ہوتی تو پھر قبرِ انور کے پاس کھڑا ہو کر سلام عرض کرنے والے کو یہ امتیاز حاصل ہو گا کہ حضور ﷺ اس سے خطاب فرمائیں گے اور اسے جواب دیں گے چنانچہ اس میں غائب کو آپ کے جواب کے مقابلے میں زیادہ فضیلت حاصل ہو گی اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ سلام ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ پر سلام بھیجے خواہ ہم غائب کا لفظ بولیں یا حاضر کا جیسے ہم یوں کہیں: صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اور الصلوٰۃ و السلام علیک یا

رسول اللّٰہ' خواہ یہ الفاظ آپ کے ہاں سے کوئی غائب شخص کہے یا آپ کے پاس کھڑا ہو کر عرض کرے اور یہی وہ بات ہے جسے اُمت کی طرف سے آپ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے' کسی اور پر سلام پڑھا جائے تو وہ تبعاً ہوگا۔لہٰذا یوں نہ کہا جا سکے گا: فُلَانٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور آپ پر سلام پیش کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں سلام کا نذرانہ پیش کرے جیسے کوئی زیارت کرنے والا آپ کی قبرِ انور پر پہنچ کر سلام پیش کرتا ہے' اس میں کسی شخص کو خصوصیت حاصل نہیں بلکہ یہ ساری اُمت کے لئے ہے' وہ ایجاد کر رہا ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنے آپ پر سلام پڑھتا ہے یا اپنے رسول پر' سلام اس سے حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ رہا پہلا طریقہ تو اللہ بہتر جانتا ہے اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے تو دوسرا ممتاز ہو جائے گا قرب اور خطاب کی وجہ سے' ورنہ جو یہ فضیلت نہ پا سکا وہ محروم ہوگا اور یہی وہ بات ہے جس کی تفسیر امام جلیل ابوعبد الرحمٰن عبد اللہ بن زید مقبری نے کی ہے جو امام بخاری کے اکابر اساتذہ میں سے ایک ہیں کیونکہ انہوں نے یہ قول لکھا ہے: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ ' یہ زیارت کے بارے میں ہے کہ: جب کوئی شخص میری زیارت کو آئے اور مجھ پر سلام پیش کرے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس لوٹا دیتا ہے اور میں اس کا جواب دے دیتا ہوں اور رہی یہ حدیث: میرے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کی اے محمد! کیا آپ یہ بات پسند نہیں فرماتے کہ آپ کی امت میں سے آپ پر کوئی بھی سلام عرض کرے تو میں اس کے لئے دس مرتبہ دعا کروں یا آپ پر سلام پیش کرے تو میں دس مرتبہ سلام کہوں؟ تو ظاہر یہ ہے کہ یہ سلام پہلی قسم کا ہوگا (جس میں اللہ سے سلام بھیجنے کی درخواست ہے)۔

امام نسائی اور اسماعیل قاضی نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے ہیں اور میری اُمت کا سلام مجھ پر پیش کرتے ہیں۔'' پھر کچھ اور احادیث بھی ہیں جن میں آتا ہے کہ فرشتہ اُمت کا درود و سلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ غائبانہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والے کے بارے میں ہے' رہا وہ شخص جو قبرِ انور پر حاضر ہے تو کیا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا ہے یا خود حضور ﷺ براہِ راست اس سے سنتے ہیں؟ تو اس بارے میں دو احادیث ملتی ہیں' ایک یہ کہ: ''جو مجھ پر میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر درود پیش کرتا ہے' میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے لئے لوٹا دی جاتی ہے اور جو کسی دوسرے مقام سے پڑھتا ہے' وہ فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور دوسری حدیث جو اس پہلی کے مقابلے میں ضعیف ہے' حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کے ذمے لگا دیتا ہے کہ وہ درود مجھ پر پیش کرے اور یوں اس کی آخرت سنور جاتی ہے' میں اس کا گواہ بنوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔'' دوسری روایت میں ہے: جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کے ذمے لگا دیتا ہے کہ وہ اسے مجھ

پر پیش کرے، یوں اس کی دنیا و آخرت سنور جاتی ہے اور میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔" پہلی حدیث ثابت ہو جاتی ہے تو یہ ایک عظمت کی بات ہوگی ورنہ اس کی اُمید ہوگی چنانچہ اس کی حرص رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے (کہ ایسا ہو جائے)۔

علامہ سبکی کہتے ہیں، عنقریب وہ حدیث آ رہی ہے جس سے پتہ چلے گا کہ نبی کریم ﷺ اس کا سلام خود سنتے ہیں جو آپ کی قبر انور کے پاس پیش کرتا ہے اور یہ جان کر کہ وہ آپ کی خدمت میں قبر انور پر حاضر ہے، اس کا جواب دیتے ہیں اور بلاشبہ یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔

میں کہتا ہوں، علامہ عبد الحق نے الاحکام الصغرٰی میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بھی شخص اپنے اس مومن بھائی کی قبر سے گذرتا ہے، جو اسے جانتا تھا اور اس کو سلام کہتا ہے تو وہ صاحبِ قبر اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے اس سلام کا جواب دیا کرتا ہے۔ اسے ابن عبد البر نے بھی روایت کیا ہے چنانچہ ابن تیمیہ نقل کرتے ہیں لیکن ان الفاظ سے: "کوئی شخص جو ایسے آدمی کی قبر سے گذرتا ہے جسے دنیا میں جانتا تھا، اس پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اس کی روح لوٹا دیتا ہے چنانچہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"

علامہ عبد الحق اپنی کتاب العاقبہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں: "کوئی شخص جو اپنے کسی بھائی کی قبر سے گذرنے کا ارادہ کرتا ہے، وہاں بیٹھ جاتا ہے تو جب تک یہ وہاں بیٹھا رہتا ہے اسے اس سے انس ہو جاتا ہے۔" پھر ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے "جب کوئی شخص کسی واقف شخص کی قبر کے پاس جاتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے اور پہچان لیتا ہے۔"

اس سلسلے میں بہت سی روایات موجود ہیں چنانچہ ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں ذکر کیا ہے (جیسے ابن عبد الهادی نے نقل کیا ہے) کہ: شہید بلکہ سب مومن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان ان کی زیارت کو جا کر انہیں سلام کہتا ہے تو وہ اسے پہچان لیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔" اور جب عام مومنوں کا یہ حال ہے تو پھر سید المرسلین ﷺ کا حال کیسا ہوگا۔

علامہ بارزی رحمہ اللہ "توثیق عری الایمان" میں سلیمان بن سحیم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! یہ لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تو ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن نجار کے مطابق حضرت ابراہیم بن بشار بتاتے ہیں کہ ایک سال میں حج کے لئے گیا تو مدینے میں پہنچا اور قبر انور کی طرف بڑھا، سلام عرض کیا تو حجرے کے اندر سے میں نے سنا: وعلیك السلام (کہ تم پر بھی سلام ہو)۔ ایسی روایات بہت سارے اولیاء و صالحین سے ملتی ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ وصال مبارک کے بعد زندہ ہیں اور یونہی سارے انبیاء علیہم السلام

اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں' ان کی زندگی شہیدوں کی اس زندگی سے بہتر ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور پھر ہمارے آقا اور نبی ﷺ تو شہیدوں کے بھی سردار ہیں تمام شہداء کو مراتب تو آپ ہی وجہ سے ملے ہیں پھر حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ: ''میرے وصال کے بعد میرا علم ویسے ہی ہے جیسے میری زندگی میں تھا۔''

ابن عدی نے اپنی ''کامل'' میں حضرت ثابت بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے' کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔''

پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو ان کی قبروں میں چالیس دنوں کے بعد رہنے نہیں دیا جاتا' وہ اللہ کی بارگاہ میں نماز پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ صورِ اسرافیل پھونکے جانے تک یونہی رہے گا۔

حضرت بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے وصال کے بعد ان کی زندگی کے بارے میں صحیح احادیث کے بہت سے دلائل موجود ہیں پھر انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے: میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاں سے گذرا تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ان کے علاوہ ایسی احادیث موجود ہیں جن میں یہ موجود ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور انہیں نماز پڑھائی۔

پھر صحیحین میں یہ حدیث ملتی ہے: یکا یک دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو تھامے کھڑے تھے' اب یہ معلوم نہیں کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جن پر (موت کی) غشی طاری ہو گئی اور مجھ سے پہلے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے یا ان پر یہ حالت طاری ہی نہ ہوئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا ہوا تھا۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں' یہ بات اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مبارکہ کو ان میں لوٹا دے' چنانچہ وہ اللہ کے ہاں یونہی زندہ ہوتے ہیں جیسے شہداء' اور جب پہلی مرتبہ صُور پھونکا جائے گا تو سب بیہوش ہو جائینگے اور کسی بھی صورت میں پھر موت نہ آئے گی' البتہ صرف اس وقت ان کا شعور ختم کر دیا جائے گا۔

کہتے ہیں کہ شہداء اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ (مگر جسے چاہے گا ہوش میں رکھے گا)۔

اس کے بعد علامہ بیہقی نے یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے چنانچہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ہے کہ:

''تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے' اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی میں ان کی روح قبض کی گئی' اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں لوگ بیہوش ہوں گے لہٰذا کثرت سے اس میں مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہو سکے گا' آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہونگے؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔" پھر بیہقی نے اس پر اور دلائل دئے ہیں اور یہ حدیث ذکر کی ہے: اللہ کے سیر کرنے والے فرشتے ہیں جو میری اُمت کا سلام لا کر مجھ پر پیش کرتے ہیں۔

علامہ منذری کے مطابق ابن ماجہ حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ مشہوز گنا گیا ہے کہ فرشتے اس میں اُترتے ہیں' کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فارغ ہونے سے پہلے اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔"

حضرت ابو الدرداء کہتے ہیں' میں نے عرض کی' کیا آپ کے وصال کے بعد ایسا ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں وصال کے بعد بھی ایسا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کھالے لہٰذا اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔"

حضرت بزاز کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ہیں جو میری اُمت کی طرف سے مجھے (درود) پہنچاتے ہیں۔"

نیز آپ فرماتے ہیں:

"میری حیاتی تمہارے لئے بہت بہتر ہے کہ مجھ سے بات کر سکتے ہو' میرا وصال بھی تمہارے لئے بہت بہتر ہے کیونکہ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوتے ہیں' میں تمہارے اچھے اعمال دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہوں اور بُرے دیکھ کر اللہ سے تمہارے لئے بخشش کی دُعا کرتا ہوں۔"

استاد المصور بغدادی کہتے ہیں:

"ہمارے محققین اہلِ کلام یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں' اپنی اُمت کے اعمال پر نظر رکھتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام (قبروں میں) گل نہیں جائیں گے۔"

عنقریب تیسری فصل میں آ رہا ہے کہ ابن حبیب کی روایت کے مطابق حضور ﷺ سن رہے ہوتے ہیں اور یہ جان رہے ہیں کہ تم ان کے سامنے حاضر ہو۔

علامہ بیہقی کتاب الاعتقاد میں لکھتے ہیں کہ: انبیاء علیہم السلام کی ارواح جب نکال لی جاتی ہیں تو پھر ان میں لوٹا دی جاتی ہیں لہٰذا وہ اللہ کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہوتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات ان میں سے کچھ کو دیکھا تھا۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ ہم نے انبیاء کی حیات کے ثبوت میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

میں کہتا ہوں' یہ روایت اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدینہ میں سے حج یا عمرہ کرنے کے لئے گذریں گے' مجھے سلام کہیں گے تو لازماً میں ان کا جواب دوں گا۔''

اگر یہ کہا جائے کہ حضورﷺ کا اس گذشتہ حدیث میں یہ ارشاد: ''مگر اللہ تعالیٰ میری روح مجھ میں واپس بھیج دیتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں۔'' یہ بتاتا ہے کہ آپ کی زندگی مسلسل نہیں ہوتی تھی۔ تو اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاتا ہے:

(۱) ایک یہ کہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے صرف انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلیل بیان کی ہے' کہتے ہیں:
''ان کا ارادہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے تو میں اسے جواب دے دیتا ہوں۔''

(۲) دوسرے یہ کہ علامہ سبکی کہتے ہیں' احتمال یہ ہے کہ روح کا یہ موٹا نا معنوی طور پر ہو اور آپ کی روح مبارک یہ جہان چھوڑ کر بارگاہِ الٰہی اور ملأ اعلیٰ (اوپر کی مخلوق) میں مشغول ہو اور جب آپ پر سلام پیش کیا جائے تو آپ کی روح مبارک سلام کے جواب کے لئے اس جہان کی طرف آ جائے اور سلام کرنے والے کا جواب دے۔ یعنی آپ کی روح کی توجہ روحانی ہو اور بشری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے آپ نیچے اُتریں۔

(۳) کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے نکل جانے والے مخاطبین کی سمجھ کے مطابق خطاب ہے کہ آپ کی روح واپس لوٹ کر سنے اور جواب دے تو گویا انہوں نے کہا: میں اس کا مکمل جواب دیتا ہوں اور مکمل طور پر سنتا ہوں اور ساتھ ساتھ یہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ روح مبارک پہلے سلام عرض کرنے والے کے موقع پر واپس آ جاتی ہے حالانکہ ابھی پورے طور پر واپس نہ ہوئی تھی اور یوں بار بار روح کے لوٹنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کیوں کہ اس سے ان گنت موتوں کا ثبوت ہوتا ہے حالانکہ ہم تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علم اور سماع تمام مردوں کو حاصل ہوتا ہے' پھر انبیاء علیہم السلام کو کیوں حاصل نہ ہوگا اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں ہر میت میں روح واپس آتی ہے جیسے حدیثِ پاک سے ثابت ہے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ اس کے بعد دوبارہ فوت ہوں بلکہ یہ ثابت ضرور ہے کہ اسے قبر میں انعام ملتا اور عذاب ہوتا ہے اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے حیات ثابت ہوتی ہے تاہم اس میں ذرّہ سی حیات کا ثبوت بھی کافی ہوتا ہے جس میں سوجھ بوجھ کا ثبوت ہو سکے۔

رہی حیاتِ انبیاء کی دلیلیں تو ان کا مقصد صرف بدنوں میں زندگی کا پایا جانا ہے جیسے حالتِ دنیا میں پائی جاتی ہے' ایسے میں غذا کا ان سے تعلق نہیں ہوتا اور جہان بھر میں ان کا اثر ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب ''الوفاء لمایجب لحضرۃ المصطفیٰ'' ﷺ میں کر دی ہے۔

ابومحمد عبداللہ بن عبدالملک المرجانی نے اخبار المدینۃ میں لکھا ہے: الدر المنظم کے مصنف کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو آپ نے اُمت کے لئے رحمت چھوڑی' حضورﷺ فرماتے ہیں: کوئی بھی نبی جب دفن ہوا تو میرے علاوہ اسے تین دن بعد اُٹھا لیا گیا کیونکہ میں نے اللہ سے دعا کر رکھی ہے کہ قیامت تک تم میں موجود

رہوں۔ابن حجر کہتے ہیں کہ غزالی نے جو یہ حدیث بتائی ہے کہ "میں اللہ کے ہاں اس بات میں اعزاز یافتہ ہوں کہ وہ مجھے میری قبر میں تین دن کے بعد چھوڑ دے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔"

عبد الرزاق کے مطابق حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کر رہے تھے' اس پر انہوں نے کہا: کوئی نبی چالیس دن سے زیادہ تک زمین میں نہیں ٹھہرا۔اس کے بعد عبد الرزاق نے یہ حدیث بتائی: حضور ﷺ نے فرمایا: میں موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے اس وقت گذرا جب مجھے معراج کرائی گئی' وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔شاید عبد الرزاق کا مقصد حضرت سعید بن المسیب کی روایت کا ردّ تھا چنانچہ یہ ردّ صحیح ہے اور اگر ابن المسیب کا قول صحیح ہو تو یہ زیارتِ قبر سے رکاوٹ نہیں بن سکتا کیونکہ حضور ﷺ کی وجہ سے قبر کو عظمت حاصل ہے' آپ کا قبر سے تعلق ہے اور ابن مسیّب کو بھی یہ بات ماننے سے انکار نہیں حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر انور میں رکھے گئے تھے اور اصل استمرار ہے اور یہ استمرار اس وقت تک موجود ہے جب تک کوئی شے اس کے خلاف نہ آ جائے پھر ابن المسیب کے علاوہ دوسروں سے استمرار ثابت ہے چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب محاصرے میں لئے گئے تو کسی صحابی نے آپ سے شام چلے جانے کو کہا لیکن آپ نے کہا: میں اپنی دارِ ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کا پڑوس چھوڑنے کو تیار نہیں' علاوہ ازیں حضرت سعید بن مسیّب کا وہ قصہ تو مشہور ہی ہے کہ حرہ کے دن (یزید کے دور میں) آپ قبرِ انور سے اذان اور اقامت کی آواز سنتے تھے (تو معلوم ہوا کہ آپ میں روح کا وجود استمراری اور دائمی تھا)۔

یحییٰ کے مطابق خالد بن ولید بن حارث بن حکم بن عاص یعنی ابن مطیرہ' جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے منبر پر کھڑا ہو کر کہنے لگا: رسول اللہ ﷺ نے علی بن طالب کو عامل بنایا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ خائن تھے لیکن آپ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے ان کی شفاعت کر دی' داؤد بن قیس ریاض الجنہ میں تھے' وہ کھڑے ہو گئے اور کہا خاموش ہو جاؤ چنانچہ لوگوں نے اس کی قمیص پھاڑ کر تار تار کر دی اور اسے ڈر کے مارے بٹھا دیا۔

وہ کہتے ہیں' میں نے قبرِ انور سے ہاتھ نکلا دیکھا' آپ فرما رہے تھے: اے دشمن خدا تم نے جھوٹ بولا ہے' اے کافر تم جھوٹ بول رہے ہو۔کئی بار فرمایا۔

پھر ان لوگوں میں سے جو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کر کے حاضر ہوئے' حضرت بلال بن رباح تھے جو مؤذنِ رسول تھے' آپ شام سے مدینہ میں حاضر ہوئے اور قبرِ انور پر حاضری دی۔ابن عساکر ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح بیت المقدس کے بعد کوچ کرتے ہوئے نکلے اور جابیہ پہنچے تو حضرت بلال نے ان سے کہا کہ انہیں شام میں مقرر کر دیں چنانچہ انہوں نے کر دیا۔ پھر ابن عساکر نے ان کے "داریا" میں ٹھہرنے کا واقعہ بتایا اور کہا: پھر حضرت بلال نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا' آپ فرما رہے تھے' اے بلال! یہ تم نے کیا ظلم کر رکھا ہے؟ کیا تمہیں اتنا وقت بھی نہیں ملا کہ میری زیارت کو آ سکو؟

آپ حالات ڈر میں بیدار ہوئے' سواری پر بیٹھے اور مدینہ منورہ کا رُخ کیا' قبر انور پر پہنچے اور رونا شروع کر دیا اور قبرِ انور سے چہرہ ملنے لگے۔اسی دوران حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے تو آپ نے انہیں سینے سے لگایا اور چومنے لگے۔دونوں نے کہا: اے بلال! ہم آپ سے وہ اذان سننے کی خواہش رکھتے ہیں جو مسجد میں آپ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے بات مان لی' مسجد کی چھت پر چڑھے۔اور اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں کھڑے ہوا کرتے تھے اور اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر پڑھا۔اس پر مدینے میں گویا ایک زلزلہ پیدا ہوا اور جب آپ نے پڑھا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو وہ کیفیت اور بڑھ گئی اور جب آپ نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا تو پردہ دار خواتین باہر نکل آئیں اور انہیں ایسا لگا کہ شاید حضور ﷺ آ گئے ہیں چنانچہ مدینہ میں جتنے مرد و زن اس دن روئے' کبھی بھی نہ دیکھے گئے۔

حضرت حافظ عبد الغنی وغیرہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جیسا کہ روایت میں آتا ہے حضور ﷺ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک بار اذان پڑھی تھی اور وہ اس وقت جب آپ مدینہ میں قبرِ انور کی حاضری کو آئے تھے اور صحابہ کرام نے آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا' آپ نے اذان تو پڑھی تھی لیکن پوری نہ کر سکے تھے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اذان پڑھی تھی۔

پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ شام سے خط لکھا کرتے تھے کہ میری خاطر رسول اللہ ﷺ کی خدمت سلام عرض کر دو اور یہ تابعین کا ابتدائی دور تھا۔

فتوح الشام میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اہلِ بیت المقدس سے مصالحت کر لی تو حضرت کعب احبار ان کے پاس حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے' آپ خوش ہوئے اور پھر ان سے کہا: کیا تم میرے ہمراہ مدینہ جا کر نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضری دے کر آپ کی زیارت کرنا پسند کرو گے؟ انہوں نے کہا' ہاں امیر المؤمنین! میں یہ کام ضرور کروں گا چنانچہ جب آپ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد میں آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

عبد الرزاق لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب بھی کسی سفر سے واپس آتے تو نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضری دیتے اور عرض کرتے: السّلام علیك یا رسول اللّٰہ' السّلام علیك یا ابابکر' السّلام علیك یا ابتاہ۔

مؤطا میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کے پاس ٹھہرتے' آپ پر درود پڑھتے' پھر ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں سلام پیش کرتے۔ابن قاسم اور قعنبی کہتے ہیں کہ ان دونوں کے لئے دعا بھی کرتے۔

ابن عون کہتے ہیں، ایک شخص نے حضرت نافع سے پوچھا: کیا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبرِ انور پر سلام پیش کرتے تھے؟ انہوں نے کہا، ہاں، میں نے تو انہیں سو یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ ایسا کرتے دیکھا ہے، وہ قبرِ انور کے پاس آتے اور عرض کیا کرتے: السلام علی النبی، السلام علی ابی بکر، السلام علی ابی۔

مسند ابو حنیفہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: سنت یہ ہے کہ تم قبلہ کی طرف سے حضور ﷺ کی قبرانور پر حاضری دو، قبلہ کی طرف پیٹھ کرلو اور چہرہ قبرانور کی طرف کرلو پھر یوں عرض کرو: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔

احمد کے مطابق داؤد بن صالح کہتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے اپنا چہرہ قبرِ انور پر رکھا ہوا تھا۔ مروان نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا: تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا: ہاں میں جانتا ہوں، میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا، میں تو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے، فرمایا تھا: دین پر اس وقت نہ رونا جب اہلِ دین حکمران ہو، اس وقت رونا جب نااہل حکمران ہو۔

مؤرخین اور محدثین بتاتے ہیں کہ حضرت زیاد بن ابیہ نے حج کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ابوبکرہ آئے، وہ ان سے کلام نہ کرتے تھے، انہوں نے ان کے بیٹے کو پکڑا اور گود میں بٹھا لیا کہ ان سے خطاب کریں اور زیاد کو سنائیں چنانچہ کہا کہ تمہارے باپ نے تو یہ یہ کام کئے ہیں اور پھر حج کو جا رہے ہیں جبکہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں موجود ہیں چنانچہ اس سال زیاد نے حج کا ارادہ ترک کر دیا۔

دوسرے باب حاجی کو پہلے مکہ جانا چاہئے یا مدینہ میں کی ساتویں فصل میں گذر چکا ہے، اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ سے پہلے مدینہ کی حاضری دینی چاہئے یا بعد میں۔ پہلے مدینہ کی حاضری کے قائل حضرت علقمہ، اسود اور عمرو بن میمون تابعی حضرات ہیں۔ اس کا سبب شاید یہ تھا کہ وہ زیارت کو اہمیت دیتے تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ نے مکہ کی حاضری کو اوّلیت دی ہے چنانچہ فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حاجی کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ جائے اور جب حج کے کام پورے کر لے تو مدینہ کو چلا جائے لیکن اگر پہلے مدینہ چلا جائے تو جائز ہے، پھر رسول اکرم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضری دے چنانچہ قبرِ انور اور قبلہ کے درمیان کھڑا ہو۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے زیارتِ قبرِ انور کے بارے میں قولی اور فعلی لحاظ سے اجماع نقل کیا ہے اور ائمہ کرام کے کلام پیش کئے ہیں، انہوں نے کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔

۱۔ رہا کتاب اللہ سے دلیل تو انہوں نے یہ فرمان پیش کیا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ یہ آیت آپ کے پاس حاضری کے لئے شوق دلاتی ہے، وہاں استغفار کرنے اور آپ کے ان لوگوں کے لئے استغفار پر برانگیختہ کرتی ہے اور آپ کا یہ وہ مرتبہ ہے جو آپ کے وصال کی بناء پر رکنے والا نہیں اور یہ ثابت ہے کہ آپ

تمام مومنین کے لئے استغفار فرماتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ اور جب لوگوں کا آپ کی خدمت میں حاضری دینا ثابت ہو گیا تو ان کا استغفار ان تینوں امور کو مکمل کرتا ہے جو توبہ کے لئے ضروری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ اللہ تعالیٰ کے فرمان جَآءُوْكَ پر معطوف ہے تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ اکرم ﷺ کا استغفار ان کے استغفار کے بعد ہے اور پھر ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ آپ وصال کے بعد استغفار نہیں فرماتے کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آپ زندہ ہیں اور اپنی اُمت کے لئے استغفار فرماتے ہیں اور وہ اس وقت جب آپ کے سامنے ان کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور آپ کی کامل رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے استغفار کرتا ہے' آپ اس کے لئے استغفار ترک نہیں فرماتے۔

علماءِ کرام نے موت و حیات کی دونوں حالتوں میں آیت سے عموم سمجھا ہے اور قبرِ انور پر آنے والے کے لئے وہ مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ اس کی تلاوت کرے اور اللہ سے استغفار کرے۔ یہاں ایک اعرابی کی حکایت بھی ملتی ہے چنانچہ محمد بن حرب ہلالی کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں داخل ہوا' نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوا' زیارت کی اور آپ کے بالمقابل بیٹھ گیا' اتنے میں ایک اعرابی آیا' اس نے زیارت کی اور عرض کی: اے سب رسولوں میں سے بہتر! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے اور اس میں فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ تا رَحِيْمًا اور میں بھی گناہوں کی بخشش کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ کی شفاعت چاہتا ہوں' پھر وہ رونے لگا اور کہا:

> "اے ان سب میں سے بہتر جن کی ہڈیاں قبر میں دفن کی جا چکی ہیں اور جن ہڈیوں کی وجہ سے قبر میں خوشبو ہے' میری جان اس قبرِ انور پر فدا ہے جس میں آپ تشریف فرما ہیں' اسی میں پاکدامنی ہے اور جود و سخاوت موجود ہے۔"

وہ استغفار کرتا رہا اور پھر واپس چلا گیا۔

محمد بن حرب کہتے ہیں کہ میں سو گیا تو خواب میں رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت کی' آپ نے فرمایا: اس آدمی کے پاس جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت کی وجہ سے اسے بخش دیا ہے۔ میں بیدار ہوا اور اسے تلاش کرنے نکلا لیکن وہ کہیں نہ مل سکا۔

میں کہتا ہوں' بلکہ حافظ ابو عبد اللہ کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ بتاتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر چکے تھے تو تین دن بعد ایک اعرابی (دیہاتی) ہمارے پاس آیا' اس نے اپنے آپ کو قبرِ انور پر گرا لیا اور خاک اُٹھا کر اپنے سر پر ڈالی' عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تو ہم نے اسے سنا' میں نے اللہ کا فرمان محفوظ رکھا' اللہ نے آپ پر یہ آیت اُتاری وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ میں نے بھی اپنے آپ پر ظلم کر رکھا ہے' اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں چنانچہ قبرِ انور سے آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ

نے تمہیں بخش دیا ہے۔ انتہی۔

۲۔ رہی سنت تو اس بارے میں احادیث آ چکی ہیں جن میں بالخصوص آپ کی قبرِ انور کی زیارت کا ذکر ہے اور پھر صحیح احادیث میں زیارتِ قبور کا ذکر موجود ہے جبکہ آپ کی قبرِ انور تو سب قبروں کی سردار ہے اور حدیث کے اس عام حکم میں پہلے ہی داخل ہے۔

۳۔ رہا اجماع تو علامہ عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کی زیارت مسلمانوں میں سنت قرار دی گئی ہے' اس پر اجماع علماء ہے اور اس کا شوق دلایا گیا ہے۔ انتہی۔ اور پھر علماءِ کرام نے مردوں کے لئے زیارتِ قبور کو مستحب قرار دیا ہے جیسے نووی نے کہا بلکہ اصحابِ ظاہر میں سے کچھ نے تو اسے واجب قرار دیا ہے البتہ عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ آپ کی قبر انور کو تو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ علامہ سبکی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔

علامہ جمال ریمی "التقفیہ" میں' لکھا ہے حضور ﷺ اور آپ کے دونوں صحابہ کی زیارت کو اختلاف سے الگ کرتے ہیں کیونکہ ان کی زیارت عورتوں کے لئے بھی بلا اختلاف مستحب ہے جیسے علماءِ کرام حج کے بارے میں لکھتے ہیں: حج کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ آپ کی قبرِ انور کی زیارت کریں۔

۴۔ رہا قیاس تو وہ یوں کہ رسول اکرم ﷺ اہلِ بقیع اور شہداءِ احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب آپ کے علاوہ کسی اور کی قبر کی زیارت مستحب ہے تو آپ کی قبرِ انور کی زیارت سب سے پہلے مستحب شمار ہوگی کیونکہ اس کا تو حق ہے اور آپ کی تعظیم واجب ہے اور آپ کی زیارت کا مقصد صرف آپ کی تعظیم اور قبرِ انور سے تبرک حاصل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں' ہم جب آپ پر درود پڑھتے ہیں اور قبر انور کے قریب سلام عرض کرتے ہیں تو ہمیں آپ کی رحمت حاصل ہوتی ہے' فرشتے قبرِ انور کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ دعا شرعی طور پر جائز ہوتی ہے۔

زیارتِ قبور کا مقصد

کبھی تو زیارتِ قبور کا مقصد آخرت کو یاد کرنا ہوتا ہے' یہ مستحب ہوتی ہے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے "قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔" کبھی اس کا مقصد اہلِ قبور کے لئے دعا کرنا ہوتا ہے جیسے حضور ﷺ کے اہلِ بقیع کی زیارت کا ثبوت ملتا ہے۔ کبھی برکت حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے جب اہلِ قبور اہلِ صلاح ہوں (نیک لوگ ہوں)۔

ابو محمد شار مساحی مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میت سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا بدعت ہوتا ہے البتہ حضور ﷺ اور

انبیاء و مرسلین کی قبروں کی زیارت ایسی نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ابن عربی نے بھی ان قبور کی زیارت کو الگ طور پر بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ قبر کی زیارت کرنے والا میت سے نفع حاصل کرنے کا ارادہ نہ کرے کیونکہ یہ بدعت ہے اور نفع کا یہ ارادہ روئے زمین میں حضرت محمد ﷺ کے سوا کسی سے نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ زین الدین حسینی دمیاطی نے یہ بات ابن عربی سے لے کر بیان کی ہے، پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ: انبیاء صحابہ کرام، تابعین عظام اور باقی رسولوں کی قبروں کی زیارت میں برکت ہوتی ہے اور یہ اثر دیکھنے میں آیا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہر وہ شخص جس کی ظاہری زندگی میں اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے، اس کی وفات کے بعد اس کی قبر سے بھی برکت حاصل کی جا سکتی ہے اور اس غرض کے لئے کجاوے باندھ کر جانا جائز ہوتا ہے۔

کبھی یہ زیارت اہلِ قبور کا حق ادا کرنے کے لئے ہوتی ہے چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: میت جب قبر میں ہوتی ہے تو جو اس سے دنیا میں محبت کرتا رہا ہوتا ہے، زیارت کرنے پر اسے دیکھ کر انس محسوس کرتی ہے اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث گزر چکی ہے: ''جو شخص بھی اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس جاتا ہے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا، پھر اسے سلام کہتا ہے تو وہ اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

میں نے علامہ اقشہری رحمہ اللہ کے قلم سے لکھا دیکھا ہے کہ: ''جو ہر جمعہ کو اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرنے جاتا ہے تو اسے نیک لکھ دیا جاتا اگرچہ وہ دنیا میں اس سے قبل ان کی بے فرمانی ہی کیوں نہ کرتا رہا ہو۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ کہتے ہیں، چونکہ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت میں یہ چاروں مفہوم موجود ہیں اس لئے کوئی اور قبر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ابو عمران مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام مالک نے یہ کہنا منع کیا ہے کہ: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی'' کیونکہ جو چاہے زیارت کرے اور جو چاہے نہ کرے جبکہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت تو واجب ہوتی ہے۔

علامہ عیاض کہتے ہیں، حضرت مالک زیارت قبر کو مکروہ کہنا اس بناء پر ہے کہ زیارت قبر کی طرف منسوب ہے، لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے تو یہ مکروہ نہ ہوگا کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے:

''اے اللہ! میری قبر کو بت کی حیثیت نہ دینا کہ اسے پوجا جانے لگے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر شدید غضب ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔''

علامہ سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مالک کی اس روایت پر اس حدیث سے اعتراض ہوتا ہے: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ البتہ ہو سکتا ہے کہ مالک تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔

پھر زیارت کے لئے سفر کرنے اور کجاوے باندھنے کے لئے اس آیت کو بھی دلیل بنایا جاتا ہے: ولو انّھم اذ ظّلموا انفسھم جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے خواہ دور سے آئے یا نزدیک سے' پھر من زار قبری کا مفہوم بھی دلیل ہے اور یہ حدیث بھی دلیل بنتی ہے: مَنْ جَاءَ زَائِرًا اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زیارت کرنا ایک عبادت ہے تو پھر اس کے لئے سفر کرنا بھی عبادت ہوگا چنانچہ حضورﷺ کا مدینہ سے قبور شہداء کے لئے جانا ثابت ہے اور جب قریب سے زیارت کے لئے جانا ثابت ہوگیا تو دور سے جانا بھی ثابت ہوگا اور پھر اس سلسلے میں حضورﷺ کی قبرِ انور کو اوّلیت حاصل ہوگی' پھر اس پر اجماع بھی ہو چکا ہے کیونکہ پہلے اور آخری علماء کا اس پر اتفاق ہے اور رہی یہ حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی بھی مسجد کی طرف سفر کرکے جانا نہیں چاہئے البتہ تین مسجدوں کی طرف جا سکتا ہے' کیونکہ عرفہ کا ارادہ کرکے تیار ہوکر جانا تاکہ وہاں حج کے اعمال کرسکے' واجب ہے یونہی سفر جہاد کے لئے جانا نیز دار الکفر سے ہجرت کرنا اور ارادہ کرکے جانا جائز ہے پھر علماء نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ تجارت اور دنیا کے کاموں کے لئے جانا بھی تو جائز ہے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''کسی سوار کے لئے مناسب نہیں کہ کسی سواری پر بیٹھ کر کسی مسجد نماز پڑھنے کے لئے جائے' ہاں مسجدِ حرام' میری اس مسجد اور مسجدِ اقصیٰ کی طرف جا سکتا ہے تو یہ حدیث ہمارے قول کے بارے میں بالکل واضح ہے' علاوہ ازیں ان مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سوار ہوکر جانا ہے میں کئی مذہب ہیں چنانچہ امام الحرمین نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے منع کا فتویٰ دیا ہے' وہ کہتے ہیں: کبھی تو وہ مکروہ کہتے تھے اور کبھی کہتے تھے کہ حرام ہے جبکہ شیخ ابوعلی کہتے ہیں کہ نہ ہی یہ مکروہ ہے اور نہ ہی حرام اور نبی کریمﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ عبادت انہی تین مسجدوں کا ارادہ کرکے جانے میں ہے اور ان کے علاوہ عبادت نہیں۔

علامہ داؤدی اس طرف گئے ہیں کہ شہر میں جو مسجدیں فضیلت والی ہوں' ان کی طرف پیدل یا سوار ہوکر جانے میں حرج نہیں' انہوں نے مسجد قباء کو دلیل بنایا ہے کیونکہ کجاوے کس کر جانا اکثر قریبی مسجدوں کے لئے نہیں ہوتا۔عیاض لکھتے ہیں کہ ان کے منع کرنے کا مقصد ان لوگوں کو روکنا ہے جو نذر مان کر جاتے ہیں جبکہ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی نذر مان کر جانا صحیح نہیں جبکہ علامہ لیث ہر حال میں اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔

حضرت مالک نے عبداللہ بن ابوبکر بن خرم سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے مدینہ میں رہتے ہوئے قباء کی طرف جانے کی نذر مانی تو آپ نے اجازت دیدی اور اسے حکم دیا کہ پیدل چل کر جائے۔ابن حبیب نے الواضحہ میں کہا ہے کہ جو شخص اپنی اس مسجد کی طرف جانے کی نذر مانے جس میں فرض نماز پڑھتا ہے تو انہوں نے کہا یہ لازم نہیں۔

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ ساری تفصیل معین مکان کا قصد کرنے میں ہے لیکن اگر وہ نذر کے علاوہ زیارت وغیرہ

مقصد کے لئے جاتا ہے تو اسے نہ تو کوئی حرام کہتا ہے اور نہ کوئی مکروہ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی زیارت کا قصد کر کے سفر کرنا تو اس سے غرض مسجدِ مدینہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں قبرِ انور موجود ہے اور زیارت کرنے والے کا مقصد اس جگہ میں داخلہ ہوتا ہے اور جو اس قبر انور میں موجود ہیں انہیں سلام عرض کرنا ہوتا ہے اور ان کی تعظیم مقصود ہوتی ہے کہ آپ اگر زندہ ہوتے تو آپ کی طرف سفر کیا جاتا' صرف قبر کی تعظیم مقصود نہیں۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کر لیں تو انہیں ان دنوں تک مہلت دے جن کی عادۃً ضرورت ہوتی ہے اور جب وہ وہاں سے لوٹیں تو انہیں لے کر مدینہ کے راستے پر چل پڑے اور آپ کی عظمت کا خیال کرے اور آپ کی اطاعت کا حق ادا کرے۔ یہ زیارت اگرچہ حج کے فرائض میں داخل نہیں لیکن مستحب عبادتوں میں ضرور شامل ہے اور حج کے اچھے کاموں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

علامہ قاضی حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب انسان حج سے فارغ ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ ملتزم پر ٹھہرے اور وہاں دعائیں کرے اور اس کے بعد مدینہ کی طرف جائے اور حضور ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرے۔

علامہ قاضی ابو الطیب کہتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زیارت کرے یعنی خواہ حج کر لے یا پھر عمرہ کر لے۔

علامہ محاملی التجرید میں لکھتے ہیں: حاجی کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب مکہ سے فارغ ہو جائے تو نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرے۔

پھر حضرت ابو حنیفہ کا قول گذر چکا ہے: حاجی کے لئے بہتر یہ ہے کہ مکہ کی طرف پہلے سفر کرے اور جب حج کے کام پورے کر لے تو مدینہ کی طرف چلا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت سب مستحب کاموں میں سے افضل ہے بلکہ واجب کے قریب درجہ رکھتی ہے۔ مالکی اور حنبلی حضرات بھی یہی صراحت سے لکھتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ علامہ عبد الرزاق نے تو روایت کی ہے کہ حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کچھ لوگوں کو قبرِ انور کے پاس دیکھا تھا تو انہیں روک دیا تھا اور کہا تھا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں' جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا۔ پھر حضرت یعلیٰ نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا تھا جو قبرِ انور کے قریب ایک شگاف میں داخل ہو کر دعا کر رہا تھا' آپ نے اسے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سنا دوں جسے میں نے اپنے والد سے سنا' انہوں نے میرے دادا جی سے سنا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرمایا: میری قبر کو عید گاہ نہ بنا لو اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں' کیوں کہ تم جہاں بھی ہو' تمہارا سلام مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر قاضی اسماعیل نے حضرت سہل بن ابو سہیل سے روایت کی' انہوں نے کہا: میں حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا' حضرت

حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما رات کا کھانا کھا رہے تھے' ان کا گھر حضور ﷺ کے گھر کے نزدیک تھا' ایک روایت میں ہے کہ مجھے حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قبرِ انور کے قریب دیکھا' آپ حضرت فاطمہ کے گھر میں رات کا کھانا کھا رہے تھے تو کہا: آؤ کھانا کھا لو۔ میں نے کہا: میرا ارادہ نہیں۔ انہوں نے کہا: میں تمہیں قبرِ انور کے پاس دیکھ رہا ہوں' کیا مقصد ہے؟ ایک روایت میں ہے' فرمایا: کیا بات ہے تم یہاں کھڑے ہو؟ میں نے کہا: میں اس لئے کھڑا ہوں کہ حضور ﷺ پر سلام پیش کروں۔ انہوں نے کہا: جب تم یہاں داخل ہوا کرو تو سلام عرض کر لیا کرو' ایک روایت میں ہے: جب تم مسجد میں داخل ہو جاؤ تو سلام عرض کرو' پھر کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میرے گھر کو عید گاہ نہ بنا لو اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں بناؤ الحدیث' پھر کہا کہ: تم اور اندلس والے اس معاملے میں ایک جیسے ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ قاضی اسماعیل ہی نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص روزانہ آتا اور صبح کو نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرتا' آپ پر درود پڑھتا تھا۔ حضرت علی بن حسین نے اس سے پوچھا تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟ تو اس نے کہا: میں حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اس پر حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے کہا: چاہو تو میں تمہیں اپنے والد سے سنی حدیث نہ بتا دوں؟ اس نے کہا' ہاں بتائیے۔ انہوں نے کہا مجھے میرے والد نے میرے دادا سے سن کر بتایا' انہوں نے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ۔ الحدیث۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس آدمی نے حاضری میں زیادتی کر رکھی تھی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملے میں عنقریب آنے والی امام مالک کی روایت سے موافقت کر رہے تھے کہ قبر پر کثرت سے ٹھہرنا مکروہ ہے' اصل زیارت کا انکار نہیں کر رہے تھے یا آپ کا مقصد اسے یہ تعلیم دینا تھا کہ یہ سلام آپ سے غائب ہو کر بھی آپ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ آپ نے دیکھا تھا وہ کثرت سے حاضری کا تکلف کر رہا تھا۔

جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے روایت کیا گیا ہے' اس کی دلیل ان یہ قول ہے کہ: "جب تم آپ کی مسجد میں داخل ہو جاؤ تو آپ کی خدمت میں سلام پیش کرو۔" اور اس لئے بھی کہ یحییٰ حسینی نے اپنی کتاب میں حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے والد اور پھر دادا سے روایت کی وہ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے آتے تو اس ستون کے ساتھ کھڑے ہوتے جو روضہ کے ساتھ تھا' پھر سلام عرض کرتے اور کہتے کہ یہاں حضور ﷺ کا سرِ انور ہے۔

علامہ مطری وغیرہ کہتے ہیں کہ حجروں کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے سلف صالحین کے ٹھہرنے کی جگہ یہی ستون تھا' اور اس میخ کے بارے میں جو آپ کے چہرۂ انور کے سامنے تھی' اس پر کلام کی جا چکی ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہرۂ انور کی طرف اسی مقام پر ٹھہرتے تھے۔

علامہ یحییٰ نے اخبار المدینہ میں کہا ہے' ہارون بن موسےٰ فروی نے بتایا کہ میں نے اپنے دادا ابو علقمہ سے سنا وہ

پوچھا کرتے تھے کہ گھر مبارک کے مسجد میں داخل کرنے سے پہلے لوگ حضور ﷺ پر سلام کیسے پیش کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: لوگ گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام عرض کیا کرتے تھے' آپ کا دروازہ ان دنوں بند نہ تھا چنانچہ اسی دوران حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: سلف صالحین میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حضور ﷺ ہی کی زیارت سے منع کرتے جبکہ وہ اس بات پر اتفاق کر چکے ہیں کہ سب اہلِ قبور کی زیارت کرنا جائز ہے' پھر حضور ﷺ کی زیارت سے کیسے منع کرتے؟ رہا وہ جو ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف زھری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا تھا:

''میں نے اپنے والد کو کبھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ کی قبر انور پر گئے ہوں' وہ یہاں آنا ناپسند کرتے تھے۔''

اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر سے آنے والے کے لئے یہاں ڈیرا ڈال دینا انہیں ناپسند تھا' جیسے مالک سے روایت آ رہی ہے۔

رہا حضور ﷺ کا ارشاد: ''میری قبر کو عید گاہ نہ بنانا'' تو حافظ منذری کہتے ہیں: اس میں احتمال یہ ہے کہ اس میں کثرت سے زیارتِ قبرِ انور کا شوق پیدا کیا جا رہا ہوں' مطلب یہ کہ قبرِ انور کو بھلا ہی دینا کہ کبھی کبھار اس کی زیارت کو آؤ جیسے عید ہوتی ہے کہ سال میں صرف دو ہی بار آتی ہے۔حافظ منذری کہتے ہیں کہ اسی کی تائید حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ: ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا دینا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنا یوں ترک نہ کر دینا جیسے وہ قبریں ہوتی ہیں جن میں نماز پڑھنا ہی نہیں ہوتی۔

علامہ سبکی کہتے ہیں: یہ احتمال بھی ہے کہ اس زیارت کے لئے ایسا وقت مقرر نہ کرلو کہ جس کے سوا زیارت کر ہی نہ سکو۔

یہ بھی ارادہ کیا جا سکتا ہے کہ اسے عید کی طرح نہ بنا لو: ''کہ یہاں ڈیرے ڈال لو' یہاں زیب و زینت کرو' اکٹھ کرو یا ایسے کام کرو جو عید کے موقع پر ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ تمہاری حاضری صرف زیارت اور سلام کے لئے ہونی چاہئے دعائیں کرو اور واپس چلے جاؤ۔''

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل' حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی زیارت کے لئے ارادہ کر کے حاضری دیتے تھے بلکہ احمد کے مطابق حضرت یعلیٰ نے ایک حدیث میں بیان کیا ہے:

''پھر ہم چلے اور ایک مقام پر اتر گئے' نبی کریم ﷺ سو گئے' کیا دیکھتے ہیں کہ زمین چیرتا ہوا ایک درخت آیا' آپ کو ڈھانپ لیا اور پھر واپس چلا گیا۔آپ جاگے تو میں نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ درخت ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھنے کی

اجازت مانگی تھی جو اسے مل گئی۔''

اب دیکھئے اگر درخت کا یہ حال ہے تو پھر اس مومن کا کیا حال ہوگا جیسے اس نبی کریم ﷺ کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور دلوں میں جن کے اس محبوب کا شوق ڈال دیا گیا ہے' پھر تنے کے رونے کا ذکر اپنے مقام پر گذر چکا ہے۔

قاضی ابن کج (ہمارے ساتھی) کہتے ہیں کہ جب کوئی حضور ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کی نذر مان لے تو میرے نزدیک اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسے پورا کرے اور جب کسی اور کی قبر کی زیارت کرنے کی نذر مانے تو اس میں دو صورتیں ہیں چنانچہ علامہ سبکی کہتے ہیں کہ غیر کے معاملے میں ہمارے اصحاب سے اس کا خلاف دیکھنے میں نہیں آیا' اس پر یقین رکھنا حق ہے کیونکہ اس بارے میں خاص احادیث موجود ہیں اور جو نذر میں یہ شرط لگائے کہ ایسی شے کی نذر مانتا ہے جو شرعی طور پر واجب چیزوں میں شمار ہوتی ہے اور کہے کہ ''اعتکاف ایسے ہے کیونکہ ٹھہرنا واجب ہوتا ہے'' تو کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت واجب امور میں داخل ہے اور وہ آپ کی زندگی میں آپ کی طرف ہجرت تھی۔

کسی غیر کی قبر میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنے والوں کی زیارت کرنے جیسی ہوتی ہے اور اس میں سلام کی وہ صورت نہیں ہوتی' یہ ان میں شامل ہے جو عبادت قرار نہیں دی گئی اگرچہ وہ اس لحاظ سے عبادت بن جاتی ہے کہ شریعت نے اس بارے میں شوق دلایا ہے اور اس میں فائدہ بھی ہوتا ہے تو اس بناء پر لازم ہے کہ وہ اس نذر کو پورا کرے جیسے ان مسائل میں پوری کرتا ہے۔

مالکی حضرات میں سے علامہ عبدی شرح الرسالہ میں لکھتے ہیں: رہی وہ نذر جو مسجد حرام اور مکہ کی طرف چل کر جانے کی ہوتی ہے تو شرع میں اس کا ثبوت موجود ہے اور وہ حج وعمرہ ہے حالانکہ قبرِ انور کی زیارت کے لئے مدینہ کو جانا کعبے اور بیت المقدس سے افضل ہے حالانکہ بیت المقدس میں نہ ہی حج ہوتا ہے اور نہ ہی عمرہ' اگر ان تینوں مقامات کی طرف چلنے کی نذر مانے گا تو اسے پورا کرنا لازم ہوگا' اس سلسلے میں کعبہ پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن دوسرے مقامات میں ہمارے اصحاب وغیرہ اختلاف رکھتے ہیں۔

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ جس اختلاف کا ذکر ہو رہا ہے وہ زیارت میں نہیں بلکہ ان دونوں مسجدوں کی طرف جانے کی نذر ماننے میں ہے۔

علامہ عبدالحق ''تہذیب الطالب'' میں کہتے ہیں کہ ابو محمد بن ابو زید سے جن مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا تھا' ان میں یہ بھی ہے کہ ان سے ایسے آدمی کے بارے میں کہا گیا جسے اجرت پر رکھا گیا کہ وہ اس مال سے حج کرے گا اور انہوں نے اس پر زیارتِ قبر انور کرنا بھی لازم کر دیا لیکن وہ کسی مجبوری کی بناء پر اس سال حج پر نہ جا سکا تو انہوں نے کہا کہ اس سے زیارت کی مسافت جتنی اجرت واپس لے لی جائے' یہ روایت بیان کرنے والے نے ان کی طرف سے کہا: ہمارے شیوخ کے علاوہ اور نے کہا: اس پر لازم ہے وہ حج کے لئے دوبارہ جائے اور زیارت کرے۔

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ ایک تیسری قسم رہ گئی جس کا انہوں نے ذکر نہیں کیا اور وہ سلام پہنچانا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس پر بھی اُجرت رکھی جا سکتی ہے جیسے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کرتے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ مالکی حضرات کی مراد یہی ہے ورنہ اُجرت پر رکھے آدمی کی طرف سے صرف وہاں قیام کرنا بے مقصد ہو جاتا ہے۔

علامہ ریلی نے التعقیبة میں ذکر کیا ہے کہ اجرتِ زیارت کے بارے میں تین صورتیں بنتی ہیں جن میں سے ابن سراقہ کے مطابق صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے' دوسری صورت ناجائز ہے' یہ ماوردی کا قول ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ کام مضبوط نہیں اور تیسری صورت وہ ہے جسے امام علی بن قاسم حکمی نے بیان کیا ہے اور انہی کے ساتھی (شاگرد) نے جسے اپنایا ہے یہ ہے کہ اس کی بناء اس بات پر رکھی جائے گی کہ جب کوئی حلف اُٹھائے کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا چنانچہ اس سے تحریری معاہدہ کر لیا یا اسے آزاد کر دیا تو اکثر کے نزدیک وہ قسم توڑنے والا شمار نہ ہوگا۔

فصل نمبر۲

اس فصل میں حضور ﷺ کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانے اور آپ کی شفاعت مانگنے کا ذکر ہے پھر یہ بیان ہے کہ آپ اس کی طرف سے سلام کرے' وسیلہ بنانے اور دعا کرتے ہیں' میں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یاد رکھئے کہ حضور ﷺ کے ذریعے اللہ سے مدد مانگنا' بارگاہِ الٰہی میں سے ان کی شفاعت مانگنا آپ کے مرتبہ اور برکت کا واسطہ دینا انبیاء و مرسلین اور سلف صالحین کا طریقہ چلا آیا ہے جو ہر حال میں ہوتا رہا' آپ کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں یہ سلسلہ چلا آیا جب آپ دنیا میں زندہ موجود تھے' آپ کی برزخی زندگی میں اور قیامت کے دن تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

حالِ اوّل:

اس میں انبیاء علیہم السلام کی کئی روایات ملتی ہیں' ہم صرف ایک روایت بیان کر رہے ہیں جسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے عرض کی اے پروردگار! میں تجھ سے حضرت محمد کے حق کی بناء پر سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ابھی تو میں نے حضرت محمد کو پیدا بھی نہیں کیا' تم نے انہیں کیسے پہچان لیا؟ انہوں نے عرض کی' اے پروردگار! جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لکھا تھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں نے جان لیا کہ تو نے اپنی طرف اس نام کو منسوب کیا ہے جو تمہیں سب سے پیارا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے بالکل سچ کہا ہے' وہ مجھے ساری مخلوق میں سے محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے حق کے ذریعے سوال کیا ہے تو میں تمہاری لغزش بخش رہا ہوں' دیکھو! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔"

اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے لیکن انہوں نے یہ الفاظ اور بڑھائے ہیں: "وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہوں گے۔"

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ جب اعمال کے ذریعے اللہ سے سوال کرنا جائز ہے جیسے غار والی صحیح حدیث میں آتا ہے (یہ اعمال مخلوق ہیں) تو نبی کریم ﷺ کے ذریعے سوال کرنا ترجیحی طور پر جائز ہوگا' پھر عام عادت یہ ہے کہ جب کسی کی کسی شخص کے ہاں قدر ہوتی ہے اور وہ اسے کسی کام میں غائبانہ وسیلہ بناتا ہے تو اس کی عزت کی وجہ سے ان کی بات مان لی جاتی ہے اور کبھی محبوب اور عظمت والے کا ذکر بھی بات ماننے کا سبب بن جاتا ہے۔

حالِ دوم:

دوسری صورت یہ ہے کہ حضور ﷺ کو آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی دنیوی زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جائے' ایسے واقعات میں سے ایک وہ ہے جسے نسائی اور ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اندھے نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اللہ سے دُعا کیجئے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ آپ نے فرمایا: چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں لیکن اگر صبر کر لو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اس نے عرض کی آپ دعا دیجئے' چنانچہ آپ نے اسے حکم دیا کہ اچھے طریقے سے وضو کرو اور پھر یوں دُعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتَقْضِیَ بِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔

حالِ سوم:

تیسری صورت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو وسیلہ بنایا جائے چنانچہ حضرت عثمان بن حنیف ہی بتاتے ہیں کہ ایک آدمی کسی ضرورت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا کرتا تھا' آپ نہ تو اس کی طرف دیکھتے اور نہ ہی اس کی ضرورت پوری کرتے۔ وہ حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے اس بارے میں شکایت کی' انہوں نے کہا کہ لوٹا لاؤ اور وضو کرو' پھر مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھو اور یوں دعا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ اَنْ تُقْضٰى حَاجَتِیْ ' پھر اپنی حاجت کا نام لو۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور آپ کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور پھر حضرت عثمان کے دروازے پر گیا' اندر سے دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان کے پاس لے گیا' انہوں نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھا لیا اور کہا کہ اپنی ضرورت بتاؤ! اس نے اپنی ضرورت بتائی تو آپ نے پوری فرما دی۔

پھر وہ حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور کہنے لگا: اللہ آپ کو بہتر جزاء دے' وہ تو میری ضرورت کا خیال ہی نہیں کرتے تھے' آپ نے میرے بارے میں ان سے بات کر دی ہے۔ اس پر ابن حنیف نے کہا' واللہ میں نے تو ان

سے کوئی بات نہیں کی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا' ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوا اور آنکھ ضائع ہونے کی شکایت کی، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا تھا: چاہو تو دعا کر دوں یا پھر صبر سے کام لو' اس نے عرض کی تھی' یا رسول اللہ! مجھے لے جانے والا کوئی نہیں' میں سخت مشکل میں ہوں' آپ نے اسے فرمایا تھا' لوٹا لاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت پڑھو اور یہ الفاظ پڑھو۔ ابن حنیف کہتے ہیں' بخدا اس بات کو کچھ عرصہ گذر گیا' ایک دن وہی شخص آیا تو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

میں کہتا ہوں' اس سے قبل حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے بارے میں حضور ﷺ کی طرف سے یہ قول گذر چکا ہے: **بحقّ نبیّك و الانبیاء الّذین من قبلی** (تیرے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے حق کی وجہ سے)۔

کبھی آپ کو وسیلہ بنانا آپ کے وصال کے بعد ہوتا ہے اور وہ یوں کہ آپ سے درخواست کی جائے جیسے آپ کی زندگی میں درخواست کی جاتی تھی چنانچہ حضرت مالک سے ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگ قحط میں گرفتار ہو گئے تو ایک آدمی حضور ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے اپنی اُمت کے لئے دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ انہیں خواب میں ملے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ' انہیں سلام کہو اور بتاؤ کہ یہ لوگ بارش مانگتے ہیں پھر ان سے کہنا کہ یہ آپ پر لازم ہے۔ وہ شخص حضرت عمر کے پاس پہنچا اور اس بارے میں اطلاع دی جس پر آپ رونے لگے اور کہا: اے پروردگار! میں عاجز ہو جاتا ہوں تو کوتاہی ممکن ہوتی ہے۔

علامہ سیف نے کہا کہ یہ خواب دیکھنے والے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ایک صحابی تھے۔

اس واقعہ سے دلیل یوں بنتی ہے کہ صحابی نے آپ سے بارش کی ہونے کی درخواست کی حالانکہ آپ عالم برزخ (قبرِ انور) میں تھے' اس حالت میں اللہ سے ان کی دعا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور جو آپ سے سوال کرتا ہے' آپ اسے پہچانتے ہیں جیسے گزر چکا تو پھر آپ سے بارش وغیرہ کی دعا کی درخواست یونہی منع نہیں جیسے آپ کی زندگی میں منع نہ تھی۔

پھر چوتھے باب کی اکیسویں فصل میں آ چکا ہے کہ اھل مدینہ شدید قحط سالی میں گھر گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی' انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی قبرِ انور دیکھو اور چہرۂ انور کے سامنے آسمان کی طرف سوراخ کر دو' آسمان اور آپ کے درمیان چھت کا پردہ نہ ہو' انہوں نے ایسے ہی کیا تو بارش ہو گئی۔

کبھی حضور ﷺ کو وسیلہ بنانا یوں بھی ہوتا ہے کہ آپ سے مطالبہ کیا جائے بایں طور کہ آپ اللہ تعالیٰ سے وہ سوال پورا کرانے پر قدرت رکھتے ہیں' یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے عرض کی تھی کہ: میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا

ہوں۔ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ جنت میں میرے جانے کا سبب بن جائیں۔

حالِ چہارم:

چوتھی صورت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کے دوران وسیلہ بنایا جائے اور آپ اللہ سے شفاعت فرمادیں اور یہ وہ معاملہ ہے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں کئی احادیث ملتی ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے عیسےٰ! محمد پر ایمان لاؤ اور جو بھی ملے' اسے کہہ دو کہ محمد پر ایمان لائے کیونکہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ فرماتا اور اگر میں نے محمد کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں جنت و دوزخ کو پیدا نہ کرتا' میں نے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا تو وہ ہلنے لگا' میں نے اس پر **لا الٰہ الّا اللّٰہ محمّد رّسول اللّٰہ** لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا۔

میں کہتا ہوں کہ جن کا اپنے مولیٰ کے ہاں یہ مقام و مرتبہ ہو' ان سے شفاعت کیوں نہ مانگی جائے اور انہیں کیوں نہ وسیلہ بنایا جائے؟ بلکہ وسیلہ تو سب صالحین کو بنایا جاتا ہے جیسے سبکی نے کہا۔

ابن نعمان نے مصباح الظلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارش مانگنے کے لئے وسیلہ بنایا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قحط ہونے پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور کہتے: اے اللہ! جب ہم قحط زدہ ہو جاتے تھے تو تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا واسطہ دیتے تھے' تو بارش فرما دیتا تھا' اب ہم اپنے نبی کے چچا کا واسطہ دیتے ہیں تو تو بارش فرما دے چنانچہ بارش ہو جایا کرتی۔ایک اور روایت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تیرے نبی کے واسطے سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور تجھے ان کے بڑھاپے کا واسطہ دیتے ہیں' چنانچہ بارش ہو جاتی چنانچہ اسی سلسلے میں عباس بن عتبہ بن ابولہب نے کہا تھا:

> ''میرے چچا کے ذریعے حجاز اور اہل حجاز پر اللہ نے اس رات بارش کی جب حضرت عمر نے ان کے بڑھاپے کے واسطے سے دعا کی تھی۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دعا میں کہا تھا: ''(اے اللہ!) چونکہ تیرے نبی کے ہاں میری ایک حیثیت ہے اس لئے لوگ تجھ سے مانگنے میری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔''

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء میں لکھا ہے کہ امیر المومنین ابوجعفر نے حضرت مالک سے رسول اللہ علیہ السلام کی مسجد میں مناظرہ کیا چنانچہ حضرت مالک نے کہا: اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے: **لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (اپنی آوازیں نبی کریم علیہ السلام کی

آواز سے اونچی نہ کرو) اور لوگوں کی یوں تعریف کی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں) اور کچھ لوگوں کو برا قرار دیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (جو حجروں کی پچھلی طرف سے آپ کو آواز دیتے ہیں) حالانکہ وصال کے بعد بھی آپ کی عزت ویسی ہی ہے جیسے زندگی میں تھی۔ اس پر ابوجعفر نے آپ کے سامنے اظہارِ عاجزی کیا اور کہا اے ابوعبداللہ! کیا میں قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کروں؟ انہوں نے کہا: تم آپ سے چہرہ کیوں پھیرتے ہو؟ وہ تو تمہارے وسیلہ ہیں اور قیامت کے دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہونگے؟ چہرہ آپ کی طرف رکھو اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرو' اللہ تعالیٰ تمہاری درخواست قبول فرمالے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔

دیکھئے حضرت مالک کیا بتا رہے ہیں' آپ کا وسیلہ کیسے مانگ رہے ہیں اور دُعا کے وقت کس طرح متوجہ ہیں اور آپ کا ادب و احترام کر رہے ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حسین سامری حنبلی رحمہ اللہ ''المستوعب'' میں لکھتے ہیں: ''باب زیارۃ قبر النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم'' اس باب کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے زیارت کے آداب بتائے ہیں اور کہا ہے: ''پھر قبرِ انور کی دیوار کی طرف آئے اور اس جانب کھڑا ہو جائے' قبرِ انور کو اپنے سامنے رکھے اور قبلہ کو اپنی پیٹھ کی طرف اور منبر سے بائیں طرف ہو۔ اس کے بعد سلام اور دعاء کی صورت ذکر کی' کچھ نے یوں لکھا: ''اے اللہ تو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کے بارے میں لکھا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور میں تیرے نبی کی بارگاہ میں استغفار کے لئے حاضر ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخشش عطا فرما دے جیسے اسے بخشا تھا جو آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کے پاس آتا تھا' الٰہی! میں تیرے نبی کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اور پھر طویل دعا ذکر کی۔

ایک حنفی عالم ابومنصور کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تمہیں یہ کہہ دے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں میرا سلام عرض کرو تو تم یوں کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ بِالرَّحْمَةِ وَ الْمَغْفِرَةِ فَاشْفَعْ لَهٗ۝

''یا رسول اللہ! فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو' وہ آپ کے ربّ کی طرف آپ کا وسیلہ مانگتا ہے جس میں اس پر رحمت ہو اور اسے بخشش ملے لہٰذا آپ اس کی شفاعت فرما دیجئے۔''

علامہ عیاض کہتے ہیں' حضرت ابن وھب کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرے اور دعا کرنا ہو تو کھڑا ہوتے وقت اپنا چہرہ قبرِ انور کی طرف کرے' قبلہ کی طرف نہ کرے' قریب ہو سلام پیش کرے لیکن قبر شریف کو ہاتھ نہ لگائے۔

ایک اور روایت میں جسے عیاض نے مبسوط سے لیا ہے' لکھا ہے' وہ کہتے ہیں: میں مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ

قبرِ انور کے پاس کھڑا رہتے ہوئے دعا کرتا رہے بلکہ سلام پیش کرے اور چلا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت بھی اس روایت کے خلاف ہے جو منصور کے مالک سے مناظرہ میں گذری اور یونہی اس کے بھی مخالف ہے جسے ابن المواز نے نقل کیا ہے اور جو طواف الوداع میں آئی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: مالک سے کہا گیا' جو ملتزم میں لپٹا ہو تو کیا وہ الوداع کے موقع پر کعبہ کے پردوں سے لپٹ جائے؟ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ ٹھہر کر دعا کرے۔ان سے پوچھا گیا کیا نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کے پاس بھی یونہی کرے؟ (ٹھہر کر دعا کرے) انہوں نے کہا ہاں یونہی کرے۔انتہی۔

ابن حبیب "باب فرائض الحج و دخول المدینة" میں لکھتے ہیں: جب تم دو رکعت پڑھ لو تو قبلہ کی طرف سے قبرِ انور کے سامنے جانے کا ارادہ کرو' قریب ہو جاؤ' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرو' آپ کی تعریف کرو اور اس دوران پروقار اور سکون سے رہو کیونکہ رسول اکرم ﷺ سن رہے ہوتے ہیں اور تمہیں اپنے سامنے کھڑا جانتے ہیں' پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سلام پیش کرو اور ان کے لئے دُعا کرو۔

علامہ نووی رحمہ اللہ "رءوس المسائل" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مالک رحمہ اللہ نے کہا: جب آدمی کا ارادہ ہو کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کے پاس حاضر ہو تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر لے اور چہرہ حضور ﷺ کی طرف کر لے پھر آپ پر درود پڑھے اور دعائیں کرے۔

ابراہیم حربی اپنی "مناسک" میں لکھتے ہیں۔اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کر لو اور قبر انور کے درمیان کھڑے ہو جاؤ۔

ابو القاسم طلحہ بن عبد اللہ کے مطابق حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت ایوب سختیانی آئے اور نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کے قریب ہوئے' قبلہ کی طرف پیٹھ کر لی اور اپنا چہرہ قبر انور کی طرف کر کے خوب روئے۔

علامہ مجد لغوی کے مطابق حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جب حضرت ایوب سختیانی آئے تو میں مدینہ میں تھا' میں نے دل میں خیال کیا' دیکھتا ہوں' کیا کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کر لی اور چہرہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف کر لیا اور پھر خوب روئے۔آپ نے ایک فقیہ کا کردار انجام دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اس کے خلاف ہے جو ابو اللیث سمرقندی نے اپنے فتاویٰ میں حضرت ابو حنیفہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرنے والا قبلہ کو منہ کرے۔

علامہ سروجی حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سلام عرض کرنے والا قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو' علامہ کرمانی حنفی کہتے ہیں کہ: آپ کے سرِ انور کے قریب کھڑا ہو اور اس وقت قبلہ کی طرف منہ کرتے ہوئے منبر اور قبرِ انور کے درمیان ٹھہرے۔

اصحاب شافعی وغیرہ کہتے ہیں: وہ ٹھہرے' پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور چہرہ قبر انور کی طرف کرے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔انتہی۔

محقق حنیفہ حضرت کمال ابن ہمام کہتے ہیں کہ: یہ جو ابو اللیث سے نقل کیا گیا ہے کہ سلام عرض کرنے والا قبلہ کی طرف منہ کرے تو یہ حضرت امام ابو حنیفہ کے اس قول کی بناء پر مردود ہے جو انہوں نے اپنی مسند میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ: یہ سنت طریقہ ہے کہ تم قبلہ کی طرف سے قبر انور کی طرف آؤ' اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کر دؤ اپنا چہرہ قبر انور کی طرف کر لو اور یوں عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ ○

ابن جماعہ اپنی منسکِ کبیر میں لکھتے ہیں: حنفیوں کا مذہب یہ ہے کہ آدمی سلام و درود کے لئے آپ کے سرِ انور کے قریب یوں کھڑا ہوا کہ وہ اس کی بائیں طرف ہو اور دیوار سے چار ہاتھ دور کھڑا ہوا' پھر گھوم جائے اور چہرۂ انور کے سامنے آتے وقت قبلہ کو پیٹھ کر لے' پھر آپ پر سلام پیش کرے اور درود پڑھے۔

علامہ کرمانی حنفی نے لکھا ہے کہ وہ آپ پر سلام عرض کرنے کے لئے قبر انور کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے قبلہ کو منہ کر لے' کچھ نے ان کی اتباع کی ہے حالانکہ اس قول کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا جو کچھ میں نے نقل کر دیا ہے اسی پر بھروسہ کرو۔

علامہ سبکی نے علامہ کرمانی حنفی کے قول پر بھروسہ کیا ہے' وہ کہتے ہیں : ان کا استدلال یہ ہے کہ اس طرح دونوں عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں' کہتے ہیں' اکثر علماء کا قول ہی بہترین ہے کیونکہ میت سے زندہ جیسا معاملہ کیا جاتا ہے اور زندہ کو تو سامنے کھڑے ہو کر سلام کہا جاتا ہے تو یونہی میت سے بھی ہو گا اور یہ وہ بات ہے جس میں پریشانی کی گنجائش نہیں۔ انتہی۔

علامہ مطری لکھتے ہیں: پہلے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ حجروں کے مسجد میں داخل کرنے سے پہلے جب نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرنے کا ارادہ کرتے تو ریاض الجنہ میں اس ستون کی طرف رُخ کرتے جس میں لکڑی کا صندوق رکھا تھا کیونکہ وہ سرِ انور کے بالمقابل تھا' روضہ کی طرف پیٹھ پھیر لیتے' یونہی اسطوانہ توبہ کو پچھلی طرف کر لیتے اور پھر یحییٰ کے مطابق حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت گذر چکی ہے کہ آپ یونہی کرتے تھے۔

یحییٰ کے مطابق ابو علقمہ غروی کہتے ہیں کہ جب تک حضور ﷺ مسجد میں داخل نہ ہوا تھا' لوگ گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام عرض کیا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب چہرۂ انور کی طرف رُخ کرنا مشکل تھا اسی لئے علامہ مطری نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا گھر مبارک مسجد میں داخل کر لیا گیا اور ازواجِ مطہرات کے گھر بھی شامل کر لئے گئے تو تو لوگ حضور ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہونے لگے اور سلام پیش کرنے کے لئے قبلہ کی طرف پیٹھ کر دیتے کیونکہ خاص حالت میں قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا مستحب ہے جیسے جمعہ' عیدین اور دوسرے شرعی خطبوں کے موقع پر کرتے ہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سلمہ بن وردان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرتے تو آپ کے چہرۂ انور کے سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے۔

ہمارے شافعی حضرات کے کلام میں ہے کہ زیارت کرنے والا سلام دعا اور توسل کے موقع پر چہرۂ انور کی طرف منہ کرے پھر اس کے بعد قبلہ کی طرف منہ کرے قبرِ انور بائیں طرف ہو اور منبر دائیں طرف اور دعا بھی کرے۔

خاتمہ

یہاں ان چند حضرات کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے حضور ﷺ سے فریاد کی یا قبرِ انور کے پاس کھڑے ہو کر کچھ مانگا تو انہیں مانگا مل گیا اور پسندیدہ حاصل ہو گیا۔ یہ واقعات حضرت امام محمد بن موسیٰ بن نعمان نے اپنی کتاب ''مصباح الظّلام فی المستغیثین بخیر الانام'' میں ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن پر محدثین صوفیہ اور محققین کے اماموں کا اتفاق ہے چنانچہ:

(۱) حضرت منکدر کا استغاثہ

حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد کے پاس ایک شخص نے اسی دینار بطور امانت رکھے اور خود جہاد کو چلا گیا' جاتے وقت میرے والد سے کہا: اگر آپ کو ضرورت پڑ جائے تو میری واپسی تک انہیں استعمال کر سکتے ہو' ادھر لوگ مہنگائی کا شکار ہو گئے تو میرے والد نے وہ دینار خرچ کر دیے۔ اسی دوران وہ شخص واپس آ گیا اور اپنا مال مانگا۔ میرے والد نے کہا کہ کل میرے پاس آنا چنانچہ میرے والد نے رات مسجد میں گذاری' کبھی حضور ﷺ کی قبرِ انور کے پاس گڑگڑاتے اور کبھی منبر کے پاس' انہیں قبرِ انور سے فریاد کرتے صبح ہونے کو آئی' یکا یک دیکھا تو اندھیرے میں ایک شخص دکھائی دیا جو کہہ رہا تھا اے محمد! ادھر آؤ' چنانچہ میرے والد نے ہاتھ آگے کیا تو دیکھا ایک تھیلی تھی جس میں اسی دینار تھے اور صبح ہونے پر وہ شخص آ گیا تو انہوں نے اسے دے دیے۔

(۲) حضرت امام ابوبکر بن مقری وغیرہ کا استغاثہ

حضرت امام ابوبکر بن مقری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں' طبرانی اور ابوالشیخ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں تھے' ایک حالت طاری تھی اور ہمیں بھوک نے ستا رکھا تھا کیونکہ ہم مسلسل روزے رکھ رہے تھے' جب عشاء کا وقت ہوا تو میں نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا' عرض کی' یا رسول اللہ! بھوک لگی ہے اور اتنا عرض کر کے واپس آ گیا' اسی دوران ابو القاسم نے مجھ سے کہا' بیٹھ جاؤ' یا تو روزی مل جائے گی یا پھر موت تو آنی ہی ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں اور ابوالشیخ اُٹھ کھڑے ہوئے جبکہ طبرانی بیٹھے کچھ دیکھتے رہے۔ اسی دوران ایک علوی دروازے پر آیا' اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ہم نے کھول دیا' اس کے ہمراہ دو لڑکے تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک زنبیل (جس میں مانگا ہوا سامان رکھتے

ہیں) تھی جن میں کافی کچھ تھا۔ ہم بیٹھ گئے پیٹ بھر کر کھایا اور خیال کیا کہ غلام باقی خوراک لے جائے گا لیکن وہ باقی کھانا چھوڑ کر چلا گیا اور جب ہم کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو علوی نے کہا: دوستو! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تھی؟ کیونکہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ کھانا لے کر تمہارے پاس پہنچوں۔

(۳) ابن الجلاد کا استغاثہ

ابن الجلاد رحمہ اللہ کہتے ہیں' میں نبی کریم ﷺ کے شہر میں پہنچا تو میں فاقے سے تھا' میں قبرِ انور کے پاس پہنچا اور عرض کی' آپ کا مہمان ہوں۔ مجھے اونگھ آ گئی تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ نے مجھے ایک روٹی دی' میں نے آدھی تو کھا لی اور پھر بیدار ہوا تو دوسری آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(۴) ابو الخیر الاقطع کا استغاثہ

حضرت ابو الخیر الاقطع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے شہر میں داخل ہوا تو سخت بھوک لگی تھی کیونکہ پانچ دن سے میں نے کوئی چیز چکھی تک نہ تھی چنانچہ میں قبرِ انور کے پاس گیا' حضور ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کیا اور عرض کی' یا رسول اللہ! آپ کا مہمان ہوں۔ پھر ایک طرف ہو کر قبرِ انور کی پچھلی طرف سو گیا' خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی' حضرت ابوبکر آپ کی دائیں طرف تھے اور حضرت عمر بائیں طرف جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سامنے تھے' حضرت علی نے مجھے بلایا اور کہا کھڑے ہو جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں' میں آگے بڑھا اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا' آپ نے ایک روٹی مجھے عطا فرمائی جس میں سے آدھی میں نے کھا لی تو میں بیدار ہو گیا' باقی آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(۵) ابو عبد اللہ محمد بن ابو زرعہ صوفی رحمہ اللہ کا استغاثہ

حضرت ابو عبد اللہ صوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور ابو عبد اللہ بن خنیف کے ہمراہ مکہ کا سفر کیا' ہمیں شدید بھوک لگ چکی تھی' ہم رسول اللہ ﷺ کے شہر میں داخل ہوئے' رات خالی پیٹ سوئے' میں بالغ ہونے کے قریب تھا چنانچہ بار بار اپنے باپ کے پاس آتا اور کہتا: مجھے بھوک لگی ہے چنانچہ میرے والد قبرِ انور کی طرف حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں' اسی دوران مجھے اونگھ آ گئی' تھوڑی دیر بعد انہوں نے سر اُٹھایا تو کبھی روتے اور کبھی ہنستے تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے مجھے کچھ درہم دئے چنانچہ ہاتھ کھولا تو درہم موجود تھے چنانچہ اللہ نے ان میں برکت فرمائی اور ہم خرچ کرتے ہوئے شیراز واپس آ گئے۔

(۶) حضرت احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ کا استغاثہ

حضرت احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں تین ماہ تک جنگل میں حیران پھرتا رہا' میری جلد چھل گئی' میں مدینہ میں داخل ہوا' نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضری دی پھر آپ پر اور آپ کے دونوں صحابہ پر سلام پیش کیا اور پھر سو گیا چنانچہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو انہوں نے مجھے فرمایا' اے احمد! آ گئے ہو؟ میں نے عرض کی' جی ہاں اور مجھے بھوک لگی ہے' میں آپ کا مہمان ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاتھ پھیلاؤ' میں نے پھیلائے تو آپ نے درہموں سے بھر دئے' میں بیدار ہوا تو میرے ہاتھوں میں درہم بھرے تھے چنانچہ میں اُٹھا' روٹی خریدی فالودہ لیا اور کھا لیا پھر اسی وقت اُٹھا اور جنگل کو چلا گیا۔

(۷) ایک اور شخص کا استغاثہ

حضرت ابوالقاسم ثابت بن احمد بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مدینۃ النبی ﷺ میں ایک آدمی کو دیکھا جس نے حضور ﷺ کی قبرِ انور کے پاس اذان پڑھی' اس میں اس نے پڑھا: الصلوٰۃ خیر من النّوم چنانچہ اس کے پاس مسجد کا ایک خادم آیا اور یہ سن کر اسے تھپڑ مارا' وہ رونے لگا اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی بارگاہ میں ہوتے ہوئے میرے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے چنانچہ اسی وقت اس خادم کو فالج ہو گیا' اسے اُٹھا کر اس کے گھر پہنچایا گیا اور تین دن زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔

میں کہتا ہوں کہ وہ واقعہ جسے ابن النعمان نے ابوبکر مقری سے نقل کیا ہے' اسے ابن جوزی نے اپنی کتاب الوفاء میں ذکر کیا ہے۔

(۸) حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن سعید رحمہ اللہ کا استغاثہ

حضرت ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں مدینۃ النبی ﷺ میں تھا' میرے ہمراہ تین اور فقراء تھے' ہمیں سخت بھوک لگی ہوئی تھی چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں' خواہ کسی چیز کے ہوں' ہمیں تین مُدّ چاہئیں چنانچہ مجھے ایک آدمی ملا اور اس نے عمدہ کھجور کے تین مدّ دیدئے۔

(۹) ابو محمد سیّد عبد السلام بن عبد الرحمٰن حسینی فاسی رحمہ اللہ کا استغاثہ

حضرت ابو محمد عبد السلام رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ میں تین دن تک مدینہ پاک میں رہا لیکن کھانے کو کچھ نہ ملا' میں حضور ﷺ کے منبر کے پاس گیا' دو رکعتیں پڑھیں اور عرض کی: اے نانا جان! مجھے بھوک لگی ہے چنانچہ مجھے ثرید (شوربا ملی روٹی) چاہئے پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا' میں سویا ہوا تھا کہ یکا یک ایک آدمی نے مجھے جگا دیا' میں بیدار ہوا

اور دیکھا کہ اس کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا' اس میں ثرید' گھی اور گوشت وغیرہ۔ مجھ سے کہا کہ کھاؤ میں نے پوچھا: کہاں سے لائے ہو؟ انہوں نے کہا: میرے چھوٹے بچے ہیں' تین دن ہوئے انہیں اس کھانے کی ضرورت تھی' آج کا دن آیا ہے تو مجھے کسی کی طرف سے کچھ مل گیا ہے جس سے میں نے یہ سب کچھ تیار کر لیا ہے' پھر میں سو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا' آپ فرما رہے تھے کہ تمہارے ایک اور بھائی کو اسی کھانے کی ضرورت ہے لہٰذا اس میں سے کچھ اسے بھی کھلا دو۔

(۱۰) حضرت ابو عبد اللہ محمد بن ابو الامان رحمہ اللہ کا استغاثہ

حضرت ابو عبد اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینۃ النبی ﷺ میں تھا اور محراب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پیچھے تھا' سید مکثر قاسمی اس محراب کی پچھلی طرف کھڑے تھے' وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' پھر ہنستے ہوئے ہماری طرف آئے۔ اس پر شمس الدین صواب خادمِ مزار شریف نے اس سے پوچھا: کس وجہ سے ہنسے ہو؟ انہوں نے کہا: میں فاقے سے تھا' میں گھر سے نکلا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف آیا' حضور ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کی اور عرض کی یا رسول اللہ! بھوک لگی ہے' میں سو گیا' خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی' آپ نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا' میں نے پیا اور خوب سیر ہو گیا۔ وہ دودھ تم دیکھ سکتے ہو اور پھر انہوں نے میرے ہاتھ پر دودھ تھوک دیا اور ہم نے اس کے منہ میں بھی دیکھا۔

(۱۱) حضرت صالح عبد القادر التنلیسی رحمہ اللہ کا استغاثہ

حضرت صالح عبد القادر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فقیروں کے طریقے پر چلتے ہوئے مدینے پہنچا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور بھوک کی تکلیف کی شکایت کی' مجھے خواہش ہوئی کہ گندم کی روٹی' گوشت اور کھجور ملے۔ زیارت کے بعد میں ریاض الجنہ کی طرف بڑھا' وہاں دو رکعت نفل پڑھے اور پھر رات وہیں گزاری۔ یکا یک دیکھا کہ ایک آدمی مجھے جگا رہا ہے' میں بیدار ہوا اور اس کے ہمراہ چل پڑا' وہ شخص جوان تھا اور شکل و صورت کے لحاظ سے خوبصورت تھا' اخلاق اچھے تھے' اس نے ثرید کھانا میری طرف بڑھایا' بکری کا گوشت تھا اور کئی قسم کی کھجوریں تھیں جن میں ریحانی وغیرہ کھجوریں تھیں' بہت ساری روٹیاں تھیں جن میں جو کی روٹی بھی تھی' میں نے کھانا کھا لیا تو اس نے میرا کھانے کا برتن گوشت' روٹی اور کھجوروں سے بھر دیا اور پھر بتایا کہ میں ظہر کے بعد سویا ہوا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی' آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ یہ سامان آپ تک پہنچاؤں پھر آپ کا پتہ بھی بتایا اور ریاض الجنہ میں آپ کا ٹھکانا بتایا۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ آپ نے اسی کھانے کی فرمائش کی تھی۔

(۱۲) ایک اور شخص کا استغاثہ

ایک شخص نے کہا کہ میں مدینۃ النبی ﷺ میں تھا' میرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا لہٰذا میں کمزور ہو گیا چنانچہ حجرۂ پاک کی طرف آیا اور عرض کی: اے اولین و آخرین کے سردار! میں مصر کا رہنے والا ہوں اور مجھے آپ کے پاس رہتے پانچ ماہ گذر چکے ہیں' پھر عرض کی کہ میں اللہ اور آپ سے سوال کرتا ہوں مجھے سیر کرنے والا کوئی شخص ملا دو یا ایسا شخص ہو جو مجھے یہاں سے نکال دے۔ پھر حجرۂ پاک کے پاس بہت سی دعائیں کیں اور منبر کے پاس بیٹھ گیا' اچانک دیکھا تو ایک شخص حجرہ پاک میں داخل ہوا' کچھ دیر کھڑے کھڑے باتیں کرتا رہا' پھر کہا یا جدّاہ یا جدّاہ ! پھر میری طرف آیا' میرے ہاتھ تھام لئے اور کہا کھڑے ہو جاؤ! میں کھڑا ہوا اور اس کے ہمراہ ہولیا' اس نے باب جبریل سے مجھے نکالا اور بقیع تک لے گیا پھر وہاں سے چلا تو دیکھا ایک خیمہ لگا تھا' ایک لونڈی اور ایک غلام وہاں موجود تھے۔اس نے ان دونوں سے کہا کہ اس کے لئے کھانا تیار کرو' اس پر غلام اُٹھا' لکڑیاں اکٹھی کیں اور آگ جلائی' ادھر لونڈی اُٹھی' آٹا گوندھا اور بھوبھل پر روٹی پکائی۔

اس نے مجھے باتوں میں لگائے رکھا' اتنے میں وہ لونڈی روٹی لے آئی' اس نے دو حصے کر دئے پھر وہ لونڈی ایک پیالہ لائی جس میں گھی تھا' اس نے اسے اس روٹی پر ڈالا' پھر صیحانی کھجوریں لائی اور اسے عمدہ طریقے سے بنا دیا' مجھے کہا کہ کھاؤ! میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیچھے ہٹ گیا' اس نے پھر کہا کہ کھاؤ' میں نے پھر کھایا' پھر کہا تو میں نے کھایا' اس نے پھر کہا تو میں نے کہا: اے صاحب! مجھے کئی ماہ ہو گئے کہ گندم کا کھانا نہیں کھایا' اب مجھے ضرورت نہیں' اس نے روٹی کا دوسرا حصہ لے لیا اور جو کچھ مجھ سے بچ گیا تھا اسے ایک برتن میں ڈال دیا پھر دو صاع کھجور توشہ دان میں رکھی اور پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ فلاں نام ہے۔اس نے کہا: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ میرے نانا کے ہاں دوبارہ شکایت نہ کرنا کیونکہ آپ کو تکلیف ہوتی ہے' تجھے جب بھی ضرورت ہو گی' کھانا مل جایا کرے گا اور ایسا سبب بھی بن جائے گا کہ کوئی شخص تمہیں یہاں سے لے جائے گا۔

پھر غلام سے کہا کہ اسے میرے نانا جان کے حجرے تک لے جاؤ چنانچہ میں غلام کے ساتھ چل کر بقیع تک گیا اور غلام سے کہا کہ تم جا سکتے ہو' میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا ہوں۔اس نے کہا' میں آپ کو چھوڑ کر اس وقت تک نہیں جا سکتا تھا جب تک حجرۂ مبارکہ تک نہ پہنچا دوں' ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ میرے آقا سے شکایت فرما دیں چنانچہ اس نے مجھے حجرۂ مبارکہ تک پہنچا دیا' مجھے الوداع کہا اور واپس چلا گیا۔جو کھانا اس نے مجھے دیا تھا' میں اس میں سے چار دن تک کھاتا رہا اور پھر بھوک لگی تو وہی غلام کھانا لے آیا' پھر وقت گذرتا رہا' مجھے جب بھی بھوک لگتی وہ کھانا لے آتا پھر اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا اور ایک جماعت کے ساتھ میں ینبع کو چلا گیا۔

(۱۴۳) حضرت ابو العباس بن نفیس مقری کا استغاثہ

حضرت ابو العباس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مجھے تین دن سے بھوک لگی تھی' میں قبر انور پر حاضر ہوا اور عرض کی' یا رسول اللہ! بھوک لگی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے سو گیا' ایک لڑکی نے مجھے پاؤں کی ٹھوکر سے جگا دیا' میں اس کے کہنے پر اُٹھا تو اس نے کہا آؤ' میں اس کے ہمراہ اس کے گھر تک گیا' اس نے میرے سامنے روٹی' کھجور اور گھی لا رکھا اور کہنے لگی: اے ابو العباس کھاؤ! مجھے میرے نانا جان نے یہ کھانا کھلانے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ جب بھی بھوک لگے' یہاں آ جایا کرو۔

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں حکایات بہت ملتی ہیں بلکہ یہی واقعہ میرے ساتھ بھی گذرا' جب مصری حاجی زیارت کے لئے آئے تو میں مسجد نبوی میں موجود تھا۔ میرے ہاتھ میں مسجد کے اس کمرے کی چابی تھی جس میں میری کتابیں تھیں۔ اتنے میں میرا ایک استاد بھائی آیا' میں نے اسے سلام کہا' اس نے مجھے کہا کہ ریاض الجنہ کو چلو اور میرے ساتھ نبی کریم علیہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے یونہی کیا۔ پھر میں واپس آیا تو چابی نہیں تھی' میں جہاں جہاں گیا تھا' وہاں بہت تلاش کی لیکن چابی نہ ملی' مجھے سخت پریشانی ہوئی مجھے چابی کی شدید ضرورت تھی چنانچہ میں رسول اللہ علیہ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا سیّدی' یا رسول اللہ! میرے کمرے کی چابی گم ہو گئی ہے' مجھے سخت ضرورت ہے' میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ چابی مل جائے۔

پھر واپس آ گیا تو دیکھا ایک شخص میرے کمرے کی طرف جا رہا ہے' مجھے جانا پہچانا لگ رہا تھا' میں اس کی طرف گیا لیکن وہ مجھے نہ مل سکا' پھر میں نے کمرے کے پاس ایک ناواقف بچا دیکھا جس کے ہاتھ میں وہ چابی تھی۔ میں نے پوچھا' یہ تم نے کہاں سے لی ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے حضور علیہ کے چہرۂ مبارک کے سامنے دیکھی تو لے آیا ہوں۔

فقیہ ابو محمد اشبیلی نے ایک اور استخارہ اپنی تصنیف ''فضل الحج'' میں لکھا ہے کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو سخت تکلیف تھی جس کے علاج سے طبیب عاجز آ گئے تھے اور اس کے بارے میں مایوس ہو گئے تھے چنانچہ اس کی طرف سے وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابو الخصال نے نبی کریم علیہ کی بارگاہ میں ایک خط لکھا جس میں اس کی اس بیماری سے شفاء کی درخواست کی گئی تھی' اس ضمن میں کچھ اشعار بھی لکھے جن میں سے کچھ یہ تھے:

''آپ کا ایک غلام رو رو کر آپ کو بلا رہا ہے' وہ چپکے چپکے درخواست کرتا ہے اور اسے آپ کی طرف سے مہربانی کا پورا یقین ہے۔

اس تکلیف میں وہ آپ سے اُمید لگائے ہوئے ہے جس کو دور کرنے سے لوگ عاجز آ گئے ہیں۔

میں آپ سے اُمید رکھتا ہوں کہ آپ اس ذات کے صدقے اسے درست فرما دیں جو ہڈیوں کو زندگی

دینا اور جو شفاء دیتا ہے۔

آپ ہی وہ ذات ہیں کہ جن سے زندگی اور وصال کے بعد ہم مصائب دور کرنے کی اُمید لگائے ہوئے ہیں۔ آپ پر مخلوق کی گنتی کے مطابق اللہ کی طرف سے سلام ہو۔"

فقیہ ابو محمد کہتے ہیں کہ سوار مدینے میں پہنچا' یہ اشعار حضور علیہ السلام کی قبر انور کے سامنے پڑھے چنانچہ وہ بیمار اسی وقت تندرست ہو گیا اور جب وہ واپس آیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

فصل نمبر ٤

زیارتِ قبرِ انور اور آپ کی خدمت رہنے کے آداب

ان آداب میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کا تعلق سفرِ مدینہ سے ہے اور وہ ایسے آداب ہیں جن کا تعلق عام سفروں ہی سے ہے یعنی پہلے سفر کا استخارہ کرے' نئے سرے سے توبہ کرے' ظلم کرنے سے باز آئے' وصیت کرے' انہیں راضی کرے جنہیں راضی کرنا ضروری ہے' صاف اور پاکیزہ نان نفقہ لے' اہل وعیال اور دوستوں کو الوداعی سلام کرے' ان سے اپنے لئے دعائیں کرائے' گھر میں دو نفل پڑھے اور سلام پھیر کر آیۃ الکرسی اور سورۃ لایلاف پڑھے' اپنے تمام کاموں میں اللہ کی مدد اور توفیق مانگے اور یوں دعا کرے:

"اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا ساتھی ہے اور میرے اہل وعیال کا نگہبان ہے' اے اللہ! میں سفر کی مشقتوں' برے منظر اور واپسی کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دے اور سفر آسان فرما دے۔"

پھر جب اُٹھ کھڑا ہو تو یوں کہے: اے اللہ! میں تیری مدد سے سفر کی تیاری کر رہا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوں' تجھی سے تعلق ہے' اے اللہ! تو ہی میرا سہارا ہے اور تجھی سے اُمید رکھتا ہوں' الٰہی! مشکلات میں مجھے سہارا دے' الٰہی مجھے تقویٰ کی توفیق دے' میرے گناہ بخش دے اور میں جہاں بھی جاؤں بھلائی کا کام کروں۔

پھر مستحب یہ ہے کہ گھر سے نکلتے وقت کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات کرے' اپنے ہمراہ موافق ساتھی لے جسے نیکی کرنے کا شوق ہو' برائی سے نفرت کرے' اگر کوئی بات بھول جائے تو وہ اسے یاد کرا دے اور مدد کرے۔

پھر آدابِ سفر میں سے خلوصِ نیت بھی ہے کیونکہ عمل کی مقبولیت کا دارو مدار نیت پر ہوتا ہے چنانچہ رسولِ اکرم علیہ السلام کی زیارت سے اس کا مقصد اللہ کا قرب ہونا چاہیے۔

پھر مستحب یہ ہے کہ اللہ کا قرب چاہتے ہوئے حضور علیہ السلام کی طرف سفر کی نیت کرے' مسجد کی طرف جانے کے لئے رختِ سفر باندھے اور اس میں نماز کی نیت کرے جیسے ہمارے شافعی حضرات کہتے ہیں جن میں سے ابن الصلاح اور نووی بھی ہیں چنانچہ ابن الصلاح کہتے ہیں: اس طریقے سے حضور علیہ السلام کی زیارت کے معاملے میں کوئی خلل واقع نہیں

ہوتا اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں۔

شیخ الحنفیہ علامہ کمال بن ہمام رحمہ اللہ اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ قبر انور کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد کی نیت بھی کرے۔ پھر کہا: بہتر یہ ہے کہ صرف قبر انور کی زیارت کی نیت کرے اور پھر جب دوبارہ اللہ کا فضل ہو تو ان دونوں کی نیت کرے کیونکہ اس میں آپ کی تعظیم زیادہ ہوتی ہے اور آپ کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے اور یوں حضور ﷺ کے اس فرمان سے موافقت ہو جاتی ہے کہ: ''اس کے سامنے میری زیارت کے سوا کوئی مقصد نہ ہو۔'' انتہی۔

اور یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنی مسجد کا ارادہ کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے چنانچہ آپ کے حکم پر عمل کرنے ہی میں آپ کی تعظیم پائی جاتی ہے۔

پھر یہ بھی مستحب ہے کہ نبی کریم ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام پڑھے' ممکن ہو تو ختمِ قرآن کرے اور آپ کے پڑوسیوں پر صدقہ و خیرات کرے چنانچہ شروع ہی سے عبادت کی نیت کر لے تاکہ ارادے پر اسے ثواب حاصل ہو کیونکہ مومن کی نیت' اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے' پھر گناہوں اور ناپسندیدہ کاموں سے بچنے کی نیت کرے اور یہ کام اللہ اور اس کے رسول سے حیاء کرتے ہوئے کر لے۔

ان آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اسے محبوب اور شفیع کی ہر سال زیارت کا شوق ہونا چاہئے کہ کسی طرح وہ آپ کی بارگاہ میں پہنچے کیونکہ آپ سے ملاقات کا شوق اور آپ کی بارگاہ میں پہنچنے کی خواہش اس کے ایمان کی علامت شمار ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن اسے امن و امان حاصل ہوگا اور یوں اس بارے میں اس کا شوق بڑھے گا اور آپ سے محبت پیدا ہوگی۔

انہی آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گھر سے نکلے تو کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ خَرَجْتُ وَاَنْتَ اَخْرَجْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِيْ وَسَلِّمْ مِنِّيْ وَرُدَّنِيْ سَالِمًا فِيْ دِيْنِيْ كَمَا اَخْرَجْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ○

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ سفر کے دوران کثرت سے نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھتا رہے بلکہ جب بھی فارغ ہو درود و سلام میں لگا رہے۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس سفر میں آنے والی مسجدوں کی طرف توجہ کرے اور ان آثار کا خیال رکھے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہیں' ان سب کی زیارت کرے اور ان میں نماز کی برکت حاصل کرے۔

انہی میں سے یہ بھی ہے کہ جب حرمِ مدینہ کے قریب پہنچے' مدینہ کی علامات دیکھے' ٹیلے نظر پڑیں تو خوشیاں منائے کہ اس کا دلی مقصد پورا ہونے والا ہے اور نہایت عاجزی سے آگے بڑھے' اگر کسی سواری پر ہو تو مدینہ کو دیکھ کر اسے تیز چلائے کیونکہ یہ خوشی کا مقام ہے اور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی کوشش کرے۔

جب روضۂ انور نظر آئے اور اس کے قریب پہنچ جائے تو سواری سے اُتر کر پیدل چلنے میں بھی حرج نہیں جیسے لوگ کیا کرتے ہیں کیونکہ وفدِ عبدالقیس نے جب نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا تو اپنے اونٹوں سے اُتر پڑے تھے اور کسی نے بھی ان کی اس بات کو برا نہ جانا تھا کیونکہ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ کی تعظیم کرنا ویسے ہی ہوتا ہے جیسے آپ کی زندگی میں آپ کی تعظیم لازم ہوتی تھی۔

ابو داؤد مالکی رحمہ اللہ نے ''الانتصار'' میں لکھا ہے کہ اگر کسی سے ممکن ہو تو یوں آداب بجا لانا ضروری ہوتا ہے اور یہ کام مستحب ہوتا ہے کیونکہ اس میں اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہوتا ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کی عظمت ہوتی ہے۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب حرمِ مدینہ میں پہنچے تو صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد یوں کہے: اے اللہ! یہ تیرے رسول اللہ ﷺ کا حرم ہے جسے تو اپنے نبی کی زبان پر حرم کہلوایا ہے اور پھر انہوں نے تجھ سے دعا کی تھی کہ تو حرمِ مکہ کے مقابلے میں اس کے اندر دوگنا بھلائی اور برکت فرما لہٰذا میرا وجود آگ پر حرام فرما دے اور جب تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا تو اپنے عذاب سے مجھے امن میں رکھنا اور مجھے آپ کی برکتیں اسی طرح حاصل ہوں جیسے تیری عبادت کرنے والوں اور اولیاء کو حاصل ہوتی ہیں' پھر مجھے ادب کی توفیق دے' اچھے کاموں کی توفیق دے اور برے کاموں سے بچا۔

اس کے بعد درود و سلام شروع کر دو۔

صاحبِ طراز مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کے لئے یہ بھی ادب ہے کہ غسل کرے اور اچھے سے اچھے کپڑے پہنے چنانچہ ابوعبداللہ سامری حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب مدینۃ الرسول ﷺ کے لئے چلے تو مستحب یہ ہے کہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے۔

''الاحیاء'' میں ہے' مستحب یہ ہے بئر الحرہ تک پہنچنے سے پہلے' غسل کرے' خوشبو لگائے اور عمدہ کپڑے پہنے۔

علامہ کرمانی حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد کے باہر غسل نہ کر سکے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد غسل کرے۔

حضرت قیس بن عاصم رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ جب وہ وفد لے کر آئے تو حضور ﷺ کے پاس داخل ہونے کے لئے سب نے جلدی کی لیکن قیس نے اپنا سامان اتارا' سفر کا لباس اتار کر نیا لباس پہنا اور پھر

باوقار طریقہ سے حضورﷺ کی خدمت میں حاضری دی چنانچہ آپ کو اس کی یہ بات پسند آئی اور آپ نے ان الفاظ میں ان کی تعریف کی: (اے قیس!) تم میں دو خصلتیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: بردباری اور باوقار رہنا۔

حضرت منذر بن ساوی تمیمی رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو لے کر بحرین سے آئے چنانچہ دوسرے لوگ ہتھیاروں سمیت حضورﷺ کی خدمت میں پہنچے اور سلام عرض کیا جبکہ حضرت منذر نے پہلے ہتھیار اتارے' اپنے پاس موجود کپڑے پہنے' داڑھی پر تیل لگایا اور پھر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔

پھر مناسب یہ ہے کہ جاہلوں جیسے کاموں سے بچے یعنی حالت احرام جیسے اَن سلے کپڑے اوڑھنے سے گریز کرے۔

آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب قبہ مبارکہ دیکھے اور مدینہ پاک میں داخل ہو تو آپ کی عظمت کی وجہ سے دل میں خشوع وخضوع پیدا کرے کیونکہ یہ وہ مبارک بقعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے پسند کر رکھا ہے جو اس کے محبوب اور پسندیدہ ہیں' پھر اپنے دل میں حضورﷺ کے مبارک قدموں کے نشان لائے اور قدم مبارک کی جگہوں کا احترام کرے کیونکہ وہ جہاں بھی قدم رکھے گا' وہ حضورﷺ کے مبارک قدم رکھنے ہی کی جگہ ہو گی لہٰذا قدم رکھتے وقت آپ کی ہیبت دل میں رکھے اور سکون سے چلے اور یوں چلے جسے عاجزی اور سکون سے حضورﷺ چلا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمت دی تھی کہ آپ کا ذکر اپنے ذکر سے ملا رکھا تھا اور جو آپ کا احترام نہیں رکھتا تھا' اس کے عمل کو باطل کر دیتا تھا خواہ اس کا عمل آپ کی مبارک آواز سے آواز اونچا کرنا ہوتا۔ پھر اس بات پر افسوس کرتا رہے کہ دنیا میں آپ کی زیارت نہ کر سکا۔ پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔

انہی آداب میں سے یہ ہے کہ جب تک ممکن ہو' بھلائی کے کاموں پر لگا رہے اور اپنے آپ کو برائیوں سے روکنے میں لگا رہے اور جب آپ کی حرمت میں کسی کی کوتاہی دیکھے تو ناراضگی کا اظہار کرے یا کوئی حضورﷺ کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اس پر بھی اظہار ناراضگی کرے کیونکہ یہ بات علامات محبت میں شمار ہوتی ہے کہ اپنے محبوب پر غیرت کھائے اور دیانت داری کے لحاظ سے لوگوں میں وہی قوی ہو گا جو سب سے زیادہ زیارت کرے گا اور جب دل غیرت کھانے سے خالی ہو جاتا ہے تو محبت سے بھی خالی ہو جاتا ہے' اس حالت میں اگر وہ اپنے اندر محبت کا گمان کرتا ہے تو جھوٹا ہوتا ہے۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب مدینے کے دروازے میں داخل ہو تو یوں کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا حَسْبِیَ اللّٰهُ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَا

قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَ بِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا اِلَیْكَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَّلَا اَشَرًا وَّ لَا رِیَاءً وَّ لَا سُمْعَةً خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ اَسْاَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ○

جب بھی مسجد کی طرف جائے' یہ دعا ضرور پڑھے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جب کوئی یہ دعا مسجد کی طرف جاتے وقت پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ ستّر ہزار فرشتوں کے ذمے لگا دے گا کہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف خاص توجہ فرماتا ہے۔ پھر دل میں مدینہ کی عظمت بٹھائے رکھے کیونکہ یہ بالا جماع ثابت ہے کہ یہ خطہ ساری زمین سے افضل ہے' کچھ علماء کا قول ہے کہ مدینہ ساری دنیا کے مقامات سے افضل ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے:

"یہ ایسی زمین ہے کہ جس کے اندر جبریلِ امین علیہ السلام چلتے رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین و آسمان کو شرف و عظمت سے نوازا ہوا ہے۔"

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مناجات کرنے سے پہلے صدقہ و خیرات کرے اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ کام مسجد سے شروع کرے اور جب مسجد نبوی کا مشاہدہ کرے اور حرمِ محمدی کو دیکھے تو دل میں یہ خیال کرے کہ وہ اس جگہ آیا ہے جہاں ابو الفتوح جبریل علیہ السلام اُترتے رہے ہیں اور ابو الغنائم میکائیل علیہ السلام آتے رہے ہیں اور پھر یہ وہ جگہ ہے جسے اللہ نے وحی اور قرآن اُترنے کی خصوصیت بخشی ہے لہٰذا اس مقام کے پیشِ نظر یہاں حد درجہ خضوع وخشوع سے کام لے۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے جو قاضی فضل الدین بن نصیر غوری نے لکھا ہے کہ زیارت کرنے والے کے لئے بابِ جبریل سے داخل ہونا افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی کے دروازوں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ لوگ باب السلام سے داخل ہوتے ہیں اور جب داخل ہونے کا ارادہ کرلے تو دل کو فارغ کرلے اور ضمیر کو صاف کرلے' پھر دایاں قدم رکھے اور یہ پڑھے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَ بِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ وَ بِنُوْرِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ رَبِّ وَفِّقْنِیْ وَ سَدِّدْنِیْ وَ اَصْلِحْنِیْ وَ اَعِنِّیْ عَلٰی مَا یُرْضِیْكَ عَنِّیْ وَ مُنَّ عَلَیَّ بِحُسْنِ الْاَدَبِ فِیْ هٰذِهِ الْحَضْرَةِ الشَّرِیْفَةِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ○

جب بھی مسجد میں داخل ہو یا نکلے تو یہ دعا پڑھنا ترک نہ کرے' البتہ جب مسجد سے باہر نکلے تو آبْـــوَابَ رَحْمَتِكَ کی بجائے وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ کہے۔

انہی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ جب مسجد میں ہو تو مسجد میں ٹھہرنے تک اعتکاف کی نیت کرے خواہ تھوڑی دیر کے لئے کرے جیسے مذہب شافعی میں ہے تا کہ اعتکاف کا ثواب بھی سمیٹ سکے' اس کے بعد روضہ شریف کی طرف متوجہ ہو اور اگر باب جبریل سے داخل ہو تو حجرہ مبارکہ کی پچھلی طرف سے اس کا ارادہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ ہیبت و وقار بھی پیشِ نظر رکھے' اللہ کا خوف رکھے' عاجزی کرے اور محتاجی دکھائے۔ پھر جگہ خالی مل سکے تو حضور ﷺ کے مصلّٰی کے مقام پر کھڑا ہو ورنہ ریاض الجنہ میں منبر والی جگہ پر کھڑا ہو اور اگر وہاں بھی جگہ نہ مل سکے تو جہاں جگہ ملے' کھڑا ہو اور مختصر طور پر دو رکعت نفل پڑھے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ قل یـاَیّھـا الکٰفـرون پڑھے اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے' اس دوران اگر فرض نماز کھڑی ہو جائے یا اس کے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو پہلے اسے پڑھے کیونکہ تحیۃ المسجد کے نفل اسی میں آ جائیں گے اور جب فارغ ہو جائے تو اس نعمتِ عظیمہ اور بھاری احسان کے ملنے پر اللہ کی حمد و ثناء کرے۔

حنفی حضرات میں سے علامہ کرمانی اور صاحب الاختیار نے کہا ہے کہ ان دو رکعتوں کے بعد شکرانے کے طور پر سجدہ کرے اور اللہ سے اُمید لگائے کہ وہ اس کی وہ مراد پوری فرما دے گا جو اس نے زیارت سے لگا رکھی ہے اور اسے وہ کچھ عطا فرمائے گا جو اس نے ارادے کر رکھے ہیں۔

علامہ زین مراغی رحمہ اللہ نے اپنے ایک شیخ سے نقل کیا ہے کہ نفلوں کو زیارت سے پہلے پڑھنے کا موقع اس وقت ہوتا ہے جب وہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے سے نہ گذرے اور اگر وہاں سے پہلے گزرتا ہے تو پہلے زیارت کرنا مستحب ہوتا ہے جبکہ مالکی حضرات میں سے بعض نے نفلوں سے پہلے زیارت کرنا مستحب لکھا ہے۔

نفلوں کو پہلے پڑھنے پر مستحب قرار دینے پر دلیل وہ ہے جو علامہ برھان بن فرحون نے ابن حبیب سے نقل کیا ہے' انہوں نے کتـاب الـصّلوٰۃ میں لکھا ہے' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر سے واپس آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے' میں نے سلام عرض کیا' اس پر آپ نے فرمایا: کیا تم نے مسجد میں داخل ہو کر نفل پڑھے ہیں؟ میں نے عرض کی' نہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ مسجد میں جا کر نفل پڑھو' پھر میرے پاس آؤ اور سلام عرض کرو۔

علامہ لخمی رحمہ اللہ التبصرۃ کے بَابُ مَنْ جَاءَ مَكَّةَ لَيْلًا میں لکھتے ہیں کہ: مسجد نبوی میں جا کر قبرِ انور پر جا کر سلام عرض کرنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھے۔ یہ امام مالک کا قول ہے اور ابنِ حبیب کہتے ہیں کہ جب مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے: بسم اللّٰہ و السّلام علی رسول اللّٰہ' ارادہ یہ ہو کہ جہاں کھڑے ہو کر سلام عرض کرنا ہے' وہاں سلام عرض

کرتا ہے' پھر رکوع کرے اور اگر اس دروازے سے داخل ہو جو قبر انور کی طرف ہے اور وہاں سے گذرے تو ٹھہر جائے اور سلام عرض کرے پھر اس جگہ آئے جہاں اس نے نفل پڑھنا ہیں بشرطیکہ وہاں تنگی نہ ہو۔انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبیب کے کلام میں امام مالک کی مخالفت پائی نہیں جاتی کیونکہ ان کی مراد یہ ہے کہ مسجد کے دروازے سے داخل ہونے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ آپ پر درود پڑھے کیونکہ ابن خزیمہ کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث ملتی ہے کہ: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرے اور پھر نفل پڑھے اور یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

پھر اس لئے بھی کہ ابن حبیب نے اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ نفل پڑھے' پھر قبرِ انور کے پاس ٹھہرے اور سلام عرض کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد قبرِ کریم کی طرف متوجہ ہو اور اللہ سے اس بات کی مدد مانگے کہ اس پاکیزہ مقام پر ٹھہرنے کا ادب نصیب فرمائے چنانچہ مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ چاندی کے اس کیل کے سامنے کھڑا ہو تا کہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے ہو سکے۔

یہ بھی نقل ملتی ہے کہ زیارت کرنے والا قبرِ انور کے سرہانے کی طرف سے چار ہاتھ کے فاصلے پر دور کھڑا ہو اور ابن عبد السلام نے کہا کہ تقریباً تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو اور ان دونوں صورتوں میں وہ بلاشبہ مقصورہ شریف کے اندر داخل شمار ہو گا۔

ابن حبیب نے الواضحۃ میں لکھا ہے کہ: قبلہ کی طرف سے قبرِ انور کا ارادہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔ پھر الاحیاء میں ہمارے لکھے فاصلہ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ تم آپ کے سامنے ہمارے بتائے کے مطابق کھڑے ہو جاؤ' پھر حالتِ وصال میں آپ کی زیارت یوں کرو جیسے تم آپ کی حیاتِ مبارکہ میں کر سکے اور قبرِ انور کے قریب اس سے زیادہ نہ ہو جاؤ جتنا تم آپ کی حیاتی میں آپ کے قریب کھڑے ہو سکتے اور پھر زیارت کرنے والے کو چاہئے کہ ٹھہرتے وقت نہایت ادب و احترام کے ساتھ حجرۂ مقدسہ کے سامنے نظر نیچی کئے رکھے۔ علامہ کرمانی حنفی کہتے ہیں کہ حاضری کے موقع پر ہاتھ باندھتے وقت دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے۔

الاحیاء میں لکھا ہے یاد رکھئے کہ حضور ﷺ تمہاری حاضری' قیام اور زیارت کو خوب جانتے ہیں' تمہارا سلام اور درود آپ تک پہنچ جاتا ہے لہٰذا آپ کی صورتِ مبارکہ کو اپنے خیال میں لاؤ اور دل میں آپ کے عظیم رتبے کا دھیان رکھو کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبرِ انور پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا جو آپ کے ہر اُمتی کا سلام آپ تک پہنچاتا ہے۔ یہ اس کے بارے میں ہے جو آپ کی قبرِ انور کے پاس حاضر

نہیں۔

پھر زیارت کرنے والا سلام عرض کرے، آواز نہ بلند ہو اور نہ ہی پست بلکہ درمیانی ہو اور یوں عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اَجْمَعِيْنَ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِكَ وَ اَهْلِ بَيْتِكَ وَ اَزْوَاجِكَ وَ اَصْحَابِكَ اَجْمَعِيْنَ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ۝ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفْضَلَ مَا جَزٰى بِهٖ نَبِيًّا وَّ رَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلّٰى عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ الْغَافِلُوْنَ اَفْضَلَ وَ اَكْمَلَ مَا صَلّٰى عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ خِيَرَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَ كَشَفْتَ الْغُمَّةَ وَ جَاهَدْتَّ فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۝ اَللّٰهُمَّ اٰتِهِ الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِالَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ وَ اٰتِهٖ نِهَايَةَ مَا يَنْبَغِىْ اَنْ يَّسْاَلَهُ السَّائِلُوْنَ۝ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ نَّبِيِّكَ وَ رَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۝

ہاں اگر کوئی اسے پوری نہ پڑھ سکے یا وقت تنگ ہو تو جتنا ممکن ہو پڑھ لیا کرے، کم از کم یہ پڑھ لیا کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ نہایت مختصر الفاظ بولتے تھے، حضرت مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یہ پڑھا کرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔

حضرت ابو سعید ھندی مالکی نے قبر انور پر کھڑا ہونے والے کے بارے میں کہا کہ زیادہ دیر تک کھڑا نہ ہو اور پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پڑھا جانے والا سلام بتایا۔

حضرت عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''پھر تم عاجزانہ طور پر قبر انور کے سامنے کھڑے ہو جاؤ' آپ پر درود پڑھو اللہ کی حمد و ثناء کرو۔''

ابن فرحون کے مطابق ابن حبیب نے کہا' یوں پڑھا کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفْضَلَ وَاَزْكٰى وَاَعْلٰى وَاَنْمٰى صَلَاةٍ صَلَّاهَا عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ اَنْبِيَائِهٖ وَاَصْفِيَائِهٖ اَشْهَدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ مَا اُرْسِلْتَ بِهٖ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَعَبَدْتَّ رَبَّكَ حَتّٰى اَتَاكَ الْيَقِيْنُ وَ كُنْتَ كَمَا نَعَتَكَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ حَيْثُ قَالَ: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَمَلَآئِكَتِهٖ وَ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ فِيْ سَمٰوَاتِهٖ وَ اَرْضِهٖ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَام عَلَيْكُمَا يَا صَاحِبَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَابَكْرٍ وَّيَا عُمَرُ جَزَاكُمَا اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَ اَهْلِهٖ اَفْضَلَ مَا جَزٰى وَزِيْرَىْ نَبِيٍّ عَلٰى وَزَارَتِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ وَ عَلٰى حُسْنِ خِلَافَتِهٖ اِيَّاهُ فِيْ اُمَّتِهٖ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزِيْرَىْ صِدْقٍ فِيْ حَيَاتِهٖ وَ خَلَفْتُمَاهُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ فِيْ اُمَّتِهٖ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَجَزَاكُمَا اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ مُرَافَقَتَهٗ فِيْ جَنَّتِهٖ وَ اِيَّانَا مَعَكُمْ بِرَحْمَتِهٖ ۝ انتہی۔

علامہ مطری اور علامہ مجد نے کئی قسم کے سلام لکھے ہیں جن میں کئی اوصاف پائے جاتے ہیں جبکہ حضور ﷺ کے اوصاف کی کوئی انتہاء نہیں اور وہ مشہور ہیں۔اس مقام پر گنجائش نہیں لہٰذا ہم نے اتنا بتانا مناسب سمجھا ہے۔

علامہ نووی مذکورہ بیان کے بعد لکھتے ہیں: اگر کسی نے اسے رسول اللہ ﷺ پر سلام کے لئے کہا ہو تو اسے یوں کہنا چاہئے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ يُسَلِّمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' پھر تھوڑا سا اپنی دائیں طرف ہاتھ بھر پیچھے ہٹ جائے' یوں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ہوگا' اب یوں کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكْرٍ صَفِيَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ثَانِيَهٗ فِي الْغَارِ وَ رَفِيْقَهٗ فِي الْاَسْفَارِ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ الْجَزَاءِ.

پھر تھوڑا سا (ہاتھ بھر) اور پیچھے ہٹے اور عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ الْفَارُوْقَ الَّذِيْ اَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ الْاِسْلَامَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ الْجَزَاءِ ۝

علامہ نووی وغیرہ کہتے ہیں کہ پھر اپنی پہلی جگہ پر واپس حضور ﷺ کے چہرۂ پاک کے سامنے آ جائے اور اپنے

لئے حضور ﷺ کے وسیلہ کی دعا کرے اور بارگاہِ الٰہی میں انہیں اپنی سفارش کے طور پر پیش کرے۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں کھڑے ہو کر نئے سرے سے پھر توبہ کرے اور دعا کرے کہ یہ اس کے لئے خالص توبہ بن جائے نیز یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حق میں آپ کی شفاعت قبول فرمائے اور ولو انّھم اذ ظّلموا تارحیما کے بعد استغفار اور گریہ زاری کی کثرت کرے اور یوں کہے:

نَحْنُ وَفْدُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ زُوَّارُكَ جِئْنَاكَ لِقَضَاءِ حَقِّكَ وَ التَّبَرُّكِ بِزِيَارَتِكَ وَ الْاِسْتِشْفَاعِ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ تعالٰى فَاِنَّ الْخَطَايَا قَدْ اَثْقَلَتْ ظُهُوْرَنَا وَ اَنْتَ الشَّافِعُ الْمُشَفَّعُ الْمَوْعُوْدُ بِالشَّفَاعَةِ الْعُظْمٰى وَ الْمَحْمُوْدُ وَقَدْ جِئْنَاكَ ظَالِمِيْنَ لِاَنْفُسِنَا مُسْتَغْفِرِيْنَ لِذُنُوْبِنَا سَائِلِيْنَ مِنْكَ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ فَاَنْتَ نَبِيُّنَا وَ شَفِيْعُنَا فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ وَ اسْئَلْهُ اَنْ يُّمِيْتَنَا عَلٰى سُنَّتِكَ وَ مَحَبَّتِكَ وَ يَحْشُرَنَا فِيْ زُمْرَتِكَ وَ اَنْ يُّوْرِدَنَا حَوْضَكَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَادِمِيْنَ ۝

حضرت ابن ابی فدیک رحمہ اللہ کہتے ہیں' میں نے اپنے ایک ملنے والے سے سنا' وہ کہہ رہے تھے: ہمیں پتہ چلا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی قبر انور کے سامنے ٹھہرے اور پڑھے اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا تو اللہ حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ایک روایت کے مطابق وہ فرماتا ہے: اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجتا ہے۔یہ الفاظ ستر مرتبہ فرماتا ہے' اس پر فرشتہ اس شخص کو آواز دیتا ہے اے فلاں! اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرما رہا ہے' آج تمہاری کوئی ضرورت پورے ہونے سے نہ رہ جائے گی۔

میں کہتا ہوں' مناسب یہ ہے کہ یہ کام دعا اور آپ کا وسیلہ مانگنے سے پہلے کر لے۔کچھ حضرات کہتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ یوں کہے: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اگرچہ روایت میں الفاظ یہ آتے ہیں: یا محمّد کیونکہ ادب یہی ہے۔مقصد یہ ہے' آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو آپ کے نام مبارک سے آواز نہ دی جائے بلکہ یا رسول اللّٰہ یا نبیّ اللّٰہ وغیرہ کہہ کر آواز دی جائے۔ظاہر یہ ہے کہ یہ اس آواز میں ہے جب اس کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کا ذکر نہ ہو۔

علامہ مجد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت اصمعی نے کہا: ایک دیہاتی قبر انور کے بالمقابل کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

''اے اللہ! یہ تیرے محبوب ہیں' میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے' اگر تو مجھے بخش دے گا تو تیرے حبیب خوش ہوں گے' تیرا یہ بندہ کامیاب ہو جائے گا اور تیرے دشمن کو ناراضگی ہوگی لیکن اگر تو نے نہ بخشا تو تیرے حبیب کو خوشی نہ ہو گی' تیرا دشمن خوش ہو گا اور تیرا یہ بندہ برباد ہو جائے گا۔ تجھے یہ چچتا نہیں کہ تیرے محبوب پریشان ہوں' تیرا دشمن خوش ہو اور تیرا بندہ تباہ و برباد ہو' الٰہی! عرب کا دستور یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کی قبر پر غلام آزاد کرتے ہیں' یہ تو دونوں جہان کے سردار ہیں' ان کی قبر انور پر مجھے بھی آزاد کر دے۔اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے

عربی بھائی! تیرے اس پیارے سوال کی وجہ سے اللہ نے تمہیں بخش دیا اور آگ سے بچا لیا ہے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ دیر تک کھڑا ہونا ہو تو بیٹھ جائے اور بہت سارا درود وسلام پڑھے۔

حضرت ابو موسیٰ اصفہانی کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کو اختیار ہوتا ہے چاہے تو کھڑا رہے اور چاہے تو بیٹھ جائے بالکل یونہی جیسے زندگی میں آدمی اپنے بھائی کی زیارت کرتا ہے تو کبھی اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہے اور کبھی کھڑے کھڑے اور چلتے ہوئے اسے دیکھتا ہے۔ انتہی۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ مکمل طور پر درود پڑھے اور اس میں اختلاف مشہور ہے تاہم میں تو یہ پڑھا کرتا ہوں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ

جیسے منقول ہے یعنی وہ صلاۃ جس کے پڑھنے کے بارے میں سائل نے بتایا (اس کے ساتھ یہ ملا کر پڑھے):

عَدَدَ مَا خَلَقْتَ وَ عَدَدَ مَا اَنْتَ خَالِقٌ وَّزِنَةَ مَا خَلَقْتَ وَ زِنَةَ مَا اَنْتَ خَالِقٌ وَّمِلْأَ مَا خَلَقْتَ وَمِلْأَ مَا اَنْتَ خَالِقٌ وَّمِلْأَ سَمٰوٰتِكَ وَمِلْأَ اَرْضِكَ وَمِثْلَ ذٰلِكَ وَ اَضْعَافَ ذٰلِكَ وَ عَدَدَ خَلْقِكَ وَ زِنَةَ عَرْشِكَ وَ مُنْتَهٰى رَحْمَتِكَ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَ مَبْلَغَ رِضَاكَ وَ حَتّٰى تَرْضٰى وَ عَدَدَ مَا ذَكَرَكَ بِهٖ خَلْقُكَ فِیْ جَمِیْعِ مَا مَضٰى وَ عَدَدَ مَا هُمْ ذَاكِرُوْكَ فِیْمَا بَقِیَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ وَّ شَهْرٍ وَّ جُمُعَةٍ وَّ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ وَّ سَاعَةٍ مِّنَ السَّاعَاتِ وَ نَسَمٍ وَّ لَمْحَةٍ وَّطَرْفَةٍ مِّنَ الْاَبَدِ اِلَى الْاَبَدِ اَبَدَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لَا یَنْقَطِعُ اَوَّلُهٗ وَلَا یَنْفَدُ اٰخِرُهٗ ۝

اسے دو یا تین پر پڑھے اور پھر یونہی پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے سامنے جتنا ممکن ہو تلاوت قرآن کرے خیال رکھے کہ ان آیات کی تلاوت کرے جن میں صفات ایمان اور توحید کے معانی کا ذکر ہو۔ انتہی۔

علامہ نووی کہتے ہیں: پھر دعا اور وسیلہ کا سوال کر کے چہرۂ انور کے سامنے سے سر انور کے سامنے ہو جائے چنانچہ قبر انور اور وہاں موجود ستون کے درمیان کھڑا ہو اور قبلہ کو رُخ کر لے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اپنے اپنے والدین خویش و اقارب اپنے مشائخ بھائیوں اور باقی تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے۔ حنفی حضرات کی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔

علامہ عز بن جماعہ کہتے ہیں یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ آپ کے چہرۂ انور کی طرف لوٹ آئے اور زیارت کے بعد سر مقدس کی طرف آ جائے ایسا نہ تو صحابہ کرام سے ثابت ہے اور نہ ہی تابعین سے۔

میں کہتا ہوں، رہی یہاں دعا اور وسیلہ مانگنا تو اس کا ان کے پاس ثبوت ہے اور جو ان سے منقول نہیں، وہ یہ خاص ترتیب ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد شیخین کو سلام پیش کر کے، دعا بعد میں پڑھنا ہے۔ اور سلف صالحین کے دونوں موقعوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ پہلا طریقہ حجروں کو مسجد میں شامل کرنے سے پہلے اپنایا جاتا تھا جبکہ دوسرا اس کے بعد اپنایا جاتا ہے اور یہ اچھی بات ہے بلکہ پانچویں باب کی چھٹی فصل میں ابن شبہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے صاحبزادے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن سے فارغ ہوئے تو ان کے سرہانے فرمایا تھا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام سر کی طرف ہونا چاہئے۔

آداب ہی میں سے یہ بھی ہے کہ منبر کی طرف آئے اور وہاں کھڑا ہو کر اللہ سے دعا کرے اور جتنا ممکن ہو حمد الٰہی بجا لائے، حضور ﷺ پر درود پڑھے، اللہ تعالیٰ سے بہتری کی دعا مانگے اور پناہ کی درخواست کرے، جیسے ابن عساکر نے کہا ہے۔ علامہ اقشہری نے اس کے بعد یہ لکھا ہے: جیسے صحابہ کرام کرتے تھے۔ ان کا اشارہ اس طرف ہے جسے یزید بن عبداللہ بن قسیط نے لکھا ہے کہ میں نے کئی صحابہ کو دیکھا کہ مسجد خالی ہوتی تو وہ منبر کی انار جیسی اس جگہ کو پکڑتے جسے رسول اللہ ﷺ ہاتھ میں پکڑا کرتے تھے، پھر قبلہ رُخ ہو کر دعائیں کیا کرتے تھے۔

قاضی عیاض کی شفاء میں ابو قسیط اور عتبی رحمہما اللہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام مسجد خالی ہونے پر منبر کی انار جیسی شکل کو تھام لیتے اور قبلہ رو دعائیں کیا کرتے۔

علامہ نووی نے اپنی پہلی تحریر کے بعد لکھا ہے کہ: پھر ریاض الجنہ میں آئے، کثرت سے دعا کرے اور درود پڑھے پھر قبرِ انور کے پاس کھڑا ہو کر دعائیں کرے۔

میں بتاتا چلوں کہ اسطوانۂ مہاجرین کے پاس بھی کھڑا ہو اور وہاں درود پڑھنے کی سعادت حاصل کرے یونہی اسطوانۂ ابو لبابہ، اسطوانۂ حرس، اسطوانۂ وفود اور اسطوانۂ تہجد کے قریب بھی دعائیں کرے لیکن یہ کام حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں سلام عرض کر کے کرے، اس محراب کے پاس کھڑا ہو جہاں مقصورہ شریفہ کا اندر کا حصہ ہے کیونکہ ایک روایت کے مطابق آپ کو یہیں دفن کیا گیا ہے۔

آداب میں سے یہ بھی ہے کہ حجرہ کی دیوار کو ہاتھ لگانے، اسے چومنے، اس کا طواف کرنے اور اس کی طرف درود پڑھنے سے پرہیز کرے۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی قبرِ انور کا طواف جائز نہیں، نیز قبرِ انور کی دیوار کے ساتھ پیٹ اور پیٹھ لگانا مکروہ ہے چنانچہ حلیمی وغیرہ لکھتے ہیں: دیوار کو ہاتھ لگانا اور چومنا مکروہ ہے بلکہ ادب یہ ہے کہ اس سے ویسے ہی دور رہے جیسے آپ کی زندگی میں دور رہا کرتا تھا، یہی درست ہے اور یہی وہ بات ہے جو علماء کہتے ہیں اور جس پر ان کا اتفاق ہے اور جس کے دل میں یہ بات کھٹکتی ہو کہ ہاتھ وغیرہ لگانے میں زیادہ برکت حاصل ہوتی ہے تو یہ اس کی جہالت اور غفلت ہے کیونکہ برکت تو اسی کام میں ہوتی ہے جو شرع کے موافق ہو اور علماء کے اقوال پر پورا

اُترے۔انتہی۔

احیاء میں ہے کہ قبروں کو ہاتھ لگانا اور چومنا نصاریٰ اور یہودیوں کی عادت ہے۔علامہ اقشہری لکھتے ہیں علامہ زعفرانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قبرِ انور پر ہاتھ رکھنا' اسے چُھونا اور چومنا ان بدعتوں میں شمار ہوتا ہے جسے شریعت اچھا نہیں جانتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے اپنا ہاتھ قبرِ انور پر رکھا تھا' آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کے دورِ مبارک میں تو ہم نے ایسا ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا۔پھر امام مالک' شافعی اور احمد نے بھی اسے بہت برا جانا ہے۔

کچھ علماء کا کہنا ہے' اگر ہاتھ رکھنے سے اس کا مقصد میت سے مصافحہ کرنا ہے تو اُمید ہے کہ اس میں حرج کی کوئی بات نہیں لیکن بہرحال جمہور کے طریقے کو اپنانا زیادہ مناسب ہے۔انتہی۔

پھر تحفۂ ابنِ عساکر میں ہے: یہ سنت طریقہ نہیں کہ قبرِ انور کی دیوار کو ہاتھ لگائے اور اسے چومے بلکہ اس کا طواف بھی نہیں کرنا چاہئے' پھر ابونعیم کے طریقے پر ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبرِ انور کو کثرت سے ہاتھ لگانا پسند نہ کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر الاثرم کہتے ہیں' میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے قبرِ انور کے بارے میں پوچھا کہ اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں اسے اچھا نہیں سمجھتا' میں نے کہا: منبر کے بارے میں بتایئے' انہوں نے کہا کہ ہاں' اس کے بارے میں ثبوت ملتا ہے چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اسے ہاتھ لگایا تھا۔

شیخِ امام مالک حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب انہوں نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو منبر کے پاس آئے اور اسے ہاتھ لگا کر دعا کی۔میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اسے اچھا جانا۔میں نے حضرت ابوعبداللہ سے کہا کہ لوگ قبرِ انور کی دیوار کے ساتھ پیٹ چمٹا لیتے ہیں جبکہ علم والے اھلِ مدینہ کو میں نے دیکھا ہے کہ اسے چھوتے نہیں' اس کی ایک جانب کھڑے ہو جاتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں۔انہوں نے کہا: ہاں' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یونہی کیا کرتے تھے۔

علامہ عز بن جماعہ کے مطابق علامہ سروجی حنفی نے کہا ہے کہ آدمی اپنا پیٹ دیوار سے نہ لگائے اور نہ اسے ہاتھ لگائے۔قاضی عیاض شفاء شریف میں لکھتے ہیں' قبرِ انور پر کھڑا ہونے والے کے بارے میں احمد بن سعید ھندی کی کتاب میں لکھا ہے کہ اس سے نہ تو چمٹے' نہ اسے چھوئے اور نہ ہی زیادہ دیر تک اس کے قریب کھڑا ہو۔

ابنِ قدامہ حنبلی نے المغنی میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی دیوار کو ہاتھ لگانا اچھا نہیں اور نہ ہی اسے چوما جائے' احمد نے کہا ہے' میں اسے پسند نہیں کرتا' اثرم کہتے ہیں' میں نے اہلِ مدینہ کے عالموں کو دیکھا' وہ قبرِ انور کو

ہاتھ نہیں لگاتے تھے بلکہ اس کی ایک جانب کھڑے ہو جاتے اور سلام پیش کرتے' پھر ابو عبد اللہ نے کہا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ انتہی۔

حضرت عز ''کتاب العلل و السوالات'' میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو منبرِ رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ لگانا متبرک سمجھے اور اسے چومے اور یونہی ثواب کی نیت سے قبرِ انور سے معاملہ کرے (تو کیسا ہے؟) انہوں نے کہا: اس میں حرج نہیں۔ علامہ عز بن جماعہ کہتے ہیں کہ یہ روایت علامہ نووی کی اس روایت کو باطل کرتی ہے جس پر اجماع ثابت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی نے اجماع نقل نہیں کیا بلکہ ان کے زورِ کلام سے اجماع کا ثبوت ملتا ہے۔

مسئلہ زیارت میں علامہ سبکی نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قبرِ انور کو ہاتھ نہ لگانے پر اجماع کا ثبوت نہیں ملتا چنانچہ ابو الحسین کے مطابق مطلب بن عبد اللہ بن حنطب بتاتے ہیں کہ مروان بن حکم آیا تو اس نے ایک شخص کو قبرِ انور سے لپٹا دیکھا۔ مروان نے اسے گردن سے پکڑا اور کہا: جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟ اس نے مڑ کر مروان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: ہاں جانتا ہوں' میں نہ تو کسی پتھر کے پاس ہوں اور نہ ہی کسی اینٹ کے پاس آیا ہوں' میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں' جب اہل دین یا حاکم موجود ہو تو دین پر رونے کی ضرورت نہیں' اس وقت رونا چاہئے جب نااہل حکمران ہو۔

مطلب کہتے ہیں کہ وہ شخص حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیارتِ نبی کریم ﷺ کے لئے جب شام سے حاضر ہوئے تو قبرِ انور پر حاضری دی' رونے لگے اور اپنا چہرہ اس سے ملتے رہے۔

تحفۂ ابنِ عساکر کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب قبرِ انور میں دفن کیا جا چکا تھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی قبرِ انور پر حاضر ہوئیں' وہاں سے مٹی کی ایک مٹھی بھری' اپنی آنکھوں پر ملی اور روتے ہوئے کہا:

''حضرت احمد ﷺ کی قبرِ انور کو سونگھنے والے کو کیا ہوا کہ اس نے گرانقدر مٹی کو سونگھا نہیں۔

مجھ پر مصائب کے وہ پہاڑ ٹوٹے کہ اگر وہ دنوں پر وارد ہوں تو یہ راتیں بن جائیں۔''

خطیب بن حملہ کے مطابق حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنا داہنا ہاتھ قبرِ انور پر رکھا کرتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنا رخسار رکھا کرتے تھے۔

علامہ خطیب پھر کہتے ہیں' انتہائی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس چومنے وغیرہ کی اجازت ہونی چاہئے' مقصد تو احترام اور تعظیم ہوتا ہے' لوگ اس معاملے میں یونہی مختلف قسم کے خیال رکھتے ہیں جیسے آپ کی زندگی میں ہوتا رہا چنانچہ کئی لوگ آپ کو دیکھ کر آگے بڑھتے' انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہتا اور کچھ وہ تھے جو جھجک کر پیچھے ہٹ جاتے لیکن سب کا کام

اچھا تھا۔

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شرعی طور پر حجر اسود کو چومنے سے کچھ علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر عظمت والی چیز کو چومنا جائز ہے' وہ انسان کی ہو یا کوئی اور' رہا آدمی کا ہاتھ چومنا تو یہ آداب میں آ چکا ہے' باقی رہا ہاتھ کے علاوہ چومنا تو اس کے متعلق حضرت احمد سے پوچھا گیا کہ منبر اور قبرِ انور کو چومنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا' کوئی حرج نہیں' تاہم ایک نے آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کی۔

ابن ابی صیف شافعی یمانی رحمہ اللہ سے قرآن کریم' حدیث کے اوراق اور صالحین کی قبریں چومنے کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ طیب ناشری نے محب طبری سے روایت کیا ہے کہ وہ قبر کو چومنے اور ہاتھ لگانے کو جائز سمجھتے تھے' وہ بتاتے ہیں کہ علماءِ صالحین اسی پر عمل کرتے رہے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھا:

''اگر ہم سلمٰی کی کوئی نشانی دیکھ لیں تو اس کے لئے دس لاکھ سجدے کریں۔''

ایک اور شاعر نے کہا:

''میں دیارِ لیلیٰ سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس کو' میرے دل میں ان گھروں کی حد درجہ محبت کا خیال نہیں ہوتا' مجھے تو اس سے محبت ہے جو اس میں رہائش رکھا کئے تھا۔''

حضرت اسماعیل بن یعقوب تیمی بتاتے ہیں کہ ابن المنکدر اپنے مریدوں میں بیٹھے تھے (ان پر چپ طاری تھی) پھر یوں کھڑے ہوئے کہ جیسے وہ قبر انور سے رخسار لگاتے ہیں' پھر واپس ہو جاتے۔ کہنے لگے' میرے دل میں کھٹکا لگتا ہے اور جب یہ حالت ہوتی ہے تو قبرِ انور سے مجھے سکون مل جاتا ہے۔ پھر مسجد میں وہ ایک جگہ پر آتے جو صحن میں تھی' وہاں مٹی ملتے اور لیٹ جاتے۔ اس بارے میں پوچھا گیا تو بتایا کہ اس مقام پر میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے۔ لگتا ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہو گا۔ انتہی۔

ایک ادب یہ ہے کہ سلام عرض کرتے وقت قبر کے سامنے جھکنے سے گریز کرے۔ ابن جماعہ کے مطابق کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ ایک بدعت ہے کیونکہ بے علم اسے یوں دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید یہ تعظیم کی علامت ہے اور پھر اس سے بھی بری بات یہ ہے قبر کی مٹی کو چومے کیونکہ پہلے اکابر نے یہ کام نہیں کیا جبکہ بھلائی حضور ﷺ کی اتباع کرنے سے ملتی ہے اور جس کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ مٹی کو چومنا زیادہ برکت والا ہوتا ہے تو یہ اس کی جہالت اور غفلت ہے کیونکہ برکت تو اس چیز میں ہوتی ہے جو شریعت کے موافق ہو اور سلف صالحین کے قول و فعل کے مطابق ہو۔

وہ کہتے ہیں' مجھے اس شخص سے تعجب نہیں جسے اس کا پتہ ہی نہیں اور وہ یہ کام کئے جا رہا ہے' تعجب تو اس پر ہے جو اسے اچھا کہنے کا فتویٰ دیتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ کام اچھا نہیں اور سلف صالحین کے عمل کے خلاف

ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے ایک ایسا جاہل قاضی بھی دیکھا ہے جو لوگوں کے سامنے یہ کام کرتا ہے اور پھر اس سے بھی زیادہ یہ کہ قبر پر سجدے کی طرح پیشانی رکھ دیتا ہے اور لوگ اس کی اتباع شروع کر دیتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ایک ادب یہ ہے کہ جب بھی قبرِ انور کی طرف سے گذرے، ٹھہرے اور سلام عرض کیا کرے، خواہ وہ مسجد کے اندر سے آئے یا باہر سے، اسے چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ قبرِ انور کی طرف آئے اور زیارت کیا کرے۔

علامہ القشیری رحمہ اللہ کے مطابق ابو حازم کہتے ہیں کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور بتایا: اس نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ سے فرما رہے ہیں: تم میری قبر کے قریب سے گذرتے وقت ایک طرف کو ہو کر گذر جاتے ہو، کھڑے ہو کر مجھ پر سلام کیوں نہیں پڑھتے؟ چنانچہ جب سے ابو حازم نے یہ خواب سنی پھر یہ کام کرنا ترک نہیں کیا۔

ابن رشد کی کتاب الجامع میں ہے کہ حضرت مالک سے قبرِ انور کے قریب سے گذرنے والے شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا جب بھی وہاں سے گذرے، سلام عرض کیا کرے؟ انہوں نے کہا، ہاں میں اسے جائز سمجھتا ہوں اس پر لازم ہے کہ جب بھی گذرے، سلام عرض کرے کیونکہ لوگ اکثر یوں کرتے ہیں اور اگر وہاں سے نہیں گذرتا تو میں اس پر لازم قرار نہیں دیتا پھر یہ حدیث پڑھی: ''الٰہی میری قبر کو بت کا درجہ نہ دینا۔'' الحدیث۔

وہ کہتے ہیں کہ لوگ اکثر ایسا کرتے ہیں اور اگر وہاں سے نہیں گزرتا تو اس سلسلے میں اسے اختیار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسافر کے بارے میں ان سے پوچھا گیا جو روزانہ قبرِ انور کی طرف آتا ہے تو انہوں نے کہا، کوئی حرج نہیں۔

ابن رشد کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے، وہ جب بھی وہاں سے گذرے اس پر لازم ہے کہ سلام عرض کرے ہاں اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ ہر روز سلام عرض کرنے آئے ہاں جاتے وقت الوداعی سلام ضرور عرض کرے، یہ بات مکروہ ہے کہ اکثر وہاں سے گذرا کرے اور سلام عرض کرتا رہے تاکہ وہ اپنے فعل کے ذریعے قبرانور کو مسجد نہ بنالے جس میں ہر روز وہ نماز پڑھنے آتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے اس قول کے ذریعے اسے منع فرمایا ہے کہ: الٰہی میری قبر کو بت کی صورت نہ بنا دینا۔ الحدیث۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء شریف میں لکھا ہے: حضرت مالک نے کتاب محمد میں لکھا ہے کہ قبرِ انور کے پاس آتے جاتے وقت سلام عرض کیا کرے یعنی مدینہ میں ہوتے ہوئے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے المبسوط میں لکھا ہے: اہلِ مدینہ میں سے قبرِ انور پر آتے جاتے وقت کسی کے لئے وہاں ٹھہرنا لازم نہیں، یہ صرف مسافروں کے لئے ہے۔

امام مالک نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی سفر سے واپس آئے یا سفر پر روانہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ قبر انور کے پاس ٹھہرے، درود پاک پڑھے، آپ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے دعائیں کرے۔ اس پر ان سے کہا گیا، اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو نہ تو سفر سے آ رہے ہوتے ہیں، نہ ہی جا رہے ہوتے ہیں، پھر بھی وہ روزانہ ایک یا زیادہ مرتبہ یوں کیا کرتے ہیں پھر وہ جمعہ یا دوسرے دنوں میں ایک، دو یا زیادہ مرتبہ قبرِ انور کے پاس ٹھہرتے ہیں اور سلام عرض کرتے اور کچھ دیر تک دعائیں کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے شہر میں تو یہ بات نہیں ہے ہاں نہ کیا جائے تو اچھا ہے، اُمت کے آخری لوگوں کے لئے وہی کام اچھا ہے جو پہلے لوگ کرتے آئے ہیں اور میرے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ پہلے لوگوں نے یوں کیا ہو۔ آپ سفر سے آنے یا جانے والوں کے علاوہ کسی اور کے لئے اسے ناپسند کرتے تھے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مذہب مالک کا حاصل یہ ہے کہ زیارت ایک عبادت ہے لیکن کثرت سے وہاں جانے کی عادت بنا لینے میں خرابی ہے جبکہ دوسرے تین مذاہب اسے مستحب جانتے ہیں۔

علامہ نووی نے زیارت کے موقع پر ذکر کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کثرت سے زیارت کرنا مستحب ہے پھر بتاتے ہیں کہ بھلائی اور فضیلت والے حضرات کی قبروں کے پاس ٹھہرنا زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے۔

پھر چوتھے باب کی بیسویں فصل میں حجرہ مبارکہ کی دیوار گرنے کے بیان میں حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ روایت گذر چکی ہے، وہ بتاتے ہیں کہ میں رات کے آخری حصے میں روزانہ مسجد میں آیا کرتا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتا اور سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جائے نماز پر آ جاتا۔ وہاں نماز صبح پڑھنے تک بیٹھا رہتا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبدالعزیز بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص کو دیکھا جسے محمد بن کیسان کہتے تھے، وہ جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر آتا (ہم حضرت ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن کے پاس بیٹھے ہوتے) وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتا اور شام تک دعائیں کرتا رہتا۔ حضرت ربیعہ کے پاس بیٹھنے والے کہتے: اسے دیکھو، کیا کر رہا ہے؟ آپ کہتے کہ جانے دو، ہر آدمی کی اپنی اپنی نیت ہوتی ہے۔

ابن عجلان سے کسی امیر نے کہا: تم لمبے کپڑے پہنتے ہو، لمبا خطبہ پڑھتے ہو اور قبر انور پر بہت کثرت سے آتے ہو، اگر اس میں جلد بازی نہ کرو تو نہ آ سکو۔

ایک اَدب یہ ہے کہ جب تک آدمی قبر انور کے پاس ہو، نبی کریم ﷺ پر کثرت سے صلوٰۃ و سلام پیش کرتا رہے اور ہر قسم کے ذکروں میں اسے اولیت دے۔

ایک ادب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، یہاں روزے رکھنا غنیمت جانے اگرچہ تھوڑے دن ٹھہرنا ہو۔

ایک ادب یہ بھی ہے کہ مسجد نبوی میں پانچویں وقت نماز باجماعت کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نفل

پڑھے اور کوشش یہ کرے کہ حضور ﷺ کے دور والی مسجد میں ٹھہرے البتہ پہلی صف اگر اس مسجد سے خارج ہو تو یہی بہتر ہوتی ہے۔ اسے چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو مسجد سے باہر نہ نکلے ہاں کوئی ضرورت ہو یا کوئی مصلحت ہو تو الگ بات ہے' بہرحال مسجد میں رہنا غنیمت جانے اور جب بھی مسجد میں داخل ہو' نئے سرے سے اعتکاف کی نیت کرے' کسی نے کہا ہے:

''اگر تمہیں قربِ قبرِ انور حاصل ہو ہی گیا ہے تو اس سے خوب فائدہ اُٹھاؤ اور جہاں تک ہو سکے ثواب اکٹھا کرو۔''

ابنِ عساکر لکھتے ہیں کہ مسجد میں رات گذارنے کی حرص کرے اگرچہ ایک رات ہی گذارے' رات بھر ذکر کرتا رہے' دعائیں کرے' تلاوتِ قرآن کرے' بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑائے اور جو انعامات اللہ نے فرمائے ہیں ان پر حمد و شکر کرتا رہے' مسجد میں قرآن ختم کرنے کی بھی کوشش کرے کیونکہ اس بارے میں روایت ملتی ہے۔

حضرت ابو مخلد لکھتے ہیں کہ اکابر حضرات تینوں مسجدوں کی طرف جاتے تو ان سے نکلنے سے قبل ان میں ختمِ قرآن کرتے یعنی مسجدِ حرام' مسجد رسولِ اکرم ﷺ اور مسجدِ بیت المقدس۔

ایک ادب یہ ہے کہ کسی بھی حالت میں نماز کے علاوہ قبرِ مقدس کی طرف پیٹھ نہ کرے نیز اپنے قول و فعل میں شریعت کے آداب پر قائم رہے چنانچہ شیخ عز الدین بن سلام کہتے ہیں کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو حجرۂ مبارکہ کی طرف پیٹھ نہ پھیرو اور نہ ہی اسے سامنے رکھو کیونکہ حضور ﷺ کا ادب آپ کے وصال کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں لازم تھا' جو تم آپ کی زندگی میں کرنا مناسب جانتے ہو' وہی کچھ آپ کے وصال کے بعد بھی کرتے رہو چنانچہ احترام کرو' سر جھکائے رکھو' جھگڑا نہ کرو' آپ کے یہاں بیکار باتیں نہ کرو لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو واپس آ جانا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی ادب میں داخل ہے کہ جاہلوں والے اس کام سے پرہیز کرو جو وہ صیحانی کھجوریں کھا کر گٹھلیاں مسجد ہی میں پھینک کر کرتے ہیں۔

ایک ادب یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حجرۂ مبارکہ کو دیکھتا رہے کیونکہ خانۂ کعبہ پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ایک عبادت ہے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ مدینہ میں ٹھہرنے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب تک مسجد میں ہو' مسلسل حجرۂ مبارکہ کی طرف دیکھتا رہے اور جب مسجد سے باہر ہو تو ڈرتے کانپتے گنبد خضریٰ کو دیکھتا رہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ کے مطابق یہ بھی ادب ہے کہ روزانہ بقیع کی طرف جانا مستحب شمار کرے اور یہ کام حضور ﷺ پر سلام پیش کرنے کے بعد کرے اور جب بقیع پہنچے تو یوں کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ اَنْتُمُ السَّابِقُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ وَاغْفِرْلَنَا وَلَھُمْ○

یہ اس کا خلاصہ ہے جو اس سلسلے میں بیان ہوا ہے' قاضی حسین نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الْاَجْسَادِ الْبَالِيَةِ وَ الْعِظَامِ النَّخِرَةِ الَّتِيْ خَرَجَتْ مِنَ الدُّنْيَا وَ هِيَ بِكَ مُؤْمِنَةٌ اَدْخِلْ عَلَيْهَا رَوْحًا مِّنْكَ وَ سَلَامًا مِّنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَرِّدْ مَضَاجِعَهُمْ عَلَيْهِمْ وَ اغْفِرْ لَهُمْ۝

اس کے بعد بقیع شریف میں دکھائی دینے والی قبروں کی زیارت کرے جیسے حضور ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عثمان' حضرت عباس' حضرت حسن بن علی' حضرت علی بن حسین' حضرت محمد بن علی اور حضرت جعفر بن محمد وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبریں ہیں (لیکن آج کل سعودی حکومت نے کسی مزار کا نشان باقی نہ چھوڑا' انا للہ وانا الیہ راجعون) اور پھر زیارت کرتے ہوئے آخر میں حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر انور کی زیارت کرے۔

علامہ فضل الدین بن قاضی نصیر الدین غوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب بقیع شریف کی طرف جانے کا ارادہ کرے تو شہر کے دروازے سے نکل کر حضرت عباس بن مطلب اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک قبروں کی طرف آئے۔

پھر انہوں نے باقی قبروں کی طرف آنے کا ذکر کیا اور کہا کہ: بقیع کی زیارات ختم کرتے وقت آخر میں حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار انور پر آئے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ساتھ ہی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی زیارت سے ابتداء کرے اور شاید یہ اس لئے کہا ہے کہ شہر سے نکلنے والے کے سامنے سب سے پہلے یہی قبریں آتی ہیں کیونکہ یہ اس کی دائیں طرف آتی ہیں تو ان کو سلام کہے بغیر آگے گذر جانا ظلم بنتا ہے اور جب وہ اس راستے پر چلے تو جہاں جہاں سے گذرے' سلام عرض کرتا جائے اور جب وہ واپس آئے گا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار پر پہنچے اور زیارت یہاں ختم کرے۔

علامہ برھان بن فرحون کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آنے والا مزار مبارک حضرت سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے' اسے عظمت حاصل ہے کیونکہ وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد لوگوں میں سے افضل تھے۔ وہ کہتے ہیں' کچھ حضرات نے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار سے ابتداء کرنے کا کہا ہے۔ انتہی۔

زیارت کہاں سے شروع کرے؟

اس بارے میں تین آراء ملتی ہیں اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مزار مبارک حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی غربی جانب ہے البتہ وہ مدینہ کی حفاظتی دیوار میں آ چکا ہے جبکہ

بقیع کے تمام مزارات حفاظتی دیوار سے باہر ہیں چنانچہ زیارت کرنے والا جب واپس آئے تو آخر میں اس کی زیارت کرے، پھر حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نفسِ زکیہ کی زیارت کرے کیونکہ یہ دونوں بقیع میں نہیں ہیں۔

یہ بھی آداب میں داخل ہے کہ شہداءِ احد کی قبروں پر جانا مستحب جانے۔ علامہ نووی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کے لئے جمعرات کا دن افضل ہوتا ہے۔

میں بتاتا چلوں کہ یہ خصوصیتِ جمعرات مجھے کہیں نہیں ملی، پھر میں نے امام غزالی کی الاحیاء کے اندر زیارتِ قبور کے بیان میں دیکھا تو انہوں نے لکھا کہ حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ جمعہ کے دن زیارت کو جاتے، اس پر ان سے کہا گیا کہ آپ اسے اتوار تک پیچھے لے جائیں تو بہتر ہے، انہوں نے کہا: مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ فوت شدہ لوگ جمعہ، ایک دن پہلے اور ایک دن بعد زائرین کو پہچانتے ہیں۔ انتہٰی۔ اور جب جمعہ کے دن جلدی کی ضرورت ہوتی ہے شہداء کی قبریں دور ہوتی ہیں اور ہفتہ کو قباء کی طرف جانا ہوتا ہے لہٰذا اس لئے جمعرات کا دن خاص ہو گیا اور حضور ﷺ کے چچا جان سے شروع کرے، مسجد نبوی میں نمازِ صبح کے بعد ادھر نکل جائے تا کہ واپس آ کر وہاں نمازِ ظہر باجماعت پڑھ سکے۔

حضرت کمال بن ہمام حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خود احد پہاڑ کی بھی زیارت کرے کیونکہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ: اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

یہ بھی آداب میں سے ایک بہت ضروری ادب ہے کہ مسجدِ قباء کو جائے، بہتر یہ ہے کہ ہفتہ کو جائے، قربِ الٰہی کے لئے اس کی زیارت کرے اور اس میں نفل پڑھے اور جاتے وقت وضو کر کے جائے، وضو اتنا دیر سے نہ کرے کہ وہاں پہنچ ہی جائے۔

پھر یہ بھی ایک ادب ہے کہ باقی مسجدوں اور حضور ﷺ سے تعلق رکھنے والے مدینہ میں آثار کی زیارت کو جائے جن کی معین جگہ کا پتہ ہو یا ان کی جانب کا علم ہو اور یونہی ان کنوؤں کی زیارت کے لئے جائے جن سے آپ نے پانی پیا تھا، وضو فرمایا تھا یا پھر غسل کیا تھا، بطور تبرک ان کا استعمال کرے۔ شافعی حضرات کی ایک جماعت نے یہ سب کچھ مستحب لکھا ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان مقامات پر نفل پڑھتے، وہاں ٹھہرتے اور وہاں سے گذرتے جہاں حضور ﷺ داخل ہوئے تھے یا کوئی اور کام کیا تھا۔

حضرت مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی میں جو کچھ اس کے خلاف نقل کیا ہے تو ان کے پاس حضرت معرور بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے کہ وہ ایک حج کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ گئے اور جب حج سے واپس آئے تو لوگوں کو ایک مسجد کی طرف جاتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا، یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا، یہ وہ مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے اہلِ کتاب نے انبیاء علیہم السلام کے آثار کو متبرک جان لیا تھا لہٰذا اگر نماز کا وقت آ جائے تو یہاں نماز پڑھ لیا کرو ورنہ آگے چلتے جاؤ۔

علامہ قاضی عیاض نے شفاء شریف میں لکھا ہے: حضور ﷺ کی تعظیم اور بڑی سعادت اسی میں ہے کہ آپ کی

تمام اشیاء کو عظیم سمجھے' ہر جگہ کا احترام کرے اور ان چیزوں کا بھی احترام کرے جنہیں حضور ﷺ نے ہاتھ لگایا تھا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کی زیارت کرے اور وہاں جائے۔

علامہ خلیل مالکی رحمہ اللہ نے اپنی ''منسک'' میں زیارت بقیع اور مسجد قباء وغیرہ کی زیارت کو مستحب لکھا ہے' پھر لکھتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب اکثر وہ مدینہ پاک میں مقیم رہے ورنہ آپ کے پاس ہی زیادہ سے زیادہ وقت گذارنا زیادہ بہتر ہے چنانچہ ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں جب مسجد مدینہ میں داخل ہوا تو اتنی دیر ٹھہرا جتنا نماز میں بیٹھتے ہیں اور وہاں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ سوار چل پڑا' میں بقیع وغیرہ کی طرف نہیں گیا اور نہ ہی حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کی زیارت کی' میرے دل میں کھٹکا ہوا کہ بقیع کی طرف جاؤں چنانچہ پھر میں نے سوچا کہ کہاں جاؤں؟ یہ اللہ کا دروازہ ہے جو مانگنے اور گڑگڑانے والوں کے لئے کھلا ہے' اسے چھوڑ کر کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب تک مدینہ میں ہو' ذہن میں مدینہ کی عظمت کو سمائے رکھے کیونکہ یہ وہ مقدس شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص نبی ﷺ کے لئے ان کی زندگی اور وصال کے بعد پسند فرما رکھا ہے' ذہن میں یہ بات رکھے کہ حضور ﷺ اس میں چلتے پھرتے رہا کرتے تھے' آپ کو اس سے محبت تھی' یہیں حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آتے رہے چنانچہ مدینہ سے محبت رکھے' اس کے مقامات' وادیوں اور پہاڑوں سے محبت رکھے اور خصوصاً ان سے محبت رکھے جن سے خود آپ نے محبت کا اظہار فرمایا۔

انہی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب تک پیدل چل سکتا ہو' سواری نہ کرے بلکہ پیدل چلنے کو اوّلیت دے جیسے امام مالک نے بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ یہاں سواری نہیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے مجھے ڈر رہتا ہے کہ سواری کا پاؤں کہیں اس جگہ نہ پڑ جائے جہاں حضور ﷺ چلے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک رحمہ اللہ کے گھر کے دروازے پر خراسان اور مصر کے خوبصورت گھوڑے دیکھے' میں نے ان سے کہا: یہ کتنے خوبصورت ہیں' انہوں نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! یہ میں آپ کو بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا آپ ان میں سے ایک چوپایہ رکھ لیں کہ اس پر سواری کر سکیں۔ انہوں نے کہا' میں اللہ سے اس بارے میں حیاء کرتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کی تربت پاک کو چوپائے کے پاؤں سے لتاڑوں۔

انہی میں سے یہ بھی ہے کہ اہلِ مدینہ' اس میں رہنے والے مجاوروں' نوکروں چاکروں سے محبت رکھے اور ان کی تعظیم کرے خصوصاً علماء' صلحاء' اشراف' فقراء اور حجرۂ مبارکہ کی خدمت کرنے والوں سے پیار کرے۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یونہی یہاں کے عام و خاص' بڑوں اور چھوٹوں' زراعت پیشہ لوگوں' دیہاتیوں اور شہریوں سے محبت رکھے' یہ محبت ہر ایک کے حال' رتبہ' رشتہ داری اور قبرِ رسول اللہ ﷺ سے قرب کی بناء پر ہونی چاہئے اور یہ اس لئے کہ انہیں حضور ﷺ کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل ہے' ان میں برائی خواہ کتنی ہی کیوں نہ پائی جائے' ہمسائیگی کا لفظ ان سے الگ نہیں کیا جا سکتا' اس

ہمسائے کے لئے حضورﷺ کے یہ الفاظ عام ہیں، "جبرائیل مجھے ہمسائے کے بارے میں زور دیتے رہے۔" آپ نے کسی خاص قسم کے پڑوسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا چنانچہ اگر کوئی شخص کسی اہلِ مدینہ کے بدعتی اور اتباع نہ کرنے کو دلیل بنا کر پیش کرے تو اس کی عزت افزائی میں فرق نہیں کیا جائے کیونکہ پڑوسی کہلانے سے اسے روکا نہیں جا سکتا اگرچہ وہ ظالم ہو اور نہ ہی یہاں کی رہائش کا شرف ان سے زائل ہو سکتا ہے' اس کے بارے میں یہ گمان رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو گا اور ظاہری ہمسائیگی کی وجہ سے اسے برکت حاصل ہو گی چنانچہ اس شعر پر غور کر لیجئے:

"طیبہ کے اردگرد رہنے والو! تم میں سے ہر ایک حبیب کی وجہ سے حبیب و محبوب ہے۔"

انہی آداب میں یہ داخل ہے کہ ان پر ممکن حد تک صدقہ کرے' کیونکہ یہ مستحب ہے جیسے نووی اور ابن عساکر نے ذکر کیا ہے' پھر پہلے گذر چکا ہے کہ مدینہ میں صدقہ کا ثواب دوگنا ملتا ہے' اس سلسلہ میں آپ کے رشتہ داروں کو کچھ زیادہ دے کیونکہ حدیث زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اپنے رشتہ داروں کے بارے میں تاکید کر رہا ہوں۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمدﷺ کے اہلِ بیت کا دھیان رکھا کرو اور وہ اس لئے کہ وہ آپ کی آل ہیں۔"

یہ بھی ایک ادب ہے کہ مدینہ کا پڑوسی بن کر رہے اور ہمت کے مطابق ادب و آداب پیشِ نظر رکھے۔

یہ بھی ادب ہے کہ ہمیشہ خوش دل رہے کیونکہ اسے نبی کریمﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا موقع ملا ہوتا ہے اور پھر اس نعمت کے شکرانے پر حسبِ توفیق کثرت سے دعائیں کرتا رہے اور اس میں آداب کا خیال رکھے اور پھر اس بارے میں اللہ کی طرف دھیان رکھے کہ وہ اس حاضری میں ہونے والی کوتاہیوں سے درگزر فرما دے اور یہ ذہن میں رکھے کہ سلف صالحین کے مقابلے میں اس کے آداب و اعمال کم درجہ رکھتے ہیں نیز ان اکابر کے حالات' صفات اور آداب میں غور و فکر کرتا رہے۔

یہ بھی ضروری ادب ہے کہ جب تک اس پاکیزہ مقام پر ٹھہرا ہوا ہے اپنے آپ پر خوف' ڈانٹ اور اللہ رسول کی عظمت طاری رکھے' عاجزی اختیار کرے اور یہاں اپنی آواز کو پست رکھے' اس کے پیشِ نظر یہ آیت ہونی چاہئے:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

صحیح مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ تا وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: بخدا میں حضورﷺ کے ہاں آواز بلند کرتا ہوں اور لگتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا ہے چنانچہ وہ سخت غمگین ہوئے اور ان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے انہیں آتے نہ دیکھا تو ان کے بارے میں پوچھا:

عرض کی گئی' یا رسول اللہ! وہ کہتے ہیں' مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوزخی نہ بن جاؤں۔حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم انہیں اپنے درمیان ایک جنتی شخص کے طور پر دیکھتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تو میں نے قسم کھالی کہ میں جب بھی رسول اللہ ﷺ سے بات کروں گا' راز دار بھائی کی طرح کروں گا۔

یہ ادب بھی ضروری ہے کہ جب تک مدینہ پاک میں موجود ہے ممکن حد تک مختلف قسم کے بھلائی کے کام انجام دیتا رہے' مریضوں کی عیادت کرے' جنازوں کے ہمراہ چلے' ضعیفوں کی امداد کر لے' غمزدہ لوگوں کے غم دور کرے' مدینہ میں رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں سے اچھا برتاؤ کرے' زیارت کرنے والوں کی عزت کرے اور مدینے کے فقراء سے تعاون کرے خواہ انہیں ایک لقمہ کھلائے' ایک کھجور کھلائے اور ممکن ہو تو پانی کا ایک گھونٹ ہی پلائے۔ایسے بھلائی کے کاموں کا دھیان رکھے۔

انہی آداب میں سے ہے کہ مدینہ کے فقراء و مساکین کو اس بات میں تنگی نہ دے کہ صدقات وغیرہ وصول کرتا پھرے' ہاں شدید ضرورت پڑے تو ضرورت کے مطابق وصول کرے اور نہ ہی کوئی دنیوی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے یعنی وہاں امامت' اذان' تدریس' ختم قرآن کر کے فائدہ نہ اُٹھائے' نہ ہی حرم میں ایسا کوئی اور فائدہ اُٹھائے' ہاں خلوصِ نیت سے ایسے کام کر سکتا ہے یا اس صورت میں کر سکتا ہے کہ بہت عاجز ہو جائے چنانچہ ایسی صورت میں صدقات وغیرہ ضرورت کے مطابق وصول کر سکتا ہے۔

یہ ادب بھی پیشِ نظر رکھے کہ جب واپسی کا ارادہ ہو اور اپنے وطن وغیرہ کو آنا چاہے تو علامہ نووی کے مطابق مستحب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں دو رکعت نفل پڑھے' یہ نفل مصلاّے نبی کے مقام پر پڑھے یا اس کے قریب کسی ایسی جگہ پڑھے جو ریاض الجنہ میں شامل ہو پھر حمد الٰہی بجا لائے' حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھے اور پسند کے مطابق یوں دعائیں کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰى وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى' اَللّٰهُمَّ كُنْ لَّنَا صَاحِبًا فِيْ سَفَرِنَا وَ خَلِيْفَةً عَلٰى اَهْلِنَا' اَللّٰهُمَّ ذَلِّلْ لَّنَا صُعُوْبَةَ سَفَرِنَا وَ اطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ۝ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَابَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْاَهْلِ وَ الْمَالِ۝ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا بِنُصْحٍ وَ اقْبِلْنَا بِذِمَّةٍ اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا مَا اَهَمَّنَا وَمَا لَا نَهْتَمُّ لَهٗ وَ ارْجِعْنَا سَالِمِيْنَ مَعَ الْقَبُوْلِ وَ الْمَغْفِرَةِ وَ الرِّضْوَانِ وَ لَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ بِهٰذَا الْمَحَلِّ الشَّرِيْفِ۝

اس کے بعد وہی دعا اور سلام دوبارہ ادا کرے جو زیارت کے بیان میں آ چکا ہے اور پھر یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا اٰخِرَ الْعَهْدِ بِحَرَمِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَضْرَتِهِ الشَّرِيْفَةِ وَ يَسِّرْ لِيْ لِلْعَوْدِ اِلَى الْحَرَمَيْنِ سَبِيْلًا سَهْلَةً وَ ارْزُقْنِيَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۝

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب واپسی کا ارادہ کرے تو مستحب یہ ہے کہ قبر انور کے پاس آئے اور سلام و دعاء کرنے کے بعد یوں عرض کرے:

وَدَّعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَّ سَامِحِيْنَ بِفُرْقَتِكَ نَسْاَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ لَّا يَقْطَعَ اٰثَارَنَا مِنْ زِيَارَةِ حَرَمِكَ وَ اَنْ يُّعِيْدَنَا سَالِمِيْنَ غَانِمِيْنَ اِلٰى اَوْطَانِنَا وَ اَنْ يُّبَارِكَ لَنَا فِيْمَا وَهَبَ لَنَا وَ اَنْ يَّرْزُقَنَا الشُّكْرَ عَلٰى ذٰلِكَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ زِيَارَةِ قَبْرِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۝

میں کہتا ہوں کہ یہ اس سلسلے میں بالکل واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ سے الوداع ہونے کو مسجد میں دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے رکھے جبکہ ابو سلیمان داؤد شاذلی مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب النیات و الانتصار میں وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ سے الوداع ہونے سے پہلے مسجد میں نفل پڑھے' اس سلسلے میں اصل یہ ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کہیں ٹھہرا کرتے تو وہاں سے الوداع ہوتے وقت دو نفل پڑھا کرتے تھے۔

انہی آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بعد وہ سیدھے رُخ واپس ہو اور پچھلے پاؤں نہ جائے واپس جاتے وقت پُر غم ہو کہ حضور ﷺ کے ہاں سے جدا ہو رہا ہے' وہ اپنی یہاں کی کوتاہیوں پر افسوس کرے' یہاں محبت کرنے والوں کے آنسو نہیں رُکتے' عشق کے زور سے چھلکتے چلے جاتے ہیں۔

یہ بھی ادب ہے کہ جاتے وقت اپنے ساتھ مدینے سے کوئی تحفہ لے کر جائے تاکہ اس کے گھر والے اور جان پہچان والے لے کر خوش ہوں لیکن اس سلسلے میں تکلف سے کام نہ لے خصوصاً مدینہ کے پھل اور کنوؤں کا پانی لے کر جائے لیکن حرم مدینہ کی مٹی لے کر نہ جائے' یونہی مٹی اور پتھر کے لوٹے اور کوزے لے کر نہ جائے کیونکہ یہ ناجائز ہے۔

یہ ادب بھی ہے کہ مدینہ سے نکلتے وقت کچھ نہ کچھ صدقہ کرے اور نیت میں تقویٰ و پرہیز گاری رکھے اور اسی بناء پر یہ تیاری رکھے کہ قیامت کے دن اللہ اور اس کے رسول سے ملاقات ہو گی اور پھر واپس آ کر گناہ کرنے سے مکمل طور پر پرہیز رکھے کیونکہ دوبارہ گناہ کرنا مرض سے بدتر ہوتا ہے نیز یہاں رہ کر اللہ سے کئے گئے عہد پورا کرنے کی کوشش کرے' خیانت سے کام نہ لے کیونکہ جو عہد توڑ دیتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہوتا ہے اور جو اللہ سے کیا عہد پورا کرتا ہے تو جلد اللہ اسے عظیم اجر عطا فرمائے گا۔

پھر یہ بھی ادب ہے کہ دائمی طور پر مزارِ انور دیکھنے کا شوق رکھے' ان عظیم آثار کو دیکھنے کی خواہش رکھے' اس کا دل ان دیار کی طرف آنے کے لئے دھڑکتا رہے اور اس بارے جو آثار اور اخبار رہتے ہیں ان میں شوق سے غور وفکر کرتا رہے اور نفیس اشعار پڑھتا رہے۔

الٰہی! ہمیں اپنی رضا کی خیرات عطا فرما' ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھ' ہم پر احسان فرما اور اپنے حبیب مصطفےٰ ﷺ کا پڑوس عطا فرما' اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' ہم آپ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں' ہمارے دلوں کو راہِ راست پر رکھ' انہیں بگڑ جانے سے محفوظ فرما' ہمیں فتنوں اور آزمائشوں سے بچائے رکھ' اس دنیا کی حیاتی میں آنے والی کدورتوں سے نجات عطا فرما' ہمیں توفیق عطا فرما کہ اپنے قول و فعل میں تیرے احکام پر عمل کرتے رہیں' ہماری توبہ قبول فرما کیونکہ تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور مہربان ہے' ہمیں اپنے جود و کرم سے نواز دے کیونکہ تو ہی جود و کرم فرمانے والا ہے اور یہ کرم ہمارے والدین' ہمارے مشائخ' ہمارے احباب اور تمام مسلمانوں پر فرما' خصوصاً ان پر بھی کرم فرما جو اس کتاب میں مشغول ہوں' ان طالب علموں کو بھی یہ انعامات عطا فرما جو اس کتاب کو دیکھا کریں' اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما اور جنتِ نعیم تک پہنچنے کا ذریعہ بنا اور اسے حسد کرنے والوں سے بچائے رکھ۔

میں مدینہ منورہ میں اس کتاب کی تالیف سے چوبیس جمادی الآخرہ ۸۸۶ھ کو فارغ ہوا اور پھر اس میں وہ حصہ شامل کیا جو نئی عمارت کی شکل میں یہاں بنا ہے' پھر جب رمضان المبارک کو میں مکہ پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ مدینہ منورہ میں آتشزدگی کی وجہ بہت سے مسلمانوں کا نقصان ہو گیا ہے تو اسے میں نے اس کے مقام پر درج کر دیا' عنقریب میں اس تعمیر کا بھی ذکر کروں گا جس کی توقع کی جا رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر حرمِ مکہ میں خانہ کعبہ کے سامنے اس پر نظر ثانی کر کے شوال کے آخر ۸۸۷ھ میں فارغ ہوا اور مدینہ واپس آ کر نئی عمارتوں کو ان کے مقامات پر شامل کر دیا' یہ ۸۸۸ھ کی بات ہے۔

و الحمد للّٰہ وحدہ وصلّی اللّٰہ وسلّم علی من لّا نبیّ بعدہ و علی اٰلہ الطّیّبین الطّاھرین وصحابتہ الاکرمین' رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین٥

الحمد للہ کہ وفاء الوفاء شریف کی چوتھی جلد کے ترجمے سے آج مؤرخہ یکم شوال ۱۴۲۷ھ شب عید بروز ہفتہ رات ۱۱:۴۵ بجے فارغ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے اور میری اخروی نجات کا سبب بنا دے۔

اس ترجمہ کی تکمیل پر میرے فدایانہ دعائیہ الفاظ ان کریم ترین اساتذہ کرام کے لئے جن کی تعلیم اور روحانی سرپرستی سے میں مشکلات کے باوجود ترجمہ جیسی کٹھن وادی سے گذرا' ان اہم ترین مقبولانِ خدا اور رسول تو سفر آخرت فرما چکے مغفور اللہ مضاجعہم البتہ مشفق ترین ایک استاذ گرامی شیخ الحدیث علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی اطال اللہ برکاتہ بکرمِ خداوندی باحسن وجوہ خدماتِ دینیہ نبھا رہے' ترتیب تعلیم سے باقی اساتذہ کرام یہ ہیں:

۱۔ فقیہ اعظم حضرت مفتی ابوالخیر الحاج محمد نور اللہ نعیمی، بصیر پور (صاحب فتاویٰ نوریہ و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

۲۔ حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد حسین نعیمی، مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور۔

۳۔ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت سیّد ابوالبرکات سیّد احمد الوری، شیخ الحدیث حزب الاحناف لاہور۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پاک شخصیات کے طفیل زیادہ سے زیادہ ترجموں کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اب تک مکمل ترجموں کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ احوال القبور (ابن رجب حنبلی) مطبوعہ کرمانوالہ بک شاپ، لاہور۔

۲۔ شرح الصدور (امام سیوطی) مطبوعہ کرمانوالہ بک شاپ، لاہور۔

۳۔ حصن حصین شریف مطبوعہ نوری بک ڈپو لاہور۔

۴۔ الخلفاء الراشدون (محمد رشید رضا) مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

۵۔ الادب المفرد (امام بخاری) مطبوعہ ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور۔

۶۔ رسالہ قشیریہ (امام ابوالقاسم قشیری) مطبوعہ ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور۔

۷۔ اللمع (امام ابونصر سراج) مطبوعہ ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور۔

۸۔ معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (امام ابن کثیر) مطبوعہ ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور۔

۹۔ (یہ کتاب) وفا الوفاء شریف (امام سمہودی) مطبوعہ ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور۔

۱۰۔ سوانح حیات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (برائے علامہ سیّد عرفان مشہدی، لاہور)